اکابر خانوادۂ عثمانیہ قادریہ بدایوں شریف
بالخصوص سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
کے مفصل حالات طیبات



اکمل التاریخ

تصنیف
مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی

ترتیب جدید
اسید الحق قادری بدایونی

اکابر خانوادۂ عثمانیہ قادریہ بدایوں شریف
بالخصوص سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
کے مفصل حالات طیبات

اکمل التاریخ

اول/ دوم

تصنیف

مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء **القادری** بدایونی

ترتیب جدید

اسید الحق قادری بدایونی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

سلسلۂ مطبوعات 92

کتاب : اکمل التاریخ (حصہ اول/دوم)

مؤلف : مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی

ترتیب جدید: اسید الحق قادری بدایونی

طبع اول : جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ/ مارچ ۱۹۱۶ء

طبع جدید : رمضان ۱۴۳۴ھ/ جولائی ۲۰۱۳ء

Publisher

TAJUL FUHOOL ACADEMY

(A Unit of Qadri Majeedi Trust)

Madrsa Alia Qadria, Maulvi Mohalla, Budaun-243601 (U.P.) India

Mob.: +91-9897503199, +91-9358563720

E-Mail: qadrimajeeditrust@gmail.com, Website: www.qadri.in

Distributor

Maktaba Jaam-e-Noor

422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6

Phone : 011-23281418

Mob. : 0091-9313783691

Distributor

New Khwaja Book Depot.

Matia Mahal,

Jama Masjid, Delhi-6

Mob. : 0091-9313086318

انتساب

سوانح فضل رسول

شمس مارہرہ ابو الفضل شمس الدین آل احمد **حضور اچھے میاں** مارہروی قدس سرہٗ

کے نام

منسوب کی جاتی ہے

کیوں کہ

فضل رسول

کی ولادت، علم و فضل، وسیع تر دینی و علمی خدمات اور روحانی مراتب و کمالات

سب کچھ شمس **مارہرہ** کی دعاؤں کا نتیجہ

اور آپ کی نظر کیمیا اثر کا فیض تھا

عرض ناشر

تاج الفحول اکیڈمی خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کا ایک ذیلی ادارہ ہے، جو تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کی سرپرستی اور صاحبزادۂ گرامی مولانا اسیدالحق قادری بدایونی کی نگرانی اور قیادت میں عزم محکم اور عمل پیہم کے ساتھ تحقیق، تصنیف، ترجمہ اور نشر و اشاعت کے میدان میں سرگرم عمل ہے۔

اکیڈمی کے مختلف اشاعتی منصوبوں میں ایک منصوبہ یہ بھی تھا کہ اکابر خانوادۂ عثمانیہ قادریہ بدایوں شریف کی حیات و خدمات اور ان کی سیرت و سوانح پر لکھی گئی قدیم و جدید کتابوں کو منظر عام پر لایا جائے۔ بفضلہٖ تعالیٰ اکیڈمی نے اپنے اس منصوبے کو کسی حد تک عملی جامہ پہنایا ہے، اب تک اس موضوع پر مندرجہ ذیل کتابیں شائع کی جا چکی ہیں:

(۱) طوالع الانوار (تذکرہ فضل رسول): مولانا انوارالحق عثمانی بدایونی	مطبوعہ ۲۰۰۸ء
(۲) تذکار محبوب: مولانا عبدالرحیم قادری بدایونی	مطبوعہ ۲۰۰۷ء
(۳) احوال و مقامات: مولانا ہادی القادری بدایونی	مطبوعہ ۲۰۰۹ء
(۴) تاج الفحول حیات و خدمات: مفتی عبدالحکیم نوری مصباحی	مطبوعہ ۱۹۹۸ء
(۵) مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی: پروفیسر ایوب قادری	مطبوعہ ۲۰۰۷ء
(۶) تذکرۂ خانوادہ قادریہ: مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی	مطبوعہ ۲۰۱۲ء
(۷) سیف اللہ المسلول کا علمی مقام: مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی	مطبوعہ ۲۰۱۲ء
(۸) اکابر بدایوں: مولانا احمد حسین قادری گنوری	مطبوعہ ۲۰۱۳ء

اسی منصوبے کے تحت اب اس سلسلے کی ایک اہم، مفصل اور نایاب کتاب 'اکمل التاریخ' آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ یہ کتاب حضرت عاشق الرسول شیخ المشائخ مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی قدس سرہٗ کے عرس مبارک ۳ر شوال ۱۴۳۴ھ/ ۱۱ر اگست ۲۰۱۳ء کے موقع پر منظر عام پر آ رہی ہے جو زائرین عرس کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے۔

محمد عبدالقیوم قادری
جنرل سیکریٹری تاج الفحول اکیڈمی
خادم خانقاہ قادریہ بدایوں

فہرست مشمولات حصہ اول

صفحہ	عنوان

حواشی حصہ اول

139........162

☆☆☆

فہرست مشمولات حصہ دوم

سوانح سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی

عنوان **صفحہ**

ولادت اور تعلیم

164........175

تذکرۂ اساتذۂ کرام

176........180

تذکرۂ تلامذہ

181........196

مشاغل طبیہ

علائق دنیوی

ذوقِ عرفاں

سفر حجاز و عراق

مشائخانہ زندگی

تصرفات و خوارقِ عادات

تذکرۂ خلفائے مجاز

تذکرۂ مریدان خاص

ذکر وصال

تصانیف

ذکر نظم وشاعری

287........293

مکتوبات

294........312

اولاد

313........352

تواریخ وصال

353........364

حواشی حصہ دوم

365........375

ضمیمہ اکمل التاریخ

مرتبہ اسید الحق قادری

377........444

☆☆☆

ابتدائیہ

تاج الفحول اکیڈمی نے 'تحریک اسلاف شناسی' کے تحت قدیم و نایاب کتب کی اشاعت جدید کا جو سلسلہ شروع کیا ہے زیر نظر کتاب 'اکمل التاریخ' کی اشاعت جدید اس سلسلے کی ایک نہایت مضبوط اور اہم کڑی ہے۔ ایک صدی پرانی یہ کتاب خانوادۂ عثمانیہ بالخصوص فخر خاندان سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی کی سیرت و سوانح، علمی کارناموں اور مذہبی و روحانی خدمات کا خوبصورت مرقع ہے۔

آج ایک صدی بعد اس کی اشاعت جدید ایک فرض کی ادائیگی بھی ہے اور اپنے اکابر و اسلاف سے فکری و نظریاتی رشتوں کے استحکام کا اشاریہ بھی۔ اس اشاعت جدید کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اپنی مذہبی، علمی، ملی اور جماعتی تاریخ کا ایک باب محفوظ کیا جا رہا ہے بلکہ یہ اپنے ماضی سے حال کا رشتہ مضبوط کرنے کے عزم اور ماضی کے تابندہ نقوش کی بنیادوں پر تابناک مستقبل کو استوار کرنے کے عہد کی تجدید بھی ہے۔

خانوادۂ عثمانیہ کی آٹھ سو سالہ تاریخ اپنے دامن میں علم و دانش کا ایک پورا دبستان رکھتی ہے، جو تاریخ کے ہر دور میں سرسبز و شاداب نظر آتا ہے۔ خانوادے کی اس طویل تاریخ میں حضرت سیف اللہ المسلول کی ذات جامعیت کے اعتبار سے ایک امتیاز رکھتی ہے۔ بیک وقت معقول و منقول میں مہارت، علوم ظاہر و باطن کی جامعیت، فن طب میں ید طولیٰ، تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور تربیت و تزکیہ ہر مسند پر آپ کی ہشت پہلو شخصیت ایک امتیازی اور نمایاں شان میں نظر آتی ہے۔ آپ کی شخصیت کی جامعیت اور علمی خدمات کی وسعت ہی کا نتیجہ ہے کہ ابتدا ہی سے اہل علم و بصیرت نے آپ کی ذات اور خدمات کو اپنا موضوع تحقیق بنایا، آپ کی شان میں قصائد نظم کیے، آپ کی کتابوں پر حاشیے لکھے اور آپ کی تحقیقات کو بطور حوالہ پیش کیا۔

آپ کی اسی کاجامعیت کے پیش نظر تاج الفحول اکیڈمی نے آپ کی تصانیف کی جدید اشاعت اور آپ کی حیات و خدمات کو علمی انداز میں منظر عام پر لانے کے لیے ایک جامع منصوبہ ترتیب دیا تھا جس کے تحت اب تک آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف حسب ضرورت ترجمہ وتسہیل اور تخریج وترتیب جدید کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہیں:

(۱) احقاق حق، (۲) فوز المؤمنین، (۳) فصل الخطاب، (۴) حرز معظم، (۵) اکمال فی بحث شد الرحال، (۶) اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ، (۷) تبکیت النجدی، (۸) مولود منظوم مع انتخاب نعت ومناقب، (۹) شوارق صمدیہ ترجمہ بوارق محمدیہ۔

ان کے علاوہ آپ کی اولین سوانح حیات 'طوالع الانوار' (مصنفہ مولانا انوارالحق عثمانی) اور آپ کے بارے میں معاصر ومتاخر اہل علم کے تأثرات بنام 'سیف اللہ المسلول کا علمی مقام' (مرتبہ عبدالعلیم قادری مجیدی) اکیڈمی شائع کرچکی ہے۔

آپ کی ۴؍اہم تصانیف المعتقد المنتقد (عربی) تصحیح المسائل (فارسی) البوارق المحمدیہ (فارسی) اور سیف الجبار (اردو) اکیڈمی کے اشاعتی منصوبے میں شامل ہیں۔ان شاء اللہ یہ بھی جلد ہی ضروری تحقیق وتخریج اور جدید آب وتاب کے ساتھ منظر عام پر آئیں گی۔

زیر نظر کتاب 'اکمل التاریخ' آپ کی مفصل سوانح ہے، جس میں آپ کے سلسلہ اجداد و اخلاف، اساتذہ و تلامذہ، خلفا و مریدین، تصانیف و مکاتیب، کرامات و معالجات اور مشاغل و معمولات تقریباً تمام اہم گوشوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی۔

اکمل التاریخ حضرت مولانا عبدالماجد بدایونی کی ایما پر تالیف کی گئی تھی۔اس کی تالیف کا آغاز جمادی الاخریٰ ۱۳۳۱ھ/مئی ۱۹۱۳ء میں ہوا اور ۱۳۳۳ھ/ ۱۵-۱۹۱۴ء میں مکمل ہوئی۔ چنانچہ آغاز تالیف کے اعتبار سے اس کا تاریخی نام 'سوانح فضل رسول' (۱۳۳۱ھ) ہے، دوسرا نام 'فیض العارفین' (۱۳۳۲ھ) رکھا گیا اور تکمیل کا تاریخی نام 'اکمل التاریخ' (۱۳۳۳ھ) قرار پایا۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ/ مارچ ۱۹۱۶ء میں منظر عام پر آئی۔ کتاب کی طباعت واشاعت کے تمام تر اخراجات حضرت سیف اللہ المسلول کے جاں نثار مرید و معتقد نواب خواجہ سید حفیظ اللہ قادری معینی (حیدرآباد) نے برداشت کیے تھے جو ان کی اپنے پیر و مرشد سے گہری عقیدت ومحبت کی دلیل ہے۔

مصنف کتاب مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی (۱۳۰۰ھ/۱۳۹۰ھ-۱۸۸۳ء/۱۹۷۰ء) حضرت تاج الفحول کے مرید، سرکار مقتدر کے طالب اور منظور نظر، مولانا علی احمد خاں اسیرؔ (تلمیذ تاج الفحول) اور علامہ محبّ احمد قادری بدایونی (تلمیذ تاج الفحول) کے شاگرد و تربیت یافتہ، مولانا عبدالماجد بدایونی کے بے تکلف دوست اور مشہور نعت گو شاعر ہیں۔

مولانا ضیاء القادری نے کتاب دو حصوں میں ترتیب دی ہے۔ پہلے حصے میں حضرت ذو النورین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ کے صاحبزادے، پوتے اور خاندان عثمانیہ بدایوں کے مورث اعلیٰ قاضی دانیال قطری سے لے کر صاحبِ تذکرہ کے والد ماجد حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قادری قدس سرہٗ تک سلسلہ اجداد کے حالات ہیں اور دوسرا حصہ حضرت سیف اللہ المسلول اور آپ کے اخلاف و احفاد کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے۔

بنیادی طور پر یہ خانوادۂ عثمانیہ قادریہ کا تذکرہ ہے مگر ساتھ ہی ضمناً بہت سے اکابر اولیا، صوفیہ، علما اور شعرا کا ذکر بھی کتاب میں جا بجا ملتا ہے، جس نے کتاب کی اہمیت میں اضافہ کیا ہے۔ مصنف کے معاصر یا قریب العہد کچھ ایسے افراد کا ذکر بھی شامل کتاب ہے جن کا تذکرہ اِس کتاب کے علاوہ یا تو بہت کم ملتا ہے یا بالکل نہیں ملتا۔ اکمل التاریخ کے بارے میں معروف محقق مالک رام لکھتے ہیں:

> میری نظر میں ان کی سب سے اہم تالیف 'اکمل التاریخ' ہے، اس کے دو حصے ہیں پہلے میں بدایوں کے عثمانی خاندان کے علما اور بزرگوں کے حالات ہیں، اس طرح بہت سا مواد جو منتشر حالت میں تھا یکجا ہوگیا اور ضائع ہونے سے بچ گیا۔ دوسرے حصے میں حضرت مولانا فضل رسول کی مفصل سوانح عمری ہے جو کتاب لکھنے کی علت غائی ہے۔☆

اکمل التاریخ کے بعض مندرجات پر نقد و نظر کے باوجود علمی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہوئی اور اہل علم و تحقیق نے اس کو حوالے کی کتاب کے طور پر استعمال کیا ہے۔ مسعود علی نقوی لکھتے ہیں:

> متن کے علاوہ حواشی کی ترتیب میں مولانا نے جو محنت کی ہے اس سے بدایوں کے نامور علما و فضلا خصوصاً سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھنے والے حضرات پر خاطر

☆ تذکرۂ معاصرین: مالک رام، بحوالہ ماہنامہ مجلّہ بدایوں: ص ۶۵، جلد ۵، شمارہ ۷، بابت اگست ۱۹۹۵ء، کراچی

خواہ روشنی پڑتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہندو پاکستان کے محققوں اور مصنفوں نے اس سے استفادہ کرتے ہوئے حوالے کی کتاب کے طور پر استعمال کیا ہے۔☆

آج ایک صدی بعد ترتیب و اضافے اور جدید آب و تاب کے ساتھ اس نایاب اور اہم تاریخی کتاب کی اشاعت ثانی مرتب و ناشر کے لیے باعث مسرت بھی اور موجب شکر بھی۔

کچھ ترتیب جدید کے بارے میں:

☆ اشاعت اول میں کتاب دو الگ الگ جلدوں میں تھی، اب ہم دونوں جلدوں کو ایک جلد میں شائع کر رہے ہیں۔

☆ اشاعت اول کے آخر میں جو صحت نامہ تھا اس کے مطابق متن کی تصحیح کر لی گئی ہے۔

☆ بعض جگہ کسی وضاحتی لفظ یا جملے کا اضافہ کیا گیا ہے مگر اس اضافے کو ایک مخصوص بریکٹ [......] میں رکھا گیا ہے۔ جہاں مذکورہ بریکٹ ہے اس کا مطلب ہے کہ بین القوسین عبارت مصنف کی نہیں بلکہ مرتب کی ہے۔

☆ کتاب کا اسلوب ایک صدی پرانا ہے، اُس زمانے میں عام طور پر ایک جملے کے درمیان دوسرا جملہ معترضہ لے آتے تھے، پھر جملہ معترضہ ختم کرنے کے بعد پہلے جملے کے بقیہ الفاظ ذکر کرتے تھے۔ اُس زمانے کا قاری اِس قسم کے اسلوب کا عادی تھا، لیکن آج کے ایک عام قاری کے لیے اِس قسم کی عبارت کچھ گنجلک ہوتی ہے اور اُس کو عبارت سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ آج اِس قسم کے جملوں کو بریکٹ میں لکھا جاتا ہے، اس لیے ایسے جملۂ معترضہ کو ہم نے ایک بریکٹ میں کر دیا ہے۔ لہٰذا جہاں کہیں یہ (......) بریکٹ ہے اس کا مطلب ہے کہ بین القوسین عبارت مصنف ہی کی ہے، ہم نے صرف بریکٹ کا اضافہ کیا ہے۔

☆ عنوانات اور ذیلی سرخیاں مصنف کی قائم کردہ ہیں۔ جہاں ہم نے ضرورتاً کسی ذیلی عنوان کا اضافہ کیا ہے وہاں اس کو بریکٹ [......] کے اندر ہی رکھا ہے تاکہ امتیاز رہے۔

☆ جو عربی و فارسی عبارتیں مصنف نے بغیر ترجمے کے نقل کی تھیں ان کا اردو ترجمہ ایک

☆ کتاب کہانی: مسعود علی نقوی، مطبوعہ ماہنامہ 'مجلّہ بدایوں' ص ۱۰، جلد ۷/ شمارہ ۱، بابت فروری ۱۹۹۷ء، کراچی

بریکٹ[......] میں درج کردیا گیا ہے۔

☆ مصنف نے مختلف فیہ مسائل کے سلسلے میں بہادر شاہ ظفر کا استفتا اور حضرت سیف اللہ المسلول کا فتویٰ بعینہٖ نقل کیا تھا۔ فتویٰ فارسی میں ہے۔ راقم نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جو 'اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ' کے عنوان سے تاج الفحول اکیڈمی شائع کر چکی ہے، اس کے علاوہ یہ فتویٰ 'مجموعہ رسائل فضل رسول' میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس لیے میں نے اس طویل فتوے کو کتاب سے حذف کر دیا ہے۔ اہل ذوق حضرات الگ سے اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

☆ مصنف نے حضرت سیف اللہ المسلول کے ۹ فارسی مکتوب درج کتاب کیے تھے۔ ہم نے ان مکتوبات کا اردو ترجمہ کر دیا ہے، جو شامل کتاب ہے۔ مکتوبات کا فارسی متن ہم نے شامل نہیں کیا ہے۔ اکابر خانوادۂ قادریہ کے اہم مکاتیب کا ایک مجموعہ زیر ترتیب ہے، ان شاء اللہ اصل فارسی متن اس میں شامل کر لیا جائے گا تاکہ محفوظ ہو جائے۔

☆ حصہ دوم میں سیف اللہ المسلول کا ایک مختصر فارسی رسالہ 'شغل مراقبہ حقیقت محمدیہ' بھی شامل تھا۔ ہم نے اس کو یہاں سے حذف کر دیا ہے۔ الگ کتابی شکل میں اس کا فارسی متن ترجمہ و شرح اور ضروری حواشی کے ساتھ ان شاء اللہ جلد ہی شائع کیا جائے گا۔

☆ مصنف نے جگہ جگہ حاشیے میں اولیا و علما کا تذکرہ درج کیا تھا، ان میں بعض حواشی مختصر تھے اور زیادہ تر طویل تھے۔ ہم نے مختصر حواشی کو اپنی جگہ رہنے دیا اور طویل حواشی کو ہر حصے کے آخر میں یکجا کر دیا ہے۔ کتاب میں جس جگہ یہ حواشی تھے وہاں نمبر ڈال کر حاشیے میں صفحہ نمبر کی نشاندھی کر دی گئی ہے۔

☆ مصنف نے جگہ جگہ قطعات تواریخ درج کیے ہیں، ان میں بعض مصاریع موجودہ حالت میں بحر سے خارج معلوم ہو رہے ہیں، یہ غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ ایسے مقامات پر ہم نے اپنی طرف سے مصرعوں کی چول بٹھانے کی بجائے ان کو ویسے ہی درج کر دیا ہے۔

☆ مصنف نے مفتی درویش محمد کے صاحبزادوں مفتی محمد امجد، مولانا عبدالغنی اور قاضی امین الدین عثمانی کا شجرۂ اولاد بالترتیب صفحہ ۳۰، ۳۱، ۳۲، پر اور مولانا محمد نظیف عثمانی کی اولاد کا شجرہ صفحہ ۵۲ پر نقل کیا تھا۔ ہم نے ان شجروں کو ان صفحات سے حذف کر کے کتاب کے آخر میں 'نسب

نامہ خاندان عثمانی' میں شامل کردیا ہے۔

☆ کتاب میں جہاں بھی سنہ ہجری تھا اس کے ساتھ بریکٹ میں سنہ عیسوی بھی درج کردیا گیا ہے۔اس کے لیے ویب سائٹ www.islamicfinder.org سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ کتاب کے آخر میں ایک ضمیمے کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں مندرجہ ذیل مضامین ہیں:

(۱) سیف اللہ المسلول کی بعض تصانیف کا تفصیلی تعارف۔

(۲) حضرت مولانا عبدالماجد بدایونی، حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی، حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر بدایونی اور آپ کے اخلاف کا تذکرہ۔

(۳) مصنف اکمل التاریخ مولانا ضیاء القادری بدایونی کا تعارف۔

(۴) اکمل التاریخ پر بعض حضرات کے نقد و نظر کا جائزہ۔

(۵) سیف اللہ المسلول کی اسناد حدیث، شجرۂ طریقت اور سلسلہ تلمذ

(۶) 'نسب نامہ خاندان عثمانی': یہ نسب نامہ برادرم فرید اقبال قادری (کراچی) نے ترتیب دیا تھا جو انہوں نے عم محترم مولانا محمد عبدالہادی القادری کے مجموعہ نعت و مناقب 'نغمہ قدسی اساس' (مرتبہ فرید اقبال قادری، مطبوعہ ۱۴۲۱ھ کراچی) کے آخر میں شائع کیا تھا۔اس کو بعض اصلاحات و اضافات کے ساتھ کتاب کے آخر میں شامل کیا جارہا ہے۔

(۷) اجازت و خلافت نامہ حضرت عاشق الرسول۔

☆ جناب تسلیم اللہ غوری بدایونی نے میری فرمائش پر اکمل التاریخ کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، موصوف نے مصنف کے جن تسامحات کی طرف توجہ دلائی ہے متعلقہ مقامات پر حاشیہ میں غوری صاحب کے حوالے سے ان کی جانب اشارہ کردیا گیا ہے۔کتاب کی ترتیب جدید کے سلسلے میں متعدد مرتبہ ان سے تبادلہ خیال ہوا انہوں نے بعض اہم کتب کے ذریعے علمی تعاون بھی کیا اس پر مَیں تہہ دل سے ان کا ممنون ہوں۔

غوری صاحب نے اِس جانب بھی توجہ مبذول کروائی کہ مصنف نے حضرت سیف اللہ المسلول کی تاریخ ولادت درج نہیں کی ہے صرف سنہ اور مہینہ لکھا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ شروع ہی سے حضرت کی تاریخ ولادت محفوظ نہیں رہی ورنہ حضرت تاج الفحول 'تحفہ فیض' میں اور مولانا انوار

الحق عثمانی 'طوالع الانوار' میں اس کا ضرور ذکر کرتے، ان دونوں حضرات نے بھی صرف سنہ اور ماہ ولادت ہی ذکر فرمایا ہے۔

کتاب کی تصحیح وترتیب حتی الامکان توجہ سے کی گئی ہے، لیکن پھر بھی بہ تقاضائے بشریت ہر قسم کی غلطی کا امکان ہے۔ اہل علم سے گزارش ہے کہ اگر کسی فروگذاشت پر مطلع ہوں تو مرتب کو آگاہ کر کے ممنون فرمائیں۔

مولانا حنیف قادری مجیدی (ساکن آنولہ ضلع بریلی) اور عزیزی عبدالعلیم قادری مجیدی (متعلم مدرسہ قادریہ) نے پروف ریڈنگ کی ذمہ داری قبول کی اور اس کو بحسن وخوبی نبھایا ہے۔ رب قدیر ومقتدر ان دونوں کو دارین کی برکات عطا فرمائے۔

برادر طریقت حاجی محبوب قادری (تعلقہ جنر ضلع پونہ) نے کتاب کی اشاعت کے لیے مخلصانہ تعاون کیا ہے، رب قدیر ومقتدر ان کی یہ خدمت قبول فرمائے اور ان کو سلامتی، رحمت اور برکات سے نوازے۔

یہ کتاب جن اہل اللہ اور اصحاب علم وفضل کے تذکرے پر مشتمل ہے اِس بے بضاعت مرتب کو اُن کے علم وعمل اور فضل وکمال سے کوئی نسبت نہیں، ان سے محض نسبی رشتہ ہے جس کی حیثیت 'بدنام کنندہ نکونامے چند' سے زیادہ نہیں۔ رب قدیر ومقتدر سے دعا ہے کہ اس حقیر سی خدمت کے صلے میں علم نافع وعمل صالح کی دولت سے نواز دے اور سلامتی ایمان کے ساتھ اِنہیں پاکبازوں کے زمرے میں حشر فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ ووارث حالہ اجمعین۔

۲۳؍شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ	اسید الحق قادری
۳؍جولائی ۲۰۱۳ء	خانقاہ قادریہ بدایوں

☆☆☆

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

اکمل التاریخ

۱۳۳۳ھ

حصہ اوّل

یعنی

سوانح فضل رسول

۱۳۳۱ھ

خاصان خدا کی مبارک زندگی کا روشن آئینہ

حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی مفصل ومختصر سوانح عمری

حضور کے اولا دو اعقاب کا جداگانہ تذکرہ

مدینۃ الاولیا بدایوں شریف کے اولیائے کرام وشرفائے ذوالاحترام کے حالات

مشاہیر علماومشائخ اسلام کے واقعات حیات کا جامع ومکمل مجموعہ

مرتبہ

مولوی محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی

بصرف ہمت

عالی جناب معلی القاب نواب خواجہ سید غلام محمد حفیظ اللہ خان صاحب بہادر قادری معینی

جاگیردار بلدہ فرخندہ بنیاد حیدر آباد

باجازت

حضرت مولانا حکیم محمد عبد الماجد صاحب قادری

باہتمام

مولوی عبد الصمد صاحب سرورمقتدری

در مطبع قادری بدایوں مولوی محلّہ

رونق طبع یافت

ھو المقتدر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

دربارِ احدیت میں خالق قدوس کے سامنے مستغرق حمد و ثنا رہنے والے نورانی وجود، سرکار نبوت میں محبوب سراپا ناز کے عشق و محبت میں فنا ہونے والی ہستیاں ہمیشہ خدائی نعمتوں، مصطفائی رحمتوں کا مظہر رہی ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے اِس وقت تک مخلوقِ الٰہی میں یہی برگزیدۂ عالم امتیازی شان اور خصوصی شرف کے ساتھ ممتاز رہے ہیں اور رہوتے رہیں گے۔ یہی سبب ہے کہ باوجود صدیاں گزرنے، صدہا انقلاب رونما ہونے کے اُسی عزت و عظمت کے ساتھ آج بھی اُن مخصوص اور منتخب حضرات کی یاد کی جاتی ہے۔ یہ شرفِ شہرت، یہ امتیازِ عظمت نہ ان کا بالذات خاصہ ہے، نہ کوئی ذاتی جوہر بلکہ یہ اُس عظمت آفریں صورت گر، جوہر و اعراض کی گردش چشم کرم کا ایک کرشمہ ہے جس نے ایک مضغۂ گوشت کو اپنے آغوشِ رحمت میں پال کر یہ قابلیت اور یہ استعداد پیدا کر دی کہ علم الٰہی اور دولتِ عرفان نامتناہی حاصل کر سکے۔ گویا مقصود تخلیق آدم اور منشائے تکوینِ عالم صرف علم و عرفانِ الٰہی ہے۔ بس یہی ایک مسلمہ اصول ہے جس پر شہرت و عظمت کا دار و مدار ہے۔

تجسس بیں آنکھیں، تحقیق کن نگاہیں جب شہرت کے وسیع میدانوں کا طواف کرتی ہوئی نام آور منتخبِ روزگار افراد کے دامنِ اختصاص تک پہنچتی ہیں تو اُن کو کمالِ علم یا کمالِ عرفان کی انتہائی منزل میں جلوہ افروز پاتی ہیں۔

خدائی فرمان ''ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم '' کے مطابق جس طرح خدا کے نزدیک وہی

زیادہ مکرم ہے جو زیادہ باا تقا ہے، اِسی طرح خدا کی خدائی میں بھی وہی زیادہ معزز و مفتخر ہے جو علم و تقویٰ سے زیادہ آراستہ ہے۔ زمانہ اور زمانیات عشوہ گری علم اور حجلہ برانداز ئ تقویٰ کے ہمیشہ سے ناز بردار اور غاشیہ بردوش رہے ہیں، جس طرح علما و اتقیا نے اپنی حیات میں ایک عالم کو اپنا گرویدہ بنائے رکھا اور ایک جہان سے قدر و منزلت کی سُریلی آوازوں میں اپنے کمالات کی نغمہ سرائیاں کرائیں اُسی طرح بعد ممات بھی زمانے نے اُن کی عزت اپنی عزت، اُن کا وقار اپنا وقار سمجھا۔ وقتاً بعد وقتٍ اور قرناً بعد قرنٍ اہل زمانہ نے اُن کی مقدس زندگی کے حالات سن سن کر سبق حاصل کیے۔ اُن کے وقائع زندگی کو قلم بند کر کر کے اپنے اخلاف و اعقاب کو سبق حاصل کرنے کا موقع دیا۔ خصوصاً اِس زمانے میں جس انوکھے انداز اور جس دلچسپ جدت طرازی کے ساتھ وقائع نگاری اور سوانح نویسی نے ترقی حاصل کی ہے وہ ظاہر ہے۔

متقدمین، اکابر، متاخرین، باکمال مشاہیر کی سوانح عمریاں لکھ لکھ کر اہل قلم نے اپنے زورِ قلم کے جوہر دکھائے اور اسلام کے اُن چمکتے دمکتے نورانی نفوس کو اُن کے مقدس چہروں سے نقاب اُٹھا اُٹھا کر نظارہ طلب نگاہوں سے روشناس کرایا۔ اس کے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ بعض مؤرخین نے اپنے تخیل اور اپنے جذبات کے مطابق بعض باخدا اکابر کے اعتقادیات پر بے باکانہ دستبرد سے کام لیا۔ بعض نے زمانۂ حال کے معمولی اشخاص کو گزشتہ اقران کے عظیم المناقب حضرات کا ہم پایہ ٹھہرایا، بعض نے اپنے خیال و گمان کی بنا پر واقعات اور معاملات کا پہلو بدل کر کچھ کا کچھ ظاہر فرمایا۔ ہماری تنقیدی نگاہیں نہ 'سیرۃ النعمان' اور 'الفاروق' اور 'سوانح مولانا روم' مولوی شبلی اور الکلام وغیرہ سوانح عمریوں کی نقادی کے لیے اس وقت تیار ہیں نہ ہم اُن کے مصنفین پر اس وقت جرح و قدح کرنا مناسب سمجھتے ہیں، بلکہ صرف ایک دل میں کھٹکنے والی بات تھی جو زبان قلم سے بے ساختہ نکل گئی۔

تیرھویں صدی ہجری میں ہندوستان کے اندر بہت سے بزرگ علم و عرفان کے انمول جواہر اپنے دامنوں میں بھرے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس طبقے میں بعض بعض خصوصیات کے لحاظ سے بعض حضرات کو خاص امتیازی شان حاصل ہے، جس کے سراہنے کے لیے ہم بھی تیار ہیں، لیکن ہم نے جس مجمع البحرین کے حالات کو ناظرین کے پیش نظر کرنے کے لیے قلم اُٹھایا ہے ہماری نگاہِ انصاف میں بمصداق ع

مجموعی کمال اور جامعیت کے ساتھ اس درجہ متصف ہے کہ اُن کے معاصرین میں ہم کو کوئی اِس شان کا نظر نہیں آتا۔

اعلیٰ حضرت سیف اللہ المسلول مولانا شاہ معین الحق فضل الرسول قادری عثمانی بدایونی قدس سرہٗ کی ذاتِ مجمع کمالات پر جس پہلو سے نگاہ ڈالتے ہیں ایک امتیازی جلوہ، ایک خصوصی سج دھج، ایک نمایاں شان نظر آتی ہے۔ خاندانی وجاہت دیکھیے قطع نظر اسلافِ اہل عرب کے ہندوستان کی اقامت کے بعد سات صدیوں سے آج تک کوئی دور، کوئی عہد، کوئی زمانہ ایسا نہ ملے گا جس میں علم وفضل کی برکت، اعزاز و وقار کی دولت سے آپ کا خاندان تہی دامن رہا ہو۔ علمی فیضان سے ایک جہاں آپ کے خاندان کا مِنّت کش احسان نظر آئے گا۔ جوہر ذاتی پر غور کیجیے ظاہری علوم میں علم کا کوئی شعبہ ایسا نہ نکلے گا جس میں آپ کو معراج کمال حاصل نہ ہو۔ منقول میں آپ کی وسعت نظر کا اندازہ آپ کی تصانیف فقہ و رسائل مناظرہ اہل بدعت و ہابیہ وغیرہ سے کیجیے تو ایک دریائے ناپیدا کنار نظر آئے۔ تصانیف معقول کو دیکھیے اور بلند خیالی پر کمندِ نظر ڈال کر محو حیرت ہو جائیے۔ کمال طب پر قیاس دوڑائیے، اکابر وطن سے حالات پوچھیے اور مستغرق استعجاب ہو جائیے۔ علم نبات اور علم جماد کی ماہیت پر آپ کا ماہرانہ تشخیص امراض کا انداز دیکھیے اور معالجات (جو صرف نبات و جماد ہی سے ہوتے تھے) کو سن کر دنگ ہو جائیے۔

غرض علوم وفنون میں آپ کے کمالات کی تشریح و توضیح کیوں کر ہو سکتی ہے۔ اسی طرح علوم باطن میں آپ کے کمالات اور مراتب قرب و اتصال باطن بیں نگاہیں بہ خوبی جانتی ہیں۔ اوراد و وظائف، اذکار و افکار، اعمال و اشغال، مجاہدات و ریاضات وغیرہ پر غور کیجیے اور متقدمین اولیاء اللہ کے شبانہ روز سے ملاتے جائیے۔ ہند سے چلیے شام [و] عراق، حجاز و عرب تک پہنچیے ہر جگہ آپ کے مستفیضین اور متوسلین کو تلاش کر لیجیے۔ غرض زندگی کا کوئی جز لے لیجیے اخلاق و اوصاف، خصائل و شمائل، تدبر و اصابت رائے، ہمت و استقلال، حلم و حیا، جود و سخا، بذل و عطا ہر ایک میں ہمہ صفت موصوف پائیے۔ ان اوصاف پر نظر ڈالتے ہوئے ایک ایسی مقدس ذات کے وقائع زندگی تحریر کرنا ہرگز آسان امر نہیں ہے۔ لیکن رہ رہ کر اُبھرنے والے جذبات، دب دب کر سرکشی کرنے والے ولولے، بات بات پر مچلنے والی تمنائیں ایک طرف دل میں چٹکیاں لے لے کر

مضطربانہ شوق دلاتی تھیں کہ ایسے عظیم الشان بزرگ کے ہم بالشان حالات ارادہ کرکر پھر نہ لکھنا اخلاقی گناہ ہے۔ دوسری جانب موجودہ سوانح عمریاں عقیدت مندانہ غیرت دلاتی تھیں کہ زمانے نے کس کس کو کیا سے کیا کردکھایا اور یہاں اب تک خاموشی ہے۔

آخر خدا کا نام لے کر ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ [مئی ۱۹۱۳ء] میں (کہ عرس قادری کے برکات وانوار دل پر تجلیات کی نچھاور کررہے تھے)مَیں نے سوانح عمری لکھنا شروع کردی۔ عدیم الفرصتی نے دامن کھینچا، فکر معاش نے قلم روکا تاہم تھوڑا وقت فرصت نکالا اور چار پانچ ماہ میں ایک حصہ مرتب ہو گیا۔ شروع سے طبیعت کو تاریخ جوئی سے دل بستگی رہی ہے، اسی ذوق طبیعت کے باعث 'سوانح فضل رسول' (۱۳۳۱ھ) تاریخی نام تجویز کیا۔ اس کے بعد متواتر پریشانیوں، حیرانیوں نے طبیعت کو بالکل سرد کر دیا اور دماغ نے جواب صاف دے دیا تحریر سے جی اُچاٹ ہو گیا اور لکھنا بند رہا، مگر اسی اثنا میں بعض تحریراتِ اہل وطن نے میرے جذبات کو پھر گرمایا، آتش شوق بھڑک اٹھی اور مَیں نے پھر سلسلۂ انساب لکھنا شروع کیا۔ شجرے کی ہر شاخ شان تقدس سے سرسبز معلوم ہوئی، خیال آیا کہ ہر گل بوٹے کی رنگ بو عالم آشکار ہو جائے تو مشام جان عالم اور بھی مہک جائے گا۔ [ج ا/ص:۴۰] چنانچہ مختصر مختصر تذکرہ صاحب سوانح کے اسلاف کا بھی لکھ دیا۔ پرانے مسودات، قدیم فرامین، سندات شاہی نے علاوہ کتب سیر وتواریخ کے اس کام میں میرا بہت کچھ ہاتھ بٹایا۔ اس سال میں کتاب کا نام ثانی 'فیض العارفین' [۱۳۳۲ھ] ہاتھ آیا۔

غرض جب سوانح عمری مکمل ہوگئی تو ہجوم آرزو کے ساتھ تخیل وتصور نے محنت ٹھکانے لگانے کی تجاویز پر غور کرنا شروع کیا۔ تمناؤں نے اودھم مچائی کہ محنت کا ثمرہ ملنا چاہیے۔ کوئی صورت سوانح عمری کے چھپنے کی نکالی جائے، لیکن مَیں کیا اور میری بساط کیا کہ اس بارِ گراں کا متحمل ہوسکتا۔

یہ صرف صاحبِ سوانح کا تصرف روحانی سمجھئے کہ ایک دن میرے برادر مکرم مولوی عبدالصمد صاحب سرور قادری نے تذکرتاً مجھ سے کہا کہ حیدرآباد میں صاحبِ سوانح کے متوسلین میں بہت باہمت رؤسا ایسے موجود ہیں کہ وہ نہایت خوشی سے سوانح کو چھپوا سکتے ہیں، اُن میں عالی جناب نواب خواجہ محمد حفیظ اللہ خاں صاحب قادری دامت برکاتہم کا ذکر خیر بھی کیا۔ اُسی روز ایک عریضہ مَیں نے آپ کی خدمت میں لکھ کر روانہ کیا، اگرچہ راقم الحروف کو نہ نواب صاحب سے کبھی شرف نیاز مندی حاصل تھا، نہ اِس وقت تک لذت دیدار کی نگاہیں ذوق آشنا ہیں، لیکن صرف توجہ روحی

حضرت صاحبِ سوانح نے نواب صاحب کو میری طرف متوجہ کر دیا اور آپ نے نہایت اولوالعزمانہ ہمت کے ساتھ میری عرض داشت کو شرف قبولیت بخشا اور تمام مصارفِ طبع اپنے ذمے لے کر میری ہمت افزائی فرمائی۔ یہاں تک کہ یک مشت قبل از وقت دوسو روپے بلا طلب میرے روانہ فرما دیے۔ قطع نظر عالی ہمتی کے نواب صاحب کی اس عنایت و شفقت کی جو محض ایک غیر متعارف شخص کے ساتھ آپ نے فرمائی تعریف نہیں ہوسکتی۔ نہ مجھے وہ الفاظ ملتے ہیں جن میں آپ کا شکریہ ادا کروں، نہ مَیں کبھی اس بارِ کرم سے سبک دوش ہوسکتا ہوں۔ مَیں نے اظہارِ تشکر کے ساتھ نواب صاحب کے اجمالی حالات سوانح میں لکھنے کا قصد کیا اور متواتر نواب صاحب کو تکلیف دی، لیکن کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اللہ رے کسرِ نفسی اور مقامِ فنا کی محویت کہ آخر میں نواب صاحب نے یہ عقیدت آمیز الفاظ تحریر کیے جو میرے قلب پر ہمیشہ کالحجر رہیں گے، فرماتے ہیں:

> غلام نے اپنے سلسلۂ خاندان کو ترک کر دیا، اب اس غلام کے روحی والدین میرے پیر و مرشد قبلہ قدس اللہ سرہٗ العزیز کی نعلین پاک ہیں، اس کے سوا اور کچھ یاد نہیں۔

نواب صاحب قبلہ کی شان انکساری اور حسن عقیدت کا اظہار اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے؟۔ اس تحریر سے قبل آپ کے کچھ سماعی حالات تذکرۂ خلفا میں تحریر ہو چکے تھے جو محض ناکافی ہیں۔ جب اس طرح سوانح عمری چھپنے کا پورا سامان ہو گیا اور اصل مسودے کو صاف کرنے کا ارادہ کیا تو بعض احباب مصر ہوئے اور فرمائش کی کہ دیگر اولیا، علما و مشائخ اور مشاہیر کے حالات بھی (جن کا نام کتاب میں تذکرتاً آ گیا ہے) مختصراً درج کیے جائیں۔ احباب کے اس ارشاد و اصرار نے سوانح عمری کو ایک تاریخی ملبوس پہنا دیا اور ایک حد تک ناظرین وطن کو دیگر تواریخ کی محنت کشی سے بے نیاز کر دیا۔ ان حالات میں ایک خاص بات یہ ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اولیائے کرام بدایوں کی تواریخ وصال جو اب تک اہل قلم و اہل نظر کی نگاہوں سے پردۂ خفا میں تھیں نہایت کوشش سے بہم پہنچا کر درج کی گئی ہیں۔ اس ترتیب و تکمیل کے بعد سالِ طبع کو پیش نظر رکھ کر سوانح عمری کا عرفی تاریخی نام '<u>اکمل التاریخ</u>' [۱۳۳۳ھ] رکھا گیا۔

آخر میں نہایت مؤدبانہ گزارش ہے کہ ناظرین کا یہ خادم بے ریا نہ ضیا نہ مؤرخ ہے نہ محقق، نہ ناظم ہے نہ نثار، نہ اتنی لیاقت ہے نہ استعداد جو کچھ لکھا ہے اپنے جذبات کا خلاصہ اور اپنے عقیدت

مندانہ حیل کا اختصار ہے۔ زمانۂ تحریر کس عالم حیرانی اور ہنگامۂ پریشانی میں گزرا ہے اُس کا آئینہ خود یہ بے خودانہ تحریر ہے۔ وطن آوارگی کے عالم میں بزرگان وطن کے حالات لکھنا اور پھر امداد اہل وطن سے وقف انتظار رہ کر مایوس ہو جانا ایک حد تک مجھے جرأت دلاتا ہے کہ مَیں ناظرین خصوصاً احباب شہر سے عرض کروں کہ جہاں کوئی سہو یا غلطی پیش نظر ہو اُس کو نظر انداز فرما کر [ج ا/ص:٦] مجھے قابل معافی تصور فرمائیں اور حق مشورت دوستانہ سے گریز نہ کریں کہ خاکسار بعد تصحیح و تحقیق طبع ثانی میں اُن کا ممنون ہوگا اور اُسے اپنی بہتر اعانت سمجھے گا۔ شعر:

شاور سواك اذا نابتك نائبة　　　يوما وان كنت من أهل المشورات

فالعين تنظر منها ما دنىٰ و نأىٰ　　　ولا ترىٰ نفسها الا بمرآة

[ترجمہ: اگر کسی دن کوئی پریشانی لاحق ہو تو اپنے غیر سے مشورہ کرو، اگر چہ تم خود مشورہ دینے والوں میں سے ہو۔ اس لیے کہ آنکھ قریب اور دور سب دیکھتی ہے مگر خود کو بغیر آئینے کے نہیں دیکھ پاتی۔]

الراقم

بے کس، بے ریا محمد یعقوب ضیا قادری غفرلہٗ

سلسلۂ انساب

حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ کا سلسلۂ نسب نانہال کی جانب سے حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ والدۂ ماجدہ آپ کی دختر بلند اختر جناب مجیب اللہ صاحب کی اور ہمشیرہ مولانا نجیب اللہ صاحب عباسی قدس سرہٗ کی تھیں۔ نہایت بابرکت عابدہ، زاہدہ اپنے وقت کی رابعہ عصر تھیں۔ مولانا حبیب اللہ صاحب عباسی علم و فضل کی دولت سے مالامال، تقدس اور بزرگی کی نعمت سے نہال، ظاہری ثروت و جاہ سے ممتاز تھے۔ شہر کے امیر کبیر اور اپنے خاندان کے سردار تھے۔ عباسی محلے کی مسجد آپ کی تعمیر کرائی ہوئی ہے جو باقیات الصالحات سے آپ کی یادگار رہے گی۔ ۱۲۳۱ھ [۱۶-۱۸۱۵ء] میں آپ کا انتقال ہوا۔ حضرت سیدنا شاہ ولایت بدرالدین موئے تاب رحمۃ اللہ علیہ کے بَن میں دفن ہوئے ☆۔ قطعہ تاریخ وفات یہ ہے:

ازیں دار فنا با صدق و ایماں	سوئے دارالبقا چوں کرد رحلت
خرد تاریخ از روئے یقیں گفت	حبیب اللہ مقامے یافت جنت
	۱۲۳۱ھ

سلسلۂ نسب آبائی آپ کا اکتیس [۳۱] واسطے درمیان دے کر حضرت سیدنا امیر المومنین عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے کہ حضرت مولانا شاہ معین الحق فضل

☆ یہاں مصنف سے سہو ہوا ہے۔ مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے نانا کا نام حافظ مجیب اللہ عباسی تھا اور ماموں کا نام حبیب اللہ عباسی تھا۔ مصنف نے جن حبیب اللہ عباسی کا ذکر کیا ہے اور خاندان کا سردار بتایا ہے وہ نہ تو مولانا شاہ فضل رسول صاحب کے نانا تھے اور نہ ماموں بلکہ یہ حبیب اللہ عباسی الگ شخصیت تھی جن کے والد کا نام عبدالخالق عباسی تھا۔ کوچہ عباسیان میں واقع مسجد عباسیان مولوی حبیب اللہ ولد عبدالخالق عباسی کی بنوائی ہوئی ہے، جو اپنی بنوائی ہوئی مسجد میں محو استراحت ہیں۔ شاہ ولایت صاحب کے بن میں جن حبیب اللہ عباسی کا مرقد ہے وہ مولانا شاہ فضل رسول صاحب کے ماموں ہیں۔ (تسلیم غوری)

رسول قدس سرہٗ ابن حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہٗ ابن حضرت مولانا عبدالحمید قدس سرہٗ ابن مولانا شاہ محمد سعید ابن مولانا محمد شریف ابن مولانا محمد شفیع ابن مولانا شیخ مصطفی ابن مولانا عبدالغفور ابن مولانا شیخ عزیز اللہ ابن مولانا مفتی کریم الدین ابن قاضی القضاۃ مولانا حمید الدین معروف بہ شیخ محمد ابن مولانا شیخ معروف ابن مولانا شیخ مودود ابن مولانا عبدالشکور ابن مولانا شیخ محمد راجی ابن مولانا قاضی القضاۃ سعدالدین ابن مولانا قاضی القضاۃ شمس الحق والدین ملقب بہ قاضی رکن الدین ابن قاضی القضاۃ مولانا شیخ دانیال قطری نزیل ہند ابن مولانا حاجی شہید ابن مولانا ابراہیم ابن مولانا محمد اسحاق ابن مولانا عبدالکریم ابن مولانا محمد شریف ابن مولانا نور اللہ ابن مولانا عبدالحق ابن مولانا محمد فردوس ابن مولانا انیس محمد ابن مولانا محمد رافع ابن مولانا عبدالکریم ابن مولانا عبدالرحیم ابن مولانا عبدالرحمٰن ابن مولانا وسیدنا ابوسعید حضرت آبان ابن سیدنا ومولانا امیر المومنین، امام المسلمین، کامل الحیاء والایمان، جامع القرآن حضرت ذوالنورین عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہم ورحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

سلسلۂ نسب کے بعض نام آور اور مقدس حضرات کا حال اختصار کے ساتھ حضور پر نور سیدنا ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع کر کے آخر تک لکھتے ہیں۔

☆☆☆

حضرت امیر المومنین کامل الحیاء والایمان جامع القرآن سیدنا ذوالنورین عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کی کنیت ابوعمر، ابولیلیٰ اور ابوعبداللہ، لقب ذوالنورین ہے۔آپ کا سلسلۂ نسب حضور سید عالم ﷺ سے پانچویں پشت میں جا کر ملتا ہے۔ اِس طرح کہ عثمان ابن عفان ابن ابی العاص بن امیہ بن عبدالشّمس بن عبدالمناف۔آپ کی والدۂ ماجدہ کروی بنت بیضا (ام حکیم) حضور سید عالم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ام حکیم حضرت عبداللہ کی حقیقی بہن تھیں۔بعض ارباب سیر کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ اور بیضا توام پیدا ہوئے۔حضرت ذوالنورین کی ولادت واقعہ فیل سے چھ سال بعد ہوئی۔آپ سابقین اولین اصحاب میں ہیں۔آپ کے فضائل بے شمار، آپ کے مناقب بے حساب ہیں۔

آپ نوشاہِ کون ومکاں حضور رحمۃ للعالمین (روحی لہ الفدا) کے تیسرے جانشین اور عروس اسلام کی خلوت ناز کے ثالث تاجدار ہیں۔جس وقت مسلمانوں کی برات کے دولھا حضرت فاروق اعظم نے شہادت کا سرخ جوڑا پہن کر محبوب حقیقی کے آغوش وصال میں استراحت فرمانے کا ساز وسامان درست فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی شش جہت کے ارکان ستہ میں سے کسی ایک کو مسند خلافت کی زیب وزینت کے لیے انتخاب کیے جانے کا حکم دیا۔حضرت ذوالنورین کے حلم وحیا، جود وسخا، ورع [و] تقویٰ نے آخر کثرت رائے سے اس سیادت وسعادت کا سہرا آپ کے ماتھے پر سجایا۔

اُدھر فاروق اعظم نے ۲۷/ذی الحجہ چہارشنبہ ۲۳/ہجری [نومبر ۶۴۴ء] کو انجمن تقرب الٰہی میں جلوہ گری کی اِدھر حضرت ذوالنورین کے نورانی وجود نے سنہ ہجری کے اٹھائیسویں جشن نوروز

کو فروغ بخشا۔ زمانۂ خلافت میں دس سال تک اسلام کا پرچم نورانی فتح و نصرت کے سپہرِ اقبال پر چمک چمک کر وقف جلوہ ریزی رہا۔ البتہ آخر کے دو سال عبد اللہ ابن سبا کی منافقانہ کاروائیوں، فتنہ پردازیوں سے غیر اطمنانی حالت میں گزرے۔ یہ شخص صنعا یمن کے اہل یہود کا متعصب عالم تھا۔ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا لیکن دراصل مسند خلافت کا بالخصوص حضرت ذوالنورین کا دوست نما دشمن تھا۔ اس نے اپنی چرب زبانی سے یمن، حجاز، بصرہ، کوفہ، شام، مصر وغیرہ مقامات میں بغاوت کی تخم ریزی شروع کی اور اکثر قبائل کو دربار خلافت سے منحرف کر دیا۔

انجام کار مخالفین کا زور اس درجے ترقی کر گیا کہ قبائل بنو زہرہ، بنو مخزوم، حزیل، بنو تمیم نے دنیائے اسلام کے باعظمت تاجدار کے دولت سرا کا محاصرہ کر لیا اور چالیس دن یا اس سے زیادہ عرصے تک اس محاصرے کو قائم رکھ کر طرح طرح کے آزار و مصائب حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچائے۔ آب و دانے کی بندش کی گئی، نماز کے لیے مسجد نبوی تک آنے کی ممانعت کر دی گئی۔ آپ ان مصائب کو اُسی شان تحمل کے ساتھ برداشت کرتے رہے جو دربار ازل سے آپ کی ذات میں ودیعت رکھی گئی تھی۔ آپ حرم سرا کے اندر تلاوتِ کلام الٰہی میں مصروف، دن بھر روزہ رکھتے، شام کو پانی سے افطار فرماتے۔ شیریں پانی کی بجائے کھاری پانی وہ بھی بدقت آپ کو دستیاب ہوتا۔

ایک مرتبہ حضرت مولا کرم اللہ وجہہ نے یہ سن کر کہ اُس صاحب آبرو کے مکان میں آب نایاب ہے اپنے خدام سے پانی پہنچا دیا، اسی طرح شہزادگان کونین حضرات حسنین کو محافظت کے لیے معمور فرمایا۔ مخالفین کا صرف یہ مطالبہ تھا کہ آپ خلافت سے دست کش ہو جائیں لیکن آپ اپنے مدنی تاجدار محبوب کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس حدیث کو ہر وقت ملحوظ خاطر رکھتے جس کو حاکم [و] ترمذی نے روایت کیا ہے، یعنی محبوبہ محبوب رب العالمین حضرت صدیقہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا "اے عثمان! اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا مگر لوگ اُس کو اُتارنا چاہیں گے، سو تم اُس کو ہرگز نہ اُتارنا"۔ یہ قمیص عطیۂ الٰہی وہی خلعتِ خلافت تھا جس کو لوگ اُتارنا چاہتے تھے۔ آپ جواب میں یہی فرماتے تھے کہ "میرے رب نے جو عزت مجھے دی ہے اس کو مَیں خود کیوں کر کھو سکتا ہوں"۔ آپ کی شان حلم کی انوکھی ادائیں، نرالے انداز ان اکرمکم عند الله اتقاکم ☆ کی چوکھی رنگت میں رنگ کر آشکار ہوتے تھے،

☆ ترجمہ: بیشک تم میں سب سے زیادہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار رہو۔ الحجرات: ۱۳

آپ کے آزاد کردہ ہزاروں غلام اپنی چلتی تمناؤں کو صرف آپ کی جنبش ابرو کا منتظر بنائے ہوئے تھے اور اس اودھم کو رفع کرنے کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے ہزاروں ارمانوں کے ساتھ تیار تھے۔ لیکن کریم آقا کو یہ کب گوارا تھا کہ اُس کی خاطر کسی ایک مسلمان کا ایک قطرہ خون بھی ضائع ہو۔

ایک مرتبہ تو آپ کے زرخرید غلاموں نے جو ہنوز آزاد نہ ہوئے تھے ہتھیار اُٹھائے اور باغیوں سے دست بدست لڑنے کے لیے عہد کرلیا، مگراس تواضع وحلم کے صدقے کہ سرکار کرم کی جناب سے فوراً حکم امتناعی جاری ہوگیا، اس پر طرّہ یہ کہ غلاموں سے ارشاد ہوا کہ جو اپنے قصد سے باز آکر اپنے ہتھیار رکھ دے گا اس کو خلعتِ آزادی سے سرفرازی فرمائی جائے گی۔ غرض اسی طرح ادھر سے حلم وکرم کا اظہار اُدھر سے ظلم وستم کی بوچھاڑ اس حد تک پہنچی کہ باغی پشت دیوار سے حرم محترم کے اندر گھس آئے۔ اُس وقت یہ حلم [و] حیا کی زندہ صورت، جود وسخا کی چلتی پھرتی تصویر اپنی شرمگیں نگاہوں کو نیچا کیے قرآن معظم کی تلاوت میں مستغرق تھی۔ پہلے دن روزے کے افطار کو پانی بھی نہ ملنے کے باعث روزے پر روزہ رکھا گیا تھا، اسی حالت استغراق میں کنانہ بن بشر التجیبی نے آب تیغ سے پیمانۂ شہادت لبریز کر کے پیش کیا اور اس طرح شبستان نبوت کے روشن چراغ حضرت ذوالنورین کی شمع حیات کو ہمیشہ کے لیے گل کردیا گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

اٹھارویں ذی الحجہ ۳۵ ہجری [جون ۶۵۶ء] کا اگرچہ جمعے کا مبارک دن تھا جس میں خدا والے مسلمان عید مناتے، خوشیاں رچاتے ہیں لیکن یہ جمعہ مسلمانوں کے لیے عید قرباں کا دن بن گیا، جس میں اُن کے امیر المومنین کی طیب [و] طاہر جان کی قربانی کی جاتی ہے۔ یہ خوں ریز نظارہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔

مصحف کریم کھلا ہوا سامنے موجود ہے، خون کے قطرے آیت شریفہ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ☆ پر گرتے ہیں۔ یہ کلام مجید حریم نبوی میں عرصہ دراز تک بطور آثار زیارت گاہ خلائق رہا۔ اب بھی سنا جاتا ہے کہ آثار شریفہ میں داخل ہے۔

نعش مبارک اس شورش خیز آپا دھاپی میں تین دن تک رکھی رہی، آخر جنت البقیع میں تیسرے

☆ ترجمہ: عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا اور وہی سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ البقرہ: ۱۳۷

دن آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ محبوبِ حقیقی کے اس حبیب مطلق کو راقم الحروف 'حبیبِ احد' (۳۵ھ) لکھ کر تاریخ شہادت اخذ کرتا ہے۔ صاحب 'مخزن الواصلین' نے یہ تاریخ وصال تحریر فرمائی ہے:

قطعہ تاریخ

آں کہ او صاحبِ حیا بودہ — حامیِ دینِ مصطفیٰ بودہ
عمرِ آں خسروِ عدالت و داد — ہم نو و گفتہ اند و ہم ہشتاد
دہٗ و دو سال برخلافت ماند — خلق را در رہِ شریعت خواند
سوئے فردوس چوں کہ عزم نمود — جمعہ و ہیژدم ز ذی حج بود
چوں کہ او دالِ خیر و احساں بود — در سن دال رحلتش فرمود

۳۵ھ

فتوحات عہد مبارک:

آپ گیارہ سال گیارہ ماہ اٹھارہ دن مسند خلافت پر جلوہ آرا رہے۔ حضرت فاروق اعظم کی شہادت کے بعد کہیں کہیں بغاوت کے آثار نمودار ہو چلے تھے۔ آپ نے دوبارہ اُن بلاد کو قلعۂ اطاعت اسلام میں داخل فرمایا۔ ہمدان مغیرہ بن شعبہ نے دوبارہ مفتوح کیا۔ بغاوت کو ابوموسیٰ اشعری اور براابن عازب کے ذریعے سے فرو کیا گیا۔ اسکندریہ کی مخالفت کا جوش عمرو بن العاص کی گرمیٔ ہمت نے ٹھنڈا کیا۔ آذربیجان اور اس کے گردونواح کے مقامات ولید بن عتبہ نے فتح کیے۔ بلادآرمینیہ پر سلمان بن ربیعہ اور ولید بن عقبہ کی زیر سیادت فوج کشی کی گئی۔ بے شمار ذخائر مال غنیمت کے بیت المال میں داخل ہوئے۔ شہر کازرون کو عثمان بن ابی العاص نے بصلح وامان فتح کر کے ہرم بن حیان کے ذریعے سے درسفید کو بہ آسانی تمام زیر کیا۔ یہ وہ فتوحات ہیں جہاں اسلام کے علم تصرف اقبال کا پھریرا پیشتر ہی لہرا چکا تھا۔ فتوحات ذیل خالص طور پر آپ کے ہی زمانے کے فتوحات ہیں۔

افریقہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے ہاتھوں فتح ہوا، جس کے صلے میں وہ مصر کا عامل بنایا گیا۔ افریقہ کی حکومت جرجیر کو قیصر روم کی جانب سے سپرد تھی، طرابلس سے حدود طنجہ تک اس کا دائرہ حکومت تھا، مسلمانوں نے چالیس لڑائیوں میں شجاعت اسلامی کے جوہر دکھائے اور فتوحات حاصل کیں۔ فتح افریقہ کے بعد اندلس کو فتح کیا گیا۔ جزیرۂ قبرس، جزیرہ ذودس حضرت معاویہ

نے پچاس لڑائیوں کے بعد فتح کیے۔ فارس وخراسان کی سلطنت درہم و برہم کی گئی۔ کابل، زابلستان، طالقان، ہرات، قاریاب، طبرستان کے ظلمت کدوں میں آفتاب اسلام کی شعاعیں جلوہ ریز ہوئیں۔ قسطنطین اعظم کے کبروغرور کا نشہ فتح افریقہ کے بعد حضرت معاویہ اور عبداللہ بن سعد کی فوجوں نے اتارا۔ یہ لڑائی بھی ایک عظیم الشان لڑائی تھی۔ قیصر روم (قسطنطین) نے تمام بحری و بری فوجیں جمع کیں اور پوری قوت کے ساتھ جنگ شروع کی، مگر اتنی زبردست شکست کھائی کہ پھر مدت العمر لڑائی کا نام نہ لیا۔

خصائص واوصاف حمیدہ:

قبل اسلام بھی حضرت ذوالنورین اپنی فطرت سلیمہ اور خصلت کریمہ کے قدرتی جوہر کے باعث زمانۂ جاہلیت کی رسومات مذمومہ سے محترز رہے۔ شراب سے ہمیشہ طبع اقدس نفور رہی۔ زنا کی جانب کبھی پائے تصور نے بھی لغزش نہ کھائی۔ چوری کا خیال بھی کبھی نگارخانۂ دل میں نقش گیر نہ ہوا۔ دست کرم کی بلند ہمتی جودوسخا کے وسیع میدانوں میں اپنی اولوالعزمیاں دکھاتی رہی۔ گردنِ اسلام میں آپ کے فیاضانہ احسان ہمیشہ حمائل رہیں گے۔ آپ کی سیر چشمی اور دریا دلی نے ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو سیر کر دیا ہے۔ آپ زمانۂ خلافت میں ہر سال حج کو تشریف لے جاتے۔ آپ کا خیمہ مقام منیٰ میں نصب ہوتا، لنگر خانہ عام جاری رہتا تھا، جب تک تمام حجاج کو کھانا نہ کھلا دیا جاتا آپ خیمے کے اندر تشریف فرما نہ ہوتے۔ تمام مصارف ذات خاص سے متعلق تھے۔ آپ کی شان غنا شرف اسلام سے پہلے بھی سوادعرب میں شہرت عامہ کا اعزاز حاصل کر چکی تھی۔

جیش عسرت میں جو آخر غزوۂ سرکار رسالت ہے حضور سید العالمین ﷺ کی چشم کرم کے اشارے سے کل لشکر کے لیے سامان فراہم فرمایا۔ غزوۂ تبوک میں جب کہ اصحاب کرام سخت تنگی میں مبتلا تھے آپ نے کثیر التعداد سامان رسد اپنے صرفے سے بہم پہنچایا۔ اہل بیت نبوت کی مالی خدمات سے فائز ہونے کا شرف بھی ہمیشہ آپ کو حاصل رہا۔ حضور سید المرسلین ﷺ سے خوب خوب دعائیں لیں۔ جنت کی بشارت، عفو جرائم کی خوش خبری زندگی میں باعث تخلیق جنت کی زبان سے سن لی۔ چاہِ رومہ جو مسجد قبلتین سے جانب شمال ایک یہودی کی ملک تھا اور بقیمت اُس کا پانی فروخت ہوتا تھا۔ مدینہ منورہ میں بجز اس کنوئیں کے دوسرا کنواں نہ تھا جس کا پانی اہل مدینہ

استعمال کرتے۔ غریب عرب سخت تکلیف میں تھے۔ آپ نے پینتیس ہزار کو یہ چاہ یہودی سے خرید کر مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے وقف کر دیا۔ زمانۂ قحط میں ایک ہزار راحلہ گیہوں باوجود اس کے کہ تجار مدینہ پانچ گنا نفع دینے کے لیے تیار تھے، آپ نے یہ کہہ کر کہ ''مشتری دس گنا نفع پر لینا چاہتا ہے''۔ فی سبیل اللہ کل غلّہ خیرات کر دیا۔ جب سے مسلمان ہوئے ہر جمعے کو ایک غلام آزاد کرتے رہے، اگر اتفاق سے کوئی جمعہ ناغہ ہو جاتا تو دوسرے جمعے کو دو غلام آزاد فرماتے۔ مسجد نبوی کی توسیع پچیس ہزار روپے کی زمین خرید کر کے فرمائی۔

غرض آپ کا کرم عام تھا۔ باوجود اس ثروت و دولت کے آپ کی سادگی اپنی آپ نظیر تھی، جہاں مہمانوں کے لیے نفیس نفیس کھانے کھلائے جاتے وہاں خود شہد اور روغن زیتون اور کبھی صرف بھنا گوشت اور سرکہ استعمال فرماتے۔ کپڑا بہت سادہ، معمولی، کم قیمت کا زیب بدن فرماتے، مسجد نبوی میں صرف چادر مبارک سر تلے رکھ کر سو جاتے۔ زمانہ خلافت میں بھی اسی طرح دوپہر کو مسجد میں قیلولہ کرتے۔ جب بیدار ہوتے سنگریزوں کے نشان بدن پر ہوتے۔ ایک غلام سے فرمایا کہ ''میں نے ایک مرتبہ تیری گوش مالی کی تھی تو مجھ سے قصاص لے لے''۔

خصوصی فضائل:

ابتدائے آفرینش سے لے کر زمانۂ نبوت تک یہ شرف خاص صرف آپ ہی کو حاصل تھا کہ خاندان نبوت کی دو شہزادیاں آپ کو منسوب تھیں۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اول اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ کا عقد آپ کے ساتھ کیا۔ اُن کے انتقال کے بعد حضرت اُم کلثوم آپ کے عقد میں آئیں۔ اِنھیں دو نورانی وجودوں کی برکت نے آپ کو 'ذوالنورین' بنایا۔ آپ نے دنیائے اسلام کو ایک قرآن کریم پر متفق کیا اور قرآن شریف کو جمع فرمایا۔ اگر چہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں قرآن شریف کا جمع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ علما فرماتے ہیں کہ زمانۂ حضور اقدس سید عالم ﷺ میں صدہا بلکہ ہزارہا اصحاب کرام کل قرآن عظیم کے حفاظ موجود تھے، مگر پورا قرآن عظیم ایک جگہ لکھا ہوا نہ تھا۔ حضرت صدیق اکبر کے زمانے میں جمع کیا گیا اور وہ حضرت سیدہ حفصہ کے پاس رہا۔ صدیقی اور فاروقی زمانوں میں اسی مصحف پاک کی نقلیں ممالک اسلامیہ میں روانہ کی جاتی تھیں لیکن نہ کثرت و اہتمام سے۔ حضرت ذوالنورین نے اپنے زمانے میں پھر نہایت سعی و اہتمام سے قرآن شریف کو نقل کرایا اور حضرت

اُم المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو قرآن مجید تھا اُس سے مقابلہ کر کے تمام بلاد اسلامیہ میں بکثرت بھیجنا شروع کیا اور تمام دنیائے اسلام اس مصحف پر متفق ہوگئی۔ خود بہ نفس نفیس آپ نے قرآن شریف کی تعلیم بھی دینا شروع کر دی اور قرائے تابعین کی ایک جماعت جن کا سلسلۂ قرأت اس وقت تک جاری ہے آپ سے فیض یاب ہوئے۔ آپ نے مسجد نبوی کو وسعت دی، نماز جمعہ میں اذان ثالث کا رواج دیا، اس سے پیشتر صرف اُس وقت اذان ہوتی تھی جب امام منبر پر تشریف فرما ہوتا تھا اور دوسری بار تکبیر کہی جاتی تھی۔ آپ نے تیسری اذان اور مقرر کی جو قبل اجتماع ہوتی ہے۔ آپ کی یہ سنت کریمہ اِس وقت تک جاری ہے۔

آپ نے دو ہجرتیں کیں۔ مدینہ منورہ کی ہجرت سے پیشتر آپ نے مع اپنے اہل کے حبشہ کو ہجرت کی، اس وجہ سے آپ کو 'ذو ہجرتین' بھی کہتے ہیں۔ آپ اکثر فرماتے کہ مجھ میں دس فضیلتیں ہیں۔

[۱] مسلمان ہونے میں آپ کا چوتھا نمبر ہے، یعنی آپ حضرت مولا علی، حضرت صدیق اکبر، حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے بعد ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے۔ آپ سے ایک روز بعد حضرت ابوعبیدہ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف مسلمان ہوئے۔

[۲] باوجود کثرتِ دولت و ثروت کبھی آپ نے اظہار تمول نہیں فرمایا۔

[۳] کبھی جھوٹ نہ بولا۔

[۴] جس ہاتھ سے سرکار دو عالم ﷺ کے دست مقدس پر مبایعت کی اس کو کبھی شرم گاہ پر مس نہیں فرمایا۔

[۵] مسلمان ہو کر ہر جمعے کو ایک غلام آزاد کرنا آخر عمر تک معمول رہا۔

[۶] عمر بھر کبھی زنا کا ارادہ بھی نہ فرمایا۔

[۷] اسلام سے پیشتر بھی کبھی شراب کو نہ چھوا۔

[۸] مسجد نبوی میں توسیع فرمائی۔

[۹] مسلمانوں کے لیے چاہ رومہ وقف کر دیا۔

[۱۰] جیش عسرت کے لیے تمام سامان یہاں تک کہ سواریوں کے لیے لگام اور میخ تک بہم پہنچائی۔

ازواج واولاد:

بعض آدمی عدم علم کے باعث یا حضرت ذوالنورین کے نورانی خاندان کے روشن چراغوں کو حسد کے سبب یہ کہتے پائے گئے کہ شبستان ذوالنورین میں کوئی چراغ موجود ہی نہ تھا یعنی آپ صاحب اولاد نہ تھے۔ لیکن جس کو فن تاریخ وسیر سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ اس کو محض ایک خیال باطل کہتا ہے، آپ کی نسل مبارک کا آپ کے بعد باقی رہنا اور ترقی پانا مسلّم ومتفق علیہ بات ہے۔ جس وقت آپ شہید ہوئے ہیں اُس وقت چند لڑکے، لڑکیاں اور چار بیویاں حیات تھیں۔ آپ نے زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں آٹھ بیویاں کیں جن میں سے حضرت رقیہ اور ام کلثوم گلشن نبوت کی مہکتی دمکتی دو کلیاں تھیں۔ شاخ اوّل سے ایک گل زیبا کی شمیم آرائی ہوئی یعنی حضرت عبداللہ اصغر پیدا ہوئے، مگر کم سنی میں ریاض خلد کی گلگشت پسند فرمائی۔

شاخ ثانی بارآور نہ ہوئی۔ تیسری بیوی کا نام فاختہ بنت غزوان تھا۔ عبداللہ اکبر ان کے بطن سے پیدا ہوئے۔ چوتھی بیوی اُم عمرو بنت جندب بن عمر بن حممہ الدوسیہ تھیں۔ تین صاحبزادے خالد، آبان، عمرو اور ایک لڑکی مریم ان کے بطن سے وجود کی مجلس میں رونما ہوئے۔ پانچویں بی بی فاطمہ بنت ولید تھیں۔ ولید، اُم سعید، سعید ان سے پیدا ہوئے۔ چھٹی بیوی اُم البنین بنت عیینہ ہیں، عبدالملک ان سے پیدا ہوئے، مگر بچپن میں انتقال کر گئے۔ ساتویں بیوی کا نام رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ ہے۔ عائشہ، اُم آبان، ام عمرو تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ آٹھویں بیوی نائلہ بنت الفرافصہ ہیں، جن کے بطن سے بعض کا خیال ہے کہ مریم بنت عثمان پیدا ہوئیں، بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اُم خالد، اروی، ام آبان صغریٰ ان کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ رملہ، نائلہ، ام البنین فرافصہ وقت محاصرہ موجود تھیں۔ ام البنین کی نسبت بعض مؤرخین کا قول ہے کہ زمانۂ محاصرہ میں طلاق دے دی گئی تھی۔

☆

حضرت سیدنا ابوسعید آبان ابن عثمان

آپ تابعین کی جماعت کے نامور مقبول ہیں، حضور سید عالم ﷺ کی سنہ وصال کے کئی سال بعد پیدا ہوئے۔ جلیل القدر اصحاب کرام کی مجالس میں شرکت فرما کر علوم نبوت سے استفاضہ کیا۔ حدیث وفقہ میں آپ کی وسعت نظر اور تبحر علمی نے آپ کو زمانے سے ممتاز بنا رکھا

تھا۔ جیسا کہ 'تہذیب الاسما' میں حضرت محی الدین نووی ابن زکریا شارح مسلم شریف نے عمرو ابن شعیب کا قول نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ "حضرت آبان سے بڑھ کر حدیث و فقہ کا عالم کوئی مَیں نے نہیں دیکھا"۔ اسی طرح یحییٰ ابن سعید فرماتے ہیں کہ "مدینۃ الرسول میں دس فقہائے کرام معزز وممتاز گزرے، جن میں سے ایک حضرت آبان ہیں"۔ تمام علمائے حدیث نے آپ کی ثقاہت پر اتفاق کیا ہے۔ آپ اپنے والد بزرگوار اور زید ابن ثابت اور دیگر اجلّہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایت حدیث کرتے ہیں۔ بڑے بڑے تابعین آپ کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل ہیں۔

حضرت خلیفہ وقت عمر ابن عبد العزیز جن کے زمانہ سلطنت کو مؤرّخین نے قرن اوّل یعنی عہد خلافت راشدہ سے تشبیہ دی ہے آپ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں آپ کا تذکرہ موجود ہے۔ 'تذھیب تھذیب الکمال فی اسماء الرجال' مصری ص: ۱۳ پر امام العلّام حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی الانصاری آپ کے احوال میں رقم طراز ہیں کہ امام بخاری اور مسلم نے آپ سے روایت حدیث نقل فرمائی ہیں۔

آپ کے ایک صاحبزادے حضرت عبد الرحمٰن آپ کی یادگار تھے جو علم حدیث میں رئیس المحدثین مانے گئے ہیں اور احادیث کو اپنے والد بزرگوار (حضرت آبان) سے روایت کرتے ہیں، آپ نے تمام عمر اشاعت فقہ و حدیث میں بسر فرمائی اور بہت طویل عمر پائی اور حاضریٔ مدینہ منورہ میں ۱۰۵ھ [۶۸-۷۶۷ء] میں وصال فرمایا۔ محدثین گرامی قدر کے اقوال معتبرہ سے اس شہرت کی اصل غلط معلوم ہوتی ہے جو عدن میں آپ کے مزار مقدّسہ کی نسبت ہے، جیسا کہ 'سفر نامہ حجاز' نواب کلب علی خاں بہادر والیٔ رامپور سے واضح ہوتا ہے۔

☆

حضرت مولانا عبد الرحمٰن بن آبان

بن حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان۔ صاحب 'تھذیب الکمال فی اسماء الرجال' نے آپ کی نسبت صرف اس قدر تحریر کیا ہے کہ آپ زمرۂ محدثین میں رئیس المحدثین مانے گئے ہیں اور اپنے والد حضرت آبان سے روایت حدیث کرتے ہیں۔ 'تقریب التھذیب' مطبوعہ مطبع علوی لکھنؤ میں (جو محدثین کے اوصاف کی گویا ایک مختصر فہرست ہے) آپ کے متعلق

صرف اس قدر تحریر ہے:

عبدالرحمن بن آبان بن عثمان بن عفان الاموی المدنی ثقة، فضل، عابد من السادسة۔

[ترجمہ: عبدالرحمٰن بن آبان بن عثمان بن عفان اموی مدنی ۔ ثقہ، صاحب فضل، عابد چھٹے طبقے سے ہیں۔]

آپ کے بعد آپ کی اولاد بنی امیّہ کی سلطنت میں علمی، سیاسی خدمات پر مامور رہی۔ اس وجہ سے تاریخ میں اُن کے حالات فرداً فرداً دریافت کرنے کے لیے بہت وقت درکار ہے اور فرصت قلیل، لہٰذا تفصیل ان شاء اللہ المستعان اور وقت پر کی جائے گی۔

اِس لیے راقم درمیانی تمام حضرات کے حالات کو نظر انداز کر کے صرف اُن اکابر کے حالات پر اکتفا کرتا ہے جو ہندوستان میں آ کر مقیم ہوئے اور اپنے زمانے میں نام آوری کے آسمان پر آفتابِ فضل وکمال بن کر چمکے۔

☆

حضرت مولانا دانیال قطری قاضی القضاۃ علاقۂ بدایوں

سلاطین اسلام کی آمد بدایوں اور نواح بدایوں میں پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں شروع ہوگئی تھی۔ عساکر اسلامیہ کی آمد ورفت کے باعث مسلمانوں کی کسی قدر آبادی خاص خطۂ بدایوں میں ہوچکی تھی۔ چنانچہ شروع پانچویں صدی کے بہت سے شہدائے جلیل القدر یہاں کی خاک میں محو استراحت پائے جاتے ہیں ☆ چھٹی صدی کے اختتام پر سلطان قطب الدین ایبک نے ۵۹۹ھ [۳-۱۲۰۲ء] قلعہ کالنجر اور کالپی کی فتح کے بعد قلعۂ بدایوں کو فتح اور یہاں مستقل اسلامی حکومت قائم کر کے گرد ونواح کے بہت بڑے علاقے کو (جو زمانۂ مابعد میں علاقہ کٹھیر کے نام سے موسوم ہوا) صوبۂ بدایوں میں الحاق کیا اور سلطان شمس الدین التمش کو یہاں کی حکومت تفویض کی گئی۔ (۱)

☆ شروع پانچویں صدی کے شہدا میں حضرت میراں ملہم شہید اور حضرت میر ناصر الدین علی شہید ہیں جو محمود غزنوی کے زمانے میں نواح بدایوں میں تشریف فرما ہوئے۔ (ضیا)

(۱) فتح بدایوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے: صفحہ 139 حاشیہ نمبر ۱۔

سلطان شمس الدین جنت مکانی کے پہلو میں قسام ازل کی بارگاہ سے وہ پاک دل ودیعت رکھا گیا تھا جس میں خدا شناسی، رعایا پروری، کمال آفرینی کے جوہر مثل آئینہ رونما تھے۔ خواجگان چشت اہل بہشت میں سے بقول بعض اہل شہر حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ کے مقدس ہاتھ میں ہاتھ دے کر فیض روحانی سے یہ پاک نفس تاجدار اس درجہ متاثر تھا کہ ہمیشہ انوار اسلام کو پھیلانے کی سعی سینے سے لگی رہتی تھی۔ بدایوں کی عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اطراف و اکناف سلطنت سے صاحب فن اور باکمال اشخاص کو تلاش کر کر کے بلانا شروع کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں علم و فضل کی زندہ تصویریں، فقر و فنا کی نورانی ہستیاں بدایوں کے ہر گلی کوچے میں نظر آنے لگیں اور بدایوں کی چین جبیں پر 'مدینۃ العلوم' اور 'قبۃ الاسلام' کی سنہری تحریریں صاف نظر آنے لگیں۔ اُسی زمانے میں قاضی دانیال قطری جو نواح قطر☆ سے ترک سکونت کر کے جیش اسلامی کے ہمراہ ہندوستان وارد ہو کر اوّل لاہور میں مقیم ہوئے تھے، اس کے بعد مقام دیوبند میں کچھ دنوں رہ کر ایک عالم کو مستفیض کر کر شہرت کامل حاصل کر چکے تھے۔ سلطان کی اشتیاق آفریں طلب کی بدولت ہاتھوں ہاتھ بدایوں بلائے گئے۔ عزت و تکریم سے خیر مقدم کر کے عظمت و وقار کی مسند پر بٹھایا، عہدۂ قضا حکومت کی جانب سے پیش کیا گیا، اس وقت سے آپ دائرہ حکومت شمسی کے قاضی القضاۃ مشہور ہوئے۔☆☆

قاضی صاحب ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی کمال کے دلدادہ تھے اور خواجہ عثمان ہارونی کی جوش عقیدت نے سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے زمرۂ ارادت میں آپ کو داخل کر دیا تھا۔ آپ کی سال رحلت کا پتہ نہیں چلتا☆☆☆۔ مزار آپ کا حضرت پیر مکہ صاحب علیہ الرحمۃ (۲) کی حریم کے

☆ قطر نواح قطیب و عمان میں ایک شہر کا نام۔ آج کل موجودہ اٹلسوں میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قطر علاوہ شہر کے ایک صوبے کا بھی نام ہے۔ (ضیا)

☆☆ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بدایوں میں عہد اسلامی کے پہلے قاضی ہونے کا سہرا حضرت سید احمد بخاری مشہدی (والدِ ماجد خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ محمد نظام الدین سلطان جی صاحب) کے سر ہے۔ جب ۶۱۵ھ مطابق ۱۹-۱۲۱۸ء میں خواجہ سید احمد بخاری مشہدی نے اپنی خواہر کے انتقال کی وجہ سے عہدۂ قضا سے استعفٰی دیا تب قاضی دانیال قطری کو بدایوں کا عہدۂ قضا تفویض کیا گیا۔ اُس وقت سلطان شمس الدین التمش تخت دہلی پر جلوہ افروز تھا اور نصیر الدین طغان بدایوں کا حاکم تھا۔ (تسلیم غوری)

☆☆☆ تاریخ بنی حمید فارسی مصنفہ شاہ شرف علی صدیقی حمیدی مرتبہ ۱۳۲۸ھ کے آخر میں قاضیان شہر بدایوں کی فہرست دی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۱۸ھ (۲۲-۱۲۲۱ء) قاضی دانیال قطری عثمانی کا سالِ وصال ہے۔ (تسلیم غوری)

(۲) حضرت پیر مکہ صاحب کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 139 حاشیہ نمبر۲۔

مشرقی دروازے کے سامنے گوشۂ جنوب میں بتایا جاتا ہے۔

آپ کے بعد آپ کی نسل میں علم و فضل نسلاً بعد نسلٍ اب تک چلا آتا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ خصوصی شرف آپ ہی کے خاندان کو حاصل ہے کہ سات سو برس سے علم گویا میراث ہو گیا ہے۔ ہندوستان میں کوئی خاندان اہل علم کا ایسا نہیں سنا جو اس قدر زمانۂ دراز سے وارث علم و کمال ہونے کا مدعی ہو۔

☆

قاضی القضاۃ مولانا قاضی شمس الحق شمس الدین

معروف بہ قاضی رکن الدین علیہ الرحمۃ۔ آپ قاضی دانیال قطری کے فرزند ہیں۔ زمانۂ سلطنت معز الدین بہرام شاہ ابن سلطان شمس الدین التمش میں آپ رکن رکین سلطنت تھے اور منصب قضا پر مامور تھے۔ ملک بدر الدین سنقر رومی جس زمانے میں عامل بدایوں تھا آپ اُس کے دربار کے مخصوص مشیروں میں تھے۔ اُس سے پیشتر بھی دہلی میں آپ سے اور ملک مذکور سے گہرا دوستانہ تھا۔ 'تاریخ فرشتہ' میں ایک مجلس شوریٰ کا جو سلطان معز الدین بہرام شاہ کے خلاف قائم ہوئی تھی تذکرہ لکھا ہے، اُس میں قاضی صاحب کی موجودگی بھی پائی جاتی ہے۔ صاحبِ تذکرۂ علما نے قاضی صاحب کو علامہ ابو القاسم تنوخی (۳) کے قابل فخر تلامذہ میں تحریر کیا ہے۔ قاضی صاحب نے رسمی علوم کی تحصیل اپنے والد بزرگوار سے فرمائی اور جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ کمالِ تحقیق کے ساتھ علامہ تنوخی سے اخذ کیے۔ آپ تعلقات سلطنت کی وجہ سے کبھی دہلی اور کبھی بدایوں میں اقامت رکھتے تھے۔ سیاسی امور کے علاوہ سلسلۂ درس و تدریس بھی برابر جاری تھا۔ بدایوں میں آپ کی بنا کردہ مسجد شیخ التفات حسین صاحب وکیل کے مکان کے قریب ہے، جس میں مزار حضرت پیر فتاح صاحب ہے۔ قاضی جلال الدین کاشانی کی طرف اس مسجد کو منسوب کرنا صحیح نہیں ☆۔ جیسا کہ تاریخ ثانی تعمیر مسجد سے ظاہر ہے۔

---

(۳) علامہ ابو القاسم تنوخی کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 140 حاشیہ نمبر ۳۔

☆ تاریخ کی کتب میں درج ہے کہ جب مذکورہ مسجد زیر تعمیر تھی تو اُس کا رُخ قبلے کی جانب نہیں ہو پا رہا تھا اُس زمانے میں ایک بزرگ حضرت شیخ جلال تبریزی بدایوں میں مقیم تھے انھوں نے معمار کو وقت بنیاد کعبہ معظّمہ دکھا دیا کہ ٹھیک اس کی سمت جانب قبلہ کرے اس طرح مذکورہ مسجد صحیح طور سے سمت قبلہ کو تعمیر ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ بزرگ کا نام قاضی جلال الدین کاشانی نہیں تھا بلکہ حضرت جلال تبریزی تھا جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے۔ مذکورہ واقعے کا ذکر ضیاء القادری مرحوم نے 'تذکرۃ الواصلین' کے دوسرے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۴۵ء کے صفحہ ۵۱ پر حواشی کے تحت کیا ہے۔ (تسلیم غوری)

تاریخ درستی مسجد

بنائے شیخ رکن الدین قاضی — کہ شد ترمیم با تزئین بے حد
پئے تاریخ او گفتم خرد را — عبادت خانۂ اہل حق آمد

قاضی صاحب جمادی الآخر ۶۳۸ھ [جنوری ۱۲۴۱ء] میں بحکم معز الدین بہرام شاہ تاجدار ہند دہلی میں شہید کیے گئے۔ 'شہید طریق' آپ کی تاریخ شہادت ہے۔ اس کے سوا لفظ 'رحلت' اور 'مرشد باکمال' سے بھی مادۂ سال وصال کا استخراج کیا گیا ہے۔

☆

قاضی القضاۃ مولانا قاضی سعد الدین

معروف بہ قاضی سعد بے گواہ۔ آپ قاضی القضاۃ سابق الذکر کے خلف الصدق اور تلمیذ رشید تھے۔ زمانۂ سلطنت سلطان غیاث الدین بلبن میں صاحبِ زہد وتقویٰ اور مہر وفتویٰ مشہور تھے۔ آپ کا ضمیر روشن تجلیات باطن کا آئینہ انوار تھا۔ مقدمات کا تصفیہ ہمیشہ بلا گواہ کے فرماتے تھے، فریقین جس وقت آپ کی عدالت میں حاضر ہوتے آپ کشف کامل سے اصل معاملے کی تہہ کو فوراً پہنچ جاتے، گواہان کے پیش ہونے کی نوبت نہ آتی۔ آپ کی روشن ضمیری مخلوق کے زبان زد ہوگئی اور اسی وجہ سے آپ 'قاضی سدا بے گواہ' مشہور ہو گئے۔ آپ کے دربار قضا کا رعب و جلال یہ تھا کہ اہل معاملہ کو دروغ بیانی کی ذرا جرات نہ ہو سکتی تھی، خود بخود حق کا اقرار کر دیتے، مقدمے کا تصفیہ ہو جاتا۔ آپ کے زمانے میں بدایوں میں کئی انقلاب ہوئے۔

ملک تاج الدین ترک ۶۴۰ھ [۴۳-۱۲۴۲ء] میں سلطان علاء الدین مسعود کی جانب سے عامل علاقۂ بدایوں مقرر ہو کر آیا اور عرصے تک حاکم رہا۔ ۶۵۱ھ [۵۴-۱۲۵۳ء] میں ملک اعز الدین بلبن بزرگ حاکم بدایوں مقرر رہا۔ حکومت کی جانب سے 'رضی الملک' کا خطاب پایا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد زمینداران کیتھل اور کٹھیر کے ہاتھ سے حالت مستی میں قتل کر دیا گیا۔

سلطان ناصر الدین بغرض انتقام اشرار کو سزا دیتا ہوا اور حدود پر انتظام کرتا ہوا دہلی سے بدایوں تشریف فرما ہوا۔ مشیرانِ دولت اور ارا کینِ حکومت سے قاضی صاحب کے کمالات سن کر آپ کی عظمت اپنے دل میں لے گیا۔

قاضی صاحب جہاں علم وحیا اور جود وسخا کی زندہ تصویر تھے، وہاں آپ کی مہمان نوازی بھی ضرب المثل تھی۔ خصوصاً طلبہ کے آرام وآسائش کا ہر وقت خیال دامن گیر تھا۔ آپ کا دیوان خانہ عقب جامع شمسی واقع تھا، جہاں علاوہ دربار قضا کے سلسلہ درس وتدریس بھی جاری رہتا تھا۔ جب آپ کی عمر آخر ہوئی تو آپ نے اپنے صاحبزادے کو بلا کر نصیحت کی کہ "بیٹا میں ہمیشہ مقدمات قضا حکم الٰہی سے حقیقت کے مطابق فیصل کیا کرتا تھا اگر تم میں اتنا مادّہ ہو تو عہدۂ قضا قبول کرنا ورنہ یاد رکھو کہ حقوق العباد کا مواخذہ دربار الٰہی میں ہوگا"۔ بزرگ باپ کی اس وصیت کو سعادت مند بیٹے نے بغور سنا اور اس عہدے سے دست کش رہنے کا دل میں عہد کرلیا۔

آپ نے ایک پسر جو زوجۂ اوّل سے پیدا ہوئے تھے اور ایک لڑکی جو زوجۂ ثانی سے پیدا ہوئی تھیں اپنی یادگار چھوڑے۔ ان صاحبزادی کی شادی قاضی صدر الدین صاحب صدیقی گنوری سبزواری کے ساتھ ہوئی جو محض تحصیل علم کے لیے اپنے وطن اصلی سے چل کر بدایوں آئے تھے تاکہ قاضی صاحب کے حلقۂ درس میں داخل ہوں، مگر ان کے بدایوں پہنچنے تک قاضی صاحب رحلت فرما چکے تھے۔ بدایوں کے تمام صدیقی حمیدی ان قاضی صدر الدین صاحب کی اولاد سے ہیں۔☆

قاضی صاحب بے گواہ کا وصال بعہد غیاث الدین بلبن ۶۷۷ھ [۷۹-۱۲۷۸ء] میں ہوا۔ 'عارف سر اللہ' آپ کی تاریخ وصال ہے۔ مزار شریف مسجد گلاچین [مولوی محلہ بدایوں] میں واقع ہے۔ صاحبِ 'طبقات الاولیا' نے آپ کی تاریخ وصال جو تحریر کی ہے وہ ہدیۂ ناظرین ہے:

قطعہ تاریخ

چوں زد نیا رخت ہستی بست در خلد بریں	شیخ سعد الدین عثمانی فقیہ بے مثال
سال ترحیلش بجستم از خرد گفتہ بمن	صاحب وقعت دگر سیمائے روشن ہست سال

☆ قاضی صدر الدین گنوری بدایونی معروف بہ باب الفتح وقت باقی آپ مولانا حمید الدین مخلص گنوری سہروردی کے فرزند ہیں۔ آپ کی ولادت ۶۳۷ھ میں ایران میں ہوئی، وہیں نشو ونما پائی۔ علم فقہ وحدیث امام صدر الدین محمود سے، علم فرائض واصول امام شہاب الدین تورپشتی سے، علم کلام امام قطب الدین شیرازی سے، علم ادب مولانا اعز الدین سے اور علم تصوف مولانا ظہیر الدین شیرازی سے حاصل کیے۔ لہٰذا مصنف کا یہ بیان درست نہیں ہے کہ وہ محض تحصیل علم کے لیے بدایوں آئے تھے۔ آپ علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل کے بعد بعہد سلطان غیاث الدین بلبن ۶۷۷ھ میں بدایوں تشریف لائے اور قاضی سعد الدین عثمانی کے بعد بدایوں کے قاضی مقرر کیے گئے۔ تاحیات عہدۂ قضا کو رونق بخشی۔ آپ کا شمار اپنے عہد کے ممتاز وجید اصحاب علم وفضل میں ہوتا ہے، علوم ظاہر وباطن کے جامع تھے۔ ۷۴۷ھ میں وصال فرمایا، بدایوں میں قاضی حوض کے قریب مدفون ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے قاضی عبد اللطیف بدایونی مسندِ قضا پر متمکن ہوئے، پھر صدیوں تک بدایوں کا عہدۂ قضا نسلاً بعد نسلٍ آپ کی اولاد میں رہا۔ (مرتب)

☆

عارف حق آگاہ، سند التارکین مولانا شیخ محمد، معروف بہ شیخ راجی قدس سرہٗ

آپ قاضی صاحب مذکور کے باکمال فرزند تھے، اوائل عمر سے تصوف کی حق نما تجلیات کو اپنے آئینۂ قلب سے لگائے ہوئے تھے۔علوم وفنون کی تکمیل والد کے حلقۂ درس میں کی تھی۔ سلطنت کی طرف سے منصبِ قضا جو میراث آبائی تھا پیش کیا گیا، مگر اپنے بزرگ باپ کی وصیت کو یاد کر کے فوراً انکار کر دیا۔اُس کے بعد آپ کی اولاد ہمشیر زاد کو یہ عہدہ تفویض کیا گیا☆۔ کچھ دنوں تک سلسلۂ درس [و] تدریس جاری رہا، اُس کے بعد بالکل ترک علائق کر کے گوشہ نشینی اختیار کی، لیکن طلبہ کا ہجوم آپ کی گوشہ نشینی میں بھی حارج ہوا، یہاں تک کہ آپ نے گھر بار کو خدا حافظ کہہ کر دشت نوردی اور بادیہ پیمائی شروع کی۔آپ ولی کامل، صاحب مکاشفات تھے۔

☆

[مولانا شیخ عبدالشکور]

آپ [مولانا شیخ محمد راجی] کے بیٹے مولانا شیخ عبدالشکور قدس سرہٗ عارف کامل اور شیخ وقت تھے۔سلسلۂ چشتیہ میں صاحب مجاز تھے۔متوکلانہ زندگی بسر کرتے اور علائق دنیوی سے ہمیشہ آزاد رہتے۔سلسلۂ درس وتدریس کا شغل رکھتے تھے، لیکن والد کے انتقال کے بعد یہ بھی گوشہ گیر ہو کر عالم گمنامی میں روپوش ہو گئے۔

☆

مولانا الشیخ مودود سہروردی قدس سرہٗ

آپ مولانا عبدالشکور کے فرزند تھے۔علم وفضل میں یگانۂ عصر اور ولی روزگار سمجھے جاتے تھے۔سلسلۂ سہروردیہ میں بیعت واجازت رکھتے تھے۔شہاب الاولیا حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نسبت قوی حاصل تھی۔اسی طرح آپ کے فرزند ارجمند مولانا معروف قدس سرہٗ نہایت صاحب باطن اور صوفی مشرب بزرگ تھے۔مسجد کے حجرے میں گوشۂ تنہائی کو پسند کر لیا تھا۔نسبتِ اویسیہ ہر وقت غالب رہتی تھی۔شبانہ روز مراقبے اور مکاشفے کی

☆ عہدۂ قضا شیخ محمد راجی کی اولاد ہمشیر زاد کو نہیں بلکہ ان کے بہنوئی حضرت قاضی صدر الدین گنوری کو تفویض ہوا تھا۔اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ضمیمہ ص:429-428 (مرتب)

حالت میں مستغرق پائے جاتے تھے۔ بلاضرورت کلام نہ کرتے تھے۔

☆

قاضی القضاۃ مولانا شیخ حمید الدین

معروف بہ قاضی محمد قدس سرہٗ۔ آپ شیخ الاجل مولانا معروف کے فرزند رشید تھے۔ علم و فضل میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ آپ نے سلسلۂ درس و تدریس کو فروغ دیا۔ فقہ میں دست گاہِ کامل حاصل تھی۔ آپ کی شہرت نے بزمانۂ سلطنت سکندر لودی منصبِ قضا پر پھر آپ کو پہنچایا اور 'قاضی القضاۃ' کا خطاب دربار شاہی سے دلوایا۔ آپ کے بیٹے مولانا مفتی کریم الدین بھی فقہ میں زبردست عالم تھے، جن کے زمانے میں بدایوں اہل کمال کا مرجع و منبع تھا۔ آپ کی نگاہیں اکبری دور دیکھے ہوئے تھیں، زمانۂ جہانگیر میں آپ کو بخوبی شہرت حاصل ہوئی، اُس وقت آپ جلیل القدر صاحبِ فتویٰ سمجھے جاتے تھے۔ آپ نے دو شادیاں کیں، ایک بیوی سے دو لڑکے مولانا شیخ عزیز اللہ اور شیخ احمد عرف فتو پیدا ہوئے۔ شیخ احمد مرد مجرد اور آزادوضع بزرگ تھے۔ اکثر جذبات کی حالت میں رہا کرتے تھے۔ دوسری بیوی سے شیخ مظاہر پیدا ہوئے جن کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا۔

☆

مولانا الشیخ عزیز اللہ قدس سرہٗ

شاہجہاں کے عہدِ سلطنت میں بدایوں میں آپ کا نام صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کے زمرے میں مشہور تھا۔ آپ علوم و فنون میں کامل و اکمل تھے، عارفانہ رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے، ہر وقت نسبت اویسیہ آپ پر غالب رہتی تھی۔ اکتساب علم کامل تحقیق کے ساتھ اپنے والد [مولانا شیخ حمید الدین] سے کیا تھا۔ بدایوں اور بریلی کے تمام عثمانیوں کا شجرہ آپ پر ختم ہوتا ہے۔ ۹۹۱ھ [۸۴-۱۵۸۳ء] میں واصل بحق ہوئے۔ '<u>شیخ الکل</u>' تاریخ وصال ہے۔ آپ کے دو لڑکے ایک مولانا عبد الغفور دوسرے مولانا عبد الشکور آپ کی یادگار تھے۔

☆

[مفتی مرید محمد ابن ملا عبد الشکور]

ملا عبد الشکور بھی عالم تھے جن کے خلف علامہ دہر، فرید عصر مولانا مفتی مرید محمد علیہ الرحمۃ دور حکومت حضرت سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر خلد مکانی میں بزم اسلام کے شمع فروزاں تھے۔

علم وعمل، تقویٰ وبزرگی میں شہرت کامل حاصل تھی۔ طلبائے علوم آپ کے دامن فیض سے وابستہ تھے۔

آپ کے زمانے کا مشہور واقعہ قوم نانگہ کا جہاد تھا۔ بدایوں کے جانب شرق دو میل کے فاصلے پر ایک تالاب 'سورج کنڈ' ہے، جہاں اہل ہنود کا دسہرہ وغیرہ ہوتا ہے۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں مقام 'سورج کنڈ' پر ایک مسجد بت کدہ توڑ کر بنائی گئی تھی، اُس وقت سے یہ مسجد برابر اہل اسلام کے قبضے میں چلی آتی تھی، مگر قوم نانگہ جو اپنے زمانے کے نہایت سرکش اور مردم آزار لوگ تھے اُنہوں نے موقع پا کر مسجد کو شہید کر دیا اور از سر نو بت کدے کی بنیاد ڈالنا چاہی۔ افواج شاہی جو حوالی بدایوں اور قرب و جوار میں مقرر تھی اُس کا بھی کچھ خوف نہ کیا۔ یہ خبر جب مفتی صاحب کو پہنچی آپ گروہ طلبہ اور متوسلین اہل اللہ کو ہمراہ لے کر مدرسہ قدیمہ سے بقصد جہاد نکلے اور ٹھیک اُس روز کہ تالاب مذکور پر سالانہ میلے کے باعث پورا اجتماع تھا حملہ کیا، بہ اعانت الٰہی تمام مجمع پر وہ ہیبت حق غالب ہوئی کہ سارا میلہ منتشر ہو گیا، سیکڑوں نانگہ مارے گئے، بقیہ فرار ہو گئے۔☆

مفتی صاحب نے جدید مندر کو دوبارہ بتوں کے دخل سے پاک وصاف کر کے خدا کا گھر بنا

☆ مَیں مصنف کے بیان کردہ واقعہ سے منکر نہیں مگر بنائے جہاد سے ضرور اتفاق نہیں کرتا۔ بدایوں میں سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں کسی مسجد کا تعمیر ہونا کسی بھی تاریخی کتاب سے ثابت نہیں ہوتا اور وہ بھی سورج کنڈ پر۔ ذرا تصور کیجیے آج سے ایک ہزار سال پہلے سورج کنڈ کے قرب و جوار کا، سورج کنڈ آج کے بدایوں شہر سے تقریباً ۳ رکلومیٹر دور داتا گنج جانے والی شاہ راہ پر واقع ہے وہاں نہ آج مسلمانوں کی آبادی ہے اور نہ آج سے ہزار برس قبل تھی۔ اس زمانے میں شہر کی آبادی قلعہ میں محیط تھی، وہاں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی، جس کے شاہد اولیاء اللہ کے مزارات ہیں جو عہد محمود غزنوی کی یادگار ہیں۔

بدایوں میں سب سے پہلی مسجد تعمیر ہونا جامع مسجد قطبی کو لکھا ہوا ہے جو قطب الدین ایبک کے عہد گورنری بدایوں میں تعمیر ہوئی۔ یہ مسجد آج بھی محلّہ سید باڑہ میں صحن والی مسجد یا مولوی احسان اللہ والی مسجد کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

ایک بار کو ہم مان بھی لیں کہ سورج کنڈ پر مسجد تھی جس کو ناگاؤں نے شہید کیا اور مفتی مرید محمد عثانی نے اس سلسلے میں جہاد کیا اور مسجد کو دوبارہ تعمیر کرایا جس سے خوش ہو کر سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر نے جاگیر سے نوازا جس کو مفتی صاحب نے قبول کرنے سے منع کر دیا۔ چلیے ہم مان لیتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ ہوا تو پھر وہ مسجد وہاں سے ختم کیسے ہو گئی؟ اس بات پر ضیاء القادری نے روشنی نہیں ڈالی۔ کیا اکمل التاریخ کی طباعت تک وہاں مسجد موجود تھی؟ اگر ہاں تو اب وہاں مسجد یا مسجد کے آثار کیوں نہیں؟ اور اگر نہیں تو پھر وہاں سے مسجد کیسے اور کیونکر ختم ہوئی؟ اگر مفتی مرید محمد صاحب کے زمانے سے ۱۸۵۷ء تک وہاں مسجد تھی تو ۱۸۵۷ء کے بعد ختم ہوئی ہوگی مگر وہاں انگریزی عہد میں کسی مسجد کے ہونے یا شہید ہونے کے سراغ نہیں ملتے۔ انگریزی عہد میں بدایوں میں دو مسجدوں کے شہید ہونے کے ثبوت ملتے ہیں جو خاص شہر بدایوں میں تھیں اور مفتی مرید محمد عثانی کے وصال کے بعد مسجد ختم ہوئی تو کیا عہد اسلامی میں مفتی مرید محمد جیسا کوئی جیالہ بدایوں میں نہ تھا جو مسجد کو بچانے کے لیے سینہ سپر ہوتا اور تاریخ میں اپنا نام درج کراتا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ سورج کنڈ پر نہ کبھی مسجد تھی اور نہ ہے، کتاب میں ذکر مسجد کے تعلق سے بیان کردہ واقعے کی تائید و توثیق معتبر تاریخی شواہد سے نہیں ہوتی۔ (تسلیم غوری)

دیا اور پھر مسجد اپنی حالت پر آ گئی۔ وہیں نماز با جماعت ادا کی گئی، بہت سے اشخاص بہ توفیقِ الٰہی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تمام مال و اسباب غنیمت مفتی صاحب نے دربار سلطانی میں روانہ کیا۔ جس وقت سلطان دیں پناہ کو یہ خبر پہنچی مسرت و ابتہاج کے ساتھ دوگانہ شکر ادا کیا اور بکمال افتخار فرمایا کہ ''میرے زمانے میں خدا کا شکر ہے کہ ایسے باخدا لوگ بھی موجود ہیں'' اور حسن عقیدت کے اظہار کے لیے ایک فرمان مع سند جاگیر چند مواضعات مفتی صاحب کو بھیجا۔ مفتی صاحب نے فرمان شاہی کو اس درخواست کے ساتھ واپس کیا کہ '' جو کام مَیں نے خالصاً للہ کیا ہے اُس کا معاوضہ دنیا میں لینا ہرگز منظور نہیں ہے''۔ حضرت ظل سبحانی کے دل پر اس جواب کا بہت اثر ہوا، دوبارہ بکمال اصرار منصب احتساب صوبہ کٹھیر کی سند مفتی صاحب کو روانہ کی، چنانچہ آپ آخر عمر تک تمام علاقہ کٹھیر کے محتسب رہے۔

آپ کی اولاد قصبہ اعلیٰ پور ضلع بدایوں میں اقامت پذیر رہی۔ ملفوظات معینی میں مفتی صاحب کی اولاد میں سے قاضی محمد فاضل کا دیکھنا حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا جن کے پوتے قاضی امداد رسول اعلیٰ پوری حضرت تاج الفحول فقیر نواز فقیر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید وخصوصی خادم تھے۔ عرس شریف میں شبانہ روز نہایت جاں فشانی کے ساتھ خدمات انجام دیتے تھے۔ افسوس محرم ۱۳۳۳ھ [نومبر/ دسمبر ۱۹۱۴ء] میں یکایک انتقال ہو گیا۔

مفتی [مرید محمد] صاحب کا وصال بہ عمر چوراسی سال آخری ماہ جمادی الاول میں بروز شنبہ ۱۰۹۹ھ [مارچ ۱۶۸۸ء] کو ہوا، قدیم مسجد عثمانیان میں مزار شریف ہے۔

چوں مرید محمد آں مفتی — عالم ذی وقار و باتمکیں
کرد رحلت بگفت ملہم غیب — شد نہاں آفتاب عالم دیں

۱۰۹۹ھ

☆

مولانا عبد الغفور قدس سرہٗ

زاہد گوشہ نشین، فقیہ و محدث، عالم باتمکین، صاحب درس و افادہ، متوکل و متورع بزرگ تھے۔ تمام عمر درس و تدریس میں بسر کی۔ والد بزرگ مولانا الشیخ عزیز اللہ قدس سرہٗ سے اکتساب علوم کیا۔ مفتی مرید محمد آپ کے بھتیجے اور شاگرد رشید تھے۔ ۸۸ سال کی عمر پائی۔ ۱۴/ ذی قعدہ ۱۰۶۴ھ

[ستمبر۱۶۵۴ء] کو راہی خلد بریں ہوئے۔ 'امام المشائخ' تاریخ وفات ہے۔ آپ کی زوجہ محترمہ قاضی عبدالملک قاضی اکبر آباد (آگرہ) کی دختر بلند اختر تھیں جو ۱۸؍جمادی الاولیٰ کو فوت ہوئیں۔

☆

مولانا شیخ مصطفیٰ قدس سرہٗ

آپ مولانا عبدالغفور کے نورِ نظر قاضی عبدالملک کے نواسے مثل اپنے اجداد کے علم ظاہر میں یگانہ، علم باطن میں یکتائے روزگار تھے۔ افادہ و افاضہ آپ کے چشمہ کرم کی دو رواں نہریں تھیں، جن سے صدہا بندگان خدا سیراب ہوئے۔ صاحبِ تذکرہ [علمائے ہند مولوی رحمٰن علی] آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

قاضی دانیال از عراق بہ ہند قدوم آوردہ بقضائے بدایوں مباہات یافتہ، ہم درآں جا سکونت پذیرفتہ از اولاد امجادش شیخ مصطفیٰ است کہ در علم تصوف یگانۂ روزگار خصوصاً در حل تحویصات کتب شیخ محی الدین ابن عربی مشارالیہ علمائے کرام بود۔

[ترجمہ: قاضی دانیال عراق سے ہندوستان تشریف لائے، بدایوں کے عہدۂ قضا سے مفتخر ہوئے، بدایوں ہی میں سکونت اختیار کی۔ آپ کی اولاد امجاد میں سے ایک شیخ مصطفیٰ تھے، جو علم تصوف میں یگانۂ روزگار تھے، بالخصوص شیخ محی الدین ابن عربی کی کتب کی مشکلات کے حل میں علمائے کرام کا مرجع تھے۔]

آپ اُناسی سال عالم وجود کی منازل طے کر کے ۲۲؍شوال بروز جمعہ ۱۰۸۱ھ [مارچ ۱۶۷۱ء] راہی عالم بقا ہوئے۔ چار پسر مولانا محمد شفیع، شیخ المرتضیٰ، شیخ محمد عارف، ملا شیخ محمد اپنی یادگار چھوڑے۔ 'مخدوم العصر' تاریخ ہے۔

امام عصر شیخ مصطفیٰ را   حبیبِ حضرت خیرالوریٰ گفت
چوں خواہی سال وصلش ہاتف غیب   محبّ و جاں نثار مصطفیٰ گفت

شیخ مرتضیٰ اور شیخ محمد عارف کی اولاد و اعقاب کی اطلاع نہیں۔

☆

[ملا شیخ محمد]

ملا شیخ محمد منبع برکات اور مجمع حسنات تھے۔ اکیاون سال کی عمر میں روز شنبہ دوئم ماہ صفر ۱۰۸۹ھ

[مارچ ۱۷۶۸ء] کو قصبہ اکاسی میں وفات ہوئی۔ آپ کے اعقاب کا (جن میں اکثر مشاہیر سے ہیں) مختصر تذکرہ ضرورتاً درج ہے۔ آپ کی ایک دختر مولوی گل محمد صاحب کو منسوب تھی۔

☆

مفتی درویش محمد صاحب

خلف ملا شیخ محمد صاحب۔ آپ نہایت صاحب کمالاتِ صوری و معنوی تھے۔ خوش نصیبی و خوش اقبالی دامن دولت سے وابستہ تھی۔ دو شادیاں ہوئی تھیں، ایک شادی اہل قرابت میں مولانا عبد اللطیف صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، جن کا نام بی بی ساجدہ تھا۔ یہ نہایت عابدہ صالحہ تھیں۔ ماہ شعبان بروز پنجشنبہ خاوند کی حیات میں انتقال ہوا۔ پانچ لڑکے اُن کے بطن سے پیدا ہوئے۔ سب سے بڑے مولانا مفتی عبدالغنی صاحب، دوسرے قاضی امین الدین صاحب، تیسرے مولوی حسیب الدین صاحب، چوتھے مولوی وجیہ الدین صاحب، پانچویں محمد لطیف صاحب تھے۔ دوسری بیوی سے مفتی محمد انجب ☆ و مفتی محمد عوض صاحب تھے۔ مفتی درویش محمد صاحب بہ عمر ۷۹ سال بروز دوشنبہ محرم ۱۱۸۳ھ [مئی ۱۷۶۹ء] میں راہی مُلک بقا ہوئے۔

☆

مولانا مفتی عبدالغنی صاحب علیہ الرحمۃ

آپ بارہویں صدی ہجری کے نہایت برگزیدہ بزرگوں میں ہیں۔ حضرت بحر العلوم مولانا محمد علی مرحوم کے حسن تربیت سے فائز المرام ہو کر فائق الاقران ہوئے۔ جمیع علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل فرمائی۔ والد بزرگوار اور دیگر اکابر خاندان سے بھی فیض علم کو اخذ کیا، تھوڑے ہی دنوں میں شہرت عظیمہ حاصل ہوئی۔ درس گاہ میں شائقین علوم کا ہجوم ہوا، شاہان مغلیہ اور نوابان اودھ اور امرایان روہیلہ کے درباروں سے فتوے طلب کیے جانے لگے۔ اُستاذِ وقت اور یگانۂ عصر مشہور ہوئے۔ جوش باطن کی ذوق آفرینی اور ولولہ انگیزی نے مضطربانہ حضرت سرور اقطاب سیدی مولانا محمد سعید جعفری قدس سرہٗ (۴) کی جناب میں پہنچایا۔ بہ کمال عقیدت مرید ہوئے اور پیر کی

☆ مصنف نے اسی کتاب کے صفحہ 61 پر مفتی درویش محمد کے مذکورہ بیٹے کا نام محمد امجد لکھا ہے۔ صحیح نام محمد امجد ہی ہے محمد انجب نہیں۔ محمد انجب نام کے کوئی بیٹے مفتی درویش محمد کے نہیں تھے۔ (تسلیم غوری)

(۴) آپ کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 140 حاشیہ ۲۔

نظر برکت اثر کی بدولت منازل قرب الٰہی کی جانب جلد جلد ترقی شروع کی۔ ہر وقت شیخ کی خدمت کرنا اور حضوری میں رہنا اپنا شعار اختیار کیا۔ آپ کے کمالات کے لیے ایک مبسوط تحریر کی ضرورت ہے۔ کتاب 'روضہ صفا' میں شیخ اکرام اللہ محشر بدایونی نے اور 'تذکرۃ الواصلین' میں (جو 'روضہ صفا' وغیرہ کا خلاصہ ہے) مولوی رضی الدین صاحب خان بہادر وکیل نے بذیل تذکرہ حضرت مولانا محمد سعید جعفری آپ کے بعض واقعات کا تذکرہ لکھا ہے۔ یہاں ہم صرف ایک واقعہ لکھنا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ بدایوں میں ایک حادثۂ قتل (جس کا ذکر حضرت بحر العلوم مولانا محمد علی مرحوم کے حالات میں ہے) گزر چکا تھا۔ نواب علی محمد خان بہادر (۵) کے ہمیشہ مفتی صاحب سے عقیدت مندانہ مراسم رہے اور آپ کی برابر آنولہ میں آمد و رفت رہی۔

ایک مرتبہ آپ آنولہ نواب صاحب کے یہاں فروکش تھے، ایک دن اتفاق سے نواب صاحب کے صاحبزادے نے مفتی صاحب کے سامنے حجامت بنوائی۔ حلق راس سے فارغ ہوکر حجام کو داڑھی کترنے کا حکم دیا اور مفتی صاحب کا مطلق پاس نہ کیا۔ حجام نے نواب زادے کی داڑھی کترنے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ مفتی صاحب کو ہتک شریعت پر کمال غصہ آیا اور آپ نے ایک طمانچہ حجام کے مارا، جس کا اثر نواب زادے کے چہرے تک پہنچا۔ نواب زادے کو اس وقت بہت پیچ و تاب آیا، مگر کچھ ہیبت حق کچھ جبروت پدر کے باعث خاموش ہوگیا۔ جب نواب علی محمد خاں کا انتقال ہوگیا اور ان نواب زادے یعنی نواب سعد اللہ خاں صاحب کا دور دورہ ہوا تو از سر نو واقعہ قتل کی تحقیقات شروع کی اور مفتی صاحب کو آنولہ طلب کیا اور کہا کہ "وہ قتل میرے نزدیک آپ پر ثابت ہے"۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ "بلا دعویٰ و حضوری فریقین و گواہان محض آپ کا کہنا کیا اصل رکھتا ہے؟ البتہ اگر قضاۃ اور مفتیانِ اسلام حکم شرعی فرما دیں تو مجھے بدل و جان منظور ہے"۔ نواب کو مفتی صاحب کے اس بے ساختہ جواب پر بہت طیش آیا اور کچھ کہنا چاہتا ہی تھا کہ دفعتاً فالج کا اثر تمام جسم پر پیدا ہوگیا۔ آپ نے وہاں سے مراجعت کا قصد کیا، لیکن تمام متعلقین اور اقارب نواب مذکور کے آپ کے قدموں سے لگ گئے اور عرض کیا کہ نواب کو بے ادبی کی پوری سزا مل گئی ہے اب آپ للہ دعا فرمائیں تاکہ اس بلا سے نواب کو نجات ملے۔ بالآخر خلاف قاعدۂ طب آپ کی دعا سے مرض بالکل زائل ہوگیا۔ اُس وقت سے حافظ رحمت خاں وغیرہ تمام امرائے

---

(۵) نواب علی محمد خاں کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 142 حاشیہ ۵۔

روہیلہ آپ کا احترام کرنے لگے۔

ایک مرتبہ آپ بہت سخت بیمار ہوگئے اور زندگی سے بالکل مایوسی ہوگئی۔ خواب میں حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظارۂ جمال سے مشرف ہوئے۔ آنکھیں کھلیں، نصیب جاگا، عرض کیا ''حضور نے کیسے تکلیف فرمائی؟''، ارشاد ہوا ''ہم صرف تیری عیادت کے لیے آئے ہیں''۔ تمام مرض دور ہوگیا، صبح کو بالکل تندرست دیکھ کر عزیز و قریب متعجب ہوئے۔ آپ نے فرمایا ''تعجب کی کوئی بات نہیں، یہ سب حضرت مولانا سعید جعفری کا کرم ہے، آپ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے نورِ نظر ہیں اور حضرت امام حضور پرنور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے ہیں، اس نسبت قویہ کے باعث حضور امیر المومنین نے غلام نوازی فرمائی، عیادت کو تشریف لائے، بیماری کھوگئی''۔

غرض آپ کی باطنی نسبت نہایت زبردست تھی۔ حضرت اچھے میاں صاحب مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پیر کے وصال کے بعد اپنا مقتدا سمجھتے تھے اور اکثر حاضر خدمت ہوا کرتے تھے۔ سید عین الدین قدس سرہٗ (۶) مرضِ موت میں مبتلا ہوکر آنولہ سے بدایوں آپ کے مکان پر آکر مقیم ہوئے۔ جمعے کا دن تھا، ملاقات کر کے مفتی صاحب سے فرمایا کہ ''بھائی میری عمر ختم ہوئی، کفن ساتھ لے کر آیا ہوں، تمہاری امانت عطیہ حضرت سرورِ اقطاب میرے پاس موجود ہے لے لو''۔ یہ کہہ کر دو گل سرخ نکالے ایک مفتی صاحب کو دیا اور ایک اپنے پاس رکھا۔ مفتی صاحب کے تلامذہ میں شاہ حسن علی چشتی (۷) مولوی اکرام اللہ محشرؔ (۸) شیخ محمد افضل (۹) مصنف 'ہدایت الخلوق' بدایوں کے مشہور اشخاص ہیں۔ آپ کا وصال ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۰۹ھ [اپریل ۱۷۹۵ء] کو ہوا۔ آستانۂ حضرت سید احمد صاحب قدس سرہٗ (۱۰) کے قریب ناصر شاہ دکھنی کے باڑے میں اپنے شیخ طریقت کے پہلو میں دفن ہوئے۔ 'مسجد عثمانیان' آپ کی بنا کردہ ہے۔ دو صاحبزادے

---

(۶) آپ کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 143 حاشیہ ۶۔

(۷) آپ کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 143 حاشیہ ۷۔

(۸) آپ کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 144 حاشیہ ۸۔

(۹) آپ کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 144 حاشیہ ۹۔

(۱۰) آپ کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 144 حاشیہ ۱۰۔

مولانا ابوالمعانی اور مولوی غلام جیلانی چھوڑے۔ حاشیہ مفیدہ بر رسالہ میر زاہد بر رسالہ قطبیہ آپ کی تصنیف سے موجود ہیں۔☆

قطعۂ تاریخ وصال

مولوی عبدالغنی چوں از جہاں ۔۔۔ عزم کردہ سوئے گلزار جناں
عالمے را تیرہ و تاریک کرد ۔۔۔ آفتاب معرفت چوں شد نہاں
ہاتف غیب از ہزاراں سوز و ساز ۔۔۔ سالہائے وصل او کردہ بیاں
چوں بواصل ذات حق شد حق شناس ۔۔۔ سال وصل از ذات حق گشتہ عیاں
۱۲۰۹ھ
چوں فقیہے بود آں عالی جناب ۔۔۔ مفتی بے مثل و کامل سال شاں
۱۲۰۹ھ
از ہمہ افضل تر ایں سال وصال ۔۔۔ قطب عالم مقتدائے عارفاں
۱۲۰۹ھ

☆

عارف ربانی فقیہ لاثانی مولانا ابوالمعانی قدس سرہٗ النورانی

آپ بڑے صاحبزادے مولانا مفتی عبدالغنی صاحب کے ہیں۔ تمام عمر درس و تدریس، گوشہ نشینی اور توکل پر بسر کی۔ فقہ میں آپ کی وسعت نظر ضرب المثل تھی۔ اپنے والد بزرگوار سے ارادت و عقیدت تھی، اویسی مشرب تھے، روح پر فتوح حضور غوث اعظم کے ساتھ نسبت قویہ حاصل تھی۔ ملفوظات معینی میں ہے:

> مولوی ابوالمعانی صاحب خلف الصدق مقتدائے زماں مولوی عبدالغنی صاحب عالم باعمل تارک متوکل مسجد نشین اویسی مشرب بودہ اندو روح حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ تعلق غریب و اتصالے عجیب داشتند خاکسار ہم زیارت نمودہ اند۔

[ترجمہ: مولوی ابو المعانی خلف مقتدائے زماں مولوی عبدالغنی صاحب عالم باعمل، تارک دنیا، متوکل علی اللہ، گوشہ نشین اور اویسی مشرب رکھتے تھے۔ حضور

☆ مولانا عبدالغنی کے شجرۂ اولاد کے لیے دیکھیے ص 454

غوث اعظم کی روح پاک سے عجیب تعلق واتصال رکھتے تھے، خاکسار (سیف اللہ المسلول) نے بھی ان کی زیارت کی ہے۔]

آپ کی والدہ مولانا عبدالحمید صاحب قدس سرہٗ کی ہمشیرہ تھیں۔آپ نے تین صاحبزادے مفتی ابوالحسن صاحب، مولوی امانت حسین صاحب، مولوی غلام حسین صاحب اپنی یادگار چھوڑے۔

☆

جناب مولوی غلام جیلانی صاحب

یہ بھی مفتی صاحب کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔شہر کے رؤسا میں شمار ہوتے تھے، انتظام محلّہ داری وغیرہ میں دلچسپی لیتے تھے۔آپ کے تین پسر مولوی فصیح الدین صاحب، مولوی نقی الدین صاحب، مولوی فقیہ الدین صاحب تھے۔ اوّل الذکر دونوں نے اولاد نرینہ نہیں چھوڑی۔مولوی فقیہ الدین صاحب کے دولڑکے مولوی وجیہ الدین صاحب اور مولوی سعید الدین ہوئے۔مولوی وجیہ الدین صاحب کے پسر منشی جمال الدین صاحب پنشنر سرویراس وقت بقید حیات ہیں۔مولوی سعید الدین صاحب کے لڑکے جمیل الدین کی اولاد بھی موجود ہے۔

☆

مولانا مفتی ابوالحسن صاحب

آپ مولانا ابوالمعانی قدس سرہٗ کے فرزند اورنہایت باوقار شخص تھے۔ بزرگ باپ اور مقدس دادا سے علم حاصل کر کے مولوی قدرت علی صاحب گوپاموی سے (جو حضرت مولانا بحر العلوم لکھنوی کے ارشد تلامذہ میں تھے) تکمیل علوم فرمائی۔ بہ تقاضائے باطنی بہ ہمراہی جد بزرگوار مارہرہ شریفہ میں جا کر حضور اچھے صاحب قدس سرہٗ کے حلقۂ مریدین میں داخل ہوئے اور حضور اقدس کی دعا کی برکت سے مناصب جلیلہ حاصل کیے۔آپ مفتی عدالت محکمہ افتا بریلی پر فائز ہوکر صدرالصدوری کے عہدے تک پہنچے۔آپ نے مستقل طور پر بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اب تک آپ کے اعقاب وہیں سکونت پذیر ہیں۔ذوق سخن بھی رکھتے تھے، حسنؔ تخلص تھا۔آپ کی ایک مشہور غزل کے چند اشعار ذیل میں درج ہیں جو مولوی اکرام اللہ محشرؔ کی غزل کے جواب میں لکھے گئے ہیں۔آپ کے حالات 'ہدایت الخلوق' میں زیادہ درج ہیں۔ بریلی میں آپ کا انتقال ہوا، مگر جنازہ حسب وصیت بدایوں لایا گیا اور قدیم مقابر عثمانیہ میں دفن کیا گیا۔مولوی احمد حسن

خاں، مولوی محمد حسن خاں، مولوی حامد حسن خاں تین پسر آپ نے چھوڑے، جو خود بھی نہایت معزز عہدوں پر ہمیشہ مامور رہے اور جن کی اولاد بھی بریلی کے معززین عمائد میں ہے۔

مژدہ یاراں کہ پری خانہ رواں خواہم شد — شیشہ در دست وحریفانہ رواں خواہم شد
صبح در محفل آں مغبچۂ با تمکیں — من کہ خود رندم ورندانہ رواں خواہم شد
مطربا دور کن از پیش من ایں سازطرب — بدرش بے سر و سامانہ رواں خواہم شد
بطفیل شۂ جیلی سوئے خاصان خدا — خاص خواہم شد وخاصانہ رواں خواہم شد

حسنؔ آمد بدیارِ تو غریبانہ ولے
دارد اُمید کہ شاہانہ رواں خواہم شد

☆

جناب مولانا سلطان حسن صاحب [بریلوی]

آپ مولوی احمد حسن خاں صاحب صدر الصدور (جن کا انتقال شعبان ۱۲۷۳ھ [اپریل ۱۸۵۷ء] میں ہوا) کے بیٹے اور مفتی ابوالحسن صاحب کے پوتے ہیں۔ آپ بریلی کے منتخب عمائد و امرا کے طبقے میں تھے۔ جملہ علوم وفنون میں دست گاہ کامل رکھتے تھے۔ استاذِ مطلق حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی کے مشہور تلامذہ میں تھے۔ جلیل القدر عہدوں پر مامور رہے، صدر الصدوری سے پنشن پائی۔ مفتی سعد اللہ صاحب مرادآبادی اور آپ سے علمی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی، چنانچہ دونوں صاحبوں کا ایک زبردست مکالمہ رسالے کی صورت میں چھپا ہے۔☆ مولوی اعتماد الحسن صاحب، مولوی قطب الحسن صاحب وغیرہ پانچ صاحبزادے آپ کے بریلی میں موجود ہیں۔ مولوی بشیر الدین صاحب قنوجی غیر مقلد بھی آپ کے شاگرد تھے۔

☆

مولانا محمد حسن خاں صاحب [بریلوی]

ابن مفتی ابوالحسن صاحب۔ آپ بریلی کے رؤسائے عظام اور صاحب ثروت اشخاص میں تھے۔ تحصیل علوم مفتی شرف الدین خاں صاحب رامپوری ☆☆ سے فرمائی۔ گورنمنٹ میں

☆ اس مباحثے کی تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کی کتاب 'خیرآبادیات' از ص ۱۷۸ تا ۱۸۲۔ (مرتب)

☆☆ مفتی شرف الدین صاحب رامپوری: ہندوستان کے مشاہیر علما میں ہیں، علوم فلسفہ اور منطق کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ رامپور میں مفتی تھے، 'سراج المیزان' اور 'شرح سلم' کا کچھ حصہ آپ کی تصنیف سے ہے۔ (ضیا)

خاص اعزاز کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، سب جج (صدر الصدور) تھے۔ علما میں شمار ہوتے تھے، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ برابر جاری تھا۔ فارسی میں مذاقِ سخن بھی تھا، اسیر تخلص کرتے تھے۔ 'رسالہ اصل الاصول' علم نحو میں اور 'غـایۃ الـکـلام فـی حـقـیـقـۃ التصدیق عـنـدالحکماء و الامام' (مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی) آپ کی تصنیف سے ہیں۔ آپ کی اولاد مفتی بدرالحسن صاحب اور مفتی مبارک حسن صاحب بریلی کے عمائد میں ہیں۔

قاضی حبیب الدین صاحب ابن مفتی درویش محمد صاحب لاولد فوت ہوئے۔

☆

قاضی امین الدین صاحب ابن مفتی درویش محمد

عرصے تک بدایوں رہے، مولانا محمد لطیف صاحب کی دختر سے جو شادی بدایوں میں ہوئی ان سے مولانا معین الدین صاحب پیدا ہوئے، جو اپنے وقت کے عارف کامل بزرگ تھے۔ اُن کی نسبت ملفوظاتِ معینی میں ہے:

> حضرت مولوی معین الدین مرحوم از اولیائے وقت و محبوبین بر ولایت کہ از ابتدائے عمر ہوا و ہوس دنیائے دوں تا آخر عمر پیرامون شان نہ گردیدہ بانقلاب صدہا سال ہمچو اشخاص موجود می آیند خاکسار زیارت نمودہ است۔
>
> [ترجمہ: حضرت مولوی معین الدین مرحوم اولیائے وقت اور محبوبین میں سے تھے۔ ابتدائے عمر سے آخر عمر تک دنیائے دوں سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ صدہا سال کے انقلاب کے بعد ایسے اشخاص وجود میں آتے ہیں، خاکسار (سیف اللہ المسلول) نے ان کی زیارت کی ہے۔]

قاضی صاحب بعد کو بدایوں سے ترک سکونت کر کے قصبۂ نارنول میں چلے گئے۔ وہاں شادی کی، دولڑکے قاضی قطب الدین [و] قاضی فرید الدین پیدا ہوئے۔ دونوں کی اولاد جے پور و نارنول میں موجود ہے۔ قاضی قطب الدین اپنے والد کی بجائے نارنول میں چلے گئے، بعد کو حیدرآباد میں چلے گئے۔ وہاں بھی شادی کی اور وفات پائی۔ دولڑکے بدرالدین و صدرالدین چھوڑے۔ قاضی بدرالدین کی زوجہ اصلی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، غیر کفو کی عورت سے ایک لڑکا برہان الدین ہوا، جس کے چار پسران میں سے بڑے لڑکے وسیع الدین کی اولاد موجود ہے۔ حکیم

صدر الدین ولد قطب الدین کے تین لڑکے شجاع الدین، افتخار الدین، ظہیر الدین ہوئے۔

یہ حکیم صدر الدین اس نواح کے نامی گرامی اطبا میں سے تھے۔ حکیم صادق علی خاں دہلوی کے شاگرد رشید تھے۔ بڑے لڑکے شجاع الدین کی اولاد موجود ہے، دو کی اولاد باقی نہیں۔

قاضی فرید الدین ابن قاضی امین الدین نہایت ذی مرتبت اور با حوصلہ اور قاضی نارنول تھے۔ دشمنوں سے ستنیا نامی ایک شخص نے بوقت نصف شب آپ کو شہید کرا دیا۔ '<u>قاضی فرید</u>' [۱۲۱۵ھ] تاریخ شہادت ہے۔ آپ کے دو لڑکے مولانا نظام الدین اور مولانا امام الدین تھے۔ مولانا نظام الدین صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ فرائض میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اکثر شاہ صاحب فرائض کے فتوے آپ کو بھیج دیتے تھے۔ ۲۶ر جمادی الثانی ۱۲۷۳ھ [فروری ۱۸۵۷ء] میں وفات پائی۔

دو پسر قاضی حافظ حسیب الدین اور قاضی حافظ منہاج الدین چھوڑے۔ اوّل الذکر ذی علم اور قبیلہ پرور شخص تھے۔ بدایوں میں بھی حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ کی زیارت کے لیے بریلی سے زمانۂ ملازمت میں آئے تھے۔ ۱۳ر شعبان ۱۲۹۴ھ [اگست ۱۸۷۷ء] کو ایک دنبل کے صدمے سے جس کا خون قبر تک گیا رحلت کی۔ آٹھ پسر اپنی یادگار چھوڑے، جن میں سے مولانا سلیم الدین صاحب مشاہیر علمائے ریاست سے تھے۔ تحصیل علوم عقلیہ ونقلیہ اپنے ماموں مولانا رشید الدین صاحب فاروقی اور مولوی مستجاب صاحب سے کی تھی۔ علم ہیئت میں خاص ملکہ تھا۔ حضرت تاج الفحول سے بہت مراسم تھے، جب حضرت اجمیر شریف جاتے جے پور میں آپ کے یہاں مقیم ہوتے۔ زبردست واعظ تھے۔ شعر وسخن میں مذاق سلیم حاصل تھا، سلیمؔ تخلص فرماتے تھے۔ 'تفسیر تشریح القرآن' آپ کی یادگار ہے۔ ۲۶ر جمادی الثانی بہ عمر ۴۶ سال ۱۳۰۱ھ [اپریل ۱۸۸۴ء] میں وفات پائی۔ '<u>خاصۂ خدا</u>' تاریخ ہے۔ نارنول میں مزار ہے۔ ایک لڑکے مولوی مبارز الدین صاحب عالم و فاضل تھے، جن کے لڑکے مولوی اساس الدین صاحب مہاراجہ کالج میں پروفیسر ہیں۔

ایک لڑکے جناب مولانا ابو البیان مفتی سلطان الدین صاحب مبیںؔ ہیں، جو ۲۲ر رجب ۱۲۷۰ھ [اپریل ۱۸۵۴ء] میں پیدا ہوئے۔ تحصیل وتکمیل علوم اپنے برادر اکبر مولانا سلیم الدین صاحب اور ماموں رشید الدین صاحب سے کی۔ اِس وقت ۶۳ر برس کی عمر ہے۔ نہایت

زبردست واعظ ہیں، ریاست جے پور کے مفتی ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ جمالیہ میں صاحب مجاز ہیں، عالمانہ طرز، مشائخانہ انداز ہیں۔ راقم الحروف بہ ہمراہی مولانا حکیم عبدالماجد صاحب قریب ایک ہفتہ مہمان رہا ہے۔ نہایت خلیق اور بامحبت بزرگ ہیں۔ آپ کے ایک صاحبزادے ناصح الدین علوم عربیہ آپ سے پڑھتے ہیں۔ دوسرے بھائی مولوی احتشام الدین صاحب جے پور میں کورٹ انسپکٹر ہیں، ذی علم اور خلیق ہیں۔ باقی اسما شجرے میں درج ہیں۔☆

☆

مفتی مولوی محمد امجد صاحب

ابن مفتی درویش محمد۔ آپ مفتی عبدالغنی صاحب (اپنے برادر بزرگ) کے خاص شاگرد اور مولانا محمد سعید صاحب جعفری قدس سرہٗ سے مرید تھے۔ بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ایک مرتبہ بہ مرض لقوہ مبتلا ہوگئے، جس سے اعضائے جانب چپ بالکل بے کار ہو گئے۔ ہر چند علاج کیا نفع نہ ہوا۔ زندگی سے نا اُمید ہو کر پیر و مرشد کو عریضہ لکھا، دعا کے طالب اور امداد کے خواستگار ہوئے۔ آپ کا عریضہ بوساطت مفتی عبدالغنی صاحب مولانا کی خدمت میں پیش ہوا، خط پڑھ کر مولانا نے دعائے خیر فرمائی، اُسی شب کو آپ نے خواب دیکھا کہ حضرت مولانا نے میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف پرواز کی، یہاں تک کہ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے دربار میں حاضری ہوئی، مولانا نے مجھے علیحدہ کھڑا کیا اور خود حضور سیّد عالم ﷺ کی جناب میں سرنیاز جھکا کر میری حالت کو عرض کیا، ارشاد ہوا ''ان شاء اللہ مریض کو شفائے کلی ہوگی''، اُسی وقت آپ کی آنکھ کھل گئی۔ پندرہ روز سے زبان میں لکنت تھی، آنکھیں بند تھیں، طاقت بالکل باقی نہ رہی تھی، لیکن یک بیک صبح سے آرام وافاقہ ہونا شروع ہو گیا اور چند روز میں آپ بالکل تندرست ہو گئے۔

اولاد آپ کی بدایوں اور بریلی میں موجود ہے۔☆☆ آپ کے تین لڑکے قاضی بدر الدین (داماد مفتی محمد عوض صاحب) قاضی غلام غوث، قاضی غلام نبی تھے۔ قاضی بدرالدین کی اولاد میں حاجی آل حسن بدایوں میں موجود ہیں۔ قاضی غلام غوث کی اولاد باقی نہ رہی۔ قاضی غلام نبی صاحب بریلی کے قاضی تھے۔ نواب آصف الدولہ کے دربار میں قدر ومنزلت کی نظر سے

☆ قاضی امین الدین عثمانی کے شجرۂ اولاد کے لیے دیکھیے صفحہ 455

☆☆ مفتی محمد امجد عثمانی کے شجرۂ اولاد کے لیے دیکھیے ص:453

دیکھے جاتے تھے، گورنمنٹ انگلشیہ میں بھی بہت کچھ وقار تھا اور خلعت وغیرہ سے سرفراز ہوتے رہتے تھے۔ ۱۶؍دسمبر ۱۸۱۲ء [ذی الحجہ ۱۲۲۷ھ] کو انتقال ہوا۔ اُن کے بیٹے قاضی غلام احمد صاحب بھی نہایت باوقعت شخص تھے، حافظ بھی تھے۔ انتقال بروز عید الفطر ۳۰؍اگست ۱۸۳۸ء [جمادی الاولیٰ ۱۲۵۴ھ] کو ہوا۔ عید گاہ میں ان کے بڑے بیٹے قاضی عبدالجلیل صاحب نے اوّل اُن کی نماز جنازہ پڑھائی، اُس کے بعد دوگانہ عید الفطر ادا کیا۔ یہ بھی گورنمنٹ کے خصوصی انعامات سے ہمیشہ سرفراز ہوتے رہے۔ ۱۰؍رمضان المبارک ۱۲۸۷ھ [دسمبر ۱۸۷۰ء] کو انتقال ہوا۔ ان کے بیٹے خان بہادر قاضی عبدالجمیل صاحب تھے۔ تحصیل علم مفتی عنایت احمد صاحب سے کی اور شاعری میں مرزا غالبؔ کے شاگرد ہوئے۔ علاوہ قضاءت قدیمی خاندانی کے گورنمنٹ کی طرف سے قاضی شہر بھی مقرر ہوئے۔ ۲۰؍مئی ۱۹۰۰ء [محرم ۱۳۱۸ھ] کو رحلت کی۔

قاضی محمد خلیل صاحب حیرانؔ آپ کے صاحبزادے بریلی کے مشہور و معروف رؤسا میں ہیں۔ نہایت بااخلاق ہیں، نیاز مند ضیا کے غائبانہ کرم فرما ہیں۔

مولوی حسیب الدین ابن مفتی درویش محمد لاولد فوت ہوئے۔ مولوی وجیہ الدین کے صرف ایک لڑکی ہوئی، جو مولانا محمد حبیب کو منسوب ہوئی۔ مفتی محمد انجب بھی لاولد فوت ہوئے۔☆

☆

مولانا مفتی محمد عوض صاحب

آپ ساتویں لڑکے مفتی درویش محمد کے تھے۔ ہندوستان کے مشاہیر علما میں ہیں۔ بریلی میں مفتی کے عہدے پر مامور تھے، اپنے بڑے بھائی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ حضرت بحر العلوم مولانا محمد علی صاحب قدس سرہٗ کی نظر فیض اثر سے بھی کسی قدر علمی نشو و نما پائی تھی۔ محکمۂ افتا کی خدمات کے ساتھ ساتھ سلسلۂ درس و تدریس بھی جاری تھا۔ اُس زمانے میں روہیل کھنڈ کے مشاہیر اہل علم نے آپ کے خوان فیض سے استفاضہ کیا۔ مولانا فضل امام صاحب اور مولوی سید آل حسن قنوجی آپ کے شاگرد اور داماد تھے۔ اہل ہنود میں رائے منو لال فلسفی ریاضی دہلوی مشہور

☆ یہ درست نہیں ہے جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں محمد انجب نام کے کوئی بیٹے درویش محمد کے نہیں تھے۔ قاضی درویش محمد کی زوجۂ اولیٰ کے بطن سے پانچ بیٹے عبدالغنی، امین الدین، حسیب الدین، وجیہہ الدین اور محمد لطیف پیدا ہوئے تھے جب کہ زوجۂ ثانیہ سے دو بیٹے محمد امجد اور محمد عوض پیدا ہوئے تھے اس طرح درویش محمد کے کل سات بیٹے تھے۔ (تسلیم غوری)

مؤرّخ آخری عہد سلاطین مغلیہ کالڑکا پرکاشانند عرف رائے کندن لال اشکی (جوعہدۂ جلیلہ پر ہمیشہ مامور رہا) آپ کا شاگرد رشید تھا۔اس یگانۂ عصر کی کتاب 'نزھة الناظرین' (جس میں بہت سے علوم وفنون سے بحث کی گئی ہے) اُس کی قابلیت کا آئینہ ہے۔مفتی صاحب کے زمانے میں ۱۲۳۱ھ [۱۶-۱۸۱۵ء] میں بریلی میں بلوۂ عظیم برپا ہوا، 'وائے دریغ' جس کی تاریخ ہے۔آپ اس بلوے کی کشمکش سے بچ کر ریاست ٹونک کی جانب چلے گئے اور وہیں انتقال ہوا۔

مفتی صاحب کے کئی لڑکیاں تھیں۔اول الذکر دولڑکیوں کے سوا ایک سید حیدر علی ساکن بدایوں محلّہ میراں سرائے کو اور ایک قاضی بدرالدین کو منسوب تھیں۔نواب صدیق حسن خاں صاحب اور مولوی احمد حسن صاحب قنوجی مفتی صاحب کے نواسے تھے۔

☆

عارف کامل، صاحبِ فیض وسیع مولانا مفتی محمد شفیع علیہ الرحمۃ

آپ نہایت بزرگ ومتقی، زمانہ سلطنت حضرت محی الدین اورنگ زیب جنت مکانی کے استاذِ وقت تھے۔اپنے والد بزرگوار مولانا الشیخ مصطفیٰ قدس سرہٗ کے شاگرد رشید اور جانشین مسند درس وتدریس تھے۔ہمیشہ درس وتدریس میں عمر صرف کی۔صاحب تذکرۂ [علمائے ہند، مولوی رحمٰن علی] نے آپ کے حال میں لکھا ہے:

> مولوی محمد شفیع بدایونی از اجل علمائے عہد سلطان محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ است سلسلۂ نسبش بہ امیر المومنین سیدنا امیر المومنین عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتہی می شود۔
>
> [ترجمہ: مولوی محمد شفیع بدایونی بادشاہ محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سلطنت کے اجلہ علمائے کرام میں سے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔]

اس کے بعد پورا سلسلۂ نسب لکھ کر اور مولانا شیخ مصطفیٰ کا تذکرہ لکھ کر تحریر کرتے ہیں کہ:

> پسرش مولوی محمد شفیع از ارشد تلامذہ ویست کہ عمر گرانمایۂ خود بدرس وتدریس بسر بردہ۔
>
> [ترجمہ: ان کے بیٹے مولوی محمد شفیع ان کے ارشد تلامذہ میں تھے، انہوں نے

اپنی عمر گراں مایہ درس وتدریس میں صرف کردی۔]

آپ نے دو پسر مولانا محمد شریف اور مولانا عبداللطیف اپنی یادگار چھوڑے اور بہ عمر اُناسی سال بروز جمعہ ۱۱۰۰ھ ۲۲رشوال[اگست ۱۶۸۹ء] کو انتقال فرمایا۔ قطعہ تاریخ وصال یہ ہے:

زباغ دنیا بسوئے جنت چو آں محمد شفیع رفتہ شفیع یوم النشور کردہ بجانبش چشم رحم پرور
ترانہ می کرد مرغ سدرہ بایں نوائے امید افزا اگر بخواہی سن وصالش بگو محمد شفیع محشر
۱۱۰۰ھ

☆

مولانا عبداللطیف خلف مولانا محمد شفیع قدس سرہٗ

آپ جامع مسجد شمسی بدایوں کے خطیب اور باخدا بزرگ تھے۔ آپ کی اولاد میں علم وفضل کے روشن تارے، نورانی ستارے ایسی آب وتاب سے جلوہ ریز ہوئے کہ جس کے باعث آپ کا نام ہمیشہ روشن رہے گا۔ آپ نے اپنی اولاد میں مولانا محمد عطیف اور مولانا محمد نظیف دو لڑکے چھوڑے☆ اور بہ عمر تریسٹھ سال بروز جمعہ بتاریخ ۳رجمادی الاولیٰ ۱۱۲۱ھ[جولائی ۱۷۰۹ء] میں انتقال فرمایا۔ 'خطیب وامام جامع مولوی عبداللطیف' فقرۂ تاریخی ہے۔

☆

عارف اکمل صاحب ذوق لطیف مولانا شاہ محمد عطیف قدس سرہٗ الشریف

آپ بدایوں کے متاخرین اولیاء اللہ سے ہیں۔ سلاطین مغلیہ کے آخری عہد میں آپ کا آوازۂ علم وفضل ہندوستان سے لے کر بخارا اور تاتار تک پھیلا ہوا تھا۔ تمام علما وفضلائے عصر موجودہ ہند میں اس وقت کوئی ایسا نہ تھا جس کو آپ سے شرف استفاضہ اور فیض تلمذ حاصل نہ ہو۔ کہا جاتا ہے آپ کے خوان فیض سے جنات تک مستفیض ہوتے تھے۔ آپ سلطان فرخ سیر کے عہد میں دہلی کے شاہی مدرسے میں درس وتدریس پر مامور تھے۔ ملفوظات معینی میں ہے:

> مولانا محمد عطیف کہ در علم ظاہر وباطن یگانۂ وقت خود بود، اقامت شاہجہاں آباد داشت، تمام علما[و] مشائخ ہند وخراساں تلمذ ذات مبارکش را فخر خود می داشتند و سلاطین وامرا کہ کفش برداری اور اسرمایۂ سعادت خود می دانستند و آنحضرت

☆ مولانا عبداللطیف کی اولاد میں دو بیٹوں کے علاوہ ایک بیٹی بھی تھیں جو درویش محمد کو منسوب تھیں۔ (تسلیم غوری)

اصلاً بہ کسے التفات نمی فرمودند۔

[ترجمہ: مولانا محمد عطیف جو علم ظاہر و باطن میں اپنے عہد میں یکتا تھے، دہلی میں اقامت پذیر تھے۔ ہند و خراسان کے تمام علما و مشائخ آپ کی شاگردی کو اپنا فخر سمجھتے تھے، امرا و سلاطین آپ کی کفش برداری کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، مگر آں محترم کسی کی طرف التفات نہیں فرماتے تھے۔]

آپ چھٹی جمادی الاخریٰ ۱۰۹۸ھ [اپریل ۱۶۸۷ء] کو پیدا ہوئے۔ علوم و فنون کی تکمیل اپنے پدر بزرگوار اور عم عالی قدر مولانا محمد شریف سے فرما کر ولولۂ باطن کو پہلو میں دبائے رہبر صادق اور مرشد برحق کی جستجو میں سیاحت کناں دہلی پہنچے۔ حضرت مولانا شاہ کلیم اللہ جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱) کی معرفت آفریں نگاہوں سے بسمل ہو کر شرف بیعت حاصل کیا۔ مجاہدات و ریاضات کی کثرت سے پیر کو اپنا فریفتہ کر لیا، یہاں تک کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ: مریداں را فخر بر پیر خود باشد و من بر ایں مرید نازم۔

[ترجمہ: مریدین اپنے پیر پر فخر کرتے ہیں مگر میں اپنے اس مرید پر فخر کرتا ہوں]

آپ کی مجلس میں علما و مشائخ کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ حضرت شاہ بھیک قدس سرہٗ (۱۲) سے مراسم اتحاد بہت زیادہ تھے۔ روشن الدولہ ظفر خاں جو سلطنت کا رکن اعظم اور شاہ بھیک صاحب کا مرید و معتقد خاص تھا شاہ صاحب کی وساطت و سعی سے آپ کے حلقۂ درس میں داخل ہوا اور حدیث شریف کا سبق شروع کیا۔ ایک دن اتفاق سے دہلی کے کوئی معزز شخص ظفر خاں کی ملاقات کو شیخ کے حلقۂ درس میں آ گئے، ظفر خاں نے سبق کی حالت میں اُس شخص کو اُٹھ کر تعظیم دی، آپ کو یہ فعل سخت ناگوار و ناپسند ہوا، اُسی وقت مجلس برخاست فرمائی اور ظفر خاں سے ارشاد کیا کہ ''آئندہ سے ہرگز میرے سامنے سبق کو نہ آنا، اس لیے کہ تو نے حدیث نبوی پر اہل دنیا کی تعظیم کو مقدم سمجھا''۔ ہر چند ظفر خاں نے منت و سماجت کی لیکن کچھ پذیرائی نہ ہوئی۔ اتباع شریعت اور پیروئ سنت ہر وقت ملحوظ خاطر تھی اور ہر خلاف شرع فعل آپ کے قلب روشن پر آئینہ ہو جاتا تھا۔

آپ کا ایک خادم بازار سے آپ کے نام سے کسی قدر رعایت کے ساتھ گنّا خرید کر لیا۔ آپ

---

(۱۱) حضرت خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی کے حالات صفحہ 145 حاشیہ ۱۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۲) حضرت شاہ بھیک کے حالات صفحہ 146 حاشیہ ۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

نے اس کنے کی صرف ایک پوری کھائی تھی کہ فوراً شک پیدا ہوا، خادم سے حالت دریافت کی، اُس نے عرض کیا کہ ''اتنی خطا خریداری میں ضرور ہوئی ہے کہ آپ کا نام لے کر قیمت میں کفایت کرالی ہے''، اُسی وقت آپ نے دام زیادہ دے کر گنّا واپس کرادیا اور حلق میں انگلی ڈال کر قے کردی۔

غرض اسی طرح کے صدہا واقعات روزانہ پیش آتے رہتے تھے جن کی تفصیل کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ 'روضۂ صفا' اور 'تذکرۃ الواصلین' میں کسی قدر تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ آپ کی نسبت اویسیہ حضرت محبوب الٰہی کے ساتھ نہایت قوی تھی۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک پڑوسی بدایونی مولوی صاحب دہلی آپ سے ملاقات کے لیے پہنچے اور حضرت محبوب الٰہی کے آستانے پر آپ کی ہمراہی میں حاضر ہوئے، راستے میں دعویٰ کیا کہ ''مجھ کو حضرت سے نسبت قویہ حاصل ہے''۔ جب مزار شریف پر حاضر ہوئے دوسرے بدایونی عالم فاتحہ میں مشغول تھے کہ دیکھا مرقد منور سے ایک مقدّس ہاتھ جس میں چند پھول اور پان تھے نکلا اور مولانا عطیف قدس سرہٗ کے ہاتھ میں وہ پان اور پھول دے کر اندر ہوگیا۔ بعد فراغ فاتحہ مولانا نے اُن عالم صاحب کو دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا کہ ''آپ کا گمان رفع کرنے کے لیے اس وقت یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا، ورنہ مَیں تو اس بارگاہِ سلطانی کا ادنیٰ خادم ہوں''۔ اس زبردست نسبت کا مولانا کے وصال کے بعد یہ اثر ظاہر ہوا کہ جس شام کو آپ نے رحلت فرمائی آپ کے متوسلین وتلامذہ میں باہم گفتگو ہوئی کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ صبح کو خدام کرام حضرت محبوب الٰہی صاحب قدس سرہٗ میں سے ایک بزرگ تشریف لائے اور فرمایا کہ ''شب کو چند خدام نے خواب دیکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

محمد عطیف محبوب من است، در جوار من دفن کنید

[ترجمہ: محمد عطیف میرے محبوب ہیں، ان کو میرے پڑوس میں دفن کرنا۔]

چنانچہ پائیں مزار مبارک حضرت محبوب الٰہی آپ کو دفن کیا گیا۔ کوئی فرزند آپ نے عقب میں نہ چھوڑا۔ ۲۱ ربیع الاوّل شریف بروز پنجشنبہ ۱۱۴۰ھ [نومبر ۱۷۲۷ء] آپ کا وصال ہوا۔

ز دنیا چوں بملک جاوداں را — عطیفِ شیخ وقت و باخدا رفت
تہی شد درس گاہ علم و عرفاں — ولیّ و عالم و بامرتبہ رفت
بصد اندوہ و غم سال وصالش — خرد گفتہ قیام مدرسہ رفت

۱۱۴۰ھ

☆

مولانا محمد نظیف قدس سرہٗ

آپ اپنے والد مولوی عبداللطیف صاحب کے بعد مسجد شاہی جامع شمسی بدایوں کے خطیب و امام مقرر رہوئے اور مدت العمر اس خدمت کو انجام دیا۔ ذی علم، عابد و زاہد تھے۔ آپ نے تین لڑکے اور ایک لڑکی (جو مولانا قاضی امین الدین ابن مفتی درویش محمد کو منسوب تھیں) اپنے اعقاب میں چھوڑے اور ۷؍ جمادی الاولیٰ کو انتقال کیا۔ شجرۂ اولاد ذیل میں درج ہے۔☆

☆

حضرت قطب زماں بحر العلوم مولانا محمد علی صاحب قدس سرہٗ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۱۳۴ھ [۲۲-۱۷۲۱ء] میں ہوئی۔ ہوش سنبھالتے ہی طلب علم کے بے خودانہ شوق میں سیاحت شروع کی۔ ہندوستان کے مشاہیر و ممتاز علمائے کرام سے جو جس فن میں کامل تھا وہی فن حاصل کیا۔ اُس زمانے میں علامہ قاضی مبارک گوپاموی علیہ الرحمۃ (۱۳) آسمان علم کے آفتابِ تاباں تھے۔ آپ اُن کی درسگاہ میں پہنچے اور بکمال تحقیق معقول کو حاصل کیا۔ قاضی صاحب نے مولانا کی خاطر کتاب نایاب 'قاضی مبارک شرح سلم العلوم' تالیف فرمائی اور آپ کو نہایت دل سوزی اور شفقت کے ساتھ پڑھا کر یکتائے عصر کر دیا۔ قاضی صاحب اور مولوی حمد اللہ صاحب سندیلوی (۱۴) کے درمیان اکثر علمی مکالمہ اور مناظرہ رہتا تھا جس میں علامہ قاضی صاحب کی جانب سے مولانا پیش پیش ہوتے تھے۔ دینیات کی تکمیل مولانا قاضی مستعد خاں دہلوی سے (جو مولانا محمد عطیف صاحب کے ارشد تلامذہ میں تھے) آپ نے فرمائی تھی۔ علامہ قاضی مبارک علیہ الرحمۃ آپ کے تبحر پر ہمیشہ ناز فرماتے اور 'بحر العلوم' کے خطاب سے مخاطب بناتے۔ دہلی پہنچ کر آپ خانقاہِ عالم پناہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی بدایونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اپنے عم مکرم کی بجائے مسندِ افادہ پر رونق افروز ہوئے اور ایک عالم کو اپنے فیض سے مستفیض فرمایا۔ اسی عالم میں ذوق عرفان سے طبیعت کو لگاؤ ہوا، تائید غیبی شامل حال تھی حقائق آگاہ حضرت میر عبداللہ قادری دہلوی کی (جو بظاہر لباس ریاست سے آراستہ

☆ شجرۂ اولاد مولانا محمد نظیف صفحہ 456 پر ملاحظہ کریں۔

(۱۳) قاضی مبارک گوپاموی کے حالات صفحہ 146 حاشیہ ۱۳؍ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۴) مولوی حمد اللہ سندیلوی کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 146 حاشیہ ۱۴۔

اور بباطن خلعت فقر و فنا میں ہمہ تن روپوش تھے) نظر آپ پر پڑی دیکھتے ہی فرمایا کہ:

اے مولوی محمد علی من از مدتے در حمل امانت تو حیرانم، بگیر و مرا رستگار کن۔

[ترجمہ: اے مولوی محمد علی مَیں ایک مدت سے تمہاری امانت اپنے پاس رکھ کر حیران ہوں، تم اپنی امانت لو اور مجھے آزاد کرو۔]

آپ اِس کلام برکت انجام کو سنتے ہی بے ہوش ہو گئے، حضرت میر صاحب اِسی عالم میں مولانا کو اُٹھا کر اپنے مکان پر لے گئے اور خود سامان سفر درست کیا۔ مولانا کو اس غشی سے (جو دراصل ترقی مدارج کا معراجی کیف وصال تھا) افاقہ ہوا، میر صاحب نے آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ میں داخل فرما کر نظر توجہ کی ایک جھلک میں منزل مقصود پر پہنچا دیا اور خود نہ معلوم کہاں کا قصد فرمایا کہ بعد کو کسی شخص نے آپ کا سراغ نہ پایا۔ مولانا اس دولت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ کو دامن میں لیے عازم وطن ہوئے اور مدرسۂ قدیمہ کو رونق تازہ بخشی اور اپنے ظاہری و باطنی فیض سے صدہا بندگان خدا کو فیض یاب کیا۔ نواب آصف الدولہ والیٔ اودھ کو آپ سے حسن عقیدت اور شرف تلمذ تھا، آپ کی ملاقات کے لیے بدایوں آیا، اُس وقت آپ کے حلقۂ درس میں طلبہ کی اس قدر کثیر تعداد تھی کہ اُن کے وضو کا پانی پرانی کچہری تک (جہاں اب شفاخانہ ہے) بہہ کر جاتا تھا اور ایک گڈھے میں جمع ہوتا تھا، لوگوں نے نواب سے کہا کہ "حضرت مولانا کے طلبہ کے وضو کا پانی اس گڈھے میں جمع ہوتا ہے"، جس کا گہرا اثر نواب کے دل پر پڑا، بروقت ملاقات چند قطعات آراضی وموضع شادی پور وغیرہ کی سند پیش کی جس پر مولانا سراج الحق صاحب کے زمانے تک تصرف رہا۔ اسی طرح رؤسائے شیخوپور نے (جو فریدی فاروقی خاندانی رئیس تھے اور آپ سے ارادت وتلمذ رکھتے تھے) باصرار تمام ایک وسیع قطعہ زمین مسجد و مدرسہ و مکان کی تعمیر کے لیے نذر گزرانا۔ مسجد قدیم دوبارہ سہ بارہ تعمیر ہو کر 'مسجد خُرما' مشہور ہوئی۔ مسجد کی محراب وسطی میں ایک پتھر پر یہ قطعہ تعمیر کندہ ہے:

بنائے مسجد زیبای حاجی الحرمین	ز شیخ افضل روشن چو آفتاب شدہ
بہ جستجوئے شدم سال از مرمت او	خرد بگفت چو مسجد مثال کعبہ شدہ
	۱۰۹۳ھ

حضرت مولانا کے زمانے کی مرمت کا پتھر جو اندرون مسجد نصب ہے اس میں ۱۱۸۱ھ

[۶۸-۱۷۶۷ء] کندہ ہے۔

مدرسے کا نام 'مدرسۂ محمدیہ' قرار پایا تھا، جو اب 'مدرسہ عالیہ قادریہ' کے نام سے موسوم ہے۔ آپ کے فضل و کمال پر ہر قوم اور ہر طبقے کے لوگ گرویدہ تھے۔ اَودھ اور روہیل کھنڈ کے نواب سب کو آپ پر اعتقاد و خلوص تھا، روزانہ خوارق عادات اور تصرفات کا اظہار آپ سے ہوتا رہتا تھا۔

ایک واقعہ آپ کے زمانے کا یہ ہے کہ آپ کے قریب کے ہم سایہ دنیا دار رئیس جو رسومات اہل ہنود سے دلچسپی رکھتے اور ان کی خوشی کے تیوہاروں سے خوش ہوتے، شریعت اسلامیہ کی عظمت اور حاملان شریعت کی مرتبہ شناسی سے بے گانہ تھے اور آپ کے مواعظ حسنہ سے کچھ متاثر نہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ایام ہولی میں ان اہل محلّہ امرا کی رعایائے اہل ہنود رنگ پاشی کرتے، گاتے بجاتے، تمسخرانہ ہیئت سے مولانا کے دروازے سے گزرے۔ آپ نے پاس ہم سائیگی کے خیال سے بعض دیگر اہل محلّہ کے سامنے ان چند منتخب رؤسا کو بلا کر ایک امیر صاحب کو سمجھایا کہ فقیر کے دروازے پر رک کر ایسی حرکت اگر آپ کی کوشش سے یہ لوگ نہ کریں تو مناسب ہے، مگر آپ کا سمجھانا کچھ نتیجہ خیز نہ ہوا اور چوپہیاں برابر رنگ رلیاں مناتی اودھم مچاتی اُسی طرح آپ کے دروازے پر شوروغل کرتی ہوئی گزرتی رہیں، جس سے آپ کے مشاغل کے سوا درس و تدریس میں بھی حرج واقع ہوا۔ بالآخر آپ نے نظر مردم سے علیحدہ گوشہ نشینی اختیار فرمائی، اس کے بعد اہل ہنود کا مجمع اسی طرح جب خواہ مخواہ مولانا کے دروازے پر سے گزرا ولایتی طلبہ حمیت اسلامی کے جوش میں مجمع پر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کر دیا۔ جب ان امیر صاحب کو اطلاع ہوئی خود مع رفقا و ملازمین کے اہل ہنود کی امداد کے لیے آئے، طالب علموں نے اور بھی غضب ناک ہو کر زدوکوب میں ترقی کی، امیر مذکور مع مجمع کے پراگندہ ہو کر اپنے مکان کو بھاگ کر پہنچے۔ طالب علم ولایتی بھی تعاقب کناں پیچھے ہوئے۔ اسی اثنا میں بہت اہل محلّہ جمع ہوئے اور مولانا کی تلاش شروع کی، جب مولانا کو تلاش کر لیا تو یہ واقعہ بیان کیا، آپ فوراً حفظ ناموس کے خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہیں طلبہ زنانہ مکانوں میں گھس جائیں دیگر اشخاص کو لے کر رئیس مذکور کے دروازے پر پہنچے۔ طالب علم آپ کو دیکھ کر پاس ادب سے واپس ہوئے، مگر ایک طالب علم آپ کے تشریف لانے سے پیشتر رئیس کے مکان میں گھس گیا اور اُن کے بڑے لڑکے کو قتل کر دیا۔ آپ نے طالب علم کو سخت تعزیر دی اور بہت تاسف فرمایا۔

تمام عمر مولانا کی درس وتدریس میں بسر ہوئی۔ آخر عمر میں نواب اودھ نے نیازمندانہ اصرار کے ساتھ آپ کو بعض مسائل کے حل کے لیے لکھنؤ بلایا۔ آپ لکھنؤ ہی میں تھے کہ بہ عمر تریسٹھ سال ۲۵ ربیع الثانی ۱۱۹۷ھ [مارچ ۱۷۸۳ء] میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے متوسلین موجودہ شہر لکھنؤ آپ کا جنازہ بدایوں لائے اور آپ کو عیدگاہ شمسی کے چبوترے کے قریب جانب شمال دفن فرمایا۔ آپ کے عقد میں یکے بعد دیگرے مولانا محمد سعید صاحب ابن مولانا محمد شریف صاحب قدست اسراہم کی دو صاحبزادیاں آئیں، پہلی صاحبزادی بی بی نسیمہ سے مولانا شمس الدین پیدا ہوئے، دوسری دختر بی بی صالحہ سے (جن کی وفات ۱۷ جمادی الثانی ۱۲۰۷ھ [جنوری ۱۷۹۳ء] میں ہوئی) مولانا فخر الدین اور مولانا قطب الدین پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا کا قطعہ تاریخ وصال یہ ہے:

از وفات مولوی معنوی	گشت تیرہ ہمچو شب روز جہاں
از خرد جستم چو تاریخش بگفت	کرد رحلت زیں جہاں قطب زماں
	۱۱۹۷ھ

☆

مولانا فخر الدین قدس سرہٗ

آپ حضرت مولانا محمد علی صاحب کے فرزند و شاگرد اور حضرت سیدی مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہٗ الوحید کے پھوپی زاد بھائی تھے۔ ابتدائے عمر سے ذکر و اشغال کی طرف مائل تھے، بعض اشغال کی اجازت تجلہ نشین مارہرہ مطہرہ حضور اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ سے حاصل کر کے کشود خاطر کے متمنی تھے مگر وقت نہ آیا تھا، عجلت پسند طبیعت نے بدگمانی کا مادہ پیدا کیا، آپ حضرت مولانا فَخرُ الْمِلَّةِ وَالدِّین دہلوی اورنگ آبادی قدس سرہٗ (۱۵) کی خدمت میں حاضری کے قصد سے روانہ ہوئے، لیکن تاجدار مارہرہ مطہرہ کی کشش نے اپنی طرف کھینچا، بریلی سے واپس ہوئے۔ بوساطت حضرت سیدی شاہ عین الحق مولانا عبدالمجید قدس سرہٗ مارہرہ حاضر ہو کر حضور معلی کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہوئے، وجدانہ کیفیت میں رنگ گئے۔ صوفیانہ اشعار ہر وقت ورد زبان، خوش الحانی پر طبیعت مائل، غرض ایک مستی کا عالم تھا جو آخر عمر تک رہا۔

---

(۱۵) حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 147 حاشیہ ۱۵۔

سال رحلت 'آثار احمدی' میں ۱۲۰۰ھ [۸۶-۱۷۸۵ء] لکھی ہے، لیکن 'ہدایت الخلوق' میں ۱۲۱۰ھ [۹۶-۱۷۹۵ء] میں مرید ہونا تحریر ہے۔ تین پسر مولوی ممتاز الدین، مولوی زین العابدین، مولوی خورشید کمال چھوڑے☆۔ پسر اوّل کی اولاد نرینہ میں کوئی نہیں ہے۔ پسر دوئم مولوی زین العابدین صاحب حضرت مولانا عبدالمجید صاحب قدس سرہٗ کے داماد تھے۔ مولوی تفضّل حسین صاحب اور مولوی خطیب تجمّل حسین صاحب ان کے لڑکے تھے☆☆ دونوں کی اولاد نرینہ موجود نہیں اور مولوی خورشید کمال لاولد رہے۔

مولانا قطب الدین قدس سرہٗ ابن حضرت مولانا محمد علی صاحب یہ بھی سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں حضور اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ علم و فضل میں یگانہ تھے، لاولد فوت ہوئے۔

☆

مولانا شمس الدین محشی شرح وقایہ قدس سرہٗ

آپ بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد علی صاحب کے تھے۔ امیرانہ شان و شوکت کے ساتھ دل کے تونگر تھے، درویشانہ سیرت کے ساتھ عالمانہ انداز پر گزر اوقات فرماتے تھے، فقہ میں کامل دست گاہ حاصل تھی، درس و تدریس کا مشغلہ تھا۔ آپ کو بھی معافیات اور آراضیات کی سندیں نوابانِ اودھ اور شاہان دہلی کی جانب سے حاصل تھیں، جن کا تذکرہ کوئی قابل افتخار نہیں ہے۔ مدرسہ عالیہ قادریہ کے کتب خانے میں سیکڑوں ایسی سندیں موجود ہیں جس کو راقم الحروف نے دیکھ کر خیال قائم کیا تھا کہ ہر بزرگ کے تذکرے میں اُن عطیات سلاطین کا حوالہ دے کر دنیوی اعزاز بھی ظاہر کروں، لیکن ممانعت نے مجبور کر دیا۔ بہر حال صرف مختصر حالات ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ مولانا کا انتقال اپنے والد کے سامنے غرّہٗ محرم الحرام ۱۱۹۶ھ [دسمبر ۱۷۸۱ء] میں ہوا۔ 'شرح وقایہ' پر بسیط حواشی آپ نے تحریر فرمائے۔ ۴۳ سال کی عمر پائی، ایک دختر اور ایک پسر اپنی یادگار چھوڑے۔

☆

☆ مولانا فخر الدین کے ایک صاحبزادی بھی تھیں جو مولوی غلام سرور عثمانی کو منسوب تھیں۔ (تسلیم غوری)

☆☆ دو پسران کے علاوہ مولانا زین العابدین کی ایک بیٹی بھی تھیں جو مولوی صبیح الدین عباسی کو منسوب تھیں۔ (تسلیم غوری)

فخر الاطبا مولانا حافظ حکیم غلام احمد قدس سرہٗ

آپ مولانا شمس الدین کے لڑکے اور حضرت سیدی مولانا شاہ عبدالمجید عین الحق قدس سرہٗ کے داماد تھے۔ آپ قطع نظر جامع علوم معقول ومنقول ہونے کے فن طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ دستِ شفا کی برکت سے ہزاروں مریض آپ سے اپنی مراد کو پہنچے۔ اس کے سوا آپ خوش نویس اور تیر انداز بھی اعلیٰ درجے کے تھے۔ 'ملفوظات معینیؔ' میں ہے کہ:

مولوی غلام احمد فاضل وحکیم وحافظ وخوشنویس وتیر انداز بود۔

[ترجمہ: مولوی غلام احمد فاضل، حکیم، حافظ، خوش نویس اور تیر انداز تھے۔]

فن طب کی شہرت نے نواب ڈھاکہ کے اصرار سے آپ کو مرشد آباد پہنچایا۔ وہیں ۱۲۲۶ھ پنجم شہر ذی الحجہ [دسمبر ۱۸۱۱ء] آپ نے انتقال فرمایا۔

☆

فاضل دہر استاذ العصر علامہ اوحد مولانا فیض احمد قدس اللہ سرہٗ الصمد

آپ علمی دنیا میں علما کے سرتاج اور مجلس عرفا میں معرفت کے روشن چراغ تسلیم کیے گئے ہیں۔ ۱۲۲۳ھ [۰۹-۱۸۰۸ء] میں عالم وجود میں بزم آرا ہوئے۔ کم سنی میں فخر الاطبا کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ آپ کی والدۂ ماجدہ نے (جو ولیۂ عصر اور عفیفۂ دہر اور حضرت سیدی مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہٗ الوحید کی دختر بلند اختر تھیں) اپنے بھائی حضرت سیف اللہ المسلول مولانا شاہ معین الحق فضل رسول قدس سرہٗ کے سپرد آپ کو کردیا۔ ماموں کی آغوش محبت میں بڑے ناز ونعم سے پرورش پائی۔

محبت بھرے وہ پیارے الفاظ جس کے حرف حرف سے بوئے الفت آتی ہے، خود حضرت سیف اللہ المسلول کے ارشاد فرمائے ہوئے 'ملفوظات معینیؔ' سے ہم نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ:

بفضلہٖ تعالیٰ فیض احمد مذکور کہ ہمشیر زادہ ونور دیدہ ولخت دل وقوت بازوئے خاکسار است جامع کمالات انسانی است در علوم مروجہ بر معاصرین بالادست وعقیدت ومحبت صحیحہ بامحبان ومحبوبان خدا دارد اللھم زد اثر عین الکمالی کہ دارد ہمیں کہ بخدمات جلیلہ حکام دنیا تضیع وقت می کند اللہ تعالیٰ انجام بخیر فرماید چونکہ علاقہ حبل المتین محبت دوستانِ خدا بدست دارد امید ما است۔

[ترجمہ: بفضلہ تعالیٰ فیض احمد جن کا ذکر ہوا وہ اس خاکسار کے بھانجے، نور نظر، لخت جگر اور قوت بازو ہیں، کمالات انسانی کے جامع ہیں، علوم مروجہ میں اپنے معاصرین پر فوقیت رکھتے ہیں، محبان و محبوبان خدا سے محبت صحیحہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس میں زیادتی فرمائے۔ کمالات کا اثر یہ ہے کہ دنیاوی حکام کی خدمات جلیلہ میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ چونکہ دوستان خدا کی محبت کی رسی اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے ہیں اس لیے ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انجام بخیر فرمائے گا۔]

خزانہ قدرت سے آپ کو وہ ذہن و دماغ عطا ہوا تھا جس کی مثال آج کل ناپید ہے۔ ذرا سی عمر میں تمام علوم معقول و منقول نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ حاصل فرمائے۔ آپ کی ذہانت و ذکاوت خداداد پر ہم سبق طلبہ رشک کرتے تھے۔ پندرھویں سالگرہ نہ ہونے پائی تھی کہ اجازت درس حاصل ہوگئی۔ تقریر و تحریر میں وہ زور تھا کہ مخاطب شان استدلال اور ہیبت کلام سے ساکت ہو جاتا۔ جب تکمیل سے فراغ کامل حاصل ہوا، دولت بیعت اپنے مقدس نانا حضرت سیدی شاہ عین الحق قدس سرہٗ المجید سے پائی۔ اس کے بعد سلسلۂ ملازمت میں داخل ہو کر اُس عہدۂ جلیلہ پر مامور ہوئے کہ تمام سیاہ و سپید آپ کے ہاتھ میں تھا۔ اُس وقت آگرہ صوبے کا صدر مقام تھا، آپ لفٹنٹی کے سررشتہ دار تھے۔ ثروت و امارت خاندانی کے سوا عہدے کی وجاہت، اُس پر طرّہ یہ کہ سر ولیم میور لفٹنٹ گورنر بہادر صوبۂ آگرہ و اودھ آپ کے شاگرد خاص اور احترام کنندہ۔ ہزاروں اہل حاجت کی دستگیری فرمائی۔ وطن کے اہل غرض مطلب براری کے لیے روزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، ہر وقت مطبخ گرم رہتا، فقرا و مساکین ہمیشہ دامن دولت سے وابستہ رہتے، کبھی پیسہ آپ کے ہاتھ میں نہ رہتا اور مقروض رہتے۔ اہل بدایوں پر جو کچھ احسانات آپ کے ہیں وہ کبھی فراموش نہیں ہو سکتے۔ آپ کے خوان کرم کے نمک کا اثر جب تک ملاحتِ عیش و نشاط باقی ہے بعض طبقوں سے دور نہیں ہوسکتا۔ جن جن لوگوں پر جس جس طرح آپ نے احسان فرمائے ہیں واقف کاروں کی نظروں میں ہیں اور سمجھنے والے جانتے ہیں۔

باوجود ثروت و وقار کے دل فقیرانہ، مزاج شاہانہ تھا۔ فقرا سے محبت، غربا سے الفت، طلبہ کے شیدائی، شائقین علم کے فدائی تھے۔ شاگردوں کی تمام ضروریات کے خود متکفل ہوتے تھے، سلسلۂ درس و تدریس اقامت آگرہ میں بھی برابر جاری رہا۔ شاعری کا مذاق سلیم خاص طور پر جزو

طبیعت تھا، کلام میں حسنِ فصاحت اور رنگ بلاغت دونوں موجود ہیں۔ مضامین آفرینی کے ساتھ زبان کی صفائی سونے پر سہاگہ ہے۔ رسوا تخلص فرماتے تھے۔ عربی، فارسی، اردو ہر سہ زبانوں میں آپ کے اشعار انمول جواہر ہیں۔ ابتدا میں عاشقانہ کلام پر زورِ طبیعت صرف کیا، لیکن مرید ہونے کے بعد دوسرا رنگ چڑھا، مناقب سرکارِ غوثیت میں جدّت کے ساتھ طبع آزمائی ہونے لگی۔

ایک مرتبہ لاٹ صاحب نے ایک قصیدے کی فرمائش کی، رات کو فکر میں بیٹھے، بہت دماغ سوزی سے کام لیا، بجز چند اشعار کے (وہ بھی اپنی طبیعت کے لحاظ سے بے لطف) کچھ نہ ہو سکا، یہاں تک کہ تہجد کا وقت ہو گیا، یکا یک دل میں خیال پیدا ہوا کہ افسوس ایک دنیوی حاکم کے حکم سے اس قدر وقت عبث صرف ہوا، کاش یہ وقت اپنے دین و دنیا کے حاکم سرکارِ غوثیت مآب کی مدح و ثنا میں صرف ہوتا۔ فوراً وضو کیا، نوافل تہجد ادا فرمائے، معمولاتِ شبانہ سے فارغ ہو کر نماز فجر سے پیشتر ایک جلسے میں اور ایک آن میں ایک سو گیارہ شعر کا قصیدہ (جو صنائع لفظی و معنوی سے آراستہ ہے) قلم برداشتہ ثنائے حضور غوث اعظم میں تحریر فرمایا۔ یہ قصیدہ 'ہدیۂ قادریہ' میں موجود ہے۔ آپ کا ذخیرہ کلام جو تینوں زبانوں میں جدا جدا قلم بند کیا جا چکا تھا، ہنگامۂ غدر میں خدا معلوم کس کے ہاتھ لگا۔

صرف تھوڑا سا کلام حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کے ارشاد سے 'ہدیۂ قادریہ' میں مطبوع ہوا۔ عربی میں آپ کا علم ادب اہلِ عرب کے لیے باعثِ رشک ہے۔ 'ہدیۂ قادریہ' حضرت تاج الفحول نے جب بغداد شریف کے حضرات کو نذر گزرانا تو وہاں کے بڑے بڑے ادیب تعجب کرتے تھے اور کسی ہندی کے کلام ہونے کا یقین نہ آتا تھا۔ آپ کی تصانیف سے کلام میں رسالہ 'تعلیم الجاہل' بجواب 'تفہیم المسائل' اور 'شرح ہدایت الحکمت' صدرا شیرازی، نیز 'تعلیقات علی فصوص الفارابی' دستیاب ہو سکیں۔ آپ نے زمانۂ غدر میں آگرہ ہی سے (جب کہ ہر طرف ہنگامۂ جدال و قتال گرم تھا) ترکِ علائق کر کے راہِ حق میں قدم رکھا اور جادۂ فنا تک پہنچ کر بقائے جاودانی کا لطف اٹھایا۔ کسی کو آپ کا پتہ نہ چلا کہ کہاں تشریف لے گئے۔

'تحفۂ فیض' مطبوعہ مرتبہ حضرت تاج الفحول مولانا شاہ فقیر نواز فقیر قادری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے حالات کا روشن آئینہ ہے۔ آپ کے تلامذہ کا حصر و شمار دشوار ہے۔ بعض کے نام یہاں مذکور ہیں:

[۱] حکیم سید اولاد علی اکبر آبادی

[۲] قاضی باسط علی اکبر آبادی

[۳] مولوی سید احمد حسن قنوجی (۱۶)

[۴] مولوی عبد الصمد لکھنوی

[۵] مولوی فضل احمد فرخ آبادی

[۶] مولوی سراج احمد (۱۷)

[۷] و مولوی اولاد احمد سہسوانی وغیرہ بیرون جات کے اشخاص میں

اور اہل شہر میں:

[۸] مولوی صبیح الدین عباسی (۱۸)

[۹] مولوی قاضی شمس الاسلام عباسی (۱۹)

[۱۰] مولوی سید دولت علی نقوی قبائی (۲۰)

[۱۱] مولوی حکیم غلام صفدر (۲۱)

[۱۲] مولوی محمد اسحاق صدیقی (۲۲)

[۱۳] مولوی محمد بخش صدر الصدور (۲۳)

[۱۴] مولوی علی بخش خان صدر الصدور (۲۴)

[۱۵] مولوی محمود بخش صدر الصدور (۲۵)

[۱۶] مولوی کرامت اللہ منصف (۲۶)

[۱۷] مولوی محمد حسین (۲۷)

[۱۸] مولوی نجابت اللہ خلیفہ (۲۸)

[۱۹] غلام حسین (۲۹) صاحبان وغیرہ شرفا و عمائد اور:

[۲۰] مولوی نذیر احمد

[۲۱] مولوی محمد سعید

[۲۲] مولوی نور احمد صاحبان علمائے کرام اہل خاندان سے آپ کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔

حواشی (۱۶) تا (۲۹) کے لیے دیکھیے: صفحہ 147 تا 151

شعرا میں آپ کے مستفیضین میں:

[۱] مولوی افضل الدین قیسؔ (۳۰)

[۲] مولوی غلام شاہد فداؔ (۳۱)

[۳] مولوی احمد حسین وحشتؔ (۳۲)

[۴] مولوی نیاز احمد نیازؔ (۳۳)

[۵] مولوی اشرف علی نفیسؔ (۳۴) وغیرہ مشہور لوگ ہیں۔

☆

تاج العلما سراج الاطبا جناب مولانا حکیم سراج الحق صاحب قدس سرہٗ

ابن حضرت مولانا فیض احمد صاحب۔ آپ کی ولادت ۲۰ رمضان المبارک ۱۲۴۶ھ [مارچ ۱۸۳۱ء] کو ہوئی۔ 'اظہار الحق' تاریخی نام مقرر رہوا۔ تحصیل علوم نقلیہ اور فنون عقلیہ کی اوّل اپنے والد ماجد سے کی، اُس کے بعد استاذ العلما حضرت مولانا نور احمد صاحب سے استفاضہ علمیہ کیا۔ طب کو علماً اور عملاً حضرت سیف اللہ المسلول علیہ الرحمۃ سے سیکھا۔

نہایت زبردست دماغ آپ کو قدرت نے عطا فرمایا تھا۔ معقول، فلسفہ، ریاضی کے مشکل سے مشکل اور ادق سے ادق مسائل آپ کی ادنیٰ سے ادنیٰ توجہ میں حل ہوتے تھے۔ عالم پیری میں آپ کے ذہن سلیم اور حافظۂ مستقیم کی یہ حالت تھی کہ شب کو علی گڑھ میں طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا، آپ چارپائی پر استراحت فرما ہوتے، سبق شروع ہوتا، ہر فن کی کتاب بلا مطالعہ اس بے تکلفی سے پڑھاتے کہ طلبہ دنگ ہو جاتے، خصوصاً صفحے کے صفحے فقط عبارت پڑھ کر اُس کے مطالب سمجھاتے۔ آپ کے طبّی کمال کے اطبائے دہلی اور لکھنؤ قائل تھے۔ باصرار رؤسائے دان پور و دھرم پور آپ زیادہ تر علی گڑھ میں قیام پذیر رہتے۔ جب بدایوں تشریف لاتے تو مریضان مایوس العلاج کی عید ہو جاتی۔ اس فن شریف میں علاوہ ماہرانہ کمال کے خدا نے دست شفا بھی وہ دیا تھا کہ جس بیمار پر ہاتھ رکھ دیا خدا نے اُس کو صحت عطا فرما دی۔ عمر گراں مایہ کو ہمیشہ افادہ و افاضہ میں ہمہ تن مصروف رکھا۔ مشاغل باطنی کے اعتبار سے آپ کی زندگی بالکل مشائخانہ زندگی تھی۔ زہد و اتقا کی شان مقدس چہرے سے صاف آشکار رہوتی تھی۔ ایام عرس شریف میں قریب چوکی آپ در

حواشی (۳۰) تا (۳۴) کے لیے دیکھیے: صفحہ 151 تا 152

سے پشت لگا کر بیٹھتے تھے اور برکت وانوار عرس اور تجلیات آستانہ قادریہ کے نظارے میں مستغرق ہو جاتے تھے۔

خدا کی شان ہے کہ اسلاف سے لے کر اخلاف تک سب کا انتقال بدایوں سے باہر ہوا۔ آپ کے والد کے انتقال کی خبر بھی نہیں کہ کہاں ہوا۔ دادا نے مرشد آباد میں، مولانا بحر العلوم محمد علی صاحب قدس سرہٗ نے لکھنؤ میں انتقال کیا۔ آپ نے دان پور میں رحلت فرمائی۔ آپ کے صاحبزادے مکہ معظّمہ میں فوت ہوئے۔

حلقۂ درس آپ کا بہت وسیع تھا، علی گڑھ میں شب کا وقت آپ نے درس کے لیے مخصوص فرما دیا تھا، دن کو طلبہ جناب مولانا مفتی لطف اللہ صاحب سے پڑھا کرتے تھے، شب کو فرصت کے وقت آپ سے تحصیل علم کرتے تھے۔ تصنیف وتالیف کا بھی بہت شوق تھا، ہر فن میں آپ کی تالیفات بہ کثرت ہیں۔ 'شرح رسائل معمیات بہاء الدین عاملی' مطبوعہ ہے۔ آپ کی کمال قابلیت کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف دو ایک جلسوں میں تھوڑی تھوڑی دیر مدرسۂ قادریہ میں بیٹھ کر آپ نے اس شرح کو تحریر فرمایا ہے۔ طبیعات میں 'رسالہ سراج الحکمت' ہے۔ علم کلام میں 'شرح رسالہ المعتقد المنتقد' ہے جواب دستیاب نہیں ہوتی۔☆ عربی علم ادب میں آپ کے بلیغ عربی قصائد آپ کی شانِ ادب کے شاہد ہیں۔ اس کے سوا فن طب میں بہت سے رسائل آپ نے تحریر فرمائے۔ چونکہ ذخیرۂ کتب اور تمام مسودات تالیف وتصنیف آپ کے پاس رہتے تھے، اس وجہ سے یہ تمام عمر کا سرمایہ قریب قریب دوسروں کے تصرف میں آ گیا۔ آخر عمر میں مولوی حکیم افتخار الحق صاحب کو آپ نے اپنی آغوش تربیت میں مثل اولاد کے پرورش کیا، جس کا یہ نتیجہ پیش نظر ہے کہ یہ حکیم صاحب بڑے بڑے اطبا کے ہجوم میں عزت اور خصوصیت کے ساتھ مطب کرتے ہیں۔ آج کل لکھنؤ جیسے مسکن اطبا میں مطب کر رہے ہیں اور شہرت کامل حاصل ہے۔ زیادہ تر ذخیرۂ تصنیفات ان کو ہی ملا، کیوں کہ بروقت انتقال بھی وہاں موجود تھے۔

☆ میاں نذیر حسین دہلوی نے وظیفہ 'یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ' کے عدم جواز پر کوئی رسالہ تصنیف کیا تھا، اس کے رد میں حکیم سراج الحق عثمانی نے رسالہ 'صولت القادریۃ' تصنیف کیا۔ یہ تاریخی نام ہے جس سے رسالے کا سنہ تصنیف ۱۲۷۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ رسالہ فارسی زبان میں ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ مطبع کوہ نور لاہور سے ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء میں طبع ہوا تھا۔ اس کی اشاعت جدید تاج الفحول اکیڈمی کے منصوبے میں شامل ہے، ان شاء اللہ جلد ہی ترجمہ وتخریج اور ترتیب جدید کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔ (مرتب)

۱۲۹۹ھ[۸۲-۱۸۸۱ء]قدسی میں آپ دوبارہ مع قافلے کے حرمین طیبین کی زیارت کو تشریف لے گئے۔ بیاسی برس کی عمر پائی۔ ۲۸ر ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ[فروری ۱۹۰۵ء] بوقت سحر بمقام دان پور ضلع علی گڑھ انتقال فرمایا۔ ایک پسر، ایک دختر اولاد میں ہوئے۔

آپ کے شاگردوں میں منجملہ اہل وطن کے:

[۱] مولوی سید مطیع احمد صاحب نقوی قبائی

[۲] مولوی عاشق حسین صاحب رئیس چاہ میر

[۳] مولوی باقر علی صاحب

[۴] مولوی میر نذر علی صاحب

[۵] مولوی تفضّل حسین صاحب رئیس گڑھ مکتیشور

[۶] مولوی محمد حسین صاحب سوہاروی

[۷] حکیم محمد حسین صاحب سہسوانی

[۸] سید اولاد حسن صاحب

[۹] حکیم تصور علی صاحب اکبرآبادی

[۱۰] مولوی مقبول حسین صاحب شیعی (مشہور واعظ فرقۂ شیعہ)

[۱۱] مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (مشہور غیر مقلد سرگروہ وہابیہ)

[۱۲] مولوی جمال الدین صاحب پنجابی

[۱۳] سید عبداللہ صاحب کابلی وغیرہ بے شمار اشخاص دیار و امصار کے ہیں۔

☆

مولانا محمد منیر الحق صاحب

آپ حکیم صاحب کے اکلوتے فرزند تھے۔ ۲۹ر رمضان المبارک ۱۲۸۲ھ[فروری ۱۸۶۶ء] آپ کی سال ولادت ہے۔ نہایت طباع اور ذہین تھے۔ علمی نشو ونما مدرسہ قادریہ میں نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے پائی تھی۔ درس نظامی کی تکمیل تھوڑی سی عمر میں کر لی تھی۔ حضرت اقدس قبلہ پیر ومرشد جناب مولانا[عبدالمقتدر] صاحب مدظلہم العالی کے ہم عمر وہم سبق تھے۔ ۱۲۹۹ھ[۸۲-۱۸۸۱ء] میں جب آپ کے والد ماجد صاحب قبلہ کا قافلہ بہ ہمراہی حضرت تاج

انحول قدس سرہٗ حج کو روانہ ہوا اور اس میں اکثر اکابر و اصاغر خاندان حرمین طیبین کی حاضری کے لیے شامل ہوئے آپ بھی تشریف لے گئے۔ مولانا کے ذہن و حافظے کی خداداد ذکاوت کا یہ اثر تھا کہ ماہ رمضان المبارک میں دن کو قرآن مجید کا ایک ایک پارہ حفظ کرتے اور شب کو محراب میں سنا دیا کرتے۔ آخر ایام حج میں مکہ معظّمہ میں ۱۸ رسال کی عمر میں انتقال فرمایا اور اپنے بزرگ خاندان کے سلسلے کو ختم کر دیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

☆

[مولوی قل محمد پسر دوم مولانا محمد نظیف]

مولانا محمد نظیف قدس سرہٗ کے بقیہ دو پسران مولوی قل محمد صاحب اور مولوی گل محمد صاحب میں سے خطابت و امامت جامع شمسی بدایوں مولوی قل محمد صاحب کو (جو حضرت مولانا فخر صاحب قدس سرہٗ کے صاحب مجاز مریدین میں تھے) ملی۔ ہشتم صفر کو انتقال ہوا۔ دولڑکے مولوی محمد اکرام صاحب اور خطیب محمد عمران صاحب اور ایک لڑکی اپنے اعقاب چھوڑے۔ دختر کی شادی مولانا عبدالحمید صاحب ابن مولانا محمد سعید صاحب کے ساتھ ہوئی۔ خطیب محمد اکرام صاحب اوّل خطیب جامع ہوئے، لیکن یہ لاولد فوت ہوئے، بعد انتقال ان کے امامت و خطابت ان کے چھوٹے بھائی کو منتقل ہوئی۔

☆

مولانا خطیب محمد عمران صاحب قدس سرہٗ

آپ اپنے وقت کے نہایت باخدا بزرگوں میں تھے۔ آپ کی نسبت باطنی ہمیشہ آپ کو وجدانہ عالم میں رکھتی تھی۔ علاوہ علوم دینیہ کے مثنوی شریف حضرت مولانا روم قدس سرہٗ کا درس خاص طور پر مشہور ہے، آپ تمام مثنوی شریف کے مع مالہ و ماعلیہ حافظ تھے اور درس کے وقت عجیب و غریب نکات و رموز اسرار و حقائق کا انکشاف فرماتے تھے۔ ۱۲۴۴ھ [۲۹-۱۸۲۸ء] میں انتقال ہوا۔ "امروز علم مثنوی مرد" آپ کی تاریخ رحلت ہے۔ مزار جامع مسجد میں حوض کے شرقی کنارے پر ہے۔

[۱] مولانا عبدالسلام صاحب عباسی (۳۵)

(۳۵) مولانا عبدالسلام عباسی کے حالات صفحہ 153 حاشیہ ۳۵ ر پر ملاحظہ کریں۔

[۲] مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب کشفی
[۳] میاں ذکراللہ شاہ صاحب قادری (۳۶)
[۴] چودھری محمد اعظم صاحب رئیس
[۵] چودھری محمد عظیم صاحب رئیس مثنوی شریف میں آپ کے شاگرد تھے۔

آپ کے انتقال کے بعد خطابت آپ کے لڑکے خطیب غلام سرور صاحب کو (جن کا انتقال ۱۲۷۶ھ [۶۰-۱۸۵۹ء] میں ہوا اور جو اپنے والد کے برابر مدفون ہوئے) منتقل ہوئی۔ یہ خطیب صاحب بھی لاولد رہے، ان کے انتقال کے بعد خطیب تجمل حسین صاحب ابن مولوی زین العابدین ابن مولوی قطب الدین☆ ابن مولانا بحر العلوم محمد علی صاحب قدس سرہٗ خطیب جامع ہوئے۔ چونکہ خطیب صاحب کوئی فرزند نہ رکھتے تھے، اس خیال سے حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ نے مولوی جمیل الدین صاحب عباسی کو (جو خطیب صاحب مرحوم کے بھانجے ہیں) ان جناب کے لیے خطیب مقرر کر دیا۔

☆

مولوی گل محمد صاحب

پسر سوم مولانا محمد نظیف صاحب کے تھے۔ حضرت مولانا فخر صاحب کے خلفا میں آپ کا نام بھی پایا جاتا ہے۔ ان کے بھی دو لڑکے حافظ خیر الدین صاحب اور مولوی نصیر الدین صاحب ہوئے۔ حافظ خیر الدین صاحب کی اولاد میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب عثمانی وغیرہ موجود ہیں۔ مولوی نصیر الدین صاحب کے صرف ایک لڑکے مولوی سعد الدین صاحب تھے (جن کا ذکر تلامذۂ حضرت مولانا شاہ عبدالمجید صاحب قدس سرہٗ میں ہوگا) لاولد فوت ہوئے۔

☆

اشرف الاتقیا صاحب جذب لطیف عارف کامل مولانا محمد شریف قدس سرہٗ

ابن مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ۔ استفادۂ ظاہری و باطنی اپنے والد بزرگوار سے کیا، والد کی

---

(۳۶) میاں ذکراللہ شاہ کے حالات صفحہ 154 حاشیہ ۳۶ / پر ملاحظہ کریں۔

☆ خطیب تجمل حسین مولانا قطب الدین کے پوتے نہیں بلکہ ان کے بھائی فخر الدین کے پوتے تھے۔ مولانا قطب الدین لاولد فوت ہوئے جس کی وضاحت خود مصنف صفحہ 71 پر کر چکے ہیں۔ (تسلیم غوری)

حیات میں حالت سلوک قائم رہی اور طالبان حق و ہدایت کو علمی و روحانی فیضان سے مستفیض کرتے رہے۔ مجاہدات اور ریاضات شاقہ میں عمر بسر کی، اوراد و اشغال میں زیادہ وقت صرف ہوتا تھا۔ والد کے وصال کے بعد حالت میں انقلاب پیدا ہوا، علاقہ دنیوی سے وحشت، بادیہ پیمائی سے رغبت پیدا ہوئی، صحرا نشینی اختیار کی۔ اگر کوئی طالب حق جنگل میں آپ کو تلاش کر لیتا تو وہیں اُس کو تعلیم و تلقین فرما کر رخصت کرتے اور اس مقام کو چھوڑ دیتے۔ کبھی اہل قرابت تلاش کر کے مکان پر لے آتے تو نماز فجر اوّل وقت پڑھتے اور پھر جنگل کو چلے جاتے۔ غرض یہ کہ کبھی جذب و استغراق میں رہتے، کبھی سالک باخبر معلوم ہوتے۔ طلبہ ہمیشہ آپ کی تلاش میں رہتے، جہاں ملتے سبق لیتے، دن بھر روزہ رکھتے، شب کو نوافل میں صرف کرتے۔ جب اس حالت سے کسی قدر طبیعت کو سکون ہوا، اُس کے بعد ہمیشہ یہ معمول رہا کہ نماز فجر مکان پر باجماعت ادا کی اور جنگل کو چلے گئے۔ شام کو پھر واپس آ کر نماز عشا جماعت سے ادا فرمائی۔ ایک روز اسی طرح سوت ندی پر پہنچ کر حسب معمول غسل کیا اور نماز عصر میں مشغول ہو گئے، عین حالت سجدہ میں طائر روح نے قفس عنصری سے پرواز کی۔ طلبہ و متوسلین (جو ہر وقت دامن فیض سے وابستہ رہتے تھے) دیر تک آپ کو سر بہ سجود پا کر متحیر ہوئے، آخر انتظار شدید کے بعد جا کر جنبش دی، معلوم ہوا کہ آپ واصل بحق ہو چکے ہیں۔ آخر شہر میں خبر ہوتے ہی تمام اہل خاندان اور مریدین وغیرہ آپ کا جنازہ مکان پر لائے۔ بروز پنجشنبہ ۶ رمضان المبارک ۱۱۲۴ھ [اکتوبر ۱۷۱۲ء] آپ کو آغوش مزار میں محو خواب کر دیا۔ ۶۳ برس کی عمر پائی، والدہ آپ کی عبدالنبی حجازی کی دختر تھیں۔

مولانا سید نور محمد صاحب (۳۷) اور مولانا محمد معین الدین صاحب فائقؔ (۳۸) آپ کے تلامذہ میں تھے۔ 'عارف کامل محمد شریف' فقرہ سال وصال ہے:

آں محمد شریف قطب زماں	عارفِ باخدا ولی و سعید
چوں شدہ در نماز سر بہ سجود	از درِ حق نوید وصل شنید
جان شوق وصالِ جانِ جہاں	پیش رب العباد نذر کشید
ہاتف غیب سال وصلش گفت	اشرف الاتقیا بخلد رسید

۱۱۲۴ھ

(۳۷) آپ کے حالات کے لیے: دیکھیے صفحہ 154 حاشیہ ۳۷۔

(۳۸) آپ کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 155 حاشیہ ۳۸۔

☆

واقف حقائق توحید مولانا شاہ محمد سعید چشتی قدس سرہٗ

آپ مولانا محمد شریف کے خلف الصدق اور تلمیذ رشید تھے۔ تکمیل علوم ظاہری واستفاضہ اشغال باطنی بزرگ باپ سے کر کے دیگر مشائخ زمانہ سے اکتساب فیض کیا۔ اُس زمانے میں حضرت عارف باللہ مولانا کلیم اللہ جہان آبادی قدس سرہٗ کا آوازۂ کمال اطراف و جوانب میں شہرت پذیر تھا اور آپ کے ایک بھائی مولانا محمد عطیف قدس سرہٗ شاہ صاحب کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو چکے تھے۔ آپ بھی بدایوں سے شاہجہاں آباد [دہلی] پہنچے، شرفِ بیعت وخلافتِ حضرت شاہ صاحب سے معزز و ممتاز ہوئے۔ ریاضت و اشغال میں ہمہ تن مصروف رہ کر مراتب جلیلہ اور مناصب عظیمہ طے فرمائے۔ مثال خلافت حاصل کر کے وطن واپس آئے۔ باب فیوض ظاہری و باطنی وا کر کے بندگان خدا کو مستفیض فرمایا اور بدایوں کو مرکز رشد و ہدایت بنا دیا۔ طلبا و علما دور دراز سے آ کر فائز المرام ہونے لگے، ایک طرف حضرت بحر العلوم مولانا محمد علی صاحب کی مسند آراستہ ہوتی تھی، ایک جانب حضرت مولانا مفتی عبد الغنی صاحب کا حلقۂ درس گرم رہتا تھا، صدر میں حضرت مولانا [محمد سعید] کا مصلّیٰ لگتا تھا، قال اللہ اور قال رسول اللہ کی آوازیں در و دیوار سے نمایاں ہوتی تھیں۔ غرض یہ کہ ایک ہنگامۂ خدادانی وخدا شناسی برپا تھا اور متلاشیانِ جادۂ مقصود و مشتاقان علم وعرفان ربّ ودود کی بن آئی تھی۔

آپ کی والدہ عباسی النسل شیخ خلیل اللہ عباسی کی دختر تھیں اور آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں، ایک حافظ عبد الجلیل صاحب عباسی کی دختر کے ساتھ، دوسری محمد ماہ سہسوانی کی لڑکی کے ساتھ۔ تین لڑکیاں اور دو لڑکے آپ نے اپنی اولاد میں چھوڑے۔ ایک لڑکی اوّل مولانا محمد علی صاحب کے عقد میں آئیں، جب ان کا انتقال ہو گیا تو دوسری صاحبزادی منسوب کی گئیں، جن کا انتقال ۱۷ر جمادی الثانی ۱۲۰۷ھ [جنوری ۱۷۹۳ء] میں ہوا۔ تیسری صاحبزادی مفتی عبد الغنی صاحب کے عقد میں آئیں، جن کا انتقال ۴ر ربیع الثانی ۱۲۰۶ھ [نومبر ۱۷۹۱ء] کو ہوا۔ تاریخ وصال حضرت مولانا کی ۴ر ذی قعدہ ۱۱۵۷ھ [دسمبر ۱۷۴۴ء] ہے۔

صبح چوں از دار دنیا رفت مولانا سعید	مقتدائے اہل دیں سر دفتر اہل کمال
از خرد فرمود ہاتف با ہجوم اضطراب	گوہر درج طریقت ہست تاریخ وصال

۱۱۵۷ھ

☆

مولانا مفتی محمد لبیب صاحب

آپ بڑے صاحبزادے مولانا محمد سعید صاحب کے تھے۔ تحصیل علم بکمالِ تحقیق اپنے والد بزرگوار سے فرمائی تھی، فقہ و فرائض میں یگانۂ عصر اور انتخاب روزگار تھے۔ آپ کی شادی مولوی وجیہ الدین صاحب ابن مفتی درویش محمد صاحب کی دُختر کے ساتھ ہوئی، لیکن آپ لاولد رہے۔ ۱۱۹۵ھ [۱۷۸۱ء] میں انتقال ہوا۔ 'داخل جنات عالیہ' (۱۱۹۵ھ) مادۂ تاریخ ہے۔

☆

سرمست بادۂ توحید حضرت مولانا عبدالحمید قادری قدس سرہٗ الوحید

آپ چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد سعید صاحب کے تھے۔ ۱۷ر جمادی الاول ۱۱۵۲ھ [اگست ۱۷۳۹ء] تاریخ ولادت ہے۔ پانچویں برس والد کا انتقال ہوگیا۔ تعلیم و تحصیل علم اپنے برادر گرامی سے فرمائی، بعد فراغ سلسلۂ درس و تدریس [کا] اجرا فرمایا۔ خداوند کریم نے آپ کی زبان میں تاثیر کامل عطا فرمائی تھی جس کے حق میں دعا فرماتے لطف الٰہی سے باب اجابت تک پہنچتی۔ طلبہ ہر کتاب حصول برکت کے لیے آپ سے ہی شروع کیا کرتے تھے، اگرچہ آپ تواضع و انکسار کے باعث اپنے آپ کو زمرۂ مشائخ سے بالکل علیحدہ رکھتے تھے اور اپنی شان باطنی کو ظاہری لباس کے پردوں میں پوشیدہ رکھتے تھے، لیکن اداشناس اور رموز آشنا نگاہیں صاف کہے دیتی تھیں:

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں
مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں

ہر وقت کے حاضر خدمت رہنے والے اور واقف حال لوگ متفق ہیں کہ آپ اولیائے کاملین سے تھے۔ مشائخ وقت اور اکابر عصر سے آپ کے مراسم اتحاد ہمیشہ وابستہ رہتے تھے اور اکثر اہل دل بزرگ آپ کی صحبت میں موجود رہتے تھے۔

بیعت و خلافت حضور اقدس حضرت اچھے میاں صاحب سے حاصل تھی، لیکن شان تواضع کے باعث تمام عمر کسی کو مرید نہ فرمایا۔ اس پر بھی آپ کی کشش روحانی کا یہ عالم تھا کہ بکثرت اشخاص مریدوں سے زیادہ آپ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ اکثر معتقدین تو آخر وقت تک آپ کے پاسِ عقیدت سے کسی کے مرید ہی نہ ہوئے۔

آپ کے واقعۂ ارتحال کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دن آپ بالکل صحیح و سالم حسب معمول نماز فجر کے لیے مسجد میں تشریف لائے، نماز باجماعت ادا کر کے اوراد و اشغال روزانہ ادا فرمائے، نوافل اشراق کے بعد اعزا و اقارب کے تمام مکانات میں تشریف لے گئے اور فرداً فرداً ہر مکان میں اعزا کو اپنے قریب بلا کر ان سے کلمات وداعیہ فرماتے اور کہتے کہ" آج رخصت ہونے کے لیے آیا ہوں"، تھوڑی تھوڑی دیر ہر مکان میں بیٹھتے اور رخصت ہوتے وقت سب کے حق میں دعائے خیر کرتے، مصافحہ کر کے دوسرے مکان میں جاتے۔ اسی طرح قبل زوال دولت خانے میں تشریف لائے، کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر حسب معمول تھوڑی دیر مکان میں رہ کر مسجد میں آئے، نماز ظہر باجماعت پڑھی، نماز کے بعد مولانا عبدالملک صاحب انصاری **(۳۹)** کو اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ" آج نماز عصر اول وقت ادا کر لیجیے تاکہ آخر اقتدا مجھے بھی حاصل ہو جائے"۔ بعدہٗ مسجد سے محل سرائے اقامت میں تشریف لے گئے۔ اوّل ایک لکڑی سے دروازے کا عرض ناپا، اُس کے بعد چارپائیوں کی پیمائش کی، حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ کی والدہ ماجدہ نے (جن پر آپ بہت شفقت فرماتے تھے) عرض کیا کہ"حضور! آج خلاف عادت یہ کیا کر رہے ہیں؟" ہنس کر جواب دیا کہ" دروازے کی پیمائش برائے محافۂ عروسی یا برائے جنازہ کی جاتی ہے"، یہ کہہ کر ایک چارپائی کو منتخب فرمایا اور کہا" ہمارا بستر اس چارپائی پر لگا دیا جائے"، والدہ ماجدہ حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ تعمیل حکم میں مشغول ہوئیں، آپ مکان سے مسجد میں تشریف لے آئے اور نہایت اطمنان سے مسجد میں نماز عصر کے لیے مولانا عبدالملک صاحب کا انتظار کیا۔ مولوی صاحب موصوف حسب ایما اوّل وقت تشریف لائے اور باہم کچھ راز و نیاز کی باتیں ہوئیں، اتنے میں مؤذّن نے اذان کہی، آپ نے خدّام موجودہ سے وضو کے لیے پانی طلب کیا اور فرمایا کہ" آج وضو پر آخری وضو بھی کر لوں تو بہتر ہے"، بعد وضو بہ اقتدائے مولوی صاحب مذکور نماز عصر باطمانیت قلب ادا کی، جس وقت دوسرا سلام پھیرا حالت متغیر ہو گئی، غشی طاری ہونا شروع ہوئی، فوراً امام اور مقتدی آپ کو ہاتھوں پر رکھ کر مکان میں لائے، چارپائی پر بستر پیشتر سے لگا ہوا تھا، اُس پر آپ کو لٹا دیا گیا، عالم محویت میں خالقِ حقیقی سے راز و نیاز شروع ہو گئے، کسی سے کوئی کلام نہ فرمایا، یہاں تک کہ صبح دوشنبہ ۱۷ر جمادی الاولی ۱۲۳۳ھ [مارچ

---

(۳۹) مولانا عبدالملک انصاری کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 156 حاشیہ ۳۹۔

۱۸۱۸ء] ذکر جہر کے شغل کے ساتھ طائر روح نے خلد بریں کو پرواز لی۔ تاریخ اور مہینہ، وقت اور دن ولادت و وصال کا ایک ہی تھا۔ تین پسر حضرت مولانا عبدالمجید صاحب، مولانا محمد شفیع صاحب، مولانا حکیم عبدالصمد صاحب اپنی یادگار چھوڑے۔

مقتدائے شرع و یکتائے زماں چوں بایزید — عارف کامل امام اتقیا فرد و وحید
گفت ملہم چوں سوئے دارالبقا رحلت نمود — بائے رفت از دار دنیا مولوی عبدالحمید
۱۲ھ ۳۳

دیگر

چوں عبد حمید قبلۂ دیں — قصدِ ملک بقا نمودہ
سالِ وصل و سنین عمرش — ہشتاد و یکش سنین بودہ
۱۲ھ ۳۳

☆

مولانا محمد شفیع قدس سرہٗ

آپ منجھلے صاحبزادے مولانا عبدالحمید صاحب کے تھے۔ ۶ر رمضان شریف ۱۱۸۴ھ [دسمبر ۱۷۷۰ء] کو پیدا ہوئے۔ تحصیل و تکمیل علم والد بزرگوار اور مولانا بحرالعلوم محمد علی صاحب سے فرمائی۔ کمالِ زہد [و] اتقا سے موصوف تھے۔ تواضع اور حلم میں اپنی نظیر خود آپ تھے۔ ۲۴ر ذی الحجہ ۱۲۵۸ھ [جنوری ۱۸۴۳ء] میں بعد مغرب انتقال ہوا۔ 'غلام پیر' کے نام سے معروف تھے۔

'عالم ذی وقار وباکمال' فقرۂ تاریخ وفات ہے۔

تین صاحبزادے مولانا ضیاء الدین احمد صاحب، مولانا ثناء الدین احمد صاحب، مولانا نور احمد صاحب اپنی یادگار چھوڑے۔ ایک دختر مولانا فیض احمد صاحب کے عقد میں آئیں۔

☆

مولانا ضیاء الدین قدس سرہٗ

بلحاظ عمر آپ مولانا محمد شفیع صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ بتاریخ ۳ر صفر ۱۲۰۸ھ [ستمبر ۱۷۹۳ء] آپ پیدا ہوئے۔ اکتساب علم نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ اپنے عم محترم حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہٗ سے کیا، شرف تلمذ کے سوا ارادت و عقیدت کامل حضرت

اقدس قدس سرہٗ المجید کے ساتھ رکھتے تھے۔ بعد فراغ کامل اضافہ اسناد کے لیے سند حدیث مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی (۴۰) سے بھی حاصل کی۔ فن طب میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ کچھ عرصے تک بمقام اکبرآباد [آگرہ] حکیم نورالدین صاحب کے مدرسے میں مدرس اعلیٰ رہے اور اکثر اشخاص کو اپنے فیض علوم سے فیض یاب کیا۔ خصوصاً حکیم صاحب کا کل خاندان آپ کے فیض تلمذ سے ممتاز تھا۔ ۲۰ ربیع الاوّل شریف ۱۲۴۴ھ [ستمبر ۱۸۲۸ء] راہیٔ ملک بقا ہوئے۔ 'نجمِ رخشاں' مادۂ تاریخ وفات ہے۔ مولانا نذیر احمد صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب آپ کے فرزند تھے۔

☆

مولوی محمد احسن

کے دو صاحبزادے مولوی محمد حسن صاحب مرحوم اور مولوی محمد محسن صاحب پنشنر سرویر (جو بفضلہٖ بقید حیات ہیں) ہوئے۔ مولوی محمد حسن صاحب کا انتقال ۸ محرم ۱۳۰۵ھ [ستمبر ۱۸۸۷ء] ہوا۔ اُن کے فرزند مولوی حکیم عبدالناصر صاحب خاکسار ضیائے بےنوا کے برادر محترم اور کمال عنایت فرما ہیں۔ فن طب کو اوّلاً علماً [و] عملاً جناب مولانا حکیم سراج الحق صاحب سے تحصیل کیا، اُس کے بعد دہلی جا کر جناب حکیم قاسم علی خاں صاحب سے سند طب حاصل کی۔ عرصے تک قائم گنج میں مطب کیا، اب مکان پر موجود ہیں۔ بہم رکابی حضرت پیر و مرشد قبلہ [مولانا شاہ عبدالمقتدر] مدظلہم الاقدس شرف حضوریِ دربار مقدس حضورِ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشرف ہو آئے ہیں، وظائف و اوراد میں زیادہ وقت صرف کرتے ہیں۔

☆

مولانا نذیر احمد قدس سرہٗ

آپ ۱۲۳۱ھ [۱۶-۱۸۱۵ء] میں پیدا ہوئے۔ جناب مولانا فیض احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل فرمائی۔ آپ کی شہرت علمی ابھی تک زباں زد خواص ہے۔ ہمیشہ سلسلۂ درس و تدریس میں مشغول رہے، مدت تک مدرسہ عربیہ شاہ جہاں پور میں مدرس اعلیٰ رہے۔ کچھ دنوں گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں میں ہیڈ مولوی رہے۔ شرف بیعت حضرت مولانا

---

(۴۰) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 156 حاشیہ ۴۰۔

شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہٗ سے حاصل تھا۔ عربی و فارسی کے ممتاز شاعر تھے۔ خستہ تخلص فرماتے تھے، لیکن زیادہ توغل نہ تھا۔ آپ کی تصنیفات سے 'حاشیہ بر حاشیہ غلام یحییٰ' و 'شرح تہذیب النحو' و قصائد عربیہ ہیں۔ آپ کے تلامذہ اور شاگردوں کی تعداد بکثرت ہے، منجملہ اہل شہر کے:

[۱] مولوی محمد رضا ابن مولوی محسن علی صاحب (ساکن مولوی محلّہ)

[۲] قاضی محمد فقیر الدین صاحب (مصنف فضائل چار یار)

[۳] مولوی خطیب تجمل حسین صاحب مرحوم

[۴] قاضی غلام محمد خلف حافظ فیض احمد مرحوم (رئیس قاضی محلّہ) وغیرہ ہیں۔

[۵] سیّد السادات مولانا سیّد آل نبی صاحب قدس سرہٗ

[۶] مولوی عبد الرحمٰن صاحب شاہجہاں پوری بھی آپ کے تلامذہ میں تھے۔

۲۲ر محرم الحرام ۱۲۷۰ھ [اکتوبر ۱۸۵۳ء] آپ کا انتقال ہوا، کوئی اولاد نہ چھوڑی۔ ☆

☆

مولانا سناء الدین احمد قدس سرہٗ

آپ منجھلے صاحبزادے مولانا غلام پیر محمد شفیع صاحب کے تھے، بکمال تبحر علمیہ ممتاز تھے۔ ۲۵ر ذی الحجہ ۱۲۱۹ھ [مارچ ۱۸۰۵ء] کو پیدا ہوئے۔ 'ظہور حق' تاریخی نام تھا۔ علم ادب میں اپنا نظیر نہ رکھتے، محاورات عرب پر عبور کامل حاصل، فن لغت اور علم نحو میں استاذِ وقت تھے۔ اولاً تحصیل اپنے عم محترم حضرت اقدس [مولانا عبد المجید] قدس سرہٗ المجید سے کی، بعدہٗ تکمیل جملہ علوم عقلیہ جناب مولانا فضل امام صاحب خیر آبادی (۴۱) سے فرمائی۔ سند حدیث جناب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی سے حاصل کی۔ نعمت بیعت و عزت دامادی حضرت اقدس [مولانا عبد المجید] قدس سرہٗ المجید سے حاصل تھی۔ عمر کا زیادہ حصہ شغل تصنیف و تالیف اور سیر و سیاحت میں بسر فرمایا۔ لکھنؤ میں شیخ احمد عرب شروانی (۴۲) سے ملاقات ہوئی، شیخ موصوف نے آپ کے

☆ مولوی نذیر احمد کے ایک بیٹی تھیں جو مولوی مرید جیلانی ولد مولوی محی الدین مظہر محمود کی اہلیہ تھیں۔ (تسلیم غوری)

(۴۱) مولانا فضل امام خیر آبادی کے حالات صفحہ 157 حاشیہ ۴۱ر پر ملاحظہ کریں۔

(۴۲) شیخ احمد عرب شیروانی کے حالات صفحہ 158 حاشیہ ۴۲ر پر دیکھیں۔

بحر ادب کی بہت تعریف کی اور اس درجہ آپ کا گرویدۂ کمال ہوا کہ اس کے بعد جب سے کلکتہ اقامت اختیار کی تو برابر خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ’حاشیہ قاموس‘ فن لغت میں اور ’فوائد معتمدہ‘ علم نحو میں آپ کی تصنیف سے ہیں۔ اس کے علاوہ دو تین مجلدات بطور مسودات کے ہیں جس میں مختلف علوم وفنون میں فوائد و حواشی تحریر ہیں۔ وفات شریف آپ کی پنجم ماہ محرم ۱۲۷۷ھ [جولائی ۱۸۶۰ء] کو ہوئی۔ آستانۂ قادریہ میں بیرون احاطہ درگاہ مجیدیہ جانب شمال آپ کا مزار پختہ بنا ہوا ہے۔ صرف ایک صاحبزادے اپنی یادگار چھوڑے۔

☆

جناب مولانا حافظ محمد سعید صاحب

آپ مولانا سناء الدین احمد صاحب کے فرزند [اور] حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کے پھوپی زاد بھائی تھے۔ تحصیل علم حضرت مولانا فیض احمد صاحب و جناب مولانا نور احمد صاحب سے کی تھی۔ اِس کے سوا جناب مولانا مفتی سعد اللہ صاحب مرادآبادی (۴۳) سے بھی کسی قدر اکتساب علم کیا تھا۔ علوم منقول و معقول میں تبحر کامل حاصل تھا۔ فقہ میں خصوصی شان کے ساتھ برگزیدۂ آفاق تھے۔ مارہرہ مطہرہ میں کچھ دنوں حسب الطلب حضرت سیدی سیدنا شاہ آل رسول صاحب قدس سرہٗ حاضر مدرسہ خانقاہ عالم پناہ رہ کر صاحبزادگان گرامی قدر کو تعلیم دی۔ شرف بیعت اپنے نانا [مولانا شاہ عبدالمجید] قدس سرہٗ المجید سے حاصل تھا۔ ’شرح ملحقة الاعراب‘ بزبان عربی فن نحو میں بکمال تحقیق و تدقیق تالیف فرمائی۔ عمر نے زیادہ وفا نہ کی۔ ۲۴ر رمضان المبارک ۱۲۴۶ھ [مارچ ۱۸۳۱ء] میں پیدا ہوئے اور ربیع الثانی شریف ۱۲۷۷ھ [اکتوبر ۱۸۶۰ء] میں انتقال فرمایا، کوئی اولاد نہ چھوڑی۔☆

آپ کے تلامذہ میں:

[۱] حضرت سیدی مولانا شاہ ابوالحسین احمد نوری عرف میاں صاحب قبلہ (۴۴)

[۲] حضرت سیدی شاہ ابوالحسن عرف میر صاحب قبلہ (۴۵) قدست اسرارہم (حضرات مارہرہ

☆ مولوی محمد سعید کے ایک صاحبزادی تھیں جو مولوی محمد حسن ولد محمد احسن کو منسوب تھیں جن کی اولاد حکیم عبدالستار تھے۔ (تسلیم غوری)

(۴۳) مفتی سعد اللہ مرادآبادی کے حالات صفحہ 158 حاشیہ ۴۳ر پر دیکھیں۔

(۴۴) آپ کے حالات صفحہ 158 حاشیہ ۴۴ر پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۴۵) آپ کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 159 حاشیہ ۴۵۔

میں)اور

[۳] جناب عباس حسن خاں صاحب (رئیس دھول پور)

[۴] سید اعظم علی صاحب موہانی ہیں۔

اہل شہر میں:

[۵] قاضی عابد علی صاحب

[۶] قاضی محسن علی صاحب (رؤسائے قاضی محلّہ)

[۷] قاسم علی خاں صاحب (ساکن سرائے جالندھری)

[۸] چودھری محمد حسین صاحب (رئیس نوادہ)

[۹] شیخ احسان کریم صاحب (سفید باف، ساکن جالندھری سرائے) جنھوں نے غیر مقلد ہو کر اکثر اہل محلّہ کو وہابیت کی طرف مائل کر دیا، آپ کے شاگردوں میں تھے۔

☆

استاذِ انام حضرت مولانا نور احمد صاحب قدس سرہٗ

آپ چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد شفیع صاحب کے ہیں۔ آپ کے فضائل و مناقب [اور] آپ کے کمالاتِ ظاہری و باطنی احاطۂ تحریر میں آنا محال ہیں۔ ہزاروں صورتیں، صدہا نفوس آپ کے وجود کی عکسی شبیہ کو اپنے سینوں سے لگائے ہوئے ابھی بدایوں کی گلیوں میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، آپ کی عظمت کا سراغ ان کے دلوں سے لگایئے۔ ایک زمانے کو آپ نے اپنے فیض سے سیراب کیا، خدائی آپ سے مستفیض ہوئی۔ خدا نے آپ کی ذات سراپا برکات کو قلزم علم و فضل بنایا تھا۔ ۱۳ر جمادی الآخر ۱۲۳۰ھ [مئی ۱۸۱۵ء] ولادتِ باسعادت کی تاریخ ہے۔ تکمیل علوم نقلیہ اور فنون عقلیہ حضرت مولانا فیض احمد صاحب قدس سرہٗ سے فرمائی۔ بعض کتب معقول مثل 'افق المبین' اور 'شفا' وغیرہ حضرت استاذ مطلق مولانا فضل حق خیر آبادی قدس سرہٗ (۴۶) سے اخذ فرمائیں۔

'تحفۂ [فیض]' میں حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ آپ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:

دریں بلاد نظیر حضرت عمی و استاذی علیہ الرحمۃ بمشاہدہ نیامدہ، لاریب وحید عصر و فرید دہر بودند، غیر از تعلیم و تدریس طلبا و اعانت فقرا و غربا شب و روز شغلے دیگر

(۴۶) آپ کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 159 حاشیہ ۴۶۔

مرغوب طبع مبارک نبود، عدد تلامذۂ جناب بہ الوف رسیدہ، اماز ہے برکت وفیض کہ ہر کسے ہر قدرے کہ خواندہ در یک سبق برکت سالہا یافتہ و بفضل الٰہی و فیض و برکت حضرت عالی استاذی علیہ الرحمۃ کہ از تلامذہ محروم از دولت علوم نماندہ، امروز در تمام بدایوں احدے از تلمذ جناب شاں خالی نیست۔

[ترجمہ: ان بلاد میں عمی و استاذی (مولانا نور احمد بدایونی) علیہ الرحمۃ کی نظیر دیکھنے میں نہ آئی، بلا شبہ آپ وحید عصر اور یکتائے زمانہ تھے۔ طلبہ کی تعلیم وتدریس اور غربا وفقرا کی اعانت کے علاوہ شب و روز میں آپ کو کوئی اور کام مرغوب نہ تھا۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، آپ کی برکت وفیض کا عالم یہ تھا کہ جس نے بھی جس قدر بھی آپ سے ایک سبق پڑھ لیا برسوں کی برکت اس نے حاصل کر لی۔ اللہ کے فضل اور حضرت استاذی علیہ الرحمۃ کے فیض سے تلامذہ دولت علوم سے محروم نہیں رہتے تھے، آج تمام بدایوں میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو آپ سے نسبت تلمذ نہ رکھتا ہو۔]

آپ کے تلامذہ کی تعداد پنجاب، کابل، فارس و عراق تک وسعت پذیر ہے۔ تلامذہ کے ساتھ از حد شفقت فرماتے تھے۔ شادی کے تھوڑے دنوں بعد آپ کی اہلیہ محترمہ نے وفات پائی، ہر چند اعزا نے دوسری شادی کا اصرار کیا، مگر آپ نے اِس خیال سے کہ سلسلۂ درس وتدریس میں ہرج واقع ہوگا شادی دوبارہ نہ فرمائی۔ آپ کے اخلاق کریمہ غربا اور اہل محلّہ کے ساتھ نہایت محبت آمیز تھے۔

شرف بیعت حضرت سیدی مولانا شاہ عین الحق قدس سرہٗ المجید سے حاصل تھا۔ شعر خود نہ فرماتے تھے، لیکن پاکیزہ کلام کی نہایت قدر دانی کیا کرتے تھے۔ تالیف وتصنیف کی طرف عدیم الفرصتی کے باعث زیادہ التفات نہ تھا۔ ۱۳۰۱ھ قدسی [۸۴-۱۸۸۳ء] میں راہی خلد بریں ہوئے۔ آستانہ قادریہ میں حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ کے آغوش راست میں جگہ پائی۔ 'شیخ العصر' مادۂ تاریخ وصال ہے۔

حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ آپ کے افضل التلامذہ میں ہیں۔ آپ کے سوا:

[۱] مولوی فرخ حسین عثمانی

[۲]مولوی سراج احمد

[۳]مولوی مصاحب علی (رؤسائے مولوی محلّہ)

[۴]مولوی حکیم سعید الدین

[۵]مولوی طاہر الدین

[٦]مولوی عزیز الدین (رؤسائے فرشوری محلّہ)

[۷]مولوی ابو محمد تحصیلدار

[۸]شیخ اقتدار الدین (رؤسائے سوتھا محلّہ)

[۹] قاضی شیخ الاسلام

[۱۰] قاضی قمر الاسلام

[۱۱] قاضی محی الاسلام (رؤسائے عباسی محلّہ)

[۱۲]میر قاسم علی (رئیس سرائے جالندھری)

[۱۳]مولوی محمد حسین (۴۷)

[۱۴]ومولوی احمد حسن (رؤسائے سید باڑہ)(۴۸)

[۱۵]حافظ عبداللہ (نابینا سفید باف) بدایوں کے مشہور لوگ آپ کے شاگرد تھے۔

بیرونِ جات میں:

[۱٦]مولوی نجم الدین سنبھلی

[۱۷]مولوی امین الدین خیر آبادی

[۱۸]ملا اکبر شاہ ولایتی

[۱۹]مولوی محمد عارف

[۲۰]مولوی محمد نعمان

[۲۱]مولوی فقیر اللہ وغیرہم تلامذۂ مشہورین میں ہیں۔

---

(۴۷) دیکھیے صفحہ 160 حاشیہ ۴۷۔

(۴۸) دیکھیے صفحہ 161 حاشیہ ۴۸۔

☆

مولانا عبدالصمد صاحب قدس سرہٗ

آپ تیسرے صاحبزادے مولانا عبدالحمید صاحب کے ہیں۔ ۲۶؍شعبان ۱۱۸۷ھ [نومبر ۱۷۷۳ء] میں پیدا ہوئے۔ تحصیل و تکمیل علوم اپنے برادر بزرگ حضرت اقدس [مولانا شاہ عبدالمجید] قدس سرہٗ المجید سے فرمائی۔ ۷۶؍سال ایک ماہ کی عمر پائی اور اپنے اخ اکبر کے وصال سے آٹھ ماہ آٹھ دن بعد ۲۵؍رمضان المبارک ۱۲۶۳ھ [ستمبر ۱۸۴۷ء] کو انتقال کیا۔

آپ کی شادی سادات قبائی محلّہ سید باڑہ [بدایوں] میں ہوئی تھی۔ ایک صاحبزادے مولانا ظہور احمد اپنی یادگار چھوڑے۔

☆

مولانا ظہور احمد صاحب

آپ ۱۲۲۱ھ [۱۸۰۶-۰۷ء] میں پیدا ہوئے، 'ظہور علی' تاریخی نام تھا۔ آپ شاگرد و مرید و داماد حضرت سیدی شاہ عین الحق قدس سرہٗ المجید کے تھے۔ تکمیل علوم درسیہ اور تحصیل فنون طبیہ حضرت سیف اللہ المسلول سے کی تھی، فن طب میں دستگاہ کامل حاصل تھی۔ بھرت پور اسی نہج سے تشریف لے گئے تھے، وہیں بہ مقام بساور ۱۲۷۵ھ [۱۸۵۸-۵۹ء] میں انتقال ہوا۔ ایک پسر ایک دختر (جو بہ عقد حضرت سیدی تاج الفحول قدس سرہٗ منسوب تھیں) اپنی اولاد میں چھوڑی۔

☆

مولانا انوار الحق صاحب

آپ مولانا ظہور احمد صاحب کے فرزند تھے۔ ۱۲۴۷ھ [۱۸۳۱-۳۲ء] میں پیدا ہوئے۔ 'مظہر محمدی' تاریخی نام تھا۔ درسیات کی تکمیل اپنے پھوپی زاد بھائی مولانا نذیر احمد صاحب سے کی۔ شرف بیعت حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ سے حاصل تھا۔ فارسی میں نہایت رغبت کے ساتھ درس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ذوقِ سخن گویا خاصۂ طبیعت تھا، انورؔ تخلص تھا، نعت و مناقب لکھا کرتے تھے۔ آپ کا کلام 'ماہ تابانِ اوج معرفت' وغیرہ میں بکثرت شائع ہو چکا ہے۔ اپنے پیر و مرشد [حضرت سیف اللہ المسلول] کی سوانح عمری 'طوالع الانوار' مرتب کی جس کا اقتباس جابجا

اِس سوانح میں موجود ہے۔☆

۱۵ر جمادی الاول ۱۳۰۴ھ [فروری ۱۸۸۷ء] میں انتقال ہوا۔ تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں☆☆۔ ایک مولانا الحاج الشہید مولوی حکیم عبدالقیوم صاحب قدس سرہٗ کو منسوب تھیں۔ ایک مولوی حاجی غفور بخش صاحب قادری (وکیل بلند شہر، رئیس بدایوں) کے عقد میں ہیں۔ ایک حضرت پیر و مرشد مولانا شاہ غلام پیر محبوب حق مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر صاحب مدظلہم الاقدس کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ ایک لڑکے کا صغر سنی میں انتقال ہوگیا، بڑے لڑکے مولوی ابرارالحق صاحب کیفؔ قادری محبّ رسولی تھے۔

☆

[مولوی ابرارالحق کیفؔ قادری]

جن کا تاریخی نام 'نذرالرسول' تھا۔ ۱۲۷۷ھ [۶۱-۱۸۶۰ء] میں پیدا ہوئے۔ حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ سے درسیات اور مولانا حکیم سراج الحق صاحب قدس سرہٗ سے طب کی تحصیل کی۔ شاعری میں فصیح الملک نواب مرزا داغؔ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ چار دیوان عاشقانہ نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ تحریر کیے، لیکن شائع نہ ہوسکے۔ آخر میں نعت و مناقب کی طرف متوجہ ہوئے، حدود شرع کے اندر نعت شریف میں وہ گلکاریاں اور گل فشانیاں کیں کہ عروس سخن کو صبغة اللہ و من احسن من اللہ صبغة [ترجمہ: اللہ کا رنگ، اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہوسکتا ہے۔ البقرۃ: آیت ۱۳۸] کا رنگین جوڑا پہنا دیا۔

کلام میں جدّت طرازی، رنگینی، شوخی، مضمون آفرینی کے ساتھ زبان کی صفائی نور فوق نور کے مصداق تھی۔ مطلع سے مقطع تک تخلص کی رعایت سے اشعار بھی کیفِ مضامین سے سرشار نظر آتے تھے، عرس قادری کے مناقب خوانوں میں آپ کے دم سے ایک عجیب ذوق سخن رہتا تھا۔

☆ اِس کتاب کا پورا نام 'طوالع الانوار فی محامد اکمل الکاملین الابرار' ہے، اس سے کتاب کا سنہ تالیف ۱۲۹۶ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ کتاب حضرت سید شاہ ابوالقاسم حاجی اسماعیل حسن قادری مارہروی قدس سرہ کی فرمائش پر تالیف کی گئی تھی، مطبع صبح صادق سیتاپور سے ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں شائع ہوئی۔ راقم الحروف کی تسہیل و ترتیب کے ساتھ ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء میں تاج الفحول اکیڈمی نے دوبارہ شائع کی ہے۔ (مرتب)

☆☆ مولانا انوارالحق کے تین نہیں بلکہ چار لڑکیاں تھیں، چوتھی بیٹی مولوی منیر الحق ولد حکیم سراج الحق کے عقد میں تھیں۔ (تسلیم غوری)

عرس شریف میں مہمانوں کے قیام کا انتظام آپ ہی سے سرانجام پاتا تھا اور آپ شبانہ روز جس محنت و جاں فشانی سے خدمات عرس شریف انجام دیتے تھے وہ دراصل آپ کا ہی حصہ تھا۔

آپ نے تذکیر و تانیث میں ایک مبسوط رسالہ (جس میں تمام اساتذہ کے کلام سے سند لی گئی ہے) تالیف کیا۔ ایک رسالہ محاورات میں اسی طرح مرتب کیا۔ فن طب میں چند مفید رسائل تحریر کیے جو افسوس کہ شائع نہ ہو سکے۔

دو سال ہوئے ۴؍شعبان ۱۳۳۱ھ [جولائی ۱۹۱۳ء] کو انتقال فرمایا۔

آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی عبدالصمد صاحب سرور راقم کے برادر طریقت اور شفیق فی الحقیقت ہیں۔ آج کل رسالہ 'شمس العلوم' کی ادارت کرتے ہیں۔ چھوٹے لڑکے کا نام مظاہر الحق ہے۔☆

مولوی عبدالحق صاحب [مولانا انوارالحق عثمانی کے] چھوٹے بیٹے بقید حیات ہیں، ان کے صاحبزادے مولوی ظہورالحق صاحب لکھنؤ مدرسہ تکمیل الطب میں تعلیم پاتے ہیں۔

☆☆☆

☆ مصنف نے اولاد اناث کا ذکر نہیں کیا۔ مولوی ابرارالحق کیف بدایونی کے تین لڑکیاں تھیں۔ ایک لڑکی مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد عثمانی منظور بدایونی کی شریک حیات تھیں۔ دوسری بیٹی حافظ لطافت علی قادری ولد ڈاکٹر عطا علی قادری کی بیگم تھیں۔ جب کہ تیسری بیٹی مولوی سلطان بخش قادری کے عقد میں تھیں جن کی اولاد آج بھی بدایوں میں موجود ہے۔ (تسلیم غوری)

[مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدایونی]

امام الاولیا، سید المشائخ، تاج العلما، غوث العلمین، عروس حجلہ تقدیس، نوشاہِ خلوتِ توحید حضرت سیّدی مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہ الوحید۔ آپ بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالحمید صاحب قدس سرہٗ کے ہیں۔ ولادتِ باسعادت ۲۹؍رمضان المبارک ۱۱۷۷ھ [اپریل ۱۷۶۴ء] کو واقع ہوئی۔ 'تاجدار عارفان محبوب حق' فقرۂ سال ولادت ہے۔ وقت پیدائش تجلیات ذاتی حضرت باری عزاسمہ کی جلوہ ریزی نے یہ اثر دکھایا کہ آپ کا نام تاریخی بھی 'ظہور اللہ' تجویز کیا گیا۔ ایّام رضاعت ہی سے آثار بزرگی چہرے سے عیاں تھے۔ اکابر وقت کے ہاتھوں میں پرورش وتربیت پائی، طفلی کا زمانہ بزرگوں کی صحبت میں گزرا، زہد واتقا کا رنگ رگ وپے میں ساری ہوگیا۔

ہوش سنبھالا، تسمیہ خوانی کی رسم ادا ہوتے ہی حضرت بحر العلوم قطب زماں مولانا محمد علی صاحب قدس سرہٗ نے اپنی آغوش تربیت میں لے کر سلسلۂ تعلیم شروع فرمایا۔ والدۂ ماجدہ آپ کی خود زہد واتقا میں یگانۂ آفاق تھیں۔ مولانا خطیب محمد عمران (آپ کے ماموں) جیسے خدا رسیدہ بزرگ، مولانا مفتی عبدالغنی صاحب (آپ کے پھوپا) جیسے شیخ المشائخ یہ لوگ ہر وقت آپ کو نگاہوں میں رکھتے تھے۔ غرض حضرت بحر العلوم شفیق پھوپا نے علم وعمل میں شروع ہی سے کامل و مکمل کرنا شروع کیا۔ ہنوز گیارھویں سال میں قدم رکھا تھا کہ قطب زماں بحر العلوم نے شب بے داری کی لذّت کا خوگر کرایا، نماز تہجد شروع کرادی۔ تصور وتصدیق کی مشق کرائی۔ عبادت شب میں آپ کو وہ لذّت وچاشنی حاصل ہوئی کہ آخر دم تک سفر وحضر میں کہیں کبھی نماز تہجد ترک وقضا نہ ہوئی۔ اِس طرح تعلیم ظاہر وباطن آٹھ سال تک حضرت بحر العلوم قطب زماں سے پائی۔

بعدِ وصال استاذ بزرگ کے آپ نے عزم سفر فرمایا۔ لکھنؤ جا کر مولانا ذوالفقار علی صاحب ساکن دیوہ سے (جو اُس زمانے میں علم وفضل میں استاذ وقت تھے اور حضرت ملک العلما مولانا

نظام الدین سہالوی کے مایۂ ناز تلامذہ میں تھے) تکمیل علوم فرمائی اور بکمال اختصاص سند فراغ حاصل فرمائی، جو مواہیر شاہی سے مسجل ہوکر باقاعدہ آپ کو پیش کی گئی۔

واقعۂ بیعت:

بعد تکمیل وفراغ جذبات باطنی نے اُبھرنا اُبھارنا شروع کیا۔ رہبر صادق ومرشد برحق کی جستجو میں دیار وامصار کی بادیہ پیمائی کرتے ہوئے چاروں طرف نظریں دوڑانا شروع کیں۔ اکابر خاندان کی صحبت نے ہمت بلند اور نگاہ رفعت پسند کردی تھی، عرفان الٰہی کی نورانی روحانی راہیں روشن ضمیر قلب پر پیشتر ہی آئینہ ہوچکی تھیں۔ مشائخ وقت اور اصفیائے عصر کی مجلسیں دیکھیں بھالیں، بہت سے مسند نشیں اور صاحبِ ارشاد اکابر نگاہوں سے گزرے۔ مگر ظرف عالی اور فکر بلند نے بہ مصداق......ع

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

کہیں تسلی وتشفی نہ ہونے دی۔ اگر چہ بعض اوقات خاطر عاطر میں اس طائفے سے سوئے ظن بھی پیدا ہوجاتا، لیکن طلبِ شیخ سے کبھی سینہ خالی نہ ہوتا۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:

> ہم بہ تقریب عرس شریف حضرت سیدنا شاہ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مارہرہ شریف جانے والے ہیں وہاں حضرت سلطان المحبوبین سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں، جو آج کل قبلۃ الاولیا ہیں، ہمارے ساتھ وہاں چل کر حضرت کی زیارت کرنا۔ کیا تعجب ہے کہ وہاں تمہاری مقصد برآری ہوجائے۔

بزرگ پھوپا کے ارشاد کی تعمیل آپ نے ایک مشتاقانہ آرزو کے ساتھ فرمائی۔ حاضر مارہرہ شریف ہوئے، چونکہ ابھی وقت نہیں آیا تھا کچھ کشود خاطر اور اطمنان قلب نہ ہوا۔ حضرت مفتی صاحب نے حضور اچھے میاں صاحب سے بہت اصرار کے ساتھ آپ کی طرف توجہ مبذول فرمانے کو کہا مگر کچھ جواب نہ ملا اور آپ اُسی طرح واپس تشریف لائے۔

مکان آکر پھر آپ نے تلاشِ شیخ میں عزم سیاحت فرمایا۔ جب مفتی صاحب کو خبر ہوئی تو پھر آپ کو سمجھایا اور کہا کہ:

اِس زمانے میں حضرت اچھے صاحب سے بہتر میری نظر میں کوئی بزرگ نہیں
نہیں معلوم ہوتا، مارہرہ شریف ہی جا کر تمہیں بیعت کرنا چاہیے اور جو کچھ وہاں
سے ملے اُس پر قناعت کرنا بہتر ہے۔

آپ نے جواب دیا کہ:

بیعت کی دو قسمیں ہیں، ایک جو بے اختیار واقع ہو، یہ سب سے عمدہ اور احسن ہے، مگر مجھ کو نصیب نہیں۔ دوسری باختیار خود اس کے لیے وجہ وجیہ قائم کرنے کی ضرورت ہے، اُس کا اظہار جناب نے نہیں فرمایا۔ اگر چہ آپ کا پاس ادب لب کشائی کرنے کی اجازت نہیں دیتا ورنہ مَیں تو یہی کہتا کہ وہاں بھی 'اونچی دُکان پھیکا پکوان' والی ہندی ضرب المثل صادق آتی ہے۔

مفتی صاحب کو آپ کی اس صاف گوئی سے کسی قدر آزردگی اور ملال ہوا۔ اِدھر آپ بھی ساکت و خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اجازت سفر چاہی، مفتی صاحب نے بادلِ نخواستہ اجازت عطا فرمادی۔ آپ مفتی صاحب سے رخصت ہو کر مکان پر تشریف لائے۔

دوسرے روز صبح کو مصمم ارادۂ سفر فرمایا، شب کو طالع خوابیدہ بیدار ہوا، عالم خواب میں حضور سید عالم حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس کی حضوری ہوئی، دیکھا کہ مجلس آراستہ ہے، حضرات صحابہ کرام و اولیائے عظام کی صفیں حلقہ کیے ہوئے ہیں، حضور دستگیر عالم غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت شیخ الاولیا فرید الملۃ والدین بابا شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ اور حضور اچھے میاں صاحب مارہروی قدس سرہٗ قریب تخت معلی حاضر ہیں کہ اتنے میں حضور آقائے دو عالم (روحی لہ الفدا) نے حضور غوث پاک کی طرف کچھ اشارہ فرمایا، حضور دستگیر عالم نے اپنے دست حق پرست سے آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضور اچھے میاں صاحب کے دست مبارک میں دے دیا۔

جب اِس طرح یہ دولت خداداد ہاتھ آئی، صبح کو ہزاروں فرحت و انبساط کے ساتھ بے دار ہوئے۔ فوراً مارہرہ شریف کا قصد فرمایا، بکمال عقیدت و اخلاص حاضر بارگاہِ حضورِ معلی ہو کر شرف بیعت حاصل کیا۔

اُس کے بعد شبانہ روز شیخ کی حضوری میں حاضر رہنا اختیار فرمایا اور کبھی کسی وقت حضور اقدس اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ کے زمانۂ وصال تک مارہرہ شریف سے قصداً جدائی گوارا نہ

فرمائی۔ یہاں تک کہ اگر عزیز و اقارب کسی تقریب سے آپ کو بدایوں بلاتے اور حضورِ مطلق کو خبر ہو جاتی کہ مکان سے بلاوا آیا ہے، فوراً آپ کو مکان جانے کی تاکید فرماتے۔ حضرت مولانا یہ کہہ کر کہ "بہت اچھا جاؤں گا" سامنے سے چلے آتے، تعمیلِ حکم کے لیے گھر جانے کا قصد فرماتے، لیکن دل کو مفارقتِ شیخ سے مضطربانہ کاوش ہوتی۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر رہ کر پھر حاضر دربار ہوتے، سرکارِ والا جاہ سے پھر تاکید ہوتی، آپ پھر قصد روانگی کرتے، لیکن دل بے اختیار ہو جاتا، صدمہ مفارقت گوارا نہ ہوتا، مجبوراً پھر سامنا ہوتا۔ جب پیر و مرشد کا اصرار یہاں تک پہنچتا کہ آپ کے لیے سواری وغیرہ کا انتظام بھی کر دیا جاتا تا مجبوراً مکان تشریف لاتے بہ مشکل تمام دو چار دن رکتے اور فوراً واپس ہو جاتے۔ اِس حاضری و حضوری کے صلے میں پیر و مرشد کی نگاہ کرم اور لطف خصوصی بھی آپ کو ہر وقت اپنی آغوش میں رکھتا۔ مدارج فقر و عرفان میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی رہی، جیسا کہ 'آثارِ احمدی' کی تحریر سے بھی واضح ہوتا ہے:

> آں جناب دست بہ حبل المتین عروۃ الوثقیٰ زدہ رہ گزار مقصد اعلیٰ گردید و ابواب فیوض و برکات بر روئے خود کشود و جادۂ سلوک بقدم آگہی نور دیدہ چراغ امتیاز در امثال و اقران بر افروخت و از رتبۂ عشق محویتے کمال بہ جمال ہمایوں بہ ہم رساند بسرمایۂ حضوری آں جناب کامیابی حاصل ساخت و پس از طے مراحل سلوک و فقر و لباس صوفیہ و سند خلافت سلاسل عالیہ سرفرازی یافت و ملازم آستان قدسی گشت جناب عالی باوے نظر و عنایت خاص وایشاں را بہ آنجناب نسبت مخصوص بل اقویٰ بود چنانچہ اکثر جناب عالی می فرمود کہ مولوی عبد المجید بمقام ھل من مزید است و ہمچو او طابعے صادق و یار موافق نیست و بمفاوضات شریفہ سرنامہ نامش 'افضل العبید مولوی عبد المجید' قلمی می فرمود۔
>
> [ترجمہ: حبل المتین اور عروۂ وثقیٰ ان کے ہم دست تھی، مقصد اعلیٰ تک رہ گذار، فیوض و برکات کے دروازے اپنے اوپر کشادہ کیے، سلوک کے راستے کو معرفت کے قدم سے روشن کیا، اپنے معاصرین و اقران میں امتیاز کا چراغ روشن کیا، رتبۂ عشق سے ایسے سرفراز ہوئے کہ جمال شمس مارہرہ میں کمال محویت حاصل ہوئی۔ شمس مارہرہ کے دربار کی حضوری کا سرمایہ نصیب ہوا، سلوک و فقر کے

مراحل طے کرنے اور لباس تصوف زیب تن کرنے کے بعد سلاسل عالیہ کی سند خلافت سے سرفراز ہوئے۔ شمس مارہرہ کے آستانہ قدسی میں حاضریٔ دوامی حاصل کی، شمس مارہرہ کی آپ پر خاص نظر اور خاص عنایت تھی اور یہ بھی نسبت مخصوص بلکہ نسبت قوی رکھتے تھے۔ چنانچہ شمس مارہرہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''مولوی عبدالمجید مقام ھل من مزید پر ہیں اور ان جیسا کوئی دوسرا خادم صادق اور یار موافق نہیں''۔ حضور شمس مارہرہ اپنے مکتوبات میں 'افضل العبید مولوی عبدالمجید' لکھ کر مخاطب فرماتے۔]

جب تکمیل مراتب ہو چکی مثال خلافت عطا فرمائی گئی اور 'شاہ عین الحق' کے خطاب سے سرفراز فرمائے گئے۔ آپ کے باطنی جذبات اور روحانی ولولے اگر چہ بہت کچھ آپ کو ذوق آشنائے بے خودی کرنا چاہتے تھے لیکن علوم شریعت کی زبردست قوت ایک پیش نہ جانے دیتی تھی۔ آپ کا ظاہری و باطنی کیف وسرور دیکھ دیکھ کر خود حضور اقدس [اچھے میاں] ارشاد فرماتے کہ:

درویش باید کہ ظاہرش چوں ابی حنیفہ باشد و باطنش چوں منصور و ایں معنی بجز مولوی عبدالمجید در دیگرے ندیدہ ام۔

[ترجمہ: درویش کو چاہیے کہ اس کا ظاہر امام ابوحنیفہ کی طرح ہو اور باطن حضرت منصور کی طرح اور یہ بات میں نے سوائے مولوی عبدالمجید کے کسی دوسرے میں نہیں دیکھی۔]

اتباع شریعت اس درجہ ملحوظ خاطر تھا کہ کبھی کسی وقت میں ترک سنت کا ظہور رہا ہی نہیں، نوافل و مستحبات جو روز اول سے اختیار فرمائے آخر دم تک ترک نہ ہوئے۔ ایک طرف پیر و مرشد کو آپ سے اس درجہ خصوصیت اور اُنس تھا کہ اکثر مریدان با اختصاص اور خلفائے خاص کے حلقے میں ارشاد فرماتے کہ:

اگر روز قیامت خداوند کریم کی جناب سے سوال کیا گیا کہ ہماری بارگاہ کے لیے کیا تحفہ لائے ہو تو مولوی عبدالمجید کو پیش کر دوں گا۔

دوسری جانب پیرزادگان میں آپ کا اس درجہ وقار و احترام تھا کہ جو آپ فرماتے اُس پر جملہ صاحبزادگان متفق ہو جاتے۔

واقعہ سجادہ نشینی حضرت شاہ آل رسول قدس سرہ:

چنانچہ بعد وصال حضرت سید شاہ آل برکات معروف [بہ] ستھرے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو بعد وصال حضور اقدس اچھے میاں صاحب رضی اللہ عنہ مسند برکاتیہ پر کسی قدر اختلاف آرا کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور قریب سولہ سال تک اپنے فیض و برکت سے بندگانِ خدا کو مستفیض فرما کر ۱۲۵۱ ہجری قدسی [۳۶-۱۸۳۵ء] میں واصل بحق ہوئے) معاملۂ سجادہ نشینی میں اختلافات کا اندیشہ قلوب میں پیدا ہوا، درگاہِ معلی کے تبرکات عالیہ اور خرقہ شریفہ وغیرہ (جو بغیر جملہ صاحبزادگان کی موجودگی و اتفاق کے نہیں کھلتے ہیں) بالکل مقفل کر دیے گئے۔ اُس وقت آپ نے باصرار بعض حضرات حاضر مارہرہ مقدسہ ہوکر نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے اس نزاع باہمی کا تصفیہ فرمایا اور خاص فاتحہ چہلم حضرت ستھرے میاں صاحب قدس سرہٗ کے روز مسجد آستانہ مقدسہ میں خرقہ و دستار و دیگر تبرکات جو حضور اقدس اچھے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اِسی لیے مرحمت فرمائے تھے آپ نے حضرت سیدنا شاہ آل رسول صاحب قدس سرہٗ کو (جن کو اجازت عامہ اور خلافت تامہ اپنے عم محترم حضور اچھے صاحب قدس سرہٗ سے حاصل تھی) پہنا کر خود نذر سجادہ پیشکش فرمائی۔ آپ کا نذر دینا تھا کہ سب نے اِس رسم سجادہ نشینی کو تسلیم کر لیا اور آپ کے بعد جو پہلی نذر گزری ہے وہ اُنہیں حضرات کی تھی جو اس سے قبل مانع تھے۔ ایسے نازک وقت میں صرف آپ کی عظمت و وجاہت نے بات رکھ لی اور تمام خدشات نیست و نابود ہو گئے۔☆

پیر و مرشد کے وصال کے بعد سے آپ کی طبیعت مارہرہ مقدسہ میں لمحہ بھر کو نہ لگتی تھی اور

☆ اس روایت کی تصحیح فرماتے ہوئے تاج العلما حضرت سید شاہ محمد میاں برکاتی مارہروی لکھتے ہیں کہ: بعد وصال حضرت قدوۃ الکملا سید شاہ آل برکات ستھرے صاحب برادر حقیقی حضور سید شاہ آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہما العزیز اُن کے صاحبزادوں حضرت سید شاہ آل رسول صاحب و حضرت سید شاہ اولاد رسول صاحب و حضرت سید شاہ غلام محی الدین صاحب قدست اسراہم العزیز کچھ صورت خلاف در بارۂ وراثت و سجادہ نشینی و تولیت جائداد درگاہ شریف وغیرہ پیدا ہوئی۔ مگر پھر بموجب وصیت حضور ستھرے صاحب قدس سرہٗ و بہ فیصلہ پنچایت رفع ہو کر تینوں حضرات مالک و حق دار بالتساوی جملہ امور خانقاہ و درگاہی و جائداد موقوفہ وغیر موقوفہ قرار پائے اور تینوں ایک ساتھ اپنے والد ماجد اور عم معظم اور اپنے اسلاف کرام کے سجادۂ غوثیہ برکاتیہ احمدیہ پر متمکن ہوئے۔ (اکمل التاریخ پر ایک تنقیدی تبصرہ: ص ۸-۹) اس معاہدے کے بعد خانقاہ برکاتیہ کی سجادگی تین گدیوں میں تقسیم ہو گئی۔ الحمدللہ یہ تینوں گدیاں آج بھی قائم ہیں اور تینوں سے فیوض و برکات کی نہریں جاری ہیں۔ (مرتب)

فراقِ شیخ کا قلبِ مبارک کو سخت صدمہ تھا۔ اس لیے آپ نے مستقل طور پر بدایوں کی اقامت اختیار فرمائی اور بجز شرکت عرس شریف و دیگر ضروریات آستانہ برکاتیہ کبھی گھر سے باہر قدم نہ نکالا۔ درگاہ معلیٰ کا نذرانہ (یعنی زر یومیہ جو سرکار فرخ آباد سے مقرر ہے) حضور معلیٰ نے اپنی حیات میں آپ کے نام منتقل کرا کر بجائے اپنے نام مبارک کے آپ کا نام درج کرا دیا تھا۔☆ اس خدمت کو عرصے تک آپ انجام دیتے رہے اور خزانۂ سرکاری سے یہ یومیہ وصول کرنے کے لیے آپ کو سفر کرنا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ بعض اشخاص نے زمانۂ دراز کے بعد ایک شکایتی درخواست اس مضمون کی حاکم وقت کے یہاں دے دی کہ ''زر یومیہ درگاہ مارہرہ یافتنی شاہ عین الحق بدایوں کے ایک مولوی صاحب مولوی عبد المجید نامی وصول کر لیتے ہیں''، لیکن بعد تحقیقات یہ بات ثابت ہوگئی کہ 'شاہ عین الحق' آپ ہی کا خطاب ہے اور کوئی کارروائی خلاف نہیں ہے۔

ایسے ہی دوسری بار پھر کسی نے درخواست دی، حاکم ضلع خود استفسار حال کے لیے مدرسہ قادریہ میں پہنچا۔ اُس وقت آپ اپنے حجرۂ مبارکہ میں سامنے چٹائی پر بیٹھے ہوئے اشغال واذکار میں مستغرق ومحو تھے مگر حاکم وقت کو نظر نہ آتے تھے۔ صاحب موصوف بار بار حضار مدرسہ سے پوچھتے تھے کہ ''شاہ عین الحق کون ہیں اور کہاں ہیں؟''، کہنے والے فوراً جواب دیتے تھے کہ ''آپ کے پیش نظر چٹائی پر بیٹھے ہوئے ہیں''، صاحب بہادر سخت متعجب تھے کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ ہر شخص کو آپ نظر آتے ہیں اور ہماری نظر سے پوشیدہ ہیں، آخر غرق تحیر ہو کر اور درخواست کو خلاف واقعہ تحقیق کر کے صاحب حاکم ضلع نے معاودت کی۔

اس واقعے کے بعد حضرت اقدس نے زر یومیہ صاحبزادگان کے نام منتقل فرما دیا اور اس خدمت سے سبک دوشی حاصل کی۔ پھر مدرسہ عالیہ [قادریہ] سے کبھی باہر تشریف نہ لے گئے۔

☆ تاج العلما حضرت سید محمد میاں مارہروی قدس سرہٗ اس روایت کی تصحیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
''یہ روزینہ نہ کبھی مولانا موصوف کے نام جاری ہوا نہ ان کے نام منتقل ہوا نہ انھوں نے پھر یہاں منتقل کرایا۔ یہ روزینہ پہلے دن سے ہمارے ہی اسلاف کے نام جاری ہوا اور اِس وقت تک بھی ہمیں میں سے ایک کے نام جس پر اتفاق رائے ہو جاتا ہے اخراجات مقررہ درگاہ برکاتیہ کے لیے جاری چلا آتا ہے۔ وہ روزینہ جو مولانا کے نام تھا وہ ہمارے حضرت سیدنا ابو الفضل (اچھے میاں) نے ابتداءً ہی مولانا کے نام ان کی حالت حاجت دیکھ کر جاری کرا دیا تھا۔ جب حضرت مولانا کو ببرکت دعائے مرشد بفضل رب جل وعلا فارغ البالی عطا ہوئی روزینہ ہم میں سے جو جاتا اسے دے دیتے تھے''۔
دیکھیے: اکمل التاریخ پر ایک تنقیدی تبصرہ: ص ۱۵۔ (مرتب)

سفرِ حجاز:

یہاں تک کہ عمر شریف اسّی سال کی ہوگئی، قوائے جسمانی از حد ضعیف ہو گئے طاقت و توانائی جواب دے چکی یکایک آپ نے بکمال جذبۂ عشق و غلبہ شوق حرمین شریفین کا قصد مصمم فرمایا۔ اُس وقت کا سفر کوئی معمولی سفر نہ تھا، ریل وغیرہ کا تو ذکر ہی کیا، سواری کا بہم پہنچنا بھی دشوار تھا۔ اُس پر راستوں کی خرابی، ایک ضعیف و کمزور جسم کے ساتھ جو سلوک اس قدر طویل سفر میں کرسکتی تھی اُس کا صرف قیاس ہی کافی ہے۔ مگر آپ نے ان ظاہری تکالیف کا ذرا بھی خیال نہ کیا اور ۱۲۵۶ھ [۴۱-۱۸۴۰ء] میں بقصد حج وزیارت روضۂ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سفر فرمایا۔ مریدین و متوسلین بھی جو اپنے پیر کے عاشق و جاں نثار تھے ہم رکاب ہوئے، قریب سو آدمیوں کے قافلے میں تعداد ہوگئی۔

جب یہ قافلہ بڑودہ پہنچا، وہاں آپ کے صاحبزادے حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ بھی (جو حج سے واپس آکر بقصد وطن بمبئی سے چلے تھے) خبر تشریف آوری سن کر سعادت قدم بوسی سے بہرہ اندوز ہوئے اور پھر آپ کی ہم راہی میں احرام سفر باندھا۔ بخیر وخوبی حرمین طیبین کی زیارت سے شرف یاب ہوکر دربار نبوّت سے انعام و اکرام، فیوض و برکات حاصل کر کے مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔ کوئی اثر سفر آپ پر محسوس نہ ہوا۔ راستے بھر اور خاص زمین مقدس حجاز میں مخلوق الٰہی آپ سے فیض یاب ہوئی۔

جلوہ افروزیٔ مسند ارشاد:

وطن میں جب سجادۂ طریقت پر آپ نے جلوس فرمایا آپ کے فضل وکمال، زہد و تقدس اور تصرف و کرامات کا شہرہ دور دراز تک پہنچا۔ تشنگانِ بادۂ طریقت اور مشتاقانِ صہبائے حقیقت آپ کے درِ دولت کو میخانۂ خداشناسی سمجھ سمجھ کر ساغر بکف آنا شروع ہوئے اور فیض ساقی سے سرشار و مخمور ہو ہوکر عرفان الٰہی کے ذوق آشنا ہوئے۔ غربا و مساکین، امرا و عمائد آپ کی کفش برداری ہمیشہ باعث صد افتخار سمجھتے رہے۔ علما و مشائخ آپ کی نگاہِ کرم کے متمنی ہو ہوکر آپ کے باب فیض پر ناصیہ فرسائی کو ہمیشہ ذریعۂ تقرب الی اللہ جانتے رہے۔ خاص بدایوں کے معزز شرفا میں کوئی ایسا گھرانا نہ تھا جو آپ کے سلسلۂ ارادت میں داخل نہ ہو۔ جب آپ کی نسیم فیض اور شمیم برکت انگیز کی لپٹیں دور دور پہنچیں والیان ملک اور امرائے ذی اختیار کو آپ کی قدم بوسی اور

زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ دربار اودھ سے جائیداد اور معافیات مصارف کے لیے نذر کی گئیں، جس کی اسناد اور فرمان اب تک موجود ہیں۔ غدر کے بعد سرکار برطانیہ کی جانب سے منجملہ معافیات سابقہ عطیات شاہان سلف کے موجودہ جائیداد کا معافی دوامی کا سارٹیفکٹ آپ کے ہی نام کمشنری مرادآباد سے صادر ہوا۔☆

باوجود اس تقدس وتقرب الٰہی کے پھر بھی آپ مرید کم فرماتے اور مریدین پر توجہ خاص رکھتے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے عام مریدین میں خداترسی وخداشناسی کا خاص جوہر تھا اور مخصوص مریدین کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

آثار احمدی میں ہے:

باوصف ارادت وعقیدتِ خلق مریداں کم گرفتہ، اما مریدانش ہمہ اہل کمال و صاحب کیف وحال اند وچرانباشد کہ تاثیر فیض وبرکت وتوجہ او بانکہ بدصحبت مردم درخود یافتہ ماند پس مریدین راچہ گفت۔

[ترجمہ: مخلوق کی ارادت اور عقیدت کے باوجود آپ نے بہت کم مرید کیے، مگر آپ کے تمام مریدین اہل کمال اور صاحب کیف وحال ہیں اور ایسا کیوں کر نہ ہو؟ اس لیے کہ ان کے فیض وبرکت اور ادنیٰ توجہ کی تاثیر سے بری صحبت میں بیٹھنے والے لوگ بھی خود آگاہ ہوجاتے تھے، پھر مریدین کے بارے میں کیا کہا جائے۔]

دوسری جگہ ہے:

ہرچند ابواب مکاشفات بروے می کشانید اظہار آں ممکن نے کہ بوقوع آید و بکمال حالت جذب استقامت تام اندر شریعت داشتہ و بغایت غلبہ وطغیان محویت حقیقی پا از جادہ تمکین فرونگذاشتہ فیض صحبت مرشدے ہر قدر کہ بوے دست دادہ بدیگرے ازاں بہرہ کمتر حاصل گردیدہ۔

[ترجمہ: ہر چند مکاشفات کے ابواب آپ پر کھلے مگر یہ ممکن نہ تھا کہ ان کا اظہار

☆ یہاں مصنف سے تسامح ہوا ہے۔ شاہ عین الحق کا وصال جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء سے تقریباً دس سال قبل ۱۲۶۳ھ میں ہوچکا تھا اور آپ کے صاحبزادے مولانا فضل رسول عثمانی صاحبِ سجادہ تھے اور ہر جگہ معروف تھے اس کے باوجود جائیداد کا سارٹیفکٹ حکومت کی جانب سے شاہ عین الحق کے نام جاری ہوا چہ معنی دارد؟ اور پھر اس وقت مرادآباد نام سے کمشنری وجود میں نہیں آئی تھی اس وقت کمشنری روہیل کھنڈ تھی۔ (تسلیم غوری)

ہوتا۔ حالت جذب میں کمال کے باوجود شریعت مطہرہ پر استقامت تام رکھتے تھے اور محویت حقیقی کے غلبہ وطغیان کے باوجود جادۂ ضبط و تمکین سے پیر باہر نہ نکالا۔ ان کے مرشد کی صحبت جیسی کے ان کے ہاتھ آئی کسی دوسرے کو اس سے کم ہی حصہ ملا۔]

ایک مقام پر ہے:

زہے وسعت مشرب وحوصلہ بلند کہ بایں مدارج ارجمند واختصاص فیض و برکت صحبت مرشد حضرت مولوی صاحب اصلاً تفوق برامثال نہ جستہ و مطلقاً اوکمال تمکین رموز کلام تصوف واسرار توحید رابے پردۂ بلند آہنگ ساز اظہار نہ ساختہ۔

[ترجمہ: آپ کے وسعت مشرب اور حوصلہ بلند کا کیا ہی کمال ہے کہ ان تمام مدارج ارجمند، اختصاص فیض اور مرشد کی برکت صحبت کے باوجود حضرت مولوی صاحب نے کبھی اپنے ہم عصروں پر فوقیت وبرتری نہ جتائی اور کمال ضبط کی وجہ سے ہرگز رموز تصوف اور اسرار توحید کا اظہار بے پردہ بلند آہنگ دعووں کے ساتھ نہ کیا۔]

آپ کے مراتب عظیمہ اور مدارج فخیمہ کا حال 'آثار احمدی' و 'ہدایت الخلوق' سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے۔ خاکسار راقم الحروف اگر شرح وبسط کے ساتھ آپ کے خصائل کریمہ اور فضائل عمیمہ کو لکھنا شروع کرے تو ایک ضخیم رسالے کی ترتیب ہو جائے۔ بہ نظر اختصار اسی قدر پر اکتفا کرتا ہے۔ اگر وقت ملا اور زندگی باقی رہی تو ان شاء اللہ آپ کی جداگانہ سوانح عمری میں آپ کے شبانہ روز کے حالات، آپ کے ملفوظات، آپ کے تصرفات قلم بند کیے جائیں گے۔ بعض واقعات کا اندراج یہاں بھی پیش نظر ہے۔

☆

[کرامات وخوارق عادات]

سلب کرامت میاں ریتا شاہ:

ایک مرتبہ آپ بدایوں سے مارہرہ شریف کو جارہے تھے، خطیب تجمل حسین صاحب مرحوم و

دیگر متوسلین ہم رکاب تھے، شیخ غلام غوث مرحوم خادم خاص نے (جب سواری قادر گنج پہنچی درویش ملنگ منش میاں ریتا شاہ کا جو حضور اچھے صاحب قدس سرہٗ کے مریدین میں مشہور درویش ہیں) تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ''ہم نے سنا ہے کہ وہ اکثر خلاف شرع امور کا ارتکاب کرتا ہے؟''، ہمراہیوں نے مخاطب پا کر مختلف طور پر میاں ریتا شاہ کے حالات بیان کیے۔ ایک صاحب نے یہ بھی کہہ دیا کہ ''حضور وہاں تو ہر وقت فقیروں کا میلہ رہتا ہے اور شراب کا دور چلا کرتا ہے''۔ ارشاد فرمایا ''چلو ہم بھی دیکھیں، وہ کیا تماشے کیا کرتا ہے''، ہمراہی تو خدا سے یہی چاہتے تھے کہ حضور کو کسی طرح وہاں تک لے چلیں اور اسی لیے یہ ذکر چھیڑا تھا۔ سب ساتھ ہوئے جب قریب مڑھی کے پہنچے، دیکھا فقرائے بادہ کش کے حلقے میں میاں ریتا شاہ ساقی بنے بیٹھے ہیں، دو چار سبو چہ و جام گلی اس بزم رنداں کی زیب و زینت ہیں، تاڑی کا دور اُڑ رہا ہے۔

میاں ریتا شاہ کی نظر جب آپ پر پڑی سراسیمہ ہو گئے، مگر سامان مَے نوشی کو چھپا نہ سکے، اِدھر جب حضور اقدس نے یہ افعال ناجائز سرزد ہوتے ہوئے دیکھے چتون پر بل پڑ گیا، ہتک شریعت اپنی آنکھوں دیکھ کر غصہ آ گیا، فرمایا ''میاں ریتا شاہ! یہ غیر مشروع و حرام افعال کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہو؟ اور فقیری کا نام بدنام کر رکھا ہے''، فقیر ریتا شاہ ترنگ بے خودی میں وہی جواب جو دوسرے معترضین کو دیا کرتے تھے دے بیٹھے [یعنی] ''باوا فقیر دودھ وا پلا رہا ہے تو بھی چکھ دیکھ''، اِس سے پیشتر بھی جب کسی نے اعتراض کیا ریتا شاہ یہی صاف جواب دے کر تاڑی کی ماہیت اپنی قوت کسب سے بدل دیتے تھے اور اُن کی یہ کرامت بہت مشہور ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا ''فقیر ہم کو بھی دھوکا دیتا ہے؟ اپنے دودھوے کو خود کسی ظرف میں لوٹ کر اور چکھ کر دیکھو''، اب جو آب خوروں میں تاڑی انڈیلنا شروع کیا میاں ریتا شاہ ہر چند زور باطنی صرف کرتے ہیں کچھ پیش نہیں جاتی، ساری کرامت سلب ہو چکی۔ تاڑی بدستور تاڑی ہی رہی، ریتا شاہ کو سخت ندامت ہوئی، دوڑ کر قدموں پر سر رکھ دیا اور تائب ہوئے۔

اظہار کرامت متعلق شیخ لعل محمد حجام:

ایک مرتبہ آپ مارہرہ شریف سے بسواری بیل گاڑی گھر کو واپس آ رہے تھے، شیخ لعل محمد مرحوم حجام بدایونی (جو حضور اچھے صاحب کے مریدان خاص میں تھے اور حسب الحکم پیر و مرشد آپ کی خدمت پر مامور تھے) ہمرکابی میں تھے۔ ندرئی کے قریب جب گاڑی پہنچی، آپ نے

وضو کے لیے پانی طلب کیا، لعل محمد رسی لوٹا لے کر لبِ سڑک کنوئیں پر آئے، اتفاق سے ڈور ہاتھ سے چھٹ کر مع لوٹے کے کنوئیں میں گر پڑی، بے چارے بہت پریشان ہوئے اور جب پانی آنے میں توقف ہوا آپ نے لعل محمد کو آواز دی، واقعہ معلوم ہوا، فرمایا ''اگر آبادی قریب ہو تو گاؤں میں جا کر رسّی اور کانٹا مانگ لاؤ'' تو لعل محمد نے شب کا عذر کیا، فرمایا ''اچھا اگر کوئی دوسری رسی وغیرہ ہو تو نکالو'' عرض کیا حضور کوئی رسی یا ڈور موجود نہیں ہے، فرمایا ''آخر کوئی چیز ایسی ہے جس سے لوٹا کنوئیں سے نکل سکے؟'' بعدہٗ آپ نے لعل محمد کی کسوت طلب فرمائی اور اس کو کھلوایا، کسوت کے اندر ایک سوت کی پندیا 'داشتہ آید بکار' کے طور پر پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے وہ پندیا دست اقدس میں لے لی اور سڑک سے ایک چھوٹی کنکری اُٹھا کر کچے سوت میں گرہ دی، فرمایا ''اس کو لے جا کر آہستہ آہستہ کنوئیں میں ڈال کر اپنا کام کرو، جب پانی تک کنکری پہنچ جائے آنکھیں بند کر لینا اور جب تک لوٹا نکال نہ لو خبر دار آنکھ نہ کھولنا''، شیخ لعل محمد مرحوم کہتے ہیں ''مَیں نے تعمیل حکم کی، تاگا آنکھیں بند کر کے کھینچنا شروع کیا، یہاں تک کہ لوٹا پانی سے لبریز مع ڈور کے تاگے میں لپٹا ہوا میرے ہاتھ میں آ گیا، مَیں نے آنکھیں کھول کر قدرت الٰہی کا تماشہ دیکھا، اسی طرح لوٹا لے جا کر پیش کیا''، آپ نے وضو کیا بعدہٗ ارشاد فرمایا ''میاں لعل محمد! یہ ایک خدا کا بھید تھا اس کو ہماری زندگی میں ہرگز اپنی زبان سے نہ نکالنا''۔ شیخ لعل محمد مرحوم بھی قول کے پکّے تھے جب حضور اقدس کا وصال ہو گیا اور ان کا بھی زمانہ آخر آیا تو اس واقعے کو علی رؤس الاشہاد بیان کیا۔

دفع افلاس:

ایک مرتبہ مدرسہ [قادریہ] شریفہ میں رونق افروز تھے، ایک شخص شریفانہ صورت مگر چہرے سے ہراس و تنگ دستی کے آثار ظاہر آ کر قدمبوس ہوئے اور بے ساختہ رونا شروع کر دیا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا، آپ اُن کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہمراہ صحن مدرسہ میں لائے، ایک گھاس زمین سے اُکھیڑ کر اُن کو دی، فرمایا ''اِس گھاس کو تانبے کے ساتھ تاؤ دے کر سونا بنا لینا، اِس وقت فقیر کے پاس اور کچھ موجود نہیں ہے''، وہ شخص اِس تبرک کو خوش خوش گھر لے کر پہنچے، جس قدر برتن وغیرہ جلدی میں ہاتھ لگے سب کو گلا کر گھاس ڈال دی، قدرت باری سے تمام تانبا سونا ہو گیا۔ اِن پریشان حال بزرگ کی ساری تکالیف رفع ہو گئیں، جس قدر قرض تھا وہ بھی ادا ہو گیا، خوشحالی و

خورمی دامن گیرحال ہوئی۔اُس کے بعد اُنھوں نے مدرسہ [قادریہ] شریفہ میں آ کر اور اُس گھاس کو تلاش کیا مگر کامیاب نہ ہوئے۔

عطائے ثروت حافظ علی اسد اللہ مرحوم:

حافظ علی اسد اللہ صاحب مرحوم (رئیس سوتھ محلّہ) ایک زمانے میں اتفاقاً سخت پریشان ہو گئے، مرید خاص اور روزانہ کے حاضر باش تھے، زبان سے پریشانی ظاہر نہ کرتے تھے، مگر متفکر ہمیشہ رہتے تھے۔ایک مرتبہ اتفاق سے ایسے وقت پر حاضر مدرسہ ہوئے کہ حضرت اقدس اپنے حجرے میں کھانا تناول فرما رہے تھے۔حافظ صاحب مگس رانی رومال سے کرنے لگے۔ فراغ طعام کے بعد حضرت اقدس نے آپ کو پانچ روٹیاں مرحمت فرمائیں، حافظ صاحب نے ایک تو فوراً کھالی اور چار روٹیاں بطور تبرک گھر کو لے گئے۔اس کے بعد آپ نے وقت تاک کر یہ معمول کرلیا کہ روزانہ کھانے کے وقت حاضری دینا شروع کی اور اولش کھانا اختیار کیا۔ تھوڑے عرصے میں ساری پریشانی رفع ہو گئی اور پیشتر سے زیادہ اچھی حالت میں ہو گئے۔اپنے تمام املاک و دیہات پر پھر قابض ہونے کے علاوہ بہت سی جائیداد حاصل ہوگئی۔ ہمیشہ حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ''یہ ساری دولت وعزت پیر ومرشد کے اولش کھانے کا صدقہ ہے''۔حافظ صاحب مرحوم بدایوں کے معزز شرفا میں تھے۔۲۲ربیع الاوّل ۱۳۰۵ھ [جنوری ۱۸۸۸ء] میں انتقال ہوا۔حافظ قاضی علی احمد صاحب مرحوم (جو اپنے والد کے پیر زادوں کے ہمیشہ خلاف رہے) اور حافظ عنایت احمد صاحب قادری آپ کی یادگار ہیں۔

واقعہ شیخ نظام الدین فاروقی:

شیخ نظام الدین صاحب فاروقی مرحوم (رئیس محلّہ شہباز پور) ایک مرتبہ سخت پریشانی کی حالت میں حاضر آستانہ مقدسہ ہوئے۔مزار مبارک کے سامنے مؤدبانہ دوزانو بیٹھ گئے۔تھوڑی دیر کے بعد ایک خاص حالت طاری ہوئی، جس کو خواب و بیداری کے درمیان سمجھنا چاہیے۔اسی عالم میں دیکھا کہ حضور اقدس بالکل قریب استادہ ہیں اور فرمارہے ہیں کہ'' کچھ فکر و تردّد کی بات نہیں ہے ان شاء اللہ کچھ ضرر نہ پہنچے گا، اُٹھ اور گھر کو واپس جا''، یہ فرما کر شانہ ہلایا جس کی ہیبت سے شیخ صاحب نے سر اُٹھایا، فوراً قبر مبارک کو بوسہ دیا اور شاداں و فرحاں مکان کو آئے۔اُسی روز توجہ باطنی پیر ومرشد سے وہ تمام پریشانیاں دور ہو گئیں، حکم حاکم سے جو ضرر پہنچنے کا اندیشہ تھا

جاتا رہا۔ شیخ صاحب مرحوم حضرت شیخ الاسلام فرید الملۃ والدین بابا شکر گنج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد سے بدایوں کے رؤسائے کبار میں تھے۔ آپ کے اکثر اہل خاندان سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہیں اور ہوتے ہیں۔

واقعہ شیخ رکن الدین فرشوری:

شیخ رکن الدین صاحب مرحوم (رئیس محلّہ فرشوری) کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ اُن کے لڑکے پر (جوملازم سرکار تھے) ایک مقدمہ قائم ہوگیا اور حکام متعلق نے بدظن ہوکر لڑکے کو گرفتار کرلیا۔ یہ مقدمہ اکبرآباد[آگرہ] پہنچا، شیخ صاحب مذکور بے حد آزردہ اور پریشان تھے، پیروی مُقدمہ کے لیے خود بھی اکبرآباد[آگرہ] پہنچے۔ ایک شب بعد نماز عشا وظیفہ پڑھ کر حضرت اقدس سے رجوع کی، توجہ باطنی کے ساتھ استعانت وامداد روحانی کے خواست گار ہوئے، اِسی حالت میں خلاف عادت غنودگی کا غلبہ ہوا، آنکھ لگ گئی، دیکھا حضور اقدس تشریف فرما ہیں اور فرماتے ہیں کہ ''کل ان شاء اللہ تمہارے فرزند کو نجات حاصل ہوگی''۔ اُسی وقت شیخ صاحب بے دار ہو گئے، ہوش آتے ہی خوش خوش مصلے سے اُٹھے، احباب جو منتظر بیٹھے ہوئے[تھے] اُن سے بے ساختہ شیخ صاحب نے کہا کہ ''کل ان شاء اللہ تعالیٰ میرا لڑکا خلاصی پائے گا''۔ سب لوگ کہنے لگے خدا کرے ایسا ہی ہو لیکن آپ کا یہ کہنا کہ کل ہی تصفیہ ہوجائے گا خلاف قیاس ہے۔ اوّل تو پیشی کی تاریخ کل نہیں اگر پیش ہو بھی تو ثبوت اور صفائی وغیرہ کے بعد ایک عرصہ تصفیہ کے لیے چاہیے۔ شیخ صاحب نے کہا ''خیر صبح دور نہیں ہے، نتیجہ معلوم ہوجائے گا''۔ دوسرے روز کچہری کے وقت شیخ صاحب مع اپنے رفقا اور ہمراہیان کے کچہری پہنچے، حاکم مجوز نے اجلاس میں پہنچتے ہی سب سے اول یہی مقدمہ سماعت کیا اور حکم رہائی سنایا۔ شیخ صاحب خوش وخرم لڑکے کو ہمراہ لے کر مکان آئے، جو شخص سنتا تھا متعجب ہوتا تھا، ہمراہیان کو زیادہ تعجب شیخ صاحب کے اس دعوے پر ہوتا تھا کہ ۱۲رگھنٹے پیشتر کس طرح حکم رہائی شیخ صاحب کی زبان سے نکلا اور شیخ صاحب کہتے تھے کہ میرا بارہا کا تجربہ ہے جب حضرت شیخ سے امداد چاہی وہی ہوکر رہا جس کی بشارت دی گئی۔

واقعہ مولوی عظمت علی منصف:

مولوی عظمت علی صاحب منصف مرحوم جو قاضی محلّہ کے رؤسا اور شہر کے معزز لوگوں میں تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ مَیں ایک مرتبہ روزگار کی طرف سے سخت متفکر اور ملول تھا۔ شب کو خواب

میں حضرت اقدس کی زیارت ہوئی، دیکھا کہ دست مبارک میں دو پھلکے جن پر بھنا ہوا گوشت رکھا ہوا ہے موجود ہیں اور بکمال شفقت دونوں روٹیاں مع گوشت کے مجھ کو عطا فرمائی ہیں۔ صبح کو منصف صاحب خوش خوش اُٹھے، فکر و ملال دور ہوا۔ منصف صاحب ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ''واقعہ خواب کے بعد سفر و حضر میں کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا کہ مَیں نے دستر خوان پر گوشت روٹی موجود نہ پایا ہو۔ بعض اوقات سفر و دورے میں ملازم و باورچی کہتے بھی تھے کہ گوشت کا ملنا یہاں محال ہے، لیکن خود بخود کوئی نہ کوئی صورت ایسی پیدا ہو جاتی تھی کہ مسافرین وغیرہ اجنبی لوگ گوشت باورچی کو دے جایا کرتے تھے''۔ منصف صاحب مرحوم بھی اپنے پیر و مرشد قدس سرہٗ المجید کے مخصوص مریدوں میں تھے۔ محافل اعراس میں جو مناقب و قصائد پڑھے جاتے تھے اُن کو آپ جمع کر کے اکثر مطبوع کراتے تھے، چنانچہ 'بہارِ بےخزانِ ہدایت' وغیرہ رسائل آپ ہی نے شائع کرائے تھے۔

واقعہ حکیم تفضّل حسین:

حکیم تفضّل حسین صاحب مرحوم (جو روسائے مولوی محلّہ سے تھے) ایام غدر میں مخبری مخالفین سے ماخوذ ہو گئے، اُن کی والدہ ضعیفہ کو سخت صدمہ اور رنج ہوا۔ ایک دن اِسی غم میں بہت مضمحل ہوئیں، شب کو حضرت اقدس کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں ''ان شاء اللہ کل تمہارا لڑکا خلاصی پائے گا، گھبراؤ مت''۔ صبح کو ان کی والدہ نے اپنے خواب کا تذکرہ کیا، اُسی روز لطف الٰہی سے حکیم صاحب کو نجات حاصل ہوئی، گھر آ کر اپنی والدہ سے یہ ماجرائے خواب سنا۔

واقعہ رئیس بدایونی ملازم رامپور:

منجملہ رؤسائے بدایوں کے ایک شخص صاحبِ علم و فضل و تقویٰ اپنے حال کے خود ناقل تھے کہ وہ جوانی کی عمر میں سلسلۂ بیعت میں داخل ہوئے، اکثر رامپور میں رہنا ہوتا تھا جس کی وجہ سے خال خال حاضری و قدم بوسی شیخ کا موقع ملتا تھا۔ شباب کا عالم پھر امرائے خوش باشان رام پور کی صحبت کا اثر زیادہ وقت باوجود محترز رہنے کے احباب کی خاطر سے بےکار جلسوں میں صرف ہوتا تھا۔ ایک دن تمام یارانِ ہم صحبت نے اتفاق کر کے یہ تجویز کی کہ فلاں محلے میں جو ایک رقاصہ خوش جمال آئی ہوئی ہے اُس کو لانا چاہیے اور اسی مکان میں مجرا ہونا چاہیے۔ ہر چند بدایونی صاحب نے منع کیا لیکن کچھ پیش نہ گئی، مجبور ہو گئے۔ احبابِ جلسہ میں سے کچھ لوگ سامان آرائش

کی فراہمی کے لیے اور پھر رقاصہ کے لینے کو روانہ ہو گئے۔ جب یہ صاحب تنہا رہ گئے خود بخود ان کی طبیعت متوحش ہونے لگی، دروازۂ مکان بند کر کے دالان کے اندر ایک تخت پر ہیبت زدہ گر پڑے، دیکھا کہ مکان میں جانب پائیں حضرت اقدس اس صورت سے جلوہ افروز ہیں کہ عصائے مبارک ہاتھ میں ہے، بالائی سرے پر ذقن شریف رکھے ہوئے استادہ ہیں، چہرہ پر غیظ وغضب کے آثار نمایاں ہیں۔ یہ واقعہ دیکھتے ہی اُن کے تمام بدن میں رعشہ آ گیا، خوف وہراس کی حالت میں چاہا کہ اُٹھ کر قدموں پر گر پڑوں، تخت سے اُٹھتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ سروپا کی مطلق خبر باقی نہ رہی۔ اِسی اثنا میں یارانِ ہم صحبت مع رقاصہ مکان پر آئے، اندر سے زنجیر پڑی ہوئی دیکھ کر آوازیں دینا شروع کیں، لیکن جواب نہ پایا۔ دیر تک جب نہ کواڑ کھلے نہ مکان کے اندر سے کچھ آواز آئی، مجبوراً رقاصہ کو رخصت کیا۔ ایک شخص نے دیوار سے اُتر کر کواڑ کھولے، جماعت احباب مکان میں داخل ہوئی، ان کو بے ہوش و سکتے کے عالم میں پا کر اور مردہ سمجھ کر سب لوگ سخت بدحواس ہوئے اور شور وغل مچانا شروع کیا، بعض نے پانی وغیرہ چھڑکنا شروع کیا، آخر بدیر ان کو ہوش ہوا، احباب کے استفسار پر آپ نے کل واقعہ بیان کیا، سب کے سب نادم و پشیمان ہوئے اور ان بدایونی صاحب نے صحبت بد سے دور رہنے کا عہد کیا اور اپنے افعال سے تائب ہوئے۔

واقعہ حافظ غلام جیلانی:

حافظ غلام جیلانی صاحب مرحوم جو شرفائے شہر اور رؤسائے سوتھہ محلّہ [بدایوں] سے تھے ان کا بیان ہے کہ ایام غدر کے بعد جب گورنمنٹ انگلشیہ کا پھر تسلط ہو گیا اور تحقیقات باغیاں شروع ہوئی ایک صاحب نے اپنے ذاتی رنج وعناد کی وجہ سے حافظ صاحب مرحوم اور حکیم نیاز احمد صاحب مرحوم کا (کہ دونوں صاحب عمائد شہر اور مریدان خاص حضور اقدس سے تھے) نام لے دیا۔ تحقیقات شروع ہو گئی، یہ لوگ سخت پریشان اور مضطرب الحال تھے۔ حافظ صاحب نے خواب میں شرف باریابی پایا، ارشاد ہوا ''جان جوکھوں نہیں ہے''، انہوں نے عرض کیا حضور نیاز احمد؟ فرمایا ''اُس کو بھی جان جوکھوں نہیں ہے''، انہوں نے پھر ایک اور صاحب کی بابت بھی (جن کا نام یاد نہیں رہا) دریافت کیا، فرمایا ''سب کا ٹھیکہ نہیں لیا ہے''، حافظ صاحب خواب سے بیدار ہو کر بہت بشاش ہوئے اور ان کو اُس وقت سے ایسی طمانیت قلب حاصل ہو گئی کہ شاید حکم سن کر بھی نہ ہوتی۔ چنانچہ نتیجہ تحقیقات میں بھی ہوا کہ حافظ صاحب اور حکیم صاحب دونوں بے قصور ثابت

ہوئے اور تیسرے بے کس کو سزائے موت دی گئی۔

حافظ صاحب اپنے پیر کے منتخب مریدوں میں تھے۔ نسباً صدیقی حمیدی مشرباً قادری مجیدی تھے۔ شہر کے بابرکت لوگوں میں سمجھے جاتے تھے۔ تین صاحبزادے مولانا فضل احمد صاحب، مولوی مفتی کرم احمد صاحب [میخوآر]، مفتی اکرام احمد صاحب لطفؔ اپنی یادگار چھوڑ کر ۲۲ محرم ۱۳۱۰ھ [اگست ۱۸۹۲ء] میں راہیٔ ملک بقا ہوئے۔ آپ کے سب اہل خاندان سلسلۂ قادریہ معینیہ مجیدیہ میں منسلک ہیں۔

واقعہ محمد علی خان آزاد:

خان صاحب محمد علی خاں صاحب مرحوم آزادؔ (جو حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ کے حلقہ ارادت میں منسلک اور شہر کے مشاہیر لوگوں میں تھے) ناقل ہیں کہ جوانی میں اولاد کی زیادہ تمنا نہ تھی، مگر جب پیری آئی عمر زیادہ ہوئی دل کو اولاد کا قلق از حد ستانے لگا، بارگاہ الٰہی میں شب و روز التجا کی، ارواح اولیائے کرام سے حصول مرام کی توجہ کی۔ ایک شب خواب میں حضور اقدس کی زیارت سے مشرف ہوئے، خواب میں خاں صاحب کو حضرت اقدس نے ایک پھول مرحمت فرمایا۔ صبح کو جب یہ بیدار ہوئے، دل پر فرحت و انبساط کے آثار پائے۔ مولانا قاضی عبدالسلام صاحب عباسی سے خواب بیان کی، آپ نے فرمایا ''ببرکت توجہ حضرت مولانا قدس سرہٗ آپ کو فرزند خوش اقبال خداوند کریم عطا فرمائے گا''۔ چنانچہ اُسی سال آپ کے یہاں فرزند نرینہ پیدا ہوا، جس کا نام احمد علی خاں رکھا گیا۔ خدا کا شکر کہ آج وہی گل نوشگفتہ خواب 'خان بہادر احمد علی خاں مکیشؔ قادری' محبّ رسولی باغ کا ایک نخل ثمردار ہے، دنیاوی عزت و وجاہت میں شہر کا آنریری مجسٹریٹ، محکمہ سروے کا نامی و نام آور، خطاب یافتہ پنشن دار، راقم الحروف کا محترم بزرگ ہے۔

غرض اسی طرح آپ کے تصرفات نامتناہی اب تک جاری ہیں۔ شیخ ظہور احمد صاحب مرحوم جو حضرت اقدس کے مریدین میں راقم الحروف کے زمانۂ ہوش تک زندہ رہے، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے پیر بھائیوں پر یا ہم پر جب کوئی مصیبت آئی یا کوئی مشکل درپیش ہوئی جب پیرومرشد کی جناب میں رجوع کی فوراً ہی مشکل کشائی فرمائی۔

☆

[ذکر تصانیف]

آپ کے اوقات شبانہ روز وقف عبادت الٰہی اور صرف خدمت دین و رسالت پناہی تھے۔ مسند درس پر بھی جلوہ فرماتے، شغل تصنیف بھی رکھتے، لیکن تصانیف کی طرف اسی وقت توجہ مائل ہوتی جب باطنی اشارات یا تحریک سے مجبور کیے جاتے۔

[۱] منجملہ تصانیف کے کتاب برکت انتساب، 'مواہب المنان' فارسی ہے۔ یہ کتاب حضور غوث اعظم سید الافراد سلطان بغداد محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملفوظات شریفہ معروف بہ 'جواہر الرحمٰن' کی کامل و مکمل شرح ہے۔ جس میں اسرار تصوف اور نکات خداشناسی کا انکشاف فرمایا گیا ہے، یہ کتاب بہ اشارت باطن حسب فرمان حضور اچھے صاحب قدس سرہٗ لکھی گئی ہے۔

[۲] 'محافل انوار شریف' حضور سید العالمین (روحی له الفدا) کے محامد و فضائل، خصائل و شمائل ابتدائے ولادت شریف سے وصال مبارک کے وقت تک بارہ محافل میں منقسم ہیں۔ یکم سے بارہ ربیع الاوّل شریف تک عصر و مغرب کے درمیان میں روزانہ ایک محفل کا دور مدرسہ عالیہ قادریہ میں ہوتا ہے۔ ایک ایک لفظ ایک ایک جملہ دلوں میں نور ہدایت پیدا کرتا ہے، کتاب مبارک اُردو میں ہے۔ حضور اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ کی فرمائش سے تحریر کی گئی ہے۔☆

[۳] ایک رسالہ فارسی میں 'کتاب الصلوٰۃ' عربی مصنفہ حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ کا ترجمہ ہے۔

[۴] رسالہ 'ہدایت الاسلام' فارسی میں تقویت الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کا ردّ ہے۔

[۵] ایک اور رسالہ فارسی میں ردّ روافض میں ہے۔☆☆

☆☆☆

☆ کتاب کا پورا نام 'محافل الانوار فی احوال سید الابرار' ہے، حضرت شمس مارہرہ سید ابوالفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہ کے حکم سے ۱۲۳۱ھ میں تالیف کی گئی۔ کتاب اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ مدرسہ قادریہ میں یہ معمول آج بھی قائم ہے کہ ماہ ربیع الاول میں یکم تا ۱۲ ربیع الاول روزانہ بعد عصر تا مغرب کتاب کی ایک محفل پڑھی جاتی ہے۔ (مرتب)

☆☆ آپ کی تصانیف سے ایک رسالہ 'نجات المومنین' ہے۔ اردو زبان کا یہ رسالہ دو باب پر مشتمل ہے، پہلا باب ایمان کے بیان میں ہے جس میں بنیادی عقائد ذکر کیے گئے ہیں۔ دوسرا باب اسلام کے بیان میں ہے جس میں نماز، روزہ اور حج و زکاۃ کے ضروری مسائل بیان کیے ہیں۔ ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے وہ مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۰۹ھ میں شائع ہوا ہے۔ دوسری مرتبہ ڈاکٹر علیم الدین قادری قدیری کے زیر اہتمام ادارہ مدینۃ العلم کلکتہ سے شائع ہوا، سنہ طبع درج نہیں ہے۔ (مرتب)

ذکر تلامذۂ مخصوص

[خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قادری مارہروی]

سید السادات، معدن خوارق عادات، کاشف دقائق معقول ومنقول حضرت سیّدی سیّد شاہ آل رسول صاحب قدس سرہٗ۔ آپ خانقاہ عالم پناہ مارہرہ مقدسہ کے تاجدار، حضرت ستھرے میاں صاحب سیّد شاہ آل برکات (خلف اوسط حضرت سلطان الاولیا سیدنا شاہ حمزہ صاحب قدس اسرارہم) کے نور نظر اور فرزند اوسط ہیں۔ ۱۲۰۹ھ [۹۵-۱۷۹۴ء] میں ولادت باسعادت ہوئی۔ تحصیل علوم دینیہ بہ ارشاد حضرت اچھے میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت قدس سرہٗ المجید سے فرمائی۔ اُس کے بعد لکھنؤ جا کر مولانا عبدالواسع صاحب سیدن پوری ومولانا نورالحق صاحب فرنگی محلی سے علوم معقول کی تکمیل کی۔ سند حدیث مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے اور سند طب حکیم فرزند علی خاں صاحب موہانی سے حاصل فرمائی۔ علوم باطنی کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے پا کر خلافت عامہ اور اجازت تامہ اپنے عم محترم حضرت سید العارفین سلطان المحبوبین سیدنا شاہ ابوالفضل آل احمد اچھے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ بعد وصال اپنے والد ماجد حضرت ستھرے میاں صاحب کے ماہ ذی قعدہ ۱۲۵۱ھ [فروری ۱۸۳۶ء] میں وارث وسجادہ نشین درگاہ معلیٰ مقرر کیے گئے اور حضرت اقدس قدس سرہٗ المجید کے دست مبارک سے خرقہ پوشی ودستار بندی اور رسم سجادہ نشینی عمل میں آئی۔ جہانِ اسلام کو آپ نے اپنے فیض باطنی سے مستفیض فرمایا۔ آپ کے ہزاروں مریدین اب بھی بقید حیات موجود ہیں۔ وصال شریف ۱۸رذی الحجہ ۱۲۹۶ھ [دسمبر ۱۸۷۹ء] کو ہوا۔ اُنیسویں کو فاتحہ عرس ہوتی ہے۔ مزار مبارک دالان شرقی گنبد درگاہ معلیٰ میں بالیں مزار حضرت سیدی شاہ حمزہ صاحب قدس سرہٗ واقع ہے۔ 'خاتم الاکابر' فقرۂ تاریخ وصال ہے۔

☆

[سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم مارہروی]

سید السادات، شمس العرفا حضرت سیدی سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم صاحب قدس سرہٗ۔ آپ حضرت ستھرے میاں صاحب کے فرزند اصغر ہیں۔ ۱۲۲۳ھ [۰۹-۱۸۰۸ء] میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، حضرت اقدس قدس سرہٗ المجید سے دینیات کی تعلیم پائی، مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب کشفی بدایونی اور مولانا ولی اللہ صاحب فرخ آبادی سے بھی تحصیل علوم فرمائی۔ حضور اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ کی آغوش شفقت میں پرورش وتربیت پا کر والد بزرگوار سے شرف بیعت اور عم نامدار سے اجازت وخلافت سے سرفرازی حاصل کی۔ بزرگ بھائی سے بھی خلافت واجازت حاصل کی۔ امارت وریاست کے ساتھ عبادت وریاضت میں عمر بسر فرمائی۔ بمقام لکھنؤ پنجم شعبان ۱۲۸۶ھ [نومبر ۱۸۶۹ء] میں بہ عمر ۶۳ رسال واصل بحق ہوئے، لیکن جنازہ مارہرہ میں لایا گیا اور دالان پائیں گنبد کی صحنچی جانب شرق میں دفن کیا گیا۔

☆

[مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی ثم کانپوری]

علامہ اجل فاضل بے بدل مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب کشفی بدایونی قدس سرہٗ۔ آپ شیخ برکت اللہ صاحب صدیقی متولی بدایونی کے فرزند ہیں جو بدایوں کے شرفا اور عمائد وممتاز لوگوں میں تھے۔ میاں قادر شاہ صاحب قادری سے (جن کا مزار مسجد حیدر شاہ میں ہے) بیعت رکھتے تھے۔ مولانا کشفی صاحب ابتدائے عمر سے باوجود ریاست وامارت کے تحصیل علم کی طرف مائل تھے۔ چنانچہ ہوش سنبھالتے ہی مدرسہ عالیہ [قادریہ، بدایوں] میں علمی تربیت کے لیے بٹھا دیے گئے۔ آپ کی تحریر پیشانی آپ کی آئندہ پیش آنے والی سعادت ومرتبت کا نوشتہ تھی، آپ کی فراست وذہانت دیکھ کر حضرت اقدس قدس سرہٗ المجید آپ کی عزت وعظمت کی دعا فرماتے اور آپ کے والد کو آپ کی آئندہ شان وشوکت کی بشارت دیتے۔ کچھ عرصے تک حضرت نے اپنے پیش نظر رکھ کر آپ کی تعلیم وتربیت کی، اُس کے بعد مولانا ابوالمعانی قدس سرہٗ کے سپرد کر دیا گیا۔ اُس کے بعد آپ نے بریلی جا کر معقول کی تکمیل مولانا مجد الدین صاحب معروف بہ مولوی مدن شاہجہاں پوری سے (جو مولوی غلام یحییٰ بہاری کے شاگرد رشید تھے) کی اور وطن میں واپس آ کر

عرصے تک حضرت اقدس کی صحبت سے مستفیض ہوئے اور مثنوی شریف حضرت مولانا روم قدس سرہٗ کو بالاستیعاب مولانا خطیب محمد عمران صاحب عثمانی سے پڑھا۔ ذوق تصوف پیدا ہوتے ہی مرشد کامل کی طرف نگاہیں دوڑانا شروع کیں۔ حضرت اقدس [شاہ عین الحق] قدس سرہٗ المجید صاحب جب مارہرہ شریف سے وطن واپس تشریف لاتے آپ ارمانِ بیعت کو کلیجے سے لگائے ہوئے حاضر خدمت ہوتے، لیکن کمال ادب سے اظہار نہ فرماتے۔ آخر جب حضرت اقدس قدس سرہٗ المجید صاحب کو آپ کے ارادے سے آگاہی ہوئی اپنے ہمراہ مولانا کو مارہرہ شریف لے گئے اور حضور پُر نور اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ کا مرید کرایا۔ دربار شیخ سے بھی آپ کی تربیت باطنی حضرت اقدس کے سپرد ہوئی۔ اِسی اثنا میں آپ نے سند حدیث مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے حاصل فرمائی، دربار شیخ سے مثال خلافت بھی عطا ہوئی۔ عرصے تک بدایوں رونق افروز رہے، بعدہٗ آپس کے نزاعات کے باعث لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں مرزا قتیلؔ سے شعر وسخن میں اصلاح لی۔ کشفیؔ تخلص مقرر کیا۔ مجتہد عصر اور علمائے شیعہ لکھنؤ آپ کے درپئے ایذا رسانی ہو گئے، لیکن آپ صحیح وسالم نکل کر کانپور تشریف لے آئے اور آخر وقت تک کانپور میں مسکن گزیں رہے۔ ظاہری وباطنی فیض کے دریا بہادیے۔ سیکڑوں ہزاروں بندگان خدا آپ کے دامن ارادت سے وابستہ ہو گئے، باوجود صاحب ارشاد ہونے کے اپنے پیرزادوں اور استاذ زادگان وطن کا نہایت ادب واحترام کرتے تھے، بڑے بڑے علمائے کرام آپ کے فیض تعلم سے مستفیض ہوئے جن کے تلامذہ کا سلسلہ اطراف ہند میں جاری وساری ہے۔

منجملہ آپ کے تلامذہ کے مولانا شاہ عادل صاحب تھے، جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔ مولوی سید محمد عبداللہ صاحب بلگرامی، مولوی غلام محمد خان صاحب (ساکن کوٹ ضلع فتح پور ہسوہ) خان بہادر مولوی سید فریدالدین احمد صاحب کڑوی (وکیل ہائی کورٹ) آپ کے مشہور تلامذہ میں ہیں۔ علاوہ ان کے مولوی بزرگ علی صاحب آپ کے مخصوص شاگردوں میں تھے، جن کے شاگرد رشید مفتی عنایت احمد صاحب [کاکوروی] تھے جو استاذ مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی کے ہیں اور مفتی صاحب کا فیض درس عام ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔ اس سلسلے سے موجودہ طبقۂ علما میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کو بدایوں کے بحر فیض سے حصہ نہ پہنچا ہو۔ مولانا کی تصانیف کثیرہ مشہور ومطبوع ہیں۔

ردّ شیعہ میں تحفۃ الاحباب، معرکہ آرا، برق خاطف ہیں۔ تحریر الشہادتین شرح سر الشہادتین، خدا کی رحمت وغیرہ مختلف رسائل ہیں۔ رسالہ اشباع الکلام فی اثبات المولد والقیام ہے جس کا جواب مولوی بشیر الدین صاحب قنوجی نے لکھ کر دربار نبوت سے اپنے ارتداد کا سارٹیفکٹ حاصل کیا اور پھر اُس جواب کا ردّ حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ نے رسالہ 'سیف الاسلام' میں بخوبی فرما دیا۔ مولانا کا فارسی دیوان بھی مطبوعہ ہے۔

مولانا کے بدایوں میں دو صاحبزادے شیخ عظیم اللہ اور شیخ ظہور احمد وارث جائداد ہوئے۔ شیخ ظہور احمد کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ شیخ عظیم اللہ کے صاحبزادے یعنی مولانا کے پوتے شیخ عزیز احمد صاحب موجود ہیں۔

بہ عمر ۸۷ سال، ۳ رجب المرجب ۱۲۸۱ھ [دسمبر ۱۸۶۴ء] آپ کا وصال ہوا۔ مزار شریف خاص آپ کی بنا کردہ مسجد واقع محلّہ ناچ گھر کہنہ کانپور میں ہے۔

قطعہ تاریخ وصال

مظہر کشف و کرامات جناب کشفی — ہادیِ راہِ خدا کاشف رازِ عرفاں
شدہ برخاستہ خاطر چو ازیں گلشن دہر — رفت در چشم زدن جانب باغ رضواں
حال تاریخ قلم بند نمودم ارشد — یوم ہفتہ سوم از ماہ رجب شد ز جہاں

☆

[مولانا سعد الدین عثمانی بدایونی]

جناب مولانا سعد الدین صاحب عثمانی ابن مولوی نصیر الدین عثمانی۔ آپ نے تحصیل جملہ علوم حضرت اقدس قدس سرہٗ المجید سے کی۔ فقہ و فرائض میں تبحر کامل حاصل تھا۔ نہایت سادہ مزاج اور جلد تر متاثر ہونے والی طبیعت پائی تھی۔ کتب بینی کا شوق تھا۔ جس زمانے میں دہلی سے فتنۂ نجد نے پادرازی کی اور کل جدید لذیذ کے لذت شناس ادھر متوجہ ہونا شروع ہوئے آپ بھی اسماعیلی اسحاقی عقیدت فریب کتب کے مطالعے سے اسلاف کرام کی راہ سے بھٹک گئے۔ رسالہ 'اربعین' مؤلفہ مولوی محمد اسحاق صاحب دہلوی (۴۹) پر مائل ہو کر 'رفاہ المسلمین' بطور شرح اربعین تحریر کی اور جابجا کہیں تائید باطل کہیں تائید حق کا لطف دکھایا، کہیں اپنے اعتقادات سے

---

(۴۹) شاہ اسحاق دہلوی کے حالات کے لیے صفحہ 161 حاشیہ ۴۹ ملاحظہ فرمائیں۔

انحراف، نہیں معتقدات وہابیہ سے اختلاف کیا۔۱۲۸۳ھ [۶۷-۱۸۶۶ء] میں فوت ہوئے۔

☆

[مولانا محمد افتخار الدین فرشوری]

مولانا حکیم محمد افتخار الدین صاحب فرشوری آپ شہر کے مشاہیر اطبا اور رؤسائے فرشوریان کے خاندان کے سرمایۂ فخر و افتخار تھے۔ تحصیل علوم و فنون حضرت اقدس قدس سرہٗ المجید سے فرمائی، فن طب میں مہارت تامہ اور دسترس خاص رکھتے تھے، بہ زمرۂ اطبا ریاست جے پور میں ملازم تھے۔ حضرت مولانا حسن علی صاحب فخری چشتی بدایونی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ جے پور میں ۱۱ر جمادی الثانی کو انتقال فرمایا، حکیم واصل خان صاحب کے باغ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے حکیم ممتاز الدین صاحب مرحوم بھی بدایوں کے نامی و ممتاز اطبا میں تھے اور حضرت اقدس قدس سرہٗ المجید سے فیض تلمذ حاصل تھا۔ ۳ر رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ [اپریل ۱۸۹۱ء] کو انتقال ہوا۔

☆

[حکیم محمد قائم بدایونی]

حکیم محمد قائم صاحب مرحوم آپ بدایوں کے حکیموں کے خاندان کے مورث اعلیٰ، نہایت بابرکت، صاحب زہد و اتقا بزرگ تھے۔ فن طب میں حاذق وقت تھے۔ تمام عمر خالصاً لوجہ اللہ خدمت طب انجام دی۔ تحصیل علم بکمال ذوق و شوق حضرت اقدس قدس سرہٗ المجید سے کی اور بہ موجب ارشاد اُستاذ بزرگ حضور اچھے صاحب قدس سرہٗ کے سلسلۂ مریدین میں داخل ہوئے۔ آپ کے برادر خورد حکیم محمد دائم صاحب بھی حضرت اقدس کے مخصوص ارادت مندوں میں تھے اور شرف تلمذ بھی رکھتے تھے اور خدمت علاج معالجہ کی بدولت حضرت اقدس سے دعائے برکت دائمی قائمی طب کی حاصل فرمائی۔ چنانچہ آج تک سلسلۂ طب اس خاندان میں چلا آتا ہے اور اکثر اہل خاندان مدرسۂ قادریہ کے تعلیم یافتہ ہیں۔

☆

[مولانا عبد الوالی چشتی بدایونی]

مولانا عبد الوالی صاحب قدس سرہٗ آپ بدایوں میں یادگار سلف تھے۔ شرافت و نجابت

خاندانی کے علاوہ آپ کا تقویٰ وتورع آپ کو یگانۂ آفاق بنائے ہوئے تھا۔ شاہ جمال اللہ چشتی رام پوری کے مرید تھے۔ آستانہ بوسی حضرات اولیائے کرام آپ کا روزانہ کا معمول تھا، جو آخر عمر تک ترک نہ ہوا۔ بدایوں کے اولیاء اللہ کے فیوض و برکات سے آپ کو خاص حصہ ملا تھا اور اکثر مزارات کے نشانات آپ کو معلوم تھے۔ کتاب 'باقیات الصالحات' میں اولیائے کرام کے حالات آپ نے جمع فرمائے۔ ۲۵؍ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ [جنوری ۱۸۸۶ء] کو راہیٔ ملک بقا ہوئے۔ مولوی عبدالہادی اور مولوی عبدالمتعالی صاحبان دو صاحبزادے (جن کی اولاد موجود ہے) ایک دختر (جو مفتی شرف علی صاحب مرحوم کو منسوب ہیں) اپنی یادگار چھوڑے۔

☆

[حافظ حسن علی بدایونی]

حافظ حسن علی صاحب مرحوم۔ آپ بھی بدایوں کے بابرکت لوگوں میں تھے۔ درسیات حضرت اقدس قدس سرہٗ المجید اور مولانا ضیاء الدین احمد صاحب عثمانی سے پوری دل بستگی کے ساتھ پڑھیں۔ قرآن شریف کے حفظ کا سلسلہ اجرا فرمایا۔ للہ فی اللہ اس خدمت کو سرانجام دیا۔ صدہا حفاظ کو دولت حفظ کلام الٰہی آپ کی بدولت حاصل ہوئی۔ عمر بھر بجز اس پاک شغل کے دوسرا کوئی شغل نہ رکھا۔ آپ کے صاحبزادے حافظ آلِ حسن مرحوم حضرت تاج الفحول کے فیض تلمذ سے مشرف تھے، نہایت متشرع صورت تھے، ایام حج میں انتقال فرمایا۔

☆☆☆

تذکرۂ خلفائے صاحب ارشاد

[مولانا سید شرف الدین شہید دہلوی]

سیّد السادات سلطان العاشقین حضرت مولانا سیّد شرف الدین شہید دہلوی قدس سرہٗ۔ آپ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد سے ہیں۔ آپ کے والد سید شمس الدین قادری صاحبِ سجادہ ناگور تھے اور نسباً حضرت سید شاہ عبدالرزّاق ثانی بن سید محمد حلبی الاچھے قدست اسرارہم سے سلسلۂ رشد و ہدایت قائم تھا، لیکن آپ کی صغرسنی میں آپ کے والد ماجد کا وصال ہوگیا۔ دہلی میں آپ کے دادا سید فخر الدین صاحب ناگور سے آکر سکونت پذیر ہوئے، جن کا مزار بمقام نومحلہ متصل روضۂ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور ہر سال ۵ر ذیقعدہ کو عرس ہوتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا وصال بھی دہلی میں ہوا اور متصل عید گاہ شیدی گھر کے باغ میں مدفون ہوئے۔ ۱۱ر ذی الحجہ کو فاتحہ عرس ہوتی ہے۔

حضرت سیّد شرف الدین صاحب ۱۱ر رجب ۱۲۱۰ھ [جنوری ۱۷۹۶ء] کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد والدہ نے آپ کی تربیت کی، تھوڑی عمر میں تحصیل و تکمیل علوم سے فراغت تامہ حاصل کی۔ بعد تکمیل علوم شیخ طریقت کی تلاش میں کمر ہمت باندھی، بہ اشارۂ حضور غوثیت مآب دہلی سے بدایوں تشریف لائے، یہاں حضرت اقدس قدس سرہٗ المجید نے عالم نیام میں حضور غوث الثقلین کی زبان مبارک سے یہ کلمات سنے کہ:

فرداعلی الصباح یکے از فرزندان مابدولت سید شرف الدین نام خواہند آمد توجہ تام بحال ایشاں باید نمود۔

[ترجمہ: ہمارے فرزندوں میں سے ایک فرزند جس کا نام سید شرف الدین ہے کل علی الصباح آنے والا ہے، تمہیں اس کے حال کی طرف توجہ تام کرنا چاہیے۔]

صبح کو حضور بعد نماز و فراغ معمولات حجرۂ شریفہ سے باہر آ کر صحن مسجد میں کسی کی آمد کے منتظر دروازے کی جانب نگاہ کیے ہوئے تشریف فرما رہے کہ یکا یک سیّد صاحب تشریف لائے۔ حضور

اقدس نے نہایت تعظیم وتکریم فرمائی اور فوراً شفقت ومحبت کے ساتھ ادائے نوافل کا حکم دیا۔ بعدہٗ خلاف عادت قبل اس کے کہ سید صاحب کچھ کہیں داخل سلسلۂ عالیہ قادریہ فرمایا اور تھوڑے ہی عرصے میں توجہ خاص سے منازل قرب واتصال پر پہنچادیا۔ تکمیل مراتب کے بعد خرقۂ خلافت اور سند اجازت سلاسل اربعہ مرحمت فرما کر دہلی کی واپسی کا حکم دیا۔ دہلی میں آپ کے فیض عام سے صد ہابندگانِ خدا فائز المرام ہوئے۔ آپ کے ایک مرید باختصاص حافظ محمد بخش صاحب قادری دہلوی خود اپنے حال کے ناقل ہیں کہ:

> مَیں حضرت سید صاحب کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہتا تھا اور جب اوراد و اشغال کی اجازت چاہتا تھا فقط کثرت درود شریف کا حکم دیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ بعض مشائخ دہلی کی مجلس میں مَیں نے جلسۂ توجہ گرم دیکھا اور ایک عجیب ہنگامۂ ہوحق نظر آیا، وہاں سے پھر حضرت سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''حضور اور مشائخ وقت تو اس طرح اپنے مریدین کو تعلیم و تلقین کرتے ہیں مجھے بھی حضور کچھ تعلیم فرمائیں''، حضرت سید صاحب نے نہایت عجز وتواضع سے فرمایا کہ ''میاں ہم تو بجز کثرت درود شریف وغیرہ کے اور کچھ نہیں جانتے ہیں''، یہ فرما کر اپنے دست مبارک میں میرے ہاتھ کو اس طرح دبایا کہ فوراً حالت متغیر ہوگئی، خود بخود آنکھوں سے آنسو رواں ہونا شروع ہوئے، دل کو عجیب کیف وسرور کی وحشت نے گھیرا، گھر سے نفرت صحرا سے رغبت پیدا ہوئی، یک شبانہ روز مجھ کو بالکل معلوم نہ ہوا کہ مَیں کہاں ہوں اور کس حال میں ہوں۔ دوسرے روز وقت مقررہ پر خود بخود وحشت دل نے حضرت سیدی کی حضوری میں پہنچادیا، آپ نے نظر کرم میرے حال پر فرمائی، جس سے بالکل طبیعت کو سکون ہوگیا۔

بعدہٗ خود اپنا واقعہ ارشاد فرمایا کہ:

> چوں در ابتدا بشرف بیعت حضرت جناب غوثی ومرشدی مولانا عین الحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف شدم و برائے ہمیں حالت استدعا کردم روزے پائے مبارک می مالیدم از پائے مبارک خود دست مرا آنچناں مالیدند کہ اثر آں بر دل

خود یا سم فریب بود کہ از خود روم باز توجہ فرمودہ بہوسم آوردند۔

[ترجمہ: جب میں ابتدا میں حضرت غوثی و مرشدی مولانا عین الحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت سے مشرف ہوا اور اس حالت کے سلسلے میں آپ سے گزارش کی۔ ایک روز میں آپ کے پائے مبارک دبا رہا تھا کہ آپ نے اپنے پائے مبارک سے میرا ہاتھ اس طرح دبایا کہ اس کا اثر میں نے اپنے دل پر محسوس کیا، قریب تھا کہ میں بے ہوش ہو جاتا، پھر آپ نے توجہ فرمائی تو میں دوبارہ ہوش میں آیا۔]

سید صاحب کے مریدین میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو دہلی میں ناگور سے آ کر سکونت گزیں ہوئے تھے۔ آپ کی زوجۂ اولیٰ (جن کے بطن سے سید بدرالدین صاحب پیدا ہوئے) اہل خاندان سے تھیں۔ دوسری شادی آپ نے دہلی میں کی تھی، جن سے سیّد سعد الدین پیدا ہوئے۔ بیس واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب حضور غوث پاک تک پہنچتا ہے۔

آپ کے بڑے صاحبزادے سید بدرالدین آپ کے مرید و صاحب مجاز تھے، حضرت سیدی تاج الفحول قدس سرہٗ کے معتقد تھے۔ سید سعد الدین صاحب کا حال معلوم نہیں۔ غدر ۱۸۵۷ء میں جب دلّی خالی کرائی گئی تو سیّد صاحب بھی مع اپنے چند مریدوں کے مکان سے باہر تشریف لائے، سامنے سے کچھ ہتھیار بند لوگ آ رہے تھے جنھوں نے فوراً آپ کو مع چھ ہمراہیان کے شہید کر دیا۔ گلی شاہ تارا میں مسجد کے اندر ایک ہی قبر میں ان چھ براتیوں اور ایک دولہا کو ہمیشہ کے لیے محو استراحت کر دیا گیا۔

۲۹ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ [ستمبر ۱۸۵۷ء] تاریخ وصال ہے۔ آپ کے خلفا میں سید شاہ محمد زبیر صاحب دہلوی قدس سرہٗ سے سلسلۂ بیعت جاری ہے اور جناب سیّد شاہ قاسم علی صاحب کلیمی صاحب مجاز سید محمد زبیر صاحب کے ہیں۔ مگر شجرے میں حضرت شہید قدس سرہٗ کو سید حسن علی صاحب دہلوی معروف بہ حسنو میاں صاحب سے وابستہ کیا ہے، جس کی سند شاید کلیمی صاحب کے پاس ہو۔ ہمیں سید فیض الحسن صاحب وکیل دہلوی سے جو سید بدرالدین صاحب کے فرزند اور حضرت شہید قدس سرہٗ کے پوتے ہیں اور سید محمد عزیز صاحب ابن سید شاہ محمد زبیر صاحب کی تحریرات سے پتہ اس صحت کا معلوم نہ ہوا۔ جناب خواجہ ضیاء الدین صاحب قبلہ دہلوی سے (جو

حضرت شہید مرحوم کے مخصوص تلامذہ اور فیض یافتگان میں سے ہیں) جب دریافت کیا گیا تو بھی کچھ اصلیت معلوم نہ ہوئی، ممکن ہے حضرت کلیمی صاحب قبلہ کو شجرۂ عالیہ قادریہ کی صحت کا خیال نہ آیا ہو۔

☆

[حضرت سید شاہ ظہور حسن مارہروی]

سلالۂ خاندان رسالت حضرت سیدی شاہ ظہور حسن صاحب مارہروی قدس سرہٗ آپ بڑے صاحبزادے حضرت سیدی مولانا شاہ آل رسول صاحب قدس سرہٗ کے تھے۔

۱۲۲۹ھ [۱۴-۱۸۱۳ء] میں پیدا ہوئے، والد بزرگوار کی آغوش شفقت میں تعلیم و تربیت پائی۔ بیعت و خلافت کا شرف خصوصی بھی والد اقدس سے حاصل تھا، لیکن حسب الارشاد والد ماجد سند خلافت و اجازت حضور اقدس قدس سرہٗ المجید سے بھی حاصل کی۔ بعد وفات زوجہ اولیٰ کے ملک بڑودہ میں جا کر نواب سید سرفراز علی خاں صاحب سہسوانی مودودی کی دختر سے شادی کی اور اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کی حیات میں بمقام دہاری ملک کاٹھیاواڑ میں بتاریخ ۲۶ رجمادی الاولیٰ ۱۲۶۶ھ [اپریل ۱۸۵۰ء] میں واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے والا مرتبت حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ قدس سرہٗ تھے جو اس دور آخر میں اپنے اسلاف کرام کے فضل و تقدس کا روشن آئینہ اور متقدمین اولیائے عظام کے مظہر اتم تھے۔ ہزاروں لاکھوں آنکھیں ابھی اُن نوری جلووں سے بے خود و سرشار ہیں۔

☆

[حضرت سید شاہ ظہور حسین مارہروی]

خلاصۂ دودمان نبوت حضرت سیدی شاہ ظہور حسین صاحب مارہروی قدس سرہٗ۔ آپ چھوٹے صاحبزادے حضرت سیدنا مولانا شاہ آل رسول صاحب قدس سرہٗ کے تھے۔ 'چھٹو میاں' کے پیارے نام سے مشہور تھے۔ ولادت آپ کی ۱۲۴۱ھ [۲۶-۱۸۲۵ء] میں ہوئی۔ چہرۂ نورانی سے صولت و شوکت، رعب و جلال کے جلوے چمک چمک کر ہیبت اسداللّٰہی کی ضیا باری کرتے تھے۔ آپ نے بھی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار سے فرمائی اور بیعت و خلافت عامہ بھی والد ماجد قدس سرہٗ سے حاصل تھی۔ خود فرماتے تھے کہ:

ہمارے والد ماجد نے ایک روز نصف شب کو کہ بہت ابر و باراں تھا مجھے یاد فرمایا اور یہ ارشاد کیا کہ ”میاں! مولوی صاحب [شاہ عین الحق عبدالمجید] ہمارے گھر سے سب کچھ لے گئے، ہمارا دل تھا کہ وہ تشریف لے آتے تو ہم تم کو اُن سے اجازت دلواتے“ ☆۔ مَیں نے عرض کی کہ ”حضور اس وقت مولوی صاحب کہاں؟“ اتنی گفتگو کے بعد مَیں مکان میں چلا آیا، تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ پھر یاد فرمایا اور ارشاد کیا کہ ”میاں مولوی صاحب [شاہ عین الحق عبدالمجید] تشریف لے آئے“، اس کے بعد حضرت باہر تشریف لائے، مَیں بھی خدمت میں تھا دیکھا حضرت مولوی صاحب درگاہ معلیٰ میں موجود ہیں، کچھ دیر حضرت مولانا سے اس بارے میں بات چیت ہوئی، اس کے بعد میری بیاض پر حضرت [شاہ عین الحق عبدالمجید] قدس سرہُ المجید نے سند خلافت و اجازت تحریر فرمادی اور مجھے اجازت فرمائی کہ ہمیشہ کاربرآریٔ خدام میں مصروف رہے۔

آپ نہایت اخلاق کریمانہ کے ساتھ متصف تھے، اکثر محافل عرس سراپا قدس بدایوں شریف میں تشریف لایا کرتے تھے۔ ۱۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ [ستمبر ۱۸۹۵ء] کو واصل بحق ہوئے۔

آپ کے ایک صاحبزادے حضرت سید ابوالحسن میر صاحب قبلہ مرحوم تھے۔ دوسرے صاحبزادے حضرت سید شاہ مہدی حسن صاحب قبلہ دامت برکاتہم صاحب سجادہ و مسند نشین آستانہ معلیٰ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ ہیں۔ ۱۲۸۷ھ [۱۸۷۰-۷۱ء] میں ولادت باسعادت ہوئی۔ مدرسہ عالیہ قادریہ میں تحصیل علم فرمائی۔ آپ کے اخلاق، آپ کے اوصاف عالم آشکار ہیں، عرس شریف مارہرہ مقدسہ کو جو فروغ آپ کے دم سے ہوا ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ خداوند کریم آپ کو اپنے اسلاف کرام کی طرح برگزیدۂ روزگار کرے اور برکات و انوار آستانہ معلیٰ کو ہمیشہ روز افزوں تجلیات کے ساتھ چمکائے۔

☆ یہ واقعہ قاضی غلام شبر قادری نے بھی تذکرۂ نوری میں درج کیا ہے، انہوں نے حضرت خاتم الاکابر کے اِس قول کو اِن الفاظ میں تعبیر کیا ہے کہ ”ہمارا دل چاہتا تھا کہ تم کو بھائی عبدالمجید صاحب سے بھی اجازت لکھا دیتے، وہ اِس گھر کے بڑے خزینہ دار ہیں“ (تذکرۂ نوری جدید: ص ۱۰۹) ”وہ ہمارے گھر سے سب کچھ لے گئے“ پر حضرت تاج العلما نے بھی اعتراض کیا ہے۔ (اکمل التاریخ پر ایک تنقیدی تبصرہ: ص ٦) بزرگوں کے اقوال و فرامین کی نقل و حکایت میں اس قسم کا لفظی تفاوت عام طور پر ہو جاتا ہے، ہمارے خیال میں قاضی غلام شبر قادری کے الفاظ زیادہ مناسب ہیں۔ (مرتب)

ایک مرتبہ حضرت سیدی شاہ ظہور حسین چھٹو میاں صاحب اور حضرت [شاہ ابوالحسین احمد نوری] میاں صاحب قبلہ دونوں بزرگوار عرس شریف بدایوں میں رونق افروز تھے، متوسلین خاندان دونوں حضرات کی زیارت سے مشرف وممتاز تھے۔ اُس موقع پر حلقۂ مناقب میں مولوی عطا احمد صاحب خلف مولوی نور الدین صاحب مرحوم فرشوری بدایونی نے ایک قصیدہ منقبتِ صاحب عرس میں پڑھا، جس میں نہایت پیارے لہجے میں دونوں حضرات کی جلوہ افروزی کو ظاہر کیا ہے۔ اُس قصیدے کے چند اشعار خالی از لطف نہیں ہیں:

شہر مارہرہ بدانی و رہش میدانی ورنہ دانی تو ہمیں جاست نشانِ برکات

عین حق عبد مجید است کہ سلطان مجید در بدایونست بیا فیض رسان برکات

خلفش فضل رسول و ہمہ تن فضل خدا صاحب فضل بہ کونین بسان برکات

صدر ایں محفل ذوالقدر ظہور الحسن است بوالحسین احمد نوری است کہ جانِ برکات

☆

[حضرت شیخ اسد اللہ قادری]

معارف آگاہ حضرت شیخ اسد اللہ صاحب قدس سرہٗ آپ صاحبزادگان نیوتنی شریف میں سے ہیں، سلسلۂ نسب آپ کا حضرت شیخ المشائخ مولانا قاضی ضیاء الدین صاحب معروف بہ 'قاضی جیا' رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ اشارت باطنی نے آپ کو نیوتنی شریف سے بدایوں پہنچایا۔ ایک مدت تک حضرت اقدس سے استفادۂ ظاہری و باطنی کیا۔ ریاضت وعبادت، مجاہدہ و تزکیہ نفس میں عرصۂ دراز تک مشغول رہ کر تکمیل مراتب فرمائی، یہاں تک کہ خرقہ و دستار، سند اجازت ومثال خلافت سے سرفراز ہوئے۔ واپسیٔ وطن کا حکم ہوا۔ سجادۂ آبائی پر جلوہ افروز ہوکر مخلوق الٰہی کی ہدایت میں مشغول ہوئے۔ عرصۂ دراز تک آپ کا فیض باطنی جاری وساری رہا۔ ماہ محرم الحرام ۱۲۷۲ھ [ستمبر ۱۸۵۵ء] میں بغرض زیارت آستانہ پیر ومرشد و حاضری عرس شریف بدایوں تشریف لائے اور پھر چلّہ کشی فرمائی۔ بعد ختم اربعین وحصول مرام بہ ارادۂ واپسیٔ وطن بدایوں سے روانہ ہوئے۔ بریلی پہنچ کر علیل ہوگئے اور اسی علالت میں بمقام بریلی ماہ صفر ۱۲۷۲ھ [اکتوبر ۱۸۵۵ء] میں راہیٔ خلد بریں ہوئے۔ مزار شریف احاطۂ مقبرہ شاہ دانا صاحب علیہ الرحمۃ میں دروازۂ غربی کی جانب زیر دیوار متصل تاج مسجد واقع ہے۔

متوسلین سلسلہ قادریہ مجیدیہ کو بوقت اقامت بریلی آپ کی زیارت اپنے لیے سبب نزول برکات سمجھنا چاہیے۔ آپ کے سلسلے کا اجرا مولوی شیخ نظام الدین صاحب خلف مولوی محمد حسن خاں صاحب صاحبزادے حضرت شاہ صاحب ممدوح سے ہوا۔

☆

[مولانا شیخ معین فتح پوری]

زبدۃ الواصلین حضرت مولانا شیخ معین فتح پوری قدس سرہٗ۔ آپ حضرت شیخ الاسلام خواجہ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی اولادِ امجاد سے تھے۔ باطنی جذبات نے اُبھار اُبھار کر آپ کو وطن سے بدایوں پہنچایا۔ نعمت بیعت وشرف خلافت سے مشرف وممتاز ہوئے۔ سلاسل اربعہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ میں صاحب مجاز تھے۔ اکبرآباد گوالیار میں آپ کے کمالات وکرامات کا شہرہ تھا اور اُسی نواح میں آپ کے مریدین ومتوسلین پائے جاتے ہیں۔ آپ کے مزار وسنہ وصال کی تحقیق نہیں ہوسکی۔

☆

[حضرت مستان شاہ]

عارف حق آگاہ حضرت مستان شاہ قدس سرہٗ۔ آستانہ حضرت سلطان الہند غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایک درویش خرقہ پوش صاحبِ دل کئی سال تک حالت جذب میں مقیم رہے۔ نشۂ عرفان کی مستی نے ان بزرگ کو کچھ ایسا بے خود وسرشار کررکھا تھا کہ لوگ ان کو 'مستان شاہ' کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ کبھی پہاڑی پر کبھی روضہ مقدسہ میں حاضر پائے جاتے تھے، نہ کسی سے کچھ مطلب وسروکار تھا، نہ کوئی آپ کا واقف حال وراز دار تھا۔ صورت وسیرت اہل ولایت کی سی تھی، سر سے پا تک کمبل میں لپٹے رہتے تھے۔ جب حضرت اقدس [شاہ عین الحق عبدالمجید] رحمۃ اللہ علیہ اجمیر شریف حاضر ہوئے اور روضہ منورہ میں زیارت کے لیے پہنچے شاہ صاحب کی نظر بھی حضرت پر پڑ گئی، دور سے دوڑ کر قدموں پر گر پڑے۔ کبھی ہاتھ چومتے، کبھی دامانِ قبا کو بوسہ دیتے، باربار فرماتے کہ "مدتوں کے انتظار کے بعد آج شکل دکھائی ہے"۔ غرض جب حضرت اقدس فاتحہ وزیارت سے فارغ ہوئے، شاہ صاحب نے بیعت کے لیے اصرار کیا، حضرت قبلہ نے اپنی عادت کریمانہ کے موافق عذر فرمایا۔ اتنا سننا تھا کہ مستانہ وار بے تابانہ حجرۂ مقدسہ میں مزار منور کی

طرف متوجہ ہو گئے اور چاہتے تھے کہ روضے کی جالیوں سے اپنا سر ٹکرا دیں۔ حضرت اقدس نے یہ حالت دیکھ کر مراقبہ فرمایا، حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد خاص سے مزار شریف کے سامنے شاہ صاحب کو داخل سلسلۂ عالیہ چشتیہ قادریہ فرما کر اسرار باطن نگاہوں اور اشاروں میں تعلیم و تلقین فرمائے اور اپنی ردائے شریف عطا فرمائی۔ شاہ صاحب فوراً رخصت ہوئے، خدا جانے کہاں پہنچے؟ کہاں رہے؟ کسی کو کچھ پتہ معلوم نہ ہوا۔

خاکسار راقم الحروف بہ ہمراہی صاحبزادہ مخدومی و مطاعی مولانا حکیم محمد عبد الماجد صاحب قادری ۱۳۲۲ھ [ستمبر ۱۹۰۴ء] میں حاضر عرس شریف تھا۔ پانچویں رجب کو ایک سیٹھ صاحب متوطن بمبئی نے دعوت کی، مَیں بھی آستانہ معلّٰی سے بہ ہمراہی مولانا ماجد میاں صاحب سیٹھ صاحب کی فرودگاہ پر پہنچا۔ مکان کے ایک گوشے میں ایک مجذوب کمبل پوش ضعیف العمر کو مستغرق محض پایا۔ تعظیم و تکریم کے بعد جب حکیم [مولانا عبد الماجد] صاحب ایک جگہ پر بیٹھ گئے اس وقت وہ بزرگ جگہ سے سرکے اور مولانا کے سامنے سرخ سرخ آنکھیں نکالے ہوئے ایک مدہوشانہ انداز کے ساتھ آ بیٹھے، زبان سے کچھ نہ کہا، بغور دیکھ کر کہنے لگے کہ "پیر کی خوشبو آتی ہے"، بعدہٗ پوچھا "تمہارا گھر کہاں ہے؟" بدایوں کا نام سنتے ہی حکیم [مولانا عبد الماجد] صاحب کے ہاتھ پیر چومنا شروع کر دیے اور فرمایا کہ "تیرے جسم میں سے فضل رسول کی مہک آتی ہے"۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ مجذوب عرصۂ دراز سے پہاڑیوں میں رہتے ہیں، صرف زمانہ عرس شریف میں اُترتے ہیں، میاں مستان شاہ کے دیکھنے والوں میں ہیں۔

☆

[مولانا شیخ عبد الکریم لکھنوی]

مجمع اخلاق جلیلہ منبع محاسن و فضائل جمیلہ حضرت مولانا شیخ عبد الکریم لکھنوی قدس سرہٗ۔ آپ دربار اودھ میں بطور میر منشی کے خدمات انجام دیتے تھے۔ عہدے کی عظمت، نواب صاحب کی چشم عنایت کے باعث تمام اودھ میں نہایت اعزاز و وقار کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، آپ کی خاندانی وجاہت شاہی خدمات کے باعث ہمیشہ سے تھی۔ آبا و اجداد باعتبار قومیت کایستھ تھے، قبل اسلام آپ کو اپنے مذہبی طریق پر ریاضت [و] نفس کشی کا بہت شوق تھا، علاوہ اس کے تسخیر کواکب وغیرہ کے عامل بھی تھے اور اس مجاہدۂ نفس اور اعمال تسخیر کی بدولت خود کو

صاحب کمال سمجھتے تھے۔ ایک دن علی الصباح بطور سیر جنگل کی طرف جا رہے تھے وہاں ایک باخدا مسلمان سے نگاہیں چار ہوگئیں جو قضائے حاجت کے لیے اُس جنگل میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ شیخ صاحب نے دیکھا کہ ان بزرگ درویش کی جبینِ نورانی سے تجلیات کا ظہور ہے اور وہ اشکال عجیبہ جو ان کے انتہائی کمال کا مشاہدہ تھا اُس تجلی میں پیش نظر ہیں۔ اس حالت کو دیکھ کر متحیرانہ حالت میں یہ اُن بزرگ کے پیچھے ہو لیے، جب درویش کی فرودگاہ قریب آئی تو انہوں نے دیکھا کہ جو اشکال وصور کو اب میری تسخیر میں ہیں وہ بزرگ خدا رسیدہ کے زیر قدم روندتی معلوم ہوتی ہیں، اُس وقت ان کو خیال آیا کہ میرا کمال خدا والوں کی نعال کا ہم مرتبہ بھی نہیں ہے، یہ خیال کر کے بزرگ کے قدم پکڑ لیے اور دریافت حال کیا، فرمایا ''بغیر قبول اسلام حصول کمال ناممکن ہے''۔ اُسی وقت آپ مسلمان ہوئے اور اُن بزرگ نے ان کا نام عبدالکریم رکھا۔

کچھ دنوں اشغال باطنی کی تعلیم و تلقین فرمائی، لیکن ان کی ہمت روز بروز مائل بہ ترقی معلوم ہوئی، آخر اُن بزرگ نے فرمایا کہ '' آپ جس بات کے خواہش مند ہیں اور جس شئے کی آپ کو جستجو ہے وہ اس زمانے میں بجز آستانہ مولانا عبدالمجید عین الحق قدس سرہٗ بدایونی کے اور کہیں حاصل نہ ہوگی، جس طرح ممکن ہو حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کرو''۔ اس تعلیم کے بعد وہ بزرگ وہاں سے غائب اور مفقود الخبر ہو گئے، آپ اوّل تو بذریعہ خطوط دریافت حال کرتے رہے، اُس کے بعد گھر بار سے ترک تعلق کر کے پیادہ پا لکھنؤ سے چل دیے۔ تحصیل داتا گنج ضلع بدایوں کے ایک موضع میں مستقل سکونت اختیار کی، وہاں سے حاضر آستانہ عالیہ ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ علیحدہ حجرے میں اشغال و افکار، ذکر و شغل کرنے کی اجازت دی گئی عرصے تک تزکیہ نفس میں مشغول رہے۔ شیخ کی نظر فیض اثر سے جب تکمیل مدارج ہو چکی خرقہ خلافت کے ساتھ 'حجۃ اللہ' کا لقب عطا ہوا۔

آپ کی یہ خاص کرامت تھی کہ جو غیر مذہب والا آپ سے مناظرہ کرتا آپ کی توجہ خاص سے حقیقت اسلام اُس پر منکشف ہو جاتی اور بہ طیبِ خاطر مسلمان ہو جاتا۔ ایک شخص داروغہ کنہیا لال نامی رئیس شاہجہاں پور (تھانے دار نواح داتا گنج) آپ کے تبدیل مذہب سے نہایت برافروختہ ہوئے اور آپ سے مذہبی بحث کرنے کو آمادہ ہو گئے، تھوڑے عرصے میں حقانیت اسلام کے قائل ہو کر صدق دل سے مسلمان ہو گئے، آپ نے ان کا نام عبدالرحیم رکھا۔ اُن تھانے دار صاحب کے

بھائی کو جب آپ کے مسلمان ہونے کی خبر ہوئی تو خود اپنی معلومات مذہبی اور قابلیت کے بھروسے پر مناظرے کے لیے آئے اور بھائی کی طرح خود بھی مسلمان ہوگئے، عبدالحلیم نام رکھا گیا۔

غرض اسی طرح تقریباً سو اہل ہنود آپ نے مسلمان کیے، جو سب آپ کے مرید بھی ہوئے۔ جب حضرت اقدس قدس سرہٗ المجید نے عزم حج فرمایا آپ نے بھی قصد ہجرت کر دیا، آپ کے ساتھ آپ کے نومسلم مریدین بھی حج کے لیے آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ بکثرت اشخاص نے شرف ہم رکابی حاصل کیا، لیکن حج دائمی ازل سے مقدر ہو چکا تھا، بڑودہ پہنچ کر علیل ہوگئے اور وہیں ۱۲۵۶ھ [۱۸۴۰-۴۱ء] میں راہیٔ عالم بقا ہوئے۔

آپ کے دولڑکے شیخ عبدالغنی اور شیخ عبداللہ ہوئے۔ شیخ عبدالغنی کی اولاد داتا گنج میں موجود ہے۔ شیخ عبداللہ صاحب ذی علم و بافیض بزرگ تھے، بجائے والد کے مکہ مکرمہ میں ہجرت کر کے مقیم ہوگئے۔ شیخ عبدالرحیم و شیخ عبدالحلیم دولت عرفاں سے مالا مال ہو کر مکہ معظّمہ میں سکونت پذیر ہوئے اور اجرائے سلسلہ کی اجازت بھی مولانا عبدالکریم صاحب سے پائی تھی، دونوں کی اولاد مکہ معظّمہ میں موجود ہے۔ شیخ عبدالغفور ولد شیخ عبدالرحیم جعفر آفندی کے لقب سے شریف مکہ کی پیش گاہ میں مامور تھے۔ جب حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ دوسری بار حج کو تشریف لے گئے ہیں تو نہایت ادب و احترام سے پیش آئے۔

☆

[حضرت مولانا محمد مکی]

مظہر انوار ذات صمد معظم و مجد حضرت مولانا محمد مکی قدس سرہٗ۔ آپ اکابر وقت اور مشائخ مکہ محترمہ سے ہیں۔ جب حضرت اقدس حج کو تشریف لے گئے ہیں [تو] آپ ایام حج میں خاص حطیم کعبہ میں حضرت اقدس سے مشرف بہ بیعت ہوئے اور ایک نظر برکت اثر میں سب کچھ حاصل کر لیا۔ سند خلافت و اجازت بھی حاصل کی۔ تین سال تک آپ کا فیض مکہ معظّمہ میں جاری و ساری رہا، ہزار ہا اشخاص آپ سے فیض یاب ہوئے۔ خاص موسم حج میں بہ ماہ ذی الحجہ ۱۲۶۰ھ [دسمبر ۱۸۴۴ء] بمقام منیٰ آپ نے وصال فرمایا۔ مولانا حکیم اخوند شیر محمد ولایتی پنجابی مہاجر مکی (جن کو شرف تلمذ و بیعت حضور اقدس قدس سرہٗ المجید سے حاصل تھا) آپ کے داماد اور جانشین تھے۔ خلافت و اجازت اجرائے سلسلہ کی اپنے خسر ممدوح سے رکھتے تھے، مکہ معظّمہ میں ہی انتقال ہوا۔ مولانا مفتی سعد اللہ صاحب مرادآبادی آپ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔

☆

[میاں عبداللہ شاہ فاروقی]

حقائق آگاہ معارف دستگاہ میاں عبداللہ شاہ فاروقی فریدی قدس سرہٗ۔ آپ حضرت گنج شکر کان نمک فرید الملۃ والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد شیخ امام الدین علیہ الرحمۃ کے فرزند حضرت شاہ محمدی بیدار قدس سرہٗ (۵۰) کے برادر زادے ہیں۔ شہر میں شیوخ فریدی امارت و ریاست کے اعتبار سے جس حیثیت سے دیکھے جاتے ہیں وہ عالم آشکار ہے۔ آپ کے دادا شیخ عین الدین صاحب نہایت مشاہیر روٴسائے شہر سے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب پندرہ واسطوں سے حضور بابا صاحب تک پہنچتا ہے۔ یوم جمعہ ذی الحجہ ۱۲۲۱ھ [فروری ۱۸۰۷ء] میں پیدا ہوئے۔ تشرع وتقدس کی طرف ابتدا سے طبیعت مائل تھی، بہ اشارۂ روحانی حضرت گنج شکر آپ نے شرف بیعت وخلافت حضرت اقدس قدس سرہٗ المجید سے حاصل کیا۔ ریاضات شاقہ اور عبادات میں عمر گزاری، باوجود تمول وریاست پیر کی خدمت اپنا فخر سمجھتے تھے اور پیر کی بارگاہ میں بھی خصوصی امتیاز آپ کو حاصل تھا۔ خلوت وجلوت میں آپ حاضر رہتے تھے۔

بعد وصال پیر ومرشد حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ سے بھی سند خلافت حاصل کی، لیکن بدایوں میں کبھی کسی کو اپنا مرید نہ کیا۔ طبیعت میں ذوق سخن بھی تھا، بیتاب تخلص فرماتے تھے۔ اکثر مشاہیر شعرائے بدایوں آپ سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ مولوی احمد حسن صاحب وحشت، مولوی فضل مجید صاحب واصف، مولوی انوار الحق صاحب انوار آپ کے مستفیضینِ سخن سے ہیں۔ وصال آپ کا بہ عمر ۷۷ رسال ۲۲ رمحرم الحرام ۱۲۹۸ھ [دسمبر ۱۸۸۰ء] میں ہوا۔ پہلوئے مزار حضرت مولانا شاہ معین الحق قدس سرہٗ آستانۂ قادریہ میں مدفون ہوئے۔

قطعہ تاریخ

از جناب خان بہادر مولوی حامد بخش صاحب مرحوم

چو عبداللہ شاہ از دار فانی — بہ جنت رفت ایں نقل مکاں بود
نوشتہ مصرع تاریخ حامد — مجیدی و فنا فی الشیخ آں بود
۱۲ ھ ۹۸

---

(۵۰) آپ کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 161 حاشیہ ۵۰۔

قطعہ تاریخ

از جناب مولوی انوار الحق صاحب عثمانی مرحوم مغفور

زبدۂ عصر شاہ عبداللہ ہادئ گمرہانِ نفس پرست
دلش از عشق عین حق بے تاب جانش از بادۂ حقیقت مست
داشت حاصل بہ لطف مرشد خویش دولت فقر و قربِ حق در دست
بہر پابوس حضرت مرشد چوں بفردوس رخت رحلت بست
گفت انوار از سر الہام <u>عاشق عین حق بحق پیوست</u>

۱۲ ھ ۹۸

آپ کا تذکرہ 'چمنستان رحمت الٰہی' میں مذکور ہے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا فضل مجید صاحب علیہ الرحمۃ تھے، جن کی عکسی شبیہ چشم تصور میں ہنوز جلوہ آرا ہے، ۱۲۶۸ھ [۵۲-۱۸۵۱ء] میں پیدا ہوئے تحصیل و تکمیل علوم مدرسہ قادریہ میں فرمائی۔ حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ حضرت تاج الفحول کے شیدائی اور وارفتہ کمال تھے، ہمیشہ خلوت و جلوت، سفر و حضر میں کبھی جدا نہ ہوئے، آپ کے اخلاق و اوصاف، تدبر و اصابتِ رائے، تقدس، تورع ہمیشہ آپ کی یاد کو تازہ کرتے رہیں گے۔ مدرسہ قادریہ میں ہر وقت آپ کی حاضری آپ کی خصوصی شان کا اظہار کرتی تھی۔ بعد وصال حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ ہمیشہ آپ حضرت قبلہ عالم مولانا [شاہ عبدالمقتدر] صاحب مدظلہم الاقدس کے ہم رکاب رہے۔ ۱۳۲۵ہجری قدسی [۰۸-۱۹۰۷ء] میں جب حضرت اقدس مولانا [عبدالمقتدر] صاحب پیر و مرشد قبلہ حج کو تشریف لے گئے آپ بھی ہمراہ تھے۔ خاص مدینہ منورہ اپنے مقدس پیرزادے کے زانو پر انوار و برکات روضۂ نبوی میں مستغرق ہو کر واصل بحق ہوئے۔ جنت البقیع میں حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوار مزار منور میں مدفون ہوئے۔

☆☆☆

اولاد

حضرت اقدس [شاہ عین الحق عبدالمجید] کی اولاد امجاد میں بجز حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ اور کوئی فرزند نرینہ نہ ہوا۔ آپ کی زوجہ محترمہ کو ہمیشہ تولد فرزند کی آرزو رہتی تھی، لیکن مشیت الٰہی کہ ہمیشہ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ چھ لڑکیاں خدائے عز و جل نے آپ کو عطا فرمائیں۔ ایک دختر آپ کی مولوی غلام حسین ابن مولانا ابوالمعانی صاحب کو منسوب تھیں۔ ایک مولانا ظہور احمد صاحب کے عقد میں تھیں، جن سے مولوی انوار الحق صاحب مرحوم پیدا ہوئے۔ ایک مولانا سناء الدین احمد صاحب کو بیاہی گئیں، مولانا حافظ محمد سعید صاحب اُن سے پیدا ہوئے۔ ایک مولوی محمد یوسف صاحب عباسی کو منسوب ہوئیں اور مولوی صبیح الدین صاحب و مولوی نظام الدین صاحب کی والدہ بنیں۔ ایک مولوی زین العابدین صاحب ابن مولانا فخر الدین صاحب عثمانی کو منسوب ہوئیں، خطیب تجمل حسین صاحب پیدا ہوئے۔ ایک مولوی حکیم غلام احمد صاحب کے عقد میں آئیں، مولانا فیض احمد صاحب اُن سے پیدا ہوئے۔

لڑکیوں کی اولاد اور بعض نواسوں کی اولاد حضور اقدس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ آپ کا دست شفقت و رحمت پوتوں، نواسوں سب کے لیے باعث برکت و عزت ہوا۔

☆

[عادات وخصائل]

حضور اقدس اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ کے وصال شریف کے بعد ۲۷ رسال ۱۰ رماہ تک آپ بدایوں میں مسند رشد وہدایت پر جلوہ افروز رہے۔ آپ کے مریدین ومتوسلین ومستفیضین کا شمار احاطہ قیاس سے باہر ہے۔ آپ کے خصائل کریمہ شان رحمت کا مظہر وآئینہ تھے۔ غربا و مساکین پر شفقت، اصاغر واکابر پر نظر محبت ورافت، علم وحیا آنکھوں سے ہویدا، انوار وبرکات نگاہوں سے پیدا، نورانی چہرہ تقدس واتقا کا روشن مرقع، ریش منور برہان شریعت، جبیں پر نور ہلال

طریقت، عرض:

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاایں جااست

خلق اس درجہ کہ ہر شخص کو یہی خیال کہ سب سے زیادہ مَیں ہی مورد الطاف ہوں۔ اِس شان کریمی پر ادب واحترام یہ کہ مریدین با اختصاص اور خدام خاص ہمیشہ اشاروں کنایوں میں آپ کے سامنے ایک دوسرے سے ہم کلام ہوتے، یہ جرأت کسی کو نہ ہوتی کہ بلاضرورت ایک حرف بھی نکال سکے۔ اوقات شبانہ روز مسجد کے جانب راست حجرے میں عبادت الٰہی میں بسر ہوتے، یہی حجرہ خلفاومریدین خاص کی چلہ کشی اور ریاضات کے لیے مخصوص تھا۔

☆

[ذکروصال مبارک]

عمر شریف پچاسی سال تین ماہ اٹھارہ یوم کی ہوئی۔ ۱۷رمحرم الحرام بروز سہ شنبہ بوقت فجر ۱۲۶۳ہجری قدسی [جنوری ۱۸۴۷ء] یہ سراپا شان رحمت وجود اپنے معشوق حقیقی حضرت ربّ العزت واجب الوجود کے وصل دائمی سے سرشار ہونے کو عازم خلوت قدس ہوا۔ انا للّٰه وانا الیه راجعون.

جہانِ اسلام کا سرتاج سدھارا، عروس علم وعرفان الٰہی کا دولہا چل بسا، زمانہ تیرہ وتار، عالم مضطرب وبے قرار ہوا، شہر کیا؟ خدائی ماتم کدہ بن گئی۔ خبر وصال عام ہوتے ہی بدایوں ایک عالم ہُونظر آنے لگا۔ جنازۂ مبارک ہزار فدائیوں کے جھرمٹ میں عید گاہ شمسی تک پہنچا، حضرت سیف اللہ المسلول مولانا شاہ معین الحق فضل رسول قدس سرہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وہاں سے آستانہ معلّٰی میں لاکر ہمیشہ کے لیے آپ کو عروس خلوت مزار کے آغوش میں محو استراحت کردیا گیا۔ مزار مقدس پر ُمدفن خاتم اولیا' اور درود شریف اللھم صل علی شفیعنا محمد و آل محمد انك حمید مجید کندہ ہے۔

عرس شریف ۱۶، ۱۷، ۱۸رمحرم الحرام کو ہوتا ہے۔☆ شب ہفت دہم کو شہر کے بکثرت حفاظ آستانہ معلّٰی میں ختم کلام مجید کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور بکثرت ختم کیے جاتے ہیں۔ بعد وصال سے اب تک ہر جمعے کو ہمیشہ حضرات صاحب سجادہ حاضر آستانہ شریفہ ہوکر ختم کلام مجید

☆ یہ عرس اب ۱۵/۱۶رمحرم الحرام کو منعقد ہوتا ہے، ۱۷رکی صبح بعد فجر فاتحہ قل کے ساتھ عرس کا اختتام ہوجاتا ہے۔ (مرتب)

کرتے رہے ہیں۔ اس طرح ہزارہا بے شمار ختم ہو چکے ہیں۔☆

مجر مولانا قاضی معین الدین صاحب کیفی ساکن میرٹھ کی یادگار ہے، اُس پر یہ قطعات کندہ ہیں:

بانی مجر قاضی معین الدین کیفی میرٹھی

یہ قبر عاشق محبوب سبحاں	شہ عبدالمجید قطب دوراں
بناشد چوں مجر گفت کیفی	حریم قبر شاہ اہل عرفاں
	۰۳ ۱۳ ہجری

قطعہ بسال وصال محبوب ذوالجلال

۱۲۶۳ھ

عین حق عاشق رسول رحیم	شادماں شد بقرب رب مجید
۳ ۶ ۲ ۱ھ	۳ ۶ ۲ ۱ھ
کلک کیفی بسال نقلش گفت	ز دیار فنا بخلد رسید
۳ ۶ ۲ ۱ھ	۳ ۶ ۲ ۱ھ

☆

بالین مزار ایک سنگ کلاں دیوار احاطہ درگاہ میں نصب ہے جس پر فقرات ذیل کندہ ومنقش ہیں:☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وصلی اللّٰہ علی احمد و اطیب آل احمد ☆ العالم باللّٰہ الرّؤوف لا لتحق☆مرشدنا عبدالمجید الملقب بـ عین الحق ☆لا نتقل ولی اللّٰہ من دارالی دار☆ جاء واقدا الی العقبٰی وحار اللّٰہ نعم الدار والجار☆ وانہ عبر الجسر واتصل الحبیب بالحبیب ☆ فانعم بالترحیب علیہ المولٰی الودود المجیب ☆ افضل من صفی ابدی بأوانہ

☆ بفضلہٖ تعالیٰ ختم کلام پاک کا یہ معمول آج بھی تواتر و تسلسل کے ساتھ قائم ہے۔ ہر جمعے کو بعد فجر حضرت صاحب سجادہ مدظلہ کی معیت میں مدرسہ قادریہ کے اساتذہ، طلبہ اور وابستگان وارادت مند درگاہ شریف حاضر ہوتے ہیں، ختم قرآن کریم ہوتا ہے اور فاتحہ پیش کی جاتی ہے۔ (مرتب)

☆☆ یہ حضرت سیف اللہ المسلول کے استخراج کردہ تاریخی فقرے ہیں، ان میں سے ہر ایک فقرے سے صاحبِ تذکرہ کا سنہ وصال ۱۲۶۳ھ برآمد ہوتا ہے۔ (مرتب)

☆ أفضل على كل ولى وحد لزمانه ☆ وهو اخير الابرار ☆ وكان ابر من كل الاخيار ☆ اتقى من كل من هو اتقى ☆ احرى بان يقتدى به من كل من هو احرىٰ ☆ ادخل فى جنة اللّٰه حيا ☆ وانه كان قبل ان يموت ميتا ☆ تعطر مرقد المقدس ☆ قد تنور قبره الاقدس ☆ تقدس مرقده المعطر ☆ قد تقدس قبره الانور ☆ قد روح روحه بروحه وطاب ثراه ☆ جعل الا له جنة المأوى مثواه ☆ لقد تم الولاية اليوم بالكمال ☆ وقد رواه اليوم ساقى الحب بكأ سات الوصال ☆ ظهور اللّٰه ميلادا ☆ لعمره ممجدٌ عند ربه مماتا ☆ فى امد سنة الف ومأتين ☆ والستين واحد بعدالاثنين ☆ أُمد صبح يوم الثلثاء ☆ لتكميل معلى المدارج بالفنا والبقا ☆ لفى السابع عشرة من المحرم ☆ شد الرحل الى حى القدس من العالم المجسم ☆ ليكون هنالك مع المنعم عليهم من النبيين او الصديقين ☆ فانه من جم عباد اللّٰه المخلصين ☆ والناس يبكون لهم وهم به يضحكون ☆ وان اولياء الا له كلا خوفٌ عليهم ولا يحزنون ☆ ولد سعيدا مات حميدا كاملا ولايةً ☆ ان من اللّٰه لبدايته وان اليه لنهايته ☆ ولمؤخر كل دعوانا ان الحمد للّٰه ☆ وختم المعمول ☆ بكد فضل الرسول ۔

قطعات تاریخ وصال

از حضرت مولانا سید صاحب عالم صاحب قدس سرہٗ
سجادہ نشین سرکار خورد، مارہرہ شریف

سفر کرد سوئے مکانات قدس　　شئہ عین حق اکملِ و اصلیں
اگر سال نقلش بہ پرسد کسے　　بگو داد رونق بخلد بریں
۱۲۶۳ھ

☆

از جناب مولانا مفتی سعد اللہ صاحب مراد آبادی مفتی رامپور آشفتہ تخلص

جناب مقدس شئہ کاملیں　　امام ہدا قدوۂ اہل دیں
بعلم و عمل یادگار سلف　　زفیضش منور دل عارفیں

شنہ اولیا شاہِ عبدالمجید خدایش دہد جنت و حور عیں
بماہ محرم شب ہفدہم بسوئے جناں شد عزیمت گزیں
رقم کرد آشفتہ تاریخ آں
کہ گردید واصل بخلد بریں
۶۳ ھ ۱۲

☆

از جناب مولانا قاضی عبدالسلام صاحب عباسی بدایونی قدس سرہٗ

کرد رحلت حضرت عبدالمجید آنکہ بحر علم بود و کوہ حکم
ز انتقالش بے سر و بے پا شدند شرع وورع وفضل ومجد وحلم وعلم
۲۰۰+۲۰۰+۸۰۰+۳+۳۰+۳۰=۱۲۶۳ھ

دیگر

چو عین الحق عبدالمجید از جہاں رفت شدہ منکسف مہر اوج کمالات
بسال وصالش نمودم تامل خرد گفت ہیہات ہیہات ہیہات
۴۲۱ + ۴۲۱ + ۴۲۱ = ۱۲۶۳ھ

☆

از جناب مولانا عبدالملک صاحب بریلوی

شاہ عین الحق لقب قطب زماں عبدالمجید در علوم ظاہر و باطن بعہد خود امام
صبح دم روز سہ شنبہ از محرم ہفدہم از وصال حضرت واجب تعالی یافت کام
گرہمی خواہی تو از سال وصالش آگہی
محو ذات حق بود تاریخ آں عالی مقام
۶۳ ھ ۱۲

دیگر

قطب دوراں حضرت عبدالمجید بالیقیں شد داخل دارالسلام
شاہ عین الحق بحق پیوست صبح ہست تاریخ وصالِ آں امام
۱۲۶۳ھ

☆

از جناب مولوی شاہ دلدار علی صاحب مذاق بدایونی

عین دریا کیوں نہ ہووے چشمۂ چشم مذاق ۔۔۔ واصل حق ہو گئے حضرت جناب عین حق
جسم خاکی سے ہوئی جب روح پاک ان کی رواں ۔۔۔ ہو گیا فرشی و عرشی کا جگر اس غم سے شق
آ گیا اس حادثے سے شش جہت میں زلزلہ ۔۔۔ از زمیں تا آسماں ہلنے لگے چودہ طبق
کر چکے وہ مملک فقر و فنا کا انتظام ۔۔۔ باقی ہے ملک بقا کا کرنا اب نظم و نسق
عین آل احمد و عین نبی عین علی ۔۔۔ عین عبدالقادر و عین حقیقت عین حق
ہیں یہ سب رتبے حقیقت میں انہیں کے واسطے ۔۔۔ حق تو یوں ہے ان مراتب کے وہی ہیں مستحق
نزع کے دم چہرۂ انور کی جب دیکھی چمک ۔۔۔ شرم سے صاف آ گیا خورشید کے منھ پر عرق
اپنا ویرانہ اُنہیں کے دم سے شاد آباد تھا ۔۔۔ اب ہوا غم خانۂ دل جیسے صحرا لق و دق
جاں بحق تسلیم سترھویں محرم ہی کو کی ۔۔۔ عشق کا شاہِ شہیداں کے نباہا کیا ہی حق

پڑھ کے اس مصرع کو کھینچی ہاتف غیبی نے آہ
پیر برحق عین حق حق ہو گئے از امر حق
۱۲۶۹-۶= ۱۲۶۳ھ

☆☆☆

نوٹ

[از مصنف]

اکمل التاریخ پر جو صاحب نظر تنقید ڈالیں اور واقعات کی صحت کے متلاشی ہوں کتب مفصلہ ذیل جو اِس سوانح کی صحت وثبوت کی ماخذ وشاہد ہیں ملاحظہ فرمائیں۔ان شاء اللہ انصاف پسند نگاہیں ضرور مطمئن ہوں گی۔

[۱] ہدایت الخلوق

[۲] آثار احمدی غیر مطبوعہ

[۳] خاندان برکات مطبوعہ

[۴] تحفہ فیض مطبوعہ میرٹھ ۱۳۰۳ھ، تالیف حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ

[۵] تذکرۃ الواصلین مؤلفہ جناب خاں صاحب بہادر مولوی رضی الدین صاحب وکیل دام مجدہم

[۶] گنجینہ اسرار کرامت مطبوعہ ۱۳۰۰ھ مؤلفہ مولوی عظمت علی صاحب منصف مرحوم

[۷] چمنستان رحمت الٰہی مطبوعہ میرٹھ ۱۲۹۸ھ

[۸] قصیدۂ سبعہ سیارہ مطبوعہ نسیم سحر بدایوں

[۹] طوالع الانوار مطبوعہ صبح صادق سیتاپور ۱۲۹۷ھ

[۱۰] ہدیۂ طیبہ مطبوعہ افضل المطابع بدایوں ۱۲۹۷ھ

[۱۱] تحفہ حنفیہ بابت ماہ شعبان ۱۳۱۸ھ

[۱۲] بوارق محمدیہ بمبئی

[۱۳] تذکرہ علمائے ہند مطبوعہ لکھنؤ

[۱۴] تاریخ فرشتہ

[۱۵] شجرۂ طیبہ غیر مطبوعہ

[۱٦] تاریخ اسلام ترجمہ ابن خلدون مطبوعہ الہ آباد

[۱۷] تاریخ ابن خلکان

[۱۸] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز مطبوعہ

[۱۹] تذہیب الکمال مطبوعہ مصر

[۲۰] تقریب التہذیب مطبوعہ لکھنؤ

[۲۱] گل رحمت مطبوعہ

[۲۲] روضۂ صفا غیر مطبوعہ مؤلفہ مولانا اکرام اللہ محشؔر

[۲۳] ضیاء المکتوب رسالہ قلمی مولانا شاہ عون الحق نواب ضیاء الدین صاحب حیدرآبادی دامت برکاتہم

[۲۴] بیاض قادری قلمی مرتبہ حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ

[۲۵] تاریخ بدایوں قلمی مؤلفہ حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ

اس کے سوا دیگر کتب قلمی اور رسائل وملفوظات خاندانی موجودہ مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں ہیں۔

☆☆☆

حواشی حصہ اول

(۱)

فتح بدایوں کی سالوں میں مؤرّخین کا اختلاف ہے، علامہ مؤرّخ بدایونی مولانا عبدالقادر قادری علیہ الرحمہ نے 'منتخب [التواریخ'] میں ۵۹۲ھ [۹۶-۱۱۹۵ء] میں بدایوں کا فتح ہونا لکھا ہے اور 'فتح البدایوں' تاریخ فتح نکالی ہے، جس سے ۵۹۲ھ برآمد ہوتے ہیں۔ لیکن علاّمہ قاسم نے 'تاریخ فرشتہ' میں ۵۹۹ھ [۱۲۰۲-۰۳ء] میں بدایوں کا فتح ہونا تحریر کیا ہے۔ چنانچہ ۵۹۹ھ کے اکثر شہدائے کرام بدایوں میں ہم آغوش عروس مزار پائے جاتے ہیں۔ منجملہ دیگر شہدا کے 'ماموں بھانجے' کے نام سے جو حضرات مشہور ہیں ان کی تاریخ وصال سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تاریخ ۵۹۹ھ میں قلع بدایوں فتح ہوا ہے اور 'طلوع آفتاب' تاریخ فتح بدایوں نکالی ہے۔ علاّمہ نور بدخشانی صاحب 'محاربات ہند' نے غازی احمد و غازی محمد (جو ماموں بھانجے کے نام سے مشہور ہیں) کی تاریخ شہادت (جس کو صاحب 'طبقات الاولیا' نے بجنسہٖ درج کر دیا ہے) یہ تحریر فرمائی ہے:

حضرت احمد محمد غازیانِ دیں پناہ	زینت جیش امیر قطب دیں غوری کلاہ
باب بھرتولی کشاد از سینہ آں اہل دلاں	یافت قلعہ مسلمیں از مشرکیں وقت گیاہ
گفت ہاتف قطب دیں بارک لک حصن حصیں	ہست تاریخ 'طلوع آفتاب' اے بادشاہ
جستجو سال وصال آں خال و خواہرزادہ بود	ہمداں 'پاک اعتقاد' و 'نور چشم' آمد ندا

۵۹۹ھ ۵۹۹ھ

یہ دونوں حضرات فاتح باب بدایوں جناب مولوی وزیر احمد صاحب رئیس (ٹونک والا) بدایوں کے دیوان خانے کے اندر ایک چھوٹے سے احاطے میں تہٗ خاک آلودہ بتائے جاتے ہیں، واللہ اعلم۔

حالاتِ اولیاو شہدائے بدایوں کے متعلق متعدد تصانیف ہیں، بعض بہت مختصر ہیں بعض میں قدرے تفصیل۔ مصنفین کی تحقیقات میں اختلاف ہے، اس اختلاف میں اصل حال کی تحقیق کی کوئی راہ نہیں کیوں کہ کوئی تاریخ معتمد قدیم مشہور جو قابل یقین ہو نظر نہیں آتی۔ اپنی رائے و روایت کی بنا پر ہر شخص اعتماد کر کر تحریر کرتا ہے۔

(۲)

حضرت پیر مکہ صاحب بدایونی۔ آپ بدایوں کے متقدمین اولیائے کرام میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مجذوبانہ صفات کے ساتھ مستی محبت میں مستغرق رہتے تھے اور ایک بوزہ گر کا مکان آپ کی اقامت گاہ تھا۔ مشہور ہے کہ آپ جمعہ مکہ مکرمہ میں ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا حاجی جمال

ملتانی قدس سرہٗ بھی بذریعے طی الارض مکہ معظمہ میں جمعے کی نماز ادا فرماتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے امام حرم کی طبیعت ناساز تھی، نماز کے لیے حاضرین نے حضرت پیر مکہ بدایونی کو پکارا، حاجی صاحب بدایوں کا نام سن کر چونکے، معلوم ہوا کہ یہ بزرگ بدایوں رہتے ہیں، اپنی لاعلمی پر تعجب ہوا۔ بعد نماز جب دونوں بزرگ اپنے کمال باطنی کے تصرف سے بدایوں آگئے تو حاجی صاحب کو پیر مکہ کے ملنے کا شوق پیدا ہوا، بہت تلاش کیا بدقت معلوم ہوا کہ ایک مستانہ صفت فقیر اس نام کا ایک بوزہ گر کے مکان پر موجود رہتا ہے۔ وہیں پہنچے، رندانہ مدارات کی گئی، پیر مکہ نے اپنے ہاتھ سے جام لبریز کر کے حاجی صاحب کو پیش کیا، یہ متشرع بزرگ پاس ادب سے منع نہ کر سکے، جام لبریز کو گریبان میں لوٹ لیا۔ واپسی پر اپنی کنیز کو کرتہ پاک کرنے کو دیا۔ لونڈی نے دھوون پی لیا، فقیر خدا رسیدہ کا عطیہ رنگ لایا، انکشاف باطن ہو گیا، حجابات اُٹھ گئے۔ حاجی صاحب یہ زبردست تصرف دیکھ کر دل میں نادم ہوئے، دوبارہ پھر خدمت پیر مکہ صاحب میں پہنچ کر معذرت کی، فرمایا وقت گزر چکا۔

غرض آپ کے کمالات مشہور ہیں۔ مزار آپ کا آستانہ قادریہ سے گوشۂ شرق وجنوب میں تھوڑے فاصلے پر ہے۔ تاریخ وصال یہ ہے۔ (از طبقات الاولیا)

قطعہ

آں حسن مکی مرید خواجہ ہند الولی	داشتہ شہرت بنام پیر مکہ بالتمام
چوں سوئے دارالبقا رفت از جہاں ہاتف بگفت	'نورعرفاں' ہست سال وصل آں ذوالاحترام

(۳)

ابوالقاسم تنوخی علامہ حمید الدین ضریری متوفی ۶۶۷ھ [۶۹-۱۲۶۸ء] کے ارشد تلامذہ میں ہیں (جو شمس الائمہ کردری شاگرد صاحب ہدایہ کے مشہور تلامذہ میں تھے) اپنے زمانے میں امام، فقیہ، ادیب، محدث، مفسر مشہور تھے۔ آپ کے مشاہیر تلامذہ میں قاضی رکن الدین بدایونی، شیخ وجیہ الدین، ملک العلما سراج الدین شقفی، شمس الدین خطیب دہلوی وغیرہ ہیں۔ (حدائق حنفیہ)

(۴)

حضرت سرور اقطاب مولانا محمد سعید جعفری قدس سرہٗ: ولادت باسعادت آپ کی شہر سیدنی پور احاطہ بنگال کی ہے۔ پندرہ سال کی عمر میں بقصد تحصیل علم وطن کو چھوڑ عظیم آباد پٹنہ تشریف لائے، کچھ دنوں وہاں رہ کر لکھنؤ کا قصد کیا۔ گوپامئو پہنچ کر حضرت قطب الملۃ والدین مولانا قطب الدین سے (جو ملک العلما قاضی شہاب الدین گوپاموی کے فرزند اور مولانا قطب الدین سہالوی کے ارشد تلامذہ میں تھے) تحصیل علم کی۔ قاضی شہاب الدین ملک العلما سے بھی استفاضہ کیا۔ بعد فراغ شوق تجرد دل میں

پیدا ہوا، قصبہ سانڈی میں (جو مضافات لکھنؤ سے ہے) آکر حجرے میں بقصد اربعین اعتکاف کیا۔ ابتدائے ریاضت میں اسرار عجیبہ ظاہر ہونے لگے۔ ایک شب حجرے کے اندر ایک شخص ظاہر ہوا اور بعد سلام مسنون فرمایا کہ "مجھے حضور غوث الثقلین نے تمہاری تعلیم پر مامور کیا ہے" اور چند نکات تلقین کر کے غائب ہو گیا۔ عشرۂ ثالثہ میں خود حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ نفس نفیس تشریف فرما ہوئے اور بے حجابانہ حجابات قدس اُٹھا کر حجلۂ تقدیس تک پہنچا دیا۔ آپ کو اکثر یہ خیال رہا کرتا تھا کہ میرا سلسلہ نسب حضرت جعفر طیار سے ملتا ہے اِس وجہ سے جعفری کہا جاتا ہے، حضور غوث اعظم نے ارشاد فرمایا کہ "تمہارے جد بزرگوار حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں اور تم سادات حسینی ہو"۔ عشرۂ رابعہ میں جب آپ کا چلہ ختم ہونے کو تھا آپ کے حجرے میں دو شخص ظاہر ہوئے، آپ نے دریافت کیا "تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"، ہر دو اشخاص نے کہا کہ "ہم منجانب رب العزت مامور ہوئے ہیں کہ تمہارا نکاح کیا جائے"، آپ نے فرمایا کہ مَیں نکاح کرنا نہیں چاہتا، جواب ملا کہ "رضائے الٰہی کے سامنے تمہاری رضا و عدم رضا کوئی چیز نہیں بغیر نکاح ترقی مدارج ناممکن ہے"، آخر جب آپ چلے سے فارغ ہوئے اکثر امور ایسے پیش آئے کہ مجبور ہو کر گو پامئو آنا پڑا۔ آپ کے استاذ مولانا قطب الدین علیہ الرحمۃ نے اپنی صاحبزادی کے ساتھ آپ کا عقد کیا۔

بعد مدت دراز بطلب شجاعت خان قادری فی الحقیقت بہ اشارۂ حضور غوث پاک آپ قادر گنج تشریف لائے، وہاں بسلسلہ مُدرسی اقامت اختیار فرمائی، اِسی دوران میں حضرت سلطان الواصلین شاہ سلطان قادری بغداد شریف سے تشریف لائے، آپ نے حضرت سلطان قادری سے دولت بیعت اور اجازتِ اجرائے سلسلہ حاصل کی۔ شاہ سلطان قادری خلیفہ شاہ غوث قادری کے اور وہ خلیفہ حضرت مخدوم شاہِ اولیا کے اور وہ خلیفہ حضرت شاہ درویش خرقہ پوش کے تھے، جن کو حضرت سیدنا شاہ غریب قدس سرہٗ جگر گوشہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے مثال خلافت حاصل تھی۔ یعنی حضرت مولانا محمد سعید کا سلسلہ چھٹے واسطے میں حضور غوث اعظم تک پہنچتا ہے۔ آپ کے مناقب کے لیے 'روضہ صفا' کا مطالعہ کافی ہے۔ راقم نے تبرکاً آپ کے مختصر حالات لکھ دیے۔ قادر گنج سے آپ بدایوں تشریف لائے، ایک عالم کو انوار ظاہر و باطن سے منور فرمایا۔ آخر دسویں جمادی الاولیٰ ۱۱۶۳ھ [اپریل ۱۷۵۰ء] میں جامع مسجد شمسی بدایوں کے اندر عین حالت مشغولی میں وصال فرمایا۔ تکیہ ناصر شاہ میں آپ کا مزار ہے۔ تاریخ وصال 'روضہ صفا' میں یہ تحریر ہے:

رباعی

اے چشم و چراغ دودۂ پاک علی	شیخ مردے مکملی دو ولی
شد از نظر جہاں چہ خورشید نہاں	تاریخ وفات اوست <u>خورشید جلی</u>

نواب علی محمد خاں حاکم خود مختار علاقہ کٹھیر عہد سلطنت شاہ عالم بہادر شاہ ابن اورنگ زیب عالمگیر میں روہیلوں کا مقدمۃ الجیش داؤد خاں (جو شاہ عالم خاں کا غلام اور پسر متبنّٰی تھا) موضع نور سے (جو سرحد کوہستان میں ضلع ہزارہ کے نواح میں واقع ہے) ہندستان میں آیا۔ علاقہ کٹھیر میں آ کر زمینداران کی ملازمت شروع کی۔ مدار شاہ زمیندار پرگنہ برسر کار بدایوں کے یہاں نوکر ہو کر زمیندار پرگنہ چومحلّہ سے جنگ کی اور فتح پائی۔ موضع بانکولی کی تاخت و تاراج میں ایک خورد سال صاحب اقبال بچہ ایک کھیت میں اُس کو نظر پڑا، خود لاولد تھا اُس بچے کو پدرانہ شفقت کے ساتھ پرورش کیا۔ 'علی محمد خاں' نام رکھا، جب داؤد خاں راجہ کمایوں کے ہاتھ سے بسبب سازش عظمت اللہ خاں فاروقی حاکم مرادآباد ہلاک ہوا روہیلوں کی جماعت کثیر نے (جو رفتہ رفتہ نہایت زبردست اور حکمراں اور قابو یافتہ ہو گئے تھے) علی محمد خاں کو اُن کا وارث بنایا۔ عظمت اللہ خاں حاکم مرادآباد نے اپنے یہاں علی محمد خاں کو چار پانچ سو افغانوں کا سردار بنا کر نوکر رکھا۔

رفتہ رفتہ علی محمد خاں کا ستارۂ اوج و اقبال اِس درجہ تاباں ہوا کہ تمام علاقہ روہیل کھنڈ کا مالک و حاکم ہو گیا۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی سے بمقام بن گڑھ متصل بدایوں عرصے تک لڑائی جاری رکھی آخر دربار شاہی سے معافی حاصل ہو گئی۔ نواب علی محمد خاں نہایت وجیہ، عقیل، سخی و شجاع شخص تھا۔ سیاست و حکومت باتباع شریعت کی۔ علما کی قدر، مشائخ کی جاہ و منزلت ہمیشہ اپنا شعار رکھا۔ خدا والوں کی صحبت نے نہایت متقی اور متورع بنا دیا تھا۔ آنولہ دارالحکومت تھا، اپنی حیات میں حافظ الملک نواب حافظ رحمت اللہ خاں صاحب کو اپنا جانشین بنا کر ۱۱۶۱ھ [۱۷۴۸ء] میں انتقال کیا، آنولے میں مقبرہ ہے۔

چھ لڑکے اور چند لڑکیاں وقت وفات چھوڑیں۔ بڑے لڑکے نواب عبداللہ خاں صاحب مرحوم کا مقبرہ اُجھیانی ہے۔ حافظ رحمت خاں نہایت دلیر و شجاع، متقی و پرہیز گار بزرگ تھے۔ شاہ عالم خاں کے فرزند رشید تھے، تمام عمر علاقہ کٹھیر پر عظیم فتوحات کے ساتھ قابض رہے، کبھی کسی جگہ شکست نہ ہوئی۔ نواب قائم خاں بنگش والیٔ فرخ آباد سے متصل بدایوں موضع 'دونری رسول پور' میں عظیم الشان جنگ ہوئی اور فتح عظیم حاصل ہوئی۔ اپنی زندگی میں بکثرت کارہائے خیر انجام دیئے۔ بہت مسجدیں تعمیر کرائیں، حضرت سیدی خواجہ سید احمد صاحب کی حریم مزار حافظ صاحب کی یادگار ہے۔

آخر نواب شجاع الدولہ کی لڑائی میں (جس میں انگریزی فوج سے مقابلہ تھا) بمقام کٹرہ اس طرح شہید ہوئے کہ ۱۰/ ماہ صفر بروز جمعہ حسب معمول خدام غسل و تبدیل پوشاک کے لیے عرض پیرا ہوئے، فرمایا ''کل ان شاء اللہ غسل و تبدیل پوشاک ہوگی''۔ دوسرے روز بعد نماز فجر و تلاوت قرآن شریف و

نمازِ اشراق میدان میں تشریف لائے، توپ کا گولہ سینے پر لگا، ببرکت حفظ قرآن مجید کوئی زخم نہ آیا، روح قالبِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ گولہ تین چار گز کے فاصلے پر جاکر گرا، حافظ صاحب اُسی طرح گھوڑے پر بے حس وحرکت سوار رہے، جلوداران نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ اُتار لیا، نعش بریلی پہنچائی گئی صبح روز یکشنبہ دفن کیے گئے۔

رحمت سرشت حافظ ملک ونصیر جنگ — چوں کرد دار خلد زدار فنا سفر

روز شہادت و لے و تاریخ ماہ و سال — آں روز ہست یازدہم بودہ از صفر

(۶)

حضرت سید عین الدین قدس سرہٗ: آپ آنولہ میں نوابان روہیلہ کے بچوں کی تعلیم پر مامور تھے۔ لذت روحانی کے شیدائی اور ذوق آشنا تھے، مرشد کامل کی جستجو میں نگاہیں بادیہ پیمائی کیا کرتی تھیں۔ جب مولانا محمد سعید جعفری قدس سرہٗ کا آوازۂ کمال سنا دل سے معتقد ہو گئے۔ اسی دوران میں بوجہ جنگ عظیم محمد شاہ بادشاہ ونواب علی محمد خاں ایک انقلاب پیدا ہوگیا، آنولہ سے لوگ نواب قائم خاں بنگش کی حفظ و امان میں جانے لگے، سید صاحب بھی قائم جنگ کے پناہ گیروں کے ساتھ آنولہ سے چل کر قادر گنج پہنچے۔ وہاں مولانا کی زیارت کی، اعتقاد راسخ ہونا شروع ہوا۔ کئی سال تک تمنائے مریدی کو پہلو میں پاس ادب سے دبائے رکھا۔ آخر جب مولانا بدایوں تشریف لائے آپ خلوت خاص میں خصوصی فیوض و برکات کے ساتھ بیعت سے مشرف ہوئے، مدارج کمال حاصل کیے۔ آخر عمر تک آنولہ میں مقیم رہے، پھر آپ کو بدایوں کی خاک نے اپنی طرف کھینچا۔ مفتی صاحب اپنے پیر بھائی کے یہاں اقامت کی، مفتی صاحب نے آپ کا علاج کیا، مگر وقت آچکا تھا افاقہ نہ ہوا۔ ایک ہفتہ علیل رہ کر بروز جمعہ واصل بحق ہوئے۔ مزار شریف آستانہ قادریہ کی راہ میں ایک کھیت میں (جہاں پیشتر موسیٰ والا باغ تھا) واقع ہے۔

قطعہ از 'طبقات الاولیا'

آں خواجہ عین دیں رئیس مشہد — واں راہ روِ طریقت غوث و را

چوں رفت بخلد گفت ہاتف بضمیر — تاریخ وصال 'چشمہ نور خدا'

۱۲۰۹ھ

(۷)

حضرت مولانا حسن علی چشتی قدس سرہٗ: آپ بدایوں کے خاندان حمیدی صدیقی کے ممتاز و مفتخر بزرگ ہیں۔ مفتی صاحب کے حسن تعلیم وفیض درس سے مستفید ہوکر تکمیل علوم کی۔ باطنی علم کا شوق پیدا ہوا، حضرت مولانا فخر الدین چشتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پیر کی نظر برکت اثر کی

بدولت فائز المرام ہوئے۔ دولت بیعت کے ساتھ نعمت خلافت بھی پائی اور بموجب حکم پیر ومرشد بمقام سیونی چھپارہ ملک دکن سجادۂ افاضہ درست کیا اور وہیں آخر عمر تک اقامت پذیر رہے۔

(۸)

مولوی اکرام اللہ صاحب محشرؔ: آپ بدایوں کے مشہور لوگوں میں ہیں۔ مفتی صاحب سے تلمذ و عقیدت رکھتے تھے۔ حسب الارشاد مفتی صاحب حضور اچھے صاحب قدس سرہٗ مارہروی سے شرف بیعت حاصل کیا، ’روضہ صفا‘ بدایوں کے اولیاء اللہ کی تاریخ آپ کی یادگار ہے، افسوس کہ طبع نہ ہو سکی۔ فارسی کے مشہور شاعر ہیں، آپ کی یہ غزل شیخ کی بارگاہ میں مشہور و مقبول ہوئی تھی۔

غزل محشرؔ

مژدہ مستاں کہ بہ میخانہ رواں خواہم شد — مست خواہم شد و مستانہ رواں خواہم شد
حاجت بدرقۂ نیست مرا در رہِ عشق — از خود و از ہمہ بے گانہ رواں خواہم شد
نستر و پائے خرد ایں سفر و ایں رہ را — من خرو سندم و دیوانہ رواں خواہم شد
گر بمارہرہ بمارہرہ کند ہم قدمی — پا ز سر ساختہ مردانہ رواں خواہم شد
آل احمد نظرے سوئے غریباں داری — بدیار تو غریبانہ رواں خواہم شد
زود محشرؔ پئے گردِ سر شمع گشتن — فارغ البال چو پروانہ رواں خواہم شد

(۹)

مولوی محمد افضل صاحب ابن شیخ تاج الدین صدیقی بدایونی۔ حضور اچھے صاحب قدس سرہٗ کے خاص مرید تھے۔ کتاب ’ہدایت المخلوق‘ میں حضور اچھے صاحب کے حالات میں بطور کرامات اکثر مریدین وخلفائے حضور اقدس کا تذکرہ لکھا ہے۔ [حضور اچھے صاحب سے خلافت بھی حاصل تھی۔ مرتب]

(۱۰)

حضرت سید الاولیا سند الاتقیا مخدوم انام خواجہ سید احمد بخاری قدس سرہٗ الباری: بدایوں کو آپ کے ہی قدوم فیض لزوم سے چار چاند لگے، بخارا کے مہر و ماہ یعنی خواجہ سید علی وخواجہ سید عرب بدایوں میں آ کر چمکے اور یہیں غروب ہوئے۔ یہیں سے دنیائے اسلام کا بدر منیر شہر ولایت کا آفتاب یعنی سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الملۃ والدین رضی اللہ عنہ کا وجود باجود فروزاں ہوا اور خدائی کو اپنے جلووں سے منور کر دیا۔ خواجہ سید علی اور خواجہ سید عرب حضور محبوب الٰہی کے دادا، نانا ہیں۔ حضرت سید علی اپنے فرزند دل بند سید احمد کو اپنے کنار میں لیے ہوئے محو خواب ہیں، حضرت سید عرب ایک جدا گانہ حریم کے اندر شان جلال کے جلووں میں مستغرق استراحت فرما ہیں۔ مخلوق الٰہی نیاز مندانہ عقیدت کے ساتھ دونوں

آستانوں پر جبہ سائی کے لیے حاضر ہوتی ہے۔

حضرت سید احمد صاحب کو 'مفتاح التاریخ' اور 'اکمل التواریخ' میں چھ واسطوں کے ساتھ حضور غوث اعظم تک پہنچا کر قادری مشرب لکھا ہے۔ آپ کی شادی بدایوں میں حضرت خواجہ سید عرب کی صاحبزادی رابعہ عصر، ولیہ روزگار حضرت بی بی زلیخا رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوئی۔ پٹنگی ٹیلے پر (جواب کالیوں محلہ کہلاتا ہے) آپ کی محل سرائے اقامت تھی اور اسی محلے میں بماہ صفر ۶۳۱ھ [نومبر ۱۲۳۳ء] حضور محبوب الٰہی کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ حضرت سید احمد صاحب اپنے فرزند ارجمند کی تقریب بسم اللہ خوانی بھی نہ کرنے پائے کہ ۶ر ذی الحجہ ۶۳۵ھ [جولائی ۱۲۳۸ء] کو خلوت وصال کی آراستگی کا مژدہ پہنچا، متاع جاں جان آفریں کے سپرد کر دی۔ مزار شریف لب ساگر زیارت گاہ خلائق ہے۔

حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں نے بکمال عقیدت احاطہ مزار اور مسجد تعمیر کرائی، جو اس وقت تک موجود ہے۔ موضع بری نظام پور مسلم اور دیگر آراضیات مع ساگر تالاب مصارف آستانہ شریف کے لیے زمانۂ سابق سے وقف ہیں، لیکن باوجود اس قدر آمدنی کے سالانہ عرس ایک مختصر پیمانے پر ہوتا ہے، جس کو سابق کے اعراس سے کوئی نسبت نہیں۔

(۱۱)

حضرت مولانا شاہ کلیم اللہ جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ: آپ ہندوستان کے مشاہیر متاخرین اولیاء اللہ میں ہیں۔ آپ سے سلسلۂ عالیہ چشتیہ کا اجرا نہایت دھوم دھام کے ساتھ ہوا، تیرہویں صدی کے مشہور مشائخ چشتیہ مثلاً خواجہ سلیمان تونسوی، شاہ نیاز احمد بریلوی، حافظ محمد علی خیرآبادی بواسطۂ حضرت مولانا فخر الملۃ والدین قدس سرہٗ آپ کے ہی شجر برکت اثر سے فیض بخش ثمرات تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۲۴ر جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ [جون ۱۶۵۰ء] بمقام شاہجہان آباد ہوئی۔ علمائے وقت، مشائخ عصر سے تکمیل علوم فرمائی۔ حرمین شریفین کی زیارت کو تشریف لے گئے، وہیں حضرت خواجہ کبیر یحییٰ مدنی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور مثال خلافت حاصل کی۔ خواجہ کبیر یحییٰ مدنی (جن کا سلسلہ بواسطۂ شیخ محمد اعظم چشتی گجراتی حضرت خواجہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے) مدینہ منورہ میں ۲۷ر صفر ۱۱۲۲ھ [اپریل ۱۷۱۰ء] کو واصل بحق ہوئے۔ حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں نہایت صاحب ورع وتقویٰ اور صاحب تصانیف بزرگ ہیں۔ آپ کی مجلس سماع کا دروازہ مقفل ہوتا تھا اور کسی شخص کو حاضری کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ حالت سماع میں جس پر نظر پڑ جاتی مست و بیخود ہو جاتا۔ ایک شخص نے ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا کہ "اہل قبور جن کے مزارات پر میں حاضر ہوتا ہوں میرے حال سے واقف ہوتے ہیں یا نہیں؟"، آپ نے اُس کو ایک گل دستہ دیا اور فرمایا کہ

''حضرت محبوب الٰہی کے آستانے پر حاضر ہوکر میرا اسلام عرض کرنا اور یہ گل دستہ پیش کرنا''، وہ شخص جب حاضر ہوا اور سلام عرض کیا مزار مبارک سے ایک نورانی ہاتھ برآمد ہوا اور گل دستہ لے کر پھر قبر شریف میں غائب ہو گیا۔ وصال آپ کا ۲۴ربیع الاوّل شریف ۱۱۴۰ھ [نومبر ۱۷۲۷ء] میں ہوا۔ دہلی میں مزار زیارت گاہ خلائق ہے۔ 'سواء السبیل'، 'کشکول'، 'مرقع مکتوبات' آپ کی تصانیف سے ہیں۔

(۱۲)

حضرت شاہ بھیک قدس سرہٗ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے جلیل القدر مشائخ کرام سے ہیں۔ شاہ ابوالمعالی چشتی کے خلیفہ، نسباً سادات کرام ترمذی سے ہیں۔ آپ متاخرین مشائخ میں نہایت مقدس و ممتاز بزرگ تھے، آپ کے صدہا مرید و خلیفہ ہوئے۔ ہندی میں آپ کے دوہرہ اور اشعار مشہور ہیں۔ نو سال کی عمر میں آپ کے والد سید محمد یوسف کا انتقال ہو گیا، آپ کی تربیت آپ کی والدہ ماجدہ نے کی۔ ظاہری تحصیل و تکمیل اخوند فرید سے کی، کتاب 'ثمرۃ الفؤاد' میں آپ کے مفصل حالات موجود ہیں۔ تاریخ ولادت ۹رماہ رجب دوشنبہ ۱۰۴۶ھ [دسمبر ۱۶۳۶ء] اور تاریخ وصال ۵ررمضان المبارک ۱۱۳۱ھ [جولائی ۱۷۱۹ء] ہے۔ مزار شریف قصبہ کہڑام میں ہے، نواب ظفر خاں روشن الدولہ نے مقبرہ بنوایا ہے۔ تاریخ وصال فقرہ 'شاہ بھیکہ مقبول خدا' سے نکلتی ہے۔

(۱۳)

علامہ قاضی مبارک گوپاموی علیہ الرحمۃ آپ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد سے ہیں۔ آپ کے والد شیخ محمد دائم ادہمی فاروقی تھے۔ منطق و فلسفے میں آپ اپنا عدیل نہ رکھتے تھے، میرزاہد ہروی کے قابل فخر تلامذہ میں تھے۔ 'شرح سلم العلوم' آپ کی خداداد قابلیت کا روشن آئینہ ہے۔ مولوی حمد اللہ اور مولوی قاضی احمد علی سندیلوی سے ہمیشہ مسائل علمی پر مناظرہ اور چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ گوپامئو کے علم خیز خطے میں دو قاضی مبارک گزرے ہیں، ایک قاضی مبارک اول ہیں جو مرید و شاگرد مولانا شیخ نظام الدین امیٹھوی قدس سرہٗ کے تھے، جن کا ذکر 'منتخب التواریخ' میں ہے۔ یہ قاضی ثانی ہیں۔ ۱۱۶۲ھ [۴۹-۱۷۴۸ء] میں ان کا انتقال ہوا۔

(۱۴)

مولوی حمد اللہ سندیلوی آپ حکیم شکر اللہ ولد شیخ دانیال ولد پیر محمد کے لڑکے، صدیقی نسب ہیں۔ حضرت مولانا نظام الدین سہالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ سے ہیں۔ آپ عالم و عامل اور طبیب کامل تھے۔ سندیلہ میں آپ نے ایک بڑا مدرسہ (جس میں اکابر علما تعلیم پاتے تھے) تعمیر کرایا اور اس کے مصارف کے لیے بادشاہِ وقت سے چند دیہات معاف کرائے۔ دربار شاہی دہلی سے فضل اللہ

خاں کے نام سے مخاطب کیے جاتے تھے۔ نواب ابو المنصور خاں والیِ اودھ نے آپ سے دستار بدل کر بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ قاضی احمد علی سندیلوی (آپ کے داماد) مولوی احمد حسین لکھنوی، ملا باب اللہ جون پوری، مولوی محمد اعظم، مولوی عبداللہ سندیلوی وغیرہ آپ کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں 'حمد اللہ شرح تصدیقات سلم العلوم'، 'حاشیہ شمس بازغہ'، 'شرح زبدۃ الاصول عاملی' مشہور کتابیں ہیں۔ وفات آپ کی ۱۲۶۰ھ [۴۵-۱۸۴۴ء] میں بمقام دہلی ہوئی، آستانہ قطب صاحب میں دفن ہوئے۔

(۱۵)

حضرت فخر الملۃ والدین مولانا فخر الدین چشتی اورنگ آبادی قدس سرہٗ والد ماجد آپ کے حضرت نظام الدین اورنگ آبادی اکابر اولیائے متاخرین ہند سے تھے اور حضرت فانی فی اللہ مولانا کلیم اللہ جہان آبادی قدس سرہٗ کے محبوب ومقبول خلفا میں تھے۔ والد کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت شہاب الاولیا شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی تک اور والدہ کی طرف سے حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز تک پہنچتا ہے۔ بعد حصول خلافت دہلی سے اورنگ آباد کی خدمت سپرد کی گئی۔ ہزار مخلوق الٰہی کو فیض ظاہر و باطن سے مستفیض فرما کر ۱۱۴۲ھ [۳۰-۱۷۲۹ء] میں وصال فرمایا۔ آپ کی وفات کے بعد مولانا فخر صاحب سجادۂ چشت پر جلوہ افروز ہوئے اور ۱۱۰۶ھ [۹۶-۱۶۹۵ء] بہ القائے ربانی دہلی تشریف لائے۔ ہندوستان بھر میں فیض روحانی اور کمال ظاہری کی نہریں جاری فرما کر خدائی کو فیض یاب کیا۔ آپ کے خلفا کی تعداد بیرون از شمار ہے۔ اکابر دہر اور سلاطین عصر آپ کی عظمت و کفش برداری کو سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے۔ بدایوں میں بھی آپ کے خلفا اور مریدین کی تعداد کم نہ تھی۔ مولوی گل محمد اور مولوی قل محمد عثمانی آپ کے خلفا میں تھے۔ بہ عمر ۷۳ سال ۲۷/ جمادی الاخریٰ ۱۱۹۹ھ [مئی ۱۷۸۵ء] میں آپ نے وصال فرمایا۔ لفظ '<u>خورشید دو جہانی</u>' اور آیہ شریفہ <u>اولیاء اللّٰہ لا خوف علیهم و لا هم یحزنون</u> سے سنہ وصال برآمد ہوتا ہے۔ آپ کی تصانیف میں 'رسالہ نظام العقائد' ہے، جس میں افضلیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بکمال وضاحت ثابت کیا ہے۔ ایک رسالہ 'فخر الحسن' ہے جس کو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے بعض اقوال کے رد میں تالیف فرما کر اپنے کمال تبحر اور شان استدلال کا جلوہ دکھایا ہے۔

(۱۶)

مولوی سید احمد حسن صاحب نقوی سید آل حسن قنوجی کے بڑے لڑکے تھے۔ ۱۹/ رمضان ۱۲۴۶ھ [مارچ ۱۸۳۱ء] میں پیدا ہوئے۔ بدایوں آکر تحصیل علم کی، درسیات مروجہ سے فارغ ہو کر کچھ دنوں مولوی عبدالجلیل علی گڑھی سے پڑھا۔ سند حدیث شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی سے حاصل کی۔ ۱۲۷۳ھ

[۵۷-۱۸۵۶ء] میں بہ ارادۂ حج گھر سے روانہ ہو کر بڑودہ میں پہنچ کر مولوی غلام حسین قنوجی کے مکان پر ۹؍ جمادی الاول ۱۲۷۷ھ [نومبر ۱۸۶۰ء] کو فوت ہوئے۔

(۱۷)

مولوی سراج احمد صاحب سہوانی مع مولوی اولاد احمد صاحب کے بدایوں آ کر مولانا کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے، جب تک مدرسۂ عالیہ قادریہ میں رہے حنفیت کے رنگ میں رہے۔ کسی قدر مولوی تراب علی مرادآبادی سے پڑھے، اُس کے بعد تقلید کا پٹکہ کمر سے نکالا، وہابیت کا اظہار کیا، 'سراج الایمان' رسالہ لکھا۔ جس کا جواب حضرت مولانا محی الدین صاحب قدس سرہٗ نے 'شمس الایمان' تحریر فرمایا۔ مولوی اولاد احمد بھی غیر مقلد ہو گئے۔ مولوی امیر حسن سہوانی مولوی سراج احمد صاحب کے شاگرد تھے۔

(۱۸)

مولوی صبیح الدین صاحب عباسی آپ اپنے استاذ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ تحصیل علوم نہایت ذوق کامل کے ساتھ کی تھی، حضرت مولانا شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہٗ الوحید اپنے نانا سے شرف بیعت حاصل تھا۔ بہ عہدۂ صدر امینی ملازم تھے۔ لیکن ملازمت میں بھی معمولات و اشغال کو ترک نہ کیا، سلسلۂ درس بھی برابر جاری رکھا۔ ۱۲۸۰ھ [۶۴-۱۸۶۳ء] میں انتقال ہوا۔ مولوی جمیل الدین خطیب جامع، مولوی سدید الدین شائقؔ، مولوی محمود احمد وکیل، مولوی فصیح الدین صاحبان ۴ فرزند چھوڑے۔

(۱۹)

مولوی قاضی شمس الاسلام صاحب آپ مولانا عبد السلام صاحب عباسی کے صاحبزادے اور مولانا شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہٗ کے مرید با ختصاص تھے۔ آپ ریاست و امارت، جود و سخاوت کے لیے ہمیشہ مشہور رہیں گے۔ رامپور میں آپ قاضی تھے۔ حضور سید المرسلین ﷺ کے نام مبارک پر فدا تھے۔ آپ کے دیوان خانے میں ہر سال شب دوازدہم ربیع الاول شریف کو نہایت شان و شوکت سے محفل میلاد ہوتی تھی، جس کی مثل اب تک کوئی محفل نہیں ہو سکی۔ ایک مرتبہ آثار شریف کے خدّام کو کل اثاث البیت نذر کر دیا۔ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو آئے تھے۔ ۵؍ ذی قعدہ ۱۳۱۷ھ [مارچ ۱۹۰۰ء] میں انتقال کیا۔

(۲۰)

مولوی سید دولت علی صاحب قبائی آپ محلّہ سید باڑہ بدایوں کے سادات کرام سے ہیں۔ آپ اور آپ کے بڑے بھائی مولوی فرزند علی صاحب اور مولوی سید ارجمند علی صاحب مع اپنی ہمشیرگان کے

حضرت مولانا شاہ عبدالمجید صاحب قدس سرہٗ سے بیعت تھے۔ مدت العمر ریاست گوالیار میں عہدہ ہائے جلیلہ پر مامور رہے، آپ کے بعد آپ کے لڑکے مولوی سید اکبر حسین صاحب بھی نیچہ متعلق ریاست گوالیار میں جج رہے۔

(۲۱)

حکیم مولوی غلام صفدر صاحب صدیقی آپ حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کے ماموں تھے۔ فن طب میں کمال حاصل تھا۔ ہمیشہ درس وتدریس اور علاج ومعالجے میں عمر بسر فرمائی، غربا وفقرا کی ہمیشہ امداد کی۔ ۶؍شعبان ۱۳۰۰ھ [جون ۱۸۸۳ء] بمقام بھنڈولی ضلع بلند شہر انتقال ہوا۔

(۲۲)

مولوی محمد اسحاق صاحب آپ شرفا و رؤسائے بدایوں میں سے ہیں، نسباً شیوخ صدیقی رحمانی سے تھے۔ رسائل دینیہ کی تصنیف میں عمر گزاری، رسالہ ’منازل البرکات‘ (عربی)، ’ہدیۃ البرکات فی فضائل عاشورا‘ آپ کی تصنیف سے ہیں۔ ۱۲۹۷ھ [۸۰-۱۸۷۹ء] میں انتقال ہوا۔

(۲۳)

مولوی محمد بخش صاحب آپ بدایوں کے نامور رؤسا میں تھے۔ عالم وفاضل تھے، مدت تک بعہدۂ صدر الصدوری (سب جج) مامور رہے۔ بعد پنشن آنریری مجسٹریٹ حلقہ دوئم بدایوں کے رہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالمجید قدس سرہٗ کے مخصوص مریدین میں تھے۔ باوجود اعزاز دنیوی اپنے پیرو مرشد کی اولاد امجاد کا اس درجہ ادب کرتے تھے کہ فی زمانا بہت سے لوگ اپنے پیروں کا ایسا ادب نہیں کرتے۔ ۲۶؍رمضان ۱۲۹۰ھ [نومبر ۱۸۷۳ء] میں انتقال ہوا اور اپنے مکان کے قریب مسجد میں دفن ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے خان بہادر مولوی حامد بخش صاحب وائس چیرمین میونسپل بورڈ بدایوں کے سربر آوردہ لوگوں میں تھے۔

(۲۴)

مولوی علی بخش خاں صاحب آپ مولوی محمد بخش صاحب کے چھوٹے بھائی، محلّہ سوتھ کے رکن اعظم اور رئیس اکبر تھے۔ آپ بھی صدر الصدور تھے، مشاغل علمیہ میں توغل خاص تھا۔ ۱۲۳۷ھ [۲۲-۱۸۲۱ء] میں پیدا ہوئے، تحصیل علم تینوں بھائیوں نے مولانا [فیض احمد بدایونی] سے ذوق کامل کے ساتھ کی اور مولانا کی مساعی جمیلہ نے ہرسہ برادران کو معراج اعزاز پر پہنچایا۔ آپ فن مناظرہ کے مختص اور مخصوص لوگوں میں سمجھے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں آپ کی تصانیف مشہور ہیں۔ سرسید احمد خان بہادر کے معاصر اور مکفرین میں ہیں، ہمیشہ سرسید سے تحریری اور تقریری مکالمے ہوتے

رہے۔ غیر مقلدین میں ڈپٹی امداد علی صاحب، آریوں میں دیانند جی سرسوتی کے اقوال باطلہ اور عقائد الحادیہ کا ہمیشہ آپ نے بطلان ثابت کیا۔ مرزا غالب سے ہمیشہ شاعری میں چھیڑ چھاڑ رہی۔ علم جفر میں بھی کمال حاصل تھا۔ نعت شریف حضور سید عالم ﷺ کے لکھنے اور سننے کا از حد شوق تھا، روزمرہ جو تازہ غزل تصنیف فرماتے اس کو اپنے مقررہ نعت خوانوں کی زبان سے سنا کرتے، شررؔ تخلص تھا۔ حضرت اقدس قدس سرہ المجید اپنے پیر و مرشد کے فدائی تھے اور زبردست نسبت رکھتے تھے۔ یہ شعر آپ کا (جس کو آپ نے اپنے بھتیجے جناب مولوی حامد بخش صاحب مرحوم کی زبان سے ادا کیا ہے) آپ کے حسن عقیدت کا شاہد ہے، فرماتے ہیں:

مرتے ہیں اس پر مجیدی دفن ہوں در کے قریب — بعد مردن بھی نہ چھوٹے اتصال عین حق

چنانچہ بعد انتقال جو ۱۷ رجب ۱۳۰۲ھ [مئی ۱۸۸۵ء] میں ہوا اپنے پیر و مرشد کے مزار کے متصل آستانہ قادریہ میں مدفون ہوئے۔ 'سید الحاج در بہشت رسید' (۱۳۰۲ھ) مصرعۂ تاریخ وفات ہے۔ آپ کی تصنیفات میں 'تنقیح المسائل'، 'برق خاطف'، ردّ شیعہ میں، 'تائید الاسلام'، 'موئید القرآن'، 'شہاب ثاقب' وغیرہ رد طائفہ وہابیہ و نیچریہ میں مشہور کتابیں ہیں۔

(۲۵)

مولوی محمود بخش صاحب: یہ بھی مولانا [فیض احمد بدایونی] سے سلسلۂ تلمذ رکھتے تھے اور صدر الصدوری تک پہنچے۔ مثل اپنے دونوں برادران سابق الذکر کے بدایوں کے رؤسا میں تھے۔ مولوی خواجہ بخش صاحب مرحوم ان کے لڑکے تھے، جن کے پسران رؤف بخش و عطوف بخش کا شباب میں انتقال ہوا۔

(۲۶)

مولوی کرامت اللہ صاحب منصف آپ قاضی محلّہ کے رؤسا میں تھے۔ مولانا [فیض احمد بدایونی] کے مخصوص شاگردوں میں تھے۔ عرصے تک بعہدۂ صدر امینی اور منصف ملازم رہے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد گوشہ نشینی اختیار کی۔ نہایت باخدا اور بابرکت تھے۔ کتب بینی اور تحریر کا بہت شوق تھا، ہزاروں روپے صرف کر کے عظیم الشان کتب خانہ ترتیب دیا، جو بعد آپ کی وفات کے بے قدریٔ زمانہ کی دست برد سے نہ بچ سکا۔ 'میزان' سے لے کر 'شمس بازغہ' تک درسی کتب مع حواشی اپنے ہاتھ سے خوشخط نقل کر کے زیب کتب خانہ کیں۔ فن طب میں بھی دخل تھا، غربا کو مفت دوا تقسیم کرتے تھے۔ آپ کی اولاد میں مولوی بقاء اللہ صاحب اور مولوی عبید اللہ صاحب بقید حیات ہیں۔

(۲۷)

مولوی محمد حسین صاحب آپ شیخ ریاست اللہ صاحب (رئیس محلّہ شیخ پٹی) کے خلف رشید تھے، نسباً صدیقی ہیں۔ مولانا [فیض احمد بدایونی] سے تحصیل علوم فرمائی، بعد فراغ بعہدۂ مدرسی سلسلۂ درس و تدریس وطن اور دیگر بلاد میں جاری رکھا۔ آخر عمر میں رؤسائے کھیڑا بزرگ کے یہاں مدرس مقرر ہوئے، بہت سے اہل شہر آپ کے شاگردوں میں ہیں۔

(۲۸)

مولوی نجابت اللہ صاحب آپ رؤسائے قاضی محلّہ کے شیوخ صدیقی سے ہیں۔ عربی و فارسی کی تحصیل سے فارغ ہوکر فارسی میں شہرت کامل حاصل کی اور آخر عمر تک سلسلۂ درس فارسی جاری رکھا۔

(۲۹)

خلیفہ غلام حسین صاحب آپ بھی فارسی میں یکتائے زمانہ تھے اور ہمیشہ فارسی پڑھایا کیے۔ بریلی اور بدایوں میں بہت سے آپ کے شاگرد ہیں۔ چودھری تفضّل حسین صاحب مرحوم و چودھری محمد اصغر علی صاحب رؤسائے کھیڑہ آپ کے شاگرد تھے۔

(۳۰)

مولوی افضل الدین صاحب قیسؔ عباسی آپ رؤسائے عباسی محلّہ کے شعرائے نازک خیال میں ہیں۔ مولوی محمد یوسف صاحب عباسی آپ کے والد تھے۔ شرف بیعت حضرت مولانا شاہ عین الحق قدس سرہٗ المجید سے حاصل تھا ۱۲۸۰ھ [۶۴-۱۸۶۳ء] میں انتقال ہوا۔

قطعہ وفات

چو آں افضل شاعراں خوش سیر	ز دنیا نمودہ بہ عقبیٰ سفر
اگر خواہی از سال فوتش خبر	بگو 'افضل جملہ اہل ہنر'

(۳۱)

مولوی غلام شاہد صاحب فداؔ آپ رؤسائے محلّہ سوتھا سے تھے۔ علم عربی کی تحصیل حضرت مولانا [فیض احمد بدایونی] سے کی تھی۔ لیکن بوجہ اشغال و تعلقات دنیوی اس طرف توغل نہ تھا۔ شعر و سخن سے زیادہ رغبت تھی، شاعری میں بھی مولانا [فیض احمد بدایونی] سے شرف تلمذ تھا۔ آپ کے والد مولوی مبارز الدین صاحب بھی فارسی کے شاعر تھے۔

(۳۲)

مولوی احمد حسین صاحب وحشتؔ بدایوں کے مشاہیر شعرا میں تھے،نسباً شیوخ صدیقی رحمانی سے ہیں۔شرف تلمذ مولانا [فیض احمد بدایونی] سے اور افتخار بیعت حضرت اقدس [شاہ عین الحق] قدس سرہٗ المجید سے تھا۔پیر کے عاشق اور بانسبت بزرگ تھے۔آپ کا کلام نعت و مناقب میں اکثر محافل میلاد شریف میں پڑھا جاتا ہے۔

(۳۳)

مولوی حکیم نیاز احمد صاحب نیازؔ آپ شرفائے متولیان صدیقی محلّہ سوتھ سے تھے۔بیعت حضرت اقدس [شاہ عین الحق] قدس سرہٗ المجید سے تھی۔ہمیشہ ہر موسم میں آستانہ پیرومرشد کی حاضری کا التزام تھا۔اکثر وقت عبادت یا تحریر کلام الٰہی میں بسر ہوتا تھا۔

(۳۴)

مولوی اشرف علی صاحب نفیسؔ آپ روسائے شیعہ قاضی محلّہ بدایوں سے تھے،نسباً بدایوں کے صدیقی شیوخ سے ہیں۔عربی کی تحصیل مولانا [فیض احمد بدایونی] سے پورے شوق کے ساتھ کی اور اپنے فرقے میں یکتا وفرد مانے گئے۔شاعری میں بھی آپ بے مثل اور بدایوں کے مشہور شاعروں میں تھے اور اس فن میں بھی آپ کا کلام حضرت مولانا [فیض احمد بدایونی] کے فیض توجہ سے بے نیاز نہ تھا۔ ۱۲۷۴ھ [۵۸-۱۸۵۷ء] میں انتقال ہوا۔☆

☆ مولوی اشرف علی نفیسؔ بدایونی ایک محبِّ وطن مسلمان تھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں کھل کر حصہ لیا اور انگریزوں کو ٹکر دی،جس کے صلے میں اُن کو انگریز حکومت نے ۴/ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ مطابق جون ۱۸۵۸ء کو گولی مار کر شہید کر دیا۔لہٰذا یہاں ضیاء القادری مرحوم کو"انتقال ہوا" کے بجائے"شہید کیے گئے" لکھنا چاہیے تھا،انتقال ہونے اور شہید ہونے میں کیا فرق ہے اس کو مولانا اسید الحق صاحب بخوبی جانتے ہوں گے۔

مصنف نے جو قطعہ تاریخ درج کیا ہے اس کے شاعر کا نام نہیں لکھا۔شاہ شرف علی صدیقی حمیدی نے تاریخ بنی حمید فارسی (مرتبہ ۱۳۲۸ھ) میں صراحت کی ہے کہ یہ قطعہ تاریخ شہادت مولانا شاہ فضل رسول عثمانی مستؔ بدایونی کا ہے،جس میں شاعر نے اپنا تخلص مستؔ بھی استعمال کیا ہے۔

تاریخ وفات مستؔ گفتا - بُد اشرفِ شاعرانِ دنیا

لیکن ضیاء القادری نے اس کو یوں نقل کیا ہے......ع

تاریخ وفات گفت ہاتف

مزید یہ کہ مستؔ بدایونی کا قطعہ تاریخ گیارہ اشعار پر مشتمل ہے،جو تاریخ بنی حمید میں مکمل نقل کیا گیا ہے،مگر اس میں ضیاء القادری کا نقل کردہ پہلا شعر"چوں مولوی اشرف علی بود" الخ موجود نہیں ہے۔(تسلیم غوری)

قطعہ تاریخ وفات

چوں مولوی اشرفِ علی بود — شاہ سخنِ نفیس و زیبا
تاریخ وفات گفت ہاتف — بد اشرف شاعرانِ دنیا

۱۲۷۴ھ

(۳۵)

مولانا عبدالسلام صاحب عباسی علیہ الرحمۃ آپ ہندوستان کے مشاہیر علمائے کرام کے طبقے میں ہیں۔ ۱۲۷۱ھ [۵۵-۱۸۵۴ء] میں پیدا ہوئے☆۔ تحصیل علم اپنے عم محترم مولانا بہاء الحق صاحب عباسی و دیگر علمائے رام پور سے فرمائی۔ مولانا بہاء الحق صاحب حضرت بحرالعلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی قدس سرہٗ کے تلامذہ میں تھے۔ قاضی صاحب نے 'مثنوی شریف' کو مولانا خطیب محمد عمران صاحب سے سبقاً سبقاً بکمال تحقیق پڑھا۔ عرصۂ دراز تک منصبِ قضا ریاست رامپور پر مامور رہے۔ آخر عمر میں مسجد نشین اور گوشہ گزیں ہوگئے۔ بیعت آپ کو حضور اقدس اچھے میاں صاحب مارہروی قدس سرہٗ سے تھی۔ آخر میں حضرت سیدنا شاہ آل رسول صاحب قدس سرہٗ نے شرف خلافت بھی عطا فرمایا تھا۔ آپ کا تخلص سلاؔم تھا، فارسی میں آپ کا کلام نہایت بلند پایہ کا ہے۔ آپ کی تصنیفات سے 'تفسیر زاد الآخرۃ' اردو منظوم مشہور و معروف ہے۔ اِس کے سوا 'اخیار الابرار' تصوف میں 'شرح دلائل الخیرات'، 'رسالہ علم فرائض'، 'مثنوی طوفان عشق' فارسی میں ہیں۔ انتقال آپ کا ۱۳/رجب بروز چہارشنبہ ۱۲۸۹ھ [ستمبر ۱۸۷۲ء] کو بوقت عصر ہوا اور بروز پنجشنبہ علی الصباح مسجد عباسیان (بنا کردہ مولانا حبیب اللہ صاحب) میں مدفون ہوئے۔ 'خزینۃ الاصفیا' میں نظم اور 'حدائق حنفیہ' میں 'فخر کاشانہ' سال رحلت غلط تحریر ہے۔ قطعہ تاریخ وصال بلاتعمیہ وتخرجہ اس طرح ہے:

قاضی عبدالسلام حق آگاہ — عالم و باکمال و عارف حق
چارشنبہ سیزدہ ز رجب — یافتہ وصل قادر مطلق
مسجد مولوی حبیب اللہ — یافتہ از مزار شاں رونق
سال وصلش ز دل چو پرسیدم — گفت آں بودہ قاضی برحق

۱۲۸۹ھ

☆مولانا عبدالسلام عباسی کا سال ولادت ۱۲۷۱ھ درست نہیں ہے۔ صحیح سال ولادت ۱۲۰۱ھ مطابق ۸۷-۱۷۸۶ء ہے۔ (تسلیم غوری)
ہمارے خیال سے یہ مصنف کی نہیں کاتب کی غلطی ہے، کیوں کہ جب مصنف لکھ رہے ہیں کہ مولانا عبدالسلام عباسی حضرت شمس مارہرہ سے بیعت تھے (جن کا وصال ۱۲۳۵ھ میں ہوا) پھر وہ سال ولادت ۱۲۷۱ھ کیسے لکھ سکتے ہیں۔ (مرتب)

(۳٦)

میاں ذکراللہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ آپ شیوخ فرشوریان بدایوں سے تھے، بیعت وخلافت کا افتخار حضرت اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ سے حاصل تھا۔ 'ہدایت المخلوق' میں حضور اچھے صاحب کی کرامات میں آپ کے متعلق یہ کرامت درج ہے کہ شروع عمل داری سرکار انگریزی میں تحقیقات جائیداد اور معافی وغیرہ انتظام ہوا تو آپ کو فکر اور خوف اپنی حقیت کا ہوا، پیرومرشد سے رجوع کی اور امداد باطنی کے طالب ہوئے۔ خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس ان کے مکانِ سکونت میں جلوہ افروز ہوئے اور کاغذات ملاحظہ فرما کر ارشاد کیا کہ ''یہ کاغذات تمہاری معافی کی سند ہیں''۔ چنانچہ بعد چندے سند معافی سرکار سے آپ کو عطا ہوئی۔ 'ہدایت المخلوق' میں آپ کی تاریخ وفات ماہ صفر ۱۲٦۵ھ [۴۹-۱۸۴۸ء] اور 'تذکرۃ الواصلین' میں ۱۳رصفر ۱۲٦۹ھ [نومبر ۱۸۵۲ء] درج ہے۔ مزار آپ کا مقابر شیوخ فرشوریان واقع آستانہ حضرت شاہ ولایت میں ہے۔ آپ کے صاحبزادے شکر اللہ خاں صاحب مولانا فیض احمد صاحب کے تلامذہ میں تھے۔ دوسرے صاحبزادے شیخ احسان اللہ شاہ صاحب تھے۔

(۳۷)

حضرت مولانا سید نور محمد قدس سرہٗ بدایونی آپ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے نامی گرامی اشخاص میں ہیں۔ سلسلۂ نسب حضرت سید الشہدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ جناب شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کے پوتے شیخ سیف الدین بن شیخ محمد معصوم صاحب کے مرید وخلیفہ تھے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں حضرت اشرف الاتقیا سے تحصیل وتکمیل علوم کی۔ اُس کے بعد بدایوں سے دہلی چلے گئے، وہاں جا کر فقر وفنا کی مستی میں مدہوشانہ گزر اوقات کرنے لگے۔ سولہ برس تک جذب کی کیفیت طاری رہی۔ اتباع سنت کے بہت پابند تھے، خلاف شرع امور سے محترز رہتے تھے۔ آپ کے حالات سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے اکثر شجروں میں درج ہیں۔ مرزا مظہر جانِ جاناں ☆ آپ کے جانشین اور خلیفہ تھے اور ۱۱رذی قعدہ ۱۱۳۵ھ [اگست ۱۷۲۳ء] میں آپ کا انتقال ہوا۔ قبر شریف غیاث پور میں جو دہلی سے پانچ کوس ہے، ایک کھیت میں متصل ناکہ کچی بنی ہوئی ہے۔ 'خزینۃ الاصفیا' میں تاریخ وفات یہ تحریر ہے:

چوشد خورشید دیں نور محمد — بزیر ابر مثل ماہ مستور
شدہ تاریخ سالش پرتو افگن — محمد نور گنج نور پر نور

۱۱۳۵ھ

☆ مرزا مظہر جان جاناں ہندوستان کے مشاہیر میں ہیں۔ ۱۱ررمضان ۱۱۱۱ھ [مارچ ۱۷۰۰ء] کو پیدا ہوئے۔ یوم عاشورہ ۱۱۹۵ھ [جنوری ۱۷۸۱ء] بروز جمعہ بوقت صبح ایک شخص نے سینے پر گولی ماری، جس

کے باعث درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ خانقاہ نقشبندیہ دہلی میں مزار ہے۔

(۳۸)

مولانا محمد معین الدین فائق قدس سرہٗ آپ بدایوں کے مشہور شعرا میں ہیں۔ قاضی محلّہ کے شرفا اور شیوخ صدیقی سے تھے۔ عمر بہت پائی تھی، ہر فن میں صاحب کمال اور صاحب وجد[و] حال تھے۔ بزمانۂ سلطنت محمد شاہ بادشاہِ دہلی آپ معزز ممتاز شعرا میں سمجھے جاتے تھے۔ تحصیل علوم حضرت اشرف الاتقیا سے کی تھی، شاعری میں حضرت عارف باللہ خواجہ اسد اللہ خاں غالبؔ دہلوی ☆ کے معاصر تھے اور ہمیشہ اپنے آپ کو پردۂ خفا میں رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ کی مذہبی شان وحمیت اور جرأت اخلاق کا افسانہ مشہور ہے کہ جب نادر شاہ نے دہلی میں دربار کیا اور تمام مشاہیر شعرا کو طلب کیا شعرا نے حسب حال قصائد سنانا شروع کیے، جب آپ کی نوبت آئی قصیدہ لے کر پڑھنے کو کھڑے ہوئے، طبیعت نعت و مناقب لکھنے کی عادی تھی وہی رنگ قصیدے میں موجود تھا۔ اول نعت شریف کے اشعار تھے، اُس کے بعد مناقب خلفائے اربعہ کے پڑھنا شروع کیے، ایک ایرانی شیعہ تاجدار کے سامنے بھرے مجمع میں خلفائے راشدین کی مدحت سرائی کرنا یہ فقط آپ کا ہی کام تھا۔ بادشاہ اور اہل دربار کا چہرہ غصے سے سرخ ہوتا جاتا تھا، مگر آپ اسی ہمت واستقلال کے ساتھ پڑھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ پورا قصیدہ ختم کیا۔ ایک مرتبہ آپ نے نعت شریف میں بہ صنعت طالب ومطلوب قصیدہ لکھا، الف سے حرف طا تک قوافی لکھتے چلے گئے، جب ظا معجمہ کی نوبت آئی فکر رسا نے کوئی لفظ بہم نہ پہنچایا، اسی عالم فکر میں آنکھ لگی، بخت بیدار ہوا، خواب میں شرف حضوری حضور سید عالم (روحی لہ الفدا) سے مشرف ہوئے، لفظ نائم و یقظانی کی طرف اشارہ ہوا، چنانچہ بیدار ہوکر آپ نے پورا شعر موزوں فرمایا۔ اُس قصیدۂ متبرک کا مطلع اور وہ خاص شعر تبرکاً درج ہے، مطلع:

اے مہبط روح منزل قرآنی	از مطلع قدس نیّر تابانی

شعر خاص:

طغرائے کتاب مخلصی بدو نیک	طومار نجات نایم و یقظانی

مقطع:

یاری دہ فایق کثیر العصیاں	یاور ہمہ وقت ہم معیں ہر آنی
یا احمد مجتبےٰ بخوابے مارا	یکبار بگو کہ ہاں چرا گریانی

☆ **خواجہ اسد اللہ خاں غالبؔ قدس سرہٗ**: یہ غالبؔ اول ہیں، زمانۂ سلطنت مغلیہ میں آپ ہند و ایران کے مسلّم شعرا میں تھے۔ علاوہ شاعری کے فقر و زہد میں بھی صوفیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ۱۱۶۳ھ

[۵۰-۱۷۴۹ء] میں انتقال ہوا۔

(۳۹)

مولانا عبدالملک انصاری قدس سرہٗ آپ میاں جی عبدالملک کے نام سے مشہور ہیں۔ شیوخ انصاری کہے جاتے ہیں۔ نہایت بابرکت صاحب زہد و اتقا بزرگ تھے۔ مدرسۂ قادریہ میں بزمانۂ حضرت مولانا عبدالحمید صاحب درس اطفال پر مامور تھے۔ چنانچہ جو وثیقہ آپ کا اُس زمانے میں مقرر تھا وہ آپ کی اولادواخلاف کو حضرت تاج الفحول کے زمانے تک ملتا رہا۔ 'ہدایت الخلوق' میں آپ کی بیعت کے متعلق یہ واقعہ درج ہے کہ آپ حضرت مولانا عبدالمجید صاحب قدس سرہٗ سے نہایت اخلاص و اختصاص رکھتے تھے جب حضرت مولانا حضور اقدس اچھے میاں صاحب کے مرید ہوئے آپ کو بھی نہایت اشتیاق ہوا، مگر بہ چندوجوہ حاضری مارہرہ مقدسہ سے معذور رہے۔ ایک شب کو خواب میں حضور اقدس کو دیکھا کہ مسجد محلّہ میں رونق افروز ہیں اور فرمارہے [ہیں] کہ ''وضو کے لیے پانی لاؤ''، میاں جی صاحب فوراً پانی لائے، حضور اقدس نے وضو فرماکر انصاری صاحب کو داخل سلسلہ فرمایا۔ صبح کو نہایت مشتاقانہ عزم سفر کیا اور مارہرہ شریف جاکر مرید ہوئے، شرف خلافت پایا۔ اسی طرح جب ایک مرتبہ بہت سخت بیمار ہوئے تو دو بزرگوں کو خواب میں دیکھا کہ فرمارہے ہیں ''اُٹھ کر نماز فجر ادا کرو''، عرض کیا ''طاقت نشست و برخاست نہیں کیوں کر اُٹھوں''، آخر ان میں سے ایک بزرگ نے ہاتھ پکڑ کر اُٹھادیا، آپ نے عالم خواب ہی میں دوسرے بزرگ سے دریافت کیا کہ ''یہ کون بزرگ ہیں؟'' فرمایا ''سیدنا شاہ ابوالبرکات ہیں'' فوراً بیدار ہوئے، بعد نماز اُسی وقت اپنے پیروں سے چل کر مسجد خرما میں تشریف لائے ہر شخص آپ کو دیکھ کر متعجب تھا کہ شام تک سخت بیمار تھے۔ سچ فرمایا گیا ہے کرامات الاولیاء حق۔ ۱۲ر رمضان المبارک ۱۲۵۸ھ [اکتوبر ۱۸۴۲ء] میں انتقال ہوا۔

(۴۰)

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی ابن مولانا شاہ ولی اللہ صاحب ابن شیخ عبدالرحیم صاحب۔ آپ ہندوستان کے مشاہیر ومخصوص علما میں ہیں۔ ۱۱۵۹ھ [۱۷۴۶ء] میں پیدا ہوئے، تحصیل علوم عقلیہ و تکمیل علوم نقلیہ بکمال تحقیق وتدقیق اپنے پدر بزرگوار سے کی۔ آپ کی شہرت علمی کو آپ کے پُرتاثیر وعظ نے خوب چمکایا، جس کی وجہ سے آپ کا اسم گرامی طبقۂ علم میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ علمائے اطراف واکناف نے آپ سے اسناد حدیث حاصل کیں، آپ کی شہرت الفاظی ستائش سے بے نیاز ہے۔ آپ کی تصنیفات سے 'تفسیر عزیزی' ہے، جس کو آپ نے مولانا فخر صاحب دہلوی کے کسی صاحب مجاز بزرگ کی فرمائش سے تحریر کیا تھا۔ تفسیر مذکور میں بعض بعض جگہ جو سہو یا لغزش ہوگئی ہے اُس پر

مولوی محمد علی صاحب مرادآبادی نے رسالہ 'سوط اللہ الجبار' میں اور مولانا عبدالحلیم صاحب پنجابی وغیرہ علمائے کرام نے .... بلیغ کی ہے۔ منجملہ آپ کی تصنیف کے رسالہ 'تحفۂ اثنا عشریہ' ہے، جس کی ہیبت سے فرقۂ شیعہ کے پتے پانی ہوتے ہیں، عرب وعجم میں اس رسالے کی شہرت ہے۔ مولانا اسلمی مدراسی تلمیذ رشید حضرت بحرالعلوم مرحوم نے رسالہ مذکور کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کرکے عرب شریف کو روانہ فرمایا اور بعض واقعات پر جو تاریخی نقطۂ خیال سے کمزور تھے اعتراض بھی کیے۔ اسی طرح مولوی سلام اللہ صاحب محدث رامپوری نے بعض بعض اعتراض اٹھائے ہیں۔ منجملہ آپ کی تصنیفات کے رسالہ 'سرّ الشہادتین' ہے جس کا ترجمہ مولانا سلامت اللہ صاحب کشفی بدایونی نے 'تحریر الشہادتین' میں مع شرح کے کیا ہے۔ اسی طرح 'عجالہ نافعہ' اور 'بستان المحدثین' آپ کی باقیات الصالحات سے ہیں۔ ۷رشوال ۱۲۳۹ھ [جون ۱۸۲۴ء] آپ کی تاریخ رحلت ہے۔ نوے سال کی عمر پائی، ترکمان دروازے کے باہر اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ مومن نے آپ کی جو تاریخ وفات تحریر کی ہے اس کا شعر آخر یہ ہے:

دست بیدادِ اجل سے بے سروپا ہوگئے ☆ عقل و دیں، لطف و کرم، فضل و ہنر، علم و عمل

فائدہ: واضح رہے کہ دہلی میں اس نام کے تین بزرگ گزرے ہیں کہ تینوں اپنے اپنے وقت میں یکتائے عصر تھے۔ ایک شیخ عبدالعزیز ابن شیخ حسن بن طاہر ہیں جو عہد اکبری کے مشائخ کبار سے تھے، سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں اپنے والد بزرگوار کے مرید تھے، صاحب درس و تدریس تھے۔ ملّا عبدالقادر مؤرخ بدایونی نے بھی آپ سے استفاضہ علمیہ کیا ہے۔ رسائل علمیہ بمقابل رسالہ عتیبہ مصنفہ شیخ امان پانی پتی آپ نے تصنیف کیا۔ ۶رجمادی الاولی ۹۸۵ھ [جولائی ۱۵۷۷ء] میں وفات پائی، 'قطب طریقت نماند' مادۂ تاریخ ہے۔

مولانا عبدالعزیز متخلص بہ عزت عہد عالمگیری میں ممتاز زمانہ تھے۔ آپ کے والد شیخ عبدالرشید عالم جید اور من جانب حضرت شاہ عالمگیر مدرس مدرسہ اکبرآباد تھے۔ مولانا عبدالعزیز صاحب علاوہ دیگر علوم کے رد روافض میں ید طولےٰ رکھتے تھے۔ رسالہ 'فتح العزیز' و رسالہ 'اثبات خلافت' و دیگر رسائل آپ کی تصنیف سے ہیں۔ لاہور میں ۱۰۸۲ھ [۷۲-۱۶۷۱ء] میں انتقال ہوا۔ آپ کے حالات 'عالمگیریہ' میں درج ہیں۔

(۴۱)

مولانا فضل امام صاحب خیرآبادی آپ علمی دنیا میں آفتاب فضل و کمال بن کر چمکے۔ آپ کے اجداد و اسلاف سب بدایوں کے رہنے والے اور اسی خطے کی یادگار تھے۔ آپ کے والد بدایوں سے جا کر

خیرآباد میں اقامت گزیں ہوئے تھے۔ آپ وہیں پیدا ہوئے، تحصیل و تکمیل مولانا عبدالواحد صاحب خیرآبادی سے کی۔ علوم عقلیہ میں اُستاذِ زمانہ اور فرد و یگانہ ہوئے۔ عرصۂ دراز تک دہلی میں صدر الصدور رہے۔ باوجود اشغال و علائق دنیوی درس و تدریس کا شغل کبھی کم نہ ہوا، طلبہ و تلامذہ کو زبردستی شب و روز اسباق پڑھنے پر مجبور فرماتے تھے۔ 'میر زاہد رسالہ' 'میر زاہد ملا جلال' پر آپ کے حواشی شامل درس ہیں۔ آمد نامہ فارسی بھی آپ کی یادگار سے مقبول انام ہے۔ ۵/ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ [مئی ۱۸۲۹ء] تاریخ وفات ہے۔

(۴۲)

شیخ احمد عرب یمنی شروانی بارہویں صدی ہجری کے آخر میں یمن سے بغرض سیاحت ہندوستان میں آئے۔ ہندوستان میں فن ادب میں بے مثل ادیب تسلیم کیے گئے۔ اکثر کلکتہ میں اقامت رہتی تھی، 'نفحۃ الیمن' (جو آج کل شامل درس ہے) آپ کی تصنیف ہے۔ لکھنؤ بھوپال وغیرہ میں والیان ملک کی مدحت سرائی اپنا شعار مقرر کرلیا تھا۔

(۴۳)

مولانا مفتی سعد اللہ صاحب مرادآبادی آپ ہندوستان کے مشاہیر علمائے کرام میں ہیں۔ ۱۲۱۹ھ [۰۵-۱۸۰۴ء] میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم اکابر وقت سے کی، چنانچہ اخوند شیر محمد ولایتی، مولوی محمد حیات پنجابی، مفتی صدر الدین صاحب دہلوی، مولوی محمد اشرف صاحب لکھنوی، مولوی محمد اسمٰعیل مرادآبادی، میر زاہد حسن علی محدث، مفتی ظہور اللہ صاحب لکھنوی آپ کے اساتذہ میں ہیں۔ ابتداً درسی و تالیف و مفتی گیری میں مصروف رہے۔ جب نواب واجد علی شاہ لکھنؤ سے کلکتہ بھیجے گئے آپ کو نواب یوسف علی خاں صاحب والیٔ رامپور نے لکھنؤ سے رامپور بلا کر مفتی ریاست کردیا۔ بزمانہ حج حضرت مولانا شیخ جمال مکی رحمۃ اللہ علیہ سے سند حدیث حاصل کی۔ بکثرت کتب و رسائل آپ کی تصنیفات سے ہیں، حضرت سیف اللہ المسلول اور حضرت سیدی شاہ عین الحق قدس سرہٗ سے نہایت عقیدت تھی۔ ۱۴/ رمضان المبارک ۱۲۹۴ھ [ستمبر ۱۸۷۷ء] میں انتقال ہوا۔ مفتی لطف اللہ صاحب رامپوری مرحوم آپ کے فرزند تھے۔ مولوی محمد یحییٰ نے آپ کی تاریخ وفات یہ نکالی ہے:

تاریخ وفات گفت یحییٰ — گنجینہ علم و فضل صد آہ

(۴۴)

سلالہ خاندانِ نبوت، خلاصہ دودمان رسالت حضرت سیدی مولانا شاہ ابوالحسین احمد نوری ملقب بہ میاں صاحب قبلہ قدس سرہٗ آپ مسند برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے تاجدار، قادریوں کے ملجا و ماوا، ہندوستان

کے مشہور مشائخ عصر کے سرتاج تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۵۵ھ [۴۰-۱۸۳۹ء] میں ہوئی۔ تحصیل علوم مولوی شاہ تراب علی صاحب لکھنوی، مولوی فضل اللہ صاحب جلیسری، مولانا نور احمد صاحب، مولانا حافظ محمد سعید صاحب، حضرت تاج الفحول صاحب بدایونی قدست اسرارہم اور مولوی احمد حسین صاحب صوفی مرادآبادی، مولوی حسین شاہ صاحب بخاری سے کی۔ علوم باطنی کی تعلیم اور بیعت وخلافت اپنے جد امجد حضرت سیدی سیدنا شاہ آل رسول صاحب قدس سرہٗ سے حاصل فرمائی، اِس کے سوا حضرت سید شاہ غلام محی الدین صاحب قدس سرہٗ مارہروی جد اصغر اور حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ اور جناب شاہ تنکا شاہ شمس الحق بخاری قدس سرہٗ سے بھی استفاضہ باطنی کیا۔ باوجود مشاغل باطنی آپ کو تحفظ عقائد کا از حد خیال تھا، جس زمانے میں بدایوں میں مسئلہ تفضیل کا زور ہوا آپ نے تصنیف رسائل کی طرف متوجہ ہو کر شان حقانیت کا جلوہ دکھایا۔ اِسی طرح عقائد وہابیہ نجدیہ سے محفوظ رہنے کی ہدایت تحریری وزبانی متواتر فرمائی۔ آپ تقدس وتورع، زہد واتقا میں فائق الاقران تھے۔ ہزارہا مریدین آپ کے دیار وامصار میں ہیں۔ حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کے ساتھ نہایت خصوصی مراسم تھے، ہمیشہ فرماتے تھے ’’جو میرا مرید ہے وہ حضرت کا مرید ہے جو حضرت تاج الفحول کا مرید ہے وہ میرا مرید ہے۔ اُن کا مخالف میرا مخالف، میرا مخالف اُن کا مخالف ہے‘‘۔

آپ کی تصانیف سے رسالہ ’دلیل الیقین‘، ’سراج العوارف‘ وغیرہ ہیں۔ وصال ۱۱؍رجب المرجب ۱۳۲۴ھ [اگست ۱۹۰۶ء] میں ہوا۔ ’خاتم اکابر ہند‘ فقرۂ سال وصال ہے۔ نمازِ جنازہ جناب مولانا محبّ احمد صاحب قبلہ نے پڑھائی۔ خانقاہ معلّٰی میں محو استراحت ہیں۔ عرس شریف صاحب سجادۂ عالیہ برکاتیہ حضرت سیدی مہدی میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم جس دھوم دھام سے عظیم الشان پیمانے پر کرتے ہیں وہ عالم آشکار ہے۔

(۴۵)

سید السادات سید شاہ ابوالحسن معروف بہ میر صاحب قدس سرہٗ آپ حضرت سیّد شاہ ظہور حسین چھٹو میاں صاحب قدس سرہٗ کے فرزند تھے۔ بیعت وخلافت اپنے جد امجد سے حاصل کی تھی، نہایت بابرکت بزرگ تھے۔ ۱۲۸۹ھ [ستمبر ۱۸۷۲ء] میں پیدا ہوئے۔ ۹؍رجب ۱۳۱۱ھ [جنوری ۱۸۹۴ء] کو رحلت فرمائی۔ درگاہ معلّٰی میں پائیں دالان روضہ حضرت سید شاہ آل محمد قدس سرہٗ میں مدفون ہوئے۔

(۴۶)

استاذ مطلق حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمۃ آپ مولانا فضل امام صاحب کے صاحبزادے، علمائے کرام کی مجلس کے سراج منیر، علم معقول کے مسلم الثبوت امام ہیں۔

۱۲۱۱ھ [۹۷-۱۷۹۶ء] میں پیدا ہوئے۔ ایام طفلی میں صرف چار ماہ کے اندر قرآن شریف کو حفظ کر لیا، تیرہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کے فیض توجہ سے درسیات کو ختم کیا۔ علوم منطق و حکمت و فلسفہ و ادب و کلام و اصول وغیرہ میں جس طرف توجہ ہوگئی تلامذہ کو یکتائے زمانہ کر دیا۔ علوم باطن کے جذبات بھی خانہ قلب کی نورانیت کے لیے باعث فروغ تھے۔ حضرت شاہ دھومن صاحب چشتی دہلوی سے بیعت حاصل تھی۔ مناصب جلیلہ پر ریاست لکھنؤ و رامپور و الور میں ہمیشہ مامور رہے، مگر کبھی یک منزل قرآن شریف روزانہ و نماز تہجد ناغہ نہ ہوئی۔ آپ کے مناقب علمیہ ظاہری ہر ستائش سے مستغنی ہیں، صرف آپ کے تلامذہ کے علوم مراتب سے آپ کی شان ارفع و اعلیٰ کا پتہ چلتا ہے۔ باعتبار جامعیت حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کو ملاحظہ کیا جائے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالحق صاحب کو دیکھا جائے، اس کے بعد فرداً فرداً مولوی احمد حسن صاحب مرادآبادی، مولوی سلطان حسن صاحب بریلوی، مولوی نور الحسن صاحب کاندھلوی، مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری، مولوی شاہ عبدالحق صاحب کانپوری، مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب رامپوری، مولوی سید عبداللہ صاحب بلگرامی، ملا فتح الدین صاحب لاہوری، ملا نواب صاحب قندھاری وغیرہ کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں ان حضرات میں کا ہر شخص چوٹی کے لوگوں میں سمجھا جاتا ہے۔ حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ سے آپ کو نہایت خلوص و عقیدت تھی، ایک زمانے میں بدایوں بھی تشریف لائے تھے، اکثر اوراد و اشغال کی اجازتیں حاصل کی تھیں، مدرسہ عالیہ قادریہ میں مقیم رہے تھے۔ ہنگامۂ غدر فرو ہونے کے بعد گورنمنٹ نے آپ کو حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا دی۔ وہیں تاریخ ۱۲؍صفر ۱۲۷۸ھ [اگست ۱۸۶۱ء] میں راہیٔ ملک بقا ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں 'شرح سلم قاضی مبارک'، 'حاشیہ افق المبین'، 'حاشیہ تلخیص الشفا'، 'ہدیہ سعیدیہ' وغیرہ معقول میں بکثرت رسائل ہیں۔ ان رسائل کے سوا کتاب 'تحقیق الفتویٰ' رد خرافات مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی میں ہے، جس کو خاص دہلی میں مولوی اسمٰعیل صاحب کی موجودگی میں تحریر فرمایا تھا، جس پر اکابر علمائے دہلی مثل مولوی رشید الدین خاں صاحب و مولوی مخصوص اللہ صاحب وغیرہ نے مواہیر ثبت فرمائیں، جس کا جواب مولوی صاحب کو بجز فرار کچھ بن نہ آیا اور بہ حیلہ جہاد دہلی اور اہل دہلی سے منھ چھپایا۔ اور رسالہ رد وہابیہ میں 'امتناع النظیر' ہے، جس کو حال میں مولانا سلیمان اشرف صاحب بہاری نے مطبوع کرایا ہے، اس رسالے کی ہیبت استدلال سے بڑے بڑے دیوبندی لرزتے ہیں، اگرچہ 'الجهد المقل' میں علمائے بدایوں اور خیرآباد کو پانی پی پی کر کوسا ہے، مگر سینوں میں دل لرزتا ہے۔

(۴۷)

مولوی محمد حسین صاحب خلف مولوی اسد اللہ صاحب آپ بدایوں کے سربرآوردہ علمائے کرام

میں تھے۔مولانا نوراحمد صاحب کے ممتاز وخصوص تلامذہ میں تھے۔ منطق وادب میں نہایت بلند پایہ رکھتے تھے۔شرف بیعت حضرت مولانا شاہ عبدالمجید صاحب قدس سرہٗ سے حاصل تھا،حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ اورمولانا فضل حق صاحب خیرآبادی قدس سرہٗ سے جومکالمہ بعض مسائل منطق پرہوا ہے تو آپ ہی اُس کے کاتب تھے۔کہا جاتا ہے کہ عربی علم ادب کے زمانۂ جاہلیت کے دس ہزار اشعار آپ کو یاد تھے۔اُخون جی کے نام سے ملقب تھے،درس وتدریس کا شغل آخر عمر تک جاری رہا۔آستانہ مجیدیہ کی حاضری گویا معمول تھا۔

(۴۸)

مولوی احمد حسن صاحب وکیل شرعی رئیس شیخ پٹی کے تھے،صاحب درس تھے آپ کے تلامذہ میں جناب مولوی حاجی وزیر احمد صاحب بی۔اے۔(رئیس ٹونک والا)جونہایت عابدومتورع گوشہ نشین بزرگ ہیں حی وقائم ہیں۔

(۴۹)

مولوی محمد اسحاق صاحب دہلوی:آپ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے نواسے ہیں۔ تحصیل وتکمیل علوم بھی شاہ صاحب سے کی۔حدیث وتفسیر وفقہ میں خاص قابلیت حاصل تھی،آپ نے رسالہ ’مسائل اربعین‘ لکھ کر حیات انبیاعلیہم السلام وجواز استمداد حضور سید عالمﷺ سے بہ وقت زیارت وعلم وسماع حضور سید عالمﷺ وسلام وکلام زائرین بہ حضور سید المرسلینﷺ کا انکار کردیا۔اگرچہ آپ مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کی طرح بالکل تقلید سے آزاد نہ ہوئے لیکن حنفیت کے پردے میں وہابیت کو خوب فروغ دیا۔یہی سبب ہے کہ آپ کے متبعین ومستفیضین میں دربار نبوت کا کافی ادب واحترام نہیں ہے۔حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ نے مسائل اربعین کا بطلان رسالہ ’تصحیح المسائل‘ میں نہایت واضح ومشرح طور پر ثابت کیا۔جب مولوی صاحب کے عقائد پر ہر طرف سے انگشت نمائی ہونا شروع ہوئی تب آپ نے اپنی شخصیت میں خاص اضافہ فرمانے کے لیے ہندوستان سے مکہ معظّمہ کو ہجرت کی اور وہیں ۱۲۶۲ھ[۱۸۴۶ء] میں انتقال کیا۔

(۵۰)

حضرت زبدۃ الاخیار مولانا شاہ محمدی بیدار قدس سرہٗ آپ بڑے صاحبزادے شیخ عین الدین صاحب فریدی فاروقی بدایونی کے ہیں۔آپ کی والدۂ ماجدہ اولاد امجاد حضرت خواجہ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے تھیں،آپ نے اپنی نانہال فتحپورسیکری ہی میں پرورش پائی،دہلی میں تحصیل وتکمیل علوم ظاہری وباطنی کی فرمائی۔آپ ہندوستان کے مشاہیر اولیائے کرام میں ہیں،حضرت مولانا فخر الملۃ والدین قدس

سرہٗ سے خلافت و اجازت حاصل کر کے دار الخلافت اکبر آباد [آگرہ] میں سجادۂ ارشاد حضرت شیخ سلیم چشتی کو رونق بخشی۔ ہزار ہا بندگان خدا کو فیض پہنچایا۔ شاعری میں بلند پایا رکھتے تھے، دیوان فارسی و اردو مرتب ہے۔ بمقام آگرہ بماہ ذی الحجہ ۲۷ر تاریخ کو ۱۲۱۰ھ [جولائی ۱۷۹۶ء] میں وصال ہوا۔ مزار شریف قریب اکبری مسجد زیارت گاہ خلائق ہے۔ بالین مزار پر یہ تاریخ کندہ ہے:

بیدار کہ بود فخر اہل عرفاں — ہر گہ کہ ازیں سرائے فانی بگذشت
تاریخ برائے رحلتش ہاتف بگفت — آں ہادی آفاق بحق واصل گشت

☆☆☆

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

اکمل التاریخ

۱۳۳۳ھ

حصہ دوم

یعنی

سوانح فضل رسول

۱۳۳۱ھ

خداوالوں کی پاک زندگی کا روشن مرقع ،مدینۃ الاولیا بدایوں شریف کے اکابر کے حالات کا نورانی آئینہ

حضرت ذوالنورین کی اولاد واعقاب کا مطلع گہوارہ

حضرت سیف اللہ المسلول مولانا شاہ معین الحق فضل رسول قادری قرشی عثمانی بدایونی قدس سرہٗ

کی مبارک زندگی کا خلاصہ

مرتبہ

مولوی محمد یعقوب صاحب ضیاؔ قادری بدایونی

حسب فرمائش

عالی جناب معلی القاب نواب خواجہ سید غلام محمد حفیظ اللہ خان صاحب بہادر قادری معینی

حیدرآبادی مدظلہ

باجازت

حضرت مولانا حکیم محمد عبد الماجد صاحب قادری

باہتمام

مولوی عبد الصمد صاحب سروؔر قادری بدایونی

در مطبع قادری بدایوں مولوی محلّہ

رونق طبع یافت

ولادت اور تعلیم

[ولادت:]

صفر کا مبارک مہینہ جو دراصل ربیع الاوّل شریف کا نوید رساں اور حضور رحمت عالم ﷺ کی ولادت با سعادت کے پاک مہینے کا مقدمۃ الجیش اور خوش خبری کا پہنچانے والا ہے۔ سنہ ہجری کی بارہ صدیاں گزار کر تیرہویں برس مدینے کی سدا بہار وادیوں سے گزر کر نخلستان مدینہ کی سرد سرد ہواؤں کی آغوش میں راحت گزیں ہو کر اس دھوم دھام اور تزک و احتشام سے دیارِ ہند میں جلوہ افروز ہوا کہ مدنی چاند کی تجلیاں 'مدینۃ الاولیا' بدایوں شریف کی گلیوں میں بے حجاب نظر آنے لگیں۔ انوار رسالت اور برکات نبوت نے حرم سرائے عین حق کو اپنے سائے میں لیا، بغداد کی سنہری بدلیاں کاشانۂ قادری پر لہرانے لگیں۔ نیک ساعت، مبارک گھڑی قریب آئی، محل قدس منزل سے مژدہ رساں خوش خبریاں لائے کہ آج حضور اچھے صاحب کی بشارت، سرکار قادریت کی نوید پوری ہوئی یعنی عین عرفان الٰہی حضرت عین حق کے قرۃ العین وجود میں تشریف لائے۔

مولانا عبدالحمید قدس سرہٗ الوحید نے پوتے کی ولادت کی مسرت افزا خبر سن کر سجدۂ شکر ادا فرمایا۔ مُلہِم غیب نے مبارک باد دی کہ 'ظہور محمدی' ہوا۔ آئینہ جمال محمدی بے نقاب ہو کر اپنے محبوب کے وجودِ سراپا جود کے فروغ کا باعث ٹھہرا۔ ماں کی مرادیں بر آئیں، مدت سے فرزند دل بند کو گودیوں میں کھلانے کی آرزو تھی، سعادت مند بیٹیاں اگر چہ دل کی ڈھارس کا ساز و سامان پیشتر سے موجود تھیں، لیکن تمنائیں ہمیشہ اس پر مچل کر رہتی تھیں کہ کاش کوئی بیٹا چراغ کاشانۂ دولت ہو اور آغوش مادر کی زیب و زینت کا سبب ٹھہرے۔ اِس ارمان کا احساس حضرت سیدی شاہ عین الحق قدس سرہٗ المجید کو بہ خوبی تھا۔ اہلیہ محترمہ کی اس پاک آرزو کو حضور اچھے میاں کی بارگاہِ قدس منزل میں پہنچانے کا تقاضا بھی بکمال اصرار ہو چکا تھا، لیکن جوش ادب مہر خاموشی بنا ہوا تھا، یہ تقاضائے ادب اُس سرکار کے روشن قلب میں پہلے ہی عکس افگن ہو چکا تھا اور فرزندِ نرینہ کی

بشارت مع اقدس تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ قبل اس کے کہ مکان سے اس مولودِ مسعود کی خبر مارہرہ مطہرہ میں پہنچے حضرت سید الاولیا حضور اچھے صاحب نے مبارک باد کے طور پر خوش خبری ولادت حضرت مولانا شاہ عبد المجید صاحب کے گوش گزار کر دی تھی۔ نہ صرف خوش خبری بلکہ آئندہ اس نو نہال کے فضل وکمال اور حسن مآل کی بشارت بھی دے دی تھی۔ چنانچہ بعد ولادت خود حضور پُر نور نے اس تصویرِ فضل وکمال کا نام 'فضل رسول' رکھا اور معنوی طور پر اپنا فرزند قرار دیا۔

جس بچے پر حضور اچھے میاں رحمۃ اللہ علیہ جیسے قطب وقت اور غوث زماں کی نظر شفقت ہو، حضرت مولانا شاہ عین الحق قدس سرہٗ جیسے ولی الاولیا باپ کی محبت آمیز نگاہیں پڑتی ہوں، حضرت مولانا شاہ عبد الحمید قدس سرہٗ الوحید جیسے مقدس خدا رسیدہ دادا نے تربیت کی ہو، جس کی ماں خود رابعہ عصر ولیہ روزگار ہو اُس کی آئندہ ترقی مدارج خود بہ خود آئینہ ہوئی جاتی ہے۔

ایام رضاعت بزرگ ماں کی گود میں بسر ہوئے، دادا نانا کے پاک وجود موجود تھے۔ بزرگ گھرانوں میں جیسی کامل اور پاک تربیت ہوتی ہے وہ ہوئی، بزرگی کے آثار بچپن ہی میں غازۂ رخسار بنے ہوئے تھے۔ چار برس کی عمر ہوتے ہی مکتب کی رسم ادا ہوئی، مقدس دادا نے 'بسم اللہ' کیا شروع کرائی کہ پوتے کی زبان کو خزائنِ علوم کی کلید بنا دیا۔ تاجدار مارہرہ کی باطنی توجہ اور بزرگ دادا کی ظاہری تربیت سونے پر سہاگے کا کام کر گئی۔ بزرگ باپ کو اوّل تو حضوریٔ شیخ کی لذت نے دنیا و مافیہا سے بے تعلق کر دیا تھا، اچھے صاحب کی اچھی صورت تھی اور اُس پاک وجود کا شوقِ دیدار۔ دوسرے مقدس دادا کی موجودگی میں باپ کی توجہ خاص بھی ضروری نہیں اِسی سبب سے ابتدائی تعلیم وتربیت حضرت مولانا کی قبلۂ اربابِ حقیقت، واقف اسرار توحید حضرت مولانا شاہ عبد الحمید قدس سرہ الوحید نے فرمائی۔ آپ کا فیض تعلیم خداداد برکتوں کا سرچشمہ تھا، جو اس بحر کرم کا موج آشنا ہوا اور مالا مال ہو گیا، جس نے شرف تلمذ حاصل کیا دولت علم سے دامن بھر لیے۔ حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] خود فرماتے ہیں کہ:

> خاکسار اکثرے از کتب صرف ونحو بہ آں حضرت خواندہ است۔ عجب برکتے وحسن تربیتے بود کہ من بعد مشاہدہ نگردید آں چہ بہ ہیچ مداں مرحمت فرمودہ اند ہمہ اثر آں برکت وتربیت آں حضرت است۔
>
> [ترجمہ: اِس خاکسار نے صرف ونحو کی اکثر کتابیں آپ (شاہ عبد الحمید) سے پڑھی ہیں، ایسی عجیب وغریب برکت اور حسن تربیت تھی کہ جو آپ

کے بعد کسی میں نظر نہیں آئی۔ اِس ہیچ مداں کو جو کچھ عطا ہوا ہے وہ سب
آپ کی اسی برکت اور تربیت کا اثر ہے۔]

سفر لکھنؤ:

گیارہ برس تک دادا کا آغوش محبت دامن گیر رہا، شفقت و پیار نے نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ بارھویں سالگرہ ہوتے ہی تحصیل علم کے ولولے اُمنگیں لینے لگے، جذبات نے ابھرنا شروع کیا، شوق تعلیم نے طلب العلم فریضۃٌ [ترجمہ: علم کا حاصل کرنا واجب ہے۔ الحدیث] کا نورانی صحیفہ پیش نظر کیا۔ حضرت علم کے حسن وشباب نے قیامت کی ادائیں، غضب کے انداز دکھائے کہ ایک دوازدہ سالہ بندۂ عشق کو خود رفتہ و بے خود بنا کر چھوڑا۔ جوش اضطراب و شوق حصول علم نے اجازت کی بھی مہلت نہ دی، بے تابانہ پیادہ پا قصد سفر فرما دیا۔ اس پر طرہ یہ کہ محض توکل پر بے سروسامانی کے ساتھ گھر سے چل دیے۔

اُس زمانے کا سفر کوئی معمولی سفر نہ تھا۔ بدایوں سے براہ داتا گنج شاہجہاں پور ہو کر لکھنؤ کو لوگ جایا کرتے تھے۔ آپ بھی اِسی راستے پر ہو لیے۔ محلّہ شہباز پور میں جس وقت آپ پہنچے اتفاق سے شیخ نظام الدین عرف شیخ چھدو صاحب فاروقی فریدی (رئیس محلّہ) کی نظر آپ پر جا پڑی، خلاف عادت تنہا دیکھ کر دوڑے ہوئے آئے، دریافت کیا ''صاحبزادے صاحب! کہاں کا قصد ہے؟''، فرمایا ''لکھنؤ تحصیل علم کا شوق لیے جا رہا ہے''، شیخ صاحب نے متعجب ہو کر پوچھا کہ ''نہ آپ کے ہمراہ کوئی شخص ہے، نہ کچھ ساز وسامان ہے، اتنا طویل سفر پیدل کیوں کر طے ہوگا؟'' فرمایا ع

خدا خود میر سامان ست ارباب توکل را

شیخ صاحب نے قرینے سے معلوم کر لیا کہ آپ کے پاس زادراہ کچھ نہیں ہے۔ فرط عقیدت سے دو روپے نذر پیش کی اور عرض کیا کہ ''حضور کے والد ماجد کا کفش بردار ہوں، اس حقیر نذر کو رد نہ فرمایا جائے''، آپ نے ہر چند منع فرمایا لیکن ارادت مندانہ اصرار نے مجبور کر دیا، نذر قبول فرمائی اور تعجیل کے ساتھ آگے کو قدم بڑھایا۔ شاہراہ پر شاہ عبدالحق صاحب سے (جو حضرت آقائے نعمت اچھے صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے تھے اور مارہرہ مطہرہ میں آپ کے والد ماجد کے فیض صحبت سے شرف یاب رہا کرتے تھے) ملاقات ہوئی، وہ بھی یکہ و تنہا ساتھ ہوئے۔

حضور نے جس شان اور توکل کے ساتھ ذات الٰہی پر تکیہ کیا، ویسے ہی شان عطا کا اُدھر سے

ظہور رہوا۔ پہلے دن شام کے وقت جب آفتاب غروب ہوگیا اور منزل پوری ہوئی، صحرا میں دور تک آبادی کا نشان نظر نہ آیا، مجبوراً لب راہ ایک مقبرے میں قصد قیام فرمایا۔ شاہ صاحب بار بار دل ہی دل میں آپ کی اس کم عمری پر خیال کرتے اور مصائب سفر پر غور فرماتے، کبھی منزل اول میں بے آب و طعام رہنے سے غمگین و ملول ہوتے، چہرے کا رنگ تفکرات کے ہجوم سے متغیر ہو جاتا، اُداسی و پریشانی میں مبتلا تھے۔ یہاں تک [کہ] وقت نماز عشا قریب آ گیا، شاہ صاحب کو اس درجہ متردد و ملول پا کر آپ نے سبب دریافت کیا پھر خود ہی فرمایا کہ ''شاہ صاحب خداوند عالم مُسبِّب الاسباب اور رزاق مطلق ہے، سفر میں اکثر ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، زیادہ فکر و ہراس خدا کی رحمتوں سے ناامیدی کا سبب نہ ہو جائے، دیکھیے پردۂ غیب سے کوئی سامان ہو جائے گا''۔ باہم یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک جانب سے کسی سواری کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی، شاہ صاحب نے مقبرے سے باہر نکل کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ سامنے سے ایک رتھ تیزی کے ساتھ آ رہا ہے، مقبرے کے قریب آ کر رتھ رک گیا، ایک شخص اندر فروکش تھے اور گاڑی بان سامنے بیٹھا ہوا تھا، اندر جو بزرگ بیٹھے ہوئے تھے اُنہوں نے بہ آواز بلند خادم (یعنی گاڑی بان) کو حکم دیا کہ ''یہ خوان اس روضے کے اندر پہنچا دے تاکہ مہمان نووارد اس کو تناول فرمالیں''۔ خادم خوان سر پر رکھ کر مقبرے کے اندر گیا اور جہاں یہ دونوں بزرگوار تشریف رکھتے تھے خوان رکھ کر واپس ہو گیا۔ سواری بہ عجلت تمام جدھر سے آئی تھی اُسی طرف کو روانہ ہو گئی۔

شاہ صاحب نے یہ ماجرا دیکھ کر اور سواری نشین بزرگ کی گفتگو سن کر شکریۂ حق سبحانہ تعالیٰ ادا کیا۔ جس وقت خوان پوش اُٹھایا دیکھا کہ ایک قاب میں نہایت لطیف اور گرم حلوا موجود ہے، دوسری طرف ایک صراحی آب سرد سے لبریز رکھی ہوئی ہے۔ یہ عطیۂ الٰہی آب و حلوا من و سلویٰ سمجھ کر دونوں حضرات نے خوب آسودہ ہو کر کھایا، طبیعت میں تازگی آئی۔ جب تکان دور ہوئی فریضہ الٰہی ادا کیا، رات وہیں گزاری، صبح کو وہاں سے آگے کو روانہ ہوئے۔ جب تک کسی قدر ٹھنڈک رہی اطمینان سے سفر طے کیا۔ دوپہر کو جب تمازتِ آفتاب نے پوری ترقی کی زمین بھی تپنے لگی، گرمی کی شدت، سفر کی حرارت، اُس پر بھوک پیاس کا غلبہ دو قدم چلنے کی طاقت باقی نہ رہی۔ اِن مصائب و نوائب نے قریبِ ہلاکت پہنچایا۔ شاہ صاحب اگرچہ سن رسیدہ، مستقل مزاج بزرگ تھے، لیکن حضرت مولانا کی یہ حالت دیکھ کر بے انتہا پریشان ہوئے۔ اکثر اس راہ سے آمد و رفت کا

اتفاق ہو چکا تھا، کوئی جائے امن راستے میں بھی پہلے نہ دیکھی تھی اس وجہ سے اور بھی سخت مایوس تھے کہ کیا کیا جائے۔ مگر خدائے قدوس کی قدرت کے قربان جایئے کہ تھوڑی دیر کے بعد ہی سرِ راہ ایک باغ پر تکلف نظر آیا، شاہ صاحب اوّل تو یہ سمجھے کہ شاید راستہ بھک گئے دوسرے راستے پر آ لگے۔ پیشتر کبھی اس راہ میں باغ کا نشان نہ دیکھا تھا، مگر فوراً ہی خیال آیا کہ یہ نعمت بھی نعمائے الٰہیہ میں سے حضرت مولانا کی برکت سے رونما ہوئی ہے۔

دونوں صاحب باغ کے اندر پہنچے، حوض پر جا کر ہاتھ منھ دھویا، وضو کیا، باغ کے فرحت افزا منظر سے غنچۂ خاطر شگفتہ ہوا، درختوں کی سرسبزی و شادابی طائر خیال کو مدینے کے سبز گنبد تک پہنچانے کے لیے خضر راہ بنی، لب حوض گنجان درختوں کے سائے میں ہوائے سرد کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکوں نے استراحت کرنے پر مجبور کیا، سبزۂ خوابیدہ کی قسمت جاگی دونوں بزرگوں نے آرام فرمایا۔

زوال کا وقت گزر گیا، مگر کوئی باغبان یا محافظ نظر نہ آیا، تمام درخت پُر از برگ و بار، تمام اشجار میوہ دار، مگر نہ کوئی محافظ نہ چوکیدار جو اجازت دے۔ شاہ صاحب نے روشوں پر نظر دوڑانا شروع کی، دور دور تک جا کر دیکھا۔ جو کوئی معلوم نہ ہوا تو مجبور ہو کر قیمت سے زیادہ دام ایک چار پائی پر جو وسط باغ میں بچھی ہوئی تھی رکھ کر افتادہ پھل اُٹھائے اور مولانا کی خدمت میں پیش کیے۔ لیکن حقیقت واقعہ اور اس باغ کی اصل کیفیت اُس وقت ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھی، اثمار لذیذ نے کچھ عجیب حلاوت بخشی کہ دنیا کے سارے میوے ذائقے کے اعتبار سے نظروں سے گر گئے۔

دراصل یہ باغ باغبان ازل کی رحمت خاص سے اپنے خاص متوکل بندے کی خاطر صورت آشکار ہوا تھا۔ یہاں سے پھر کوچ کیا، راستے میں جہاں کوئی ایسی ہی منزل پیش آئی کوئی نہ کوئی سامان پردۂ غیب سے ظہور پذیر ہو گیا۔ دو روپے جو نذر میں ملے تھے راستے بھر فقرا اور مساکین کو تقسیم ہوتے رہے، یہاں تک کہ چوتھے دن حوالی لکھنؤ میں پہنچے۔

درس گاہ مولانا نور الحق صاحب:

شب گزاری کے بعد صبح کو سلطان العلما حضرت مولانا نور الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ مولانا خود چشم براہ کسی کی آمد کے منتظر ہیں، جس وقت آپ پر نظر پڑی بکمال تکریم و محبت بڑھ کر سینے سے لگایا، پیشانی کو بوسہ دیا اور نہایت فخر و مباہات کے

ساتھ اظہار مسرت فرمایا۔ اکابر علمائے فرنگی محل نے یہ سن کر کہ حضرت مولانا شاہ عین الحق عبد المجید صاحب بدایونی کے صاحبزادے بارہ برس کی عمر میں اس سج دھج سے تحصیل علوم کے لیے تشریف لائے ہیں جوق [در] جوق آنا شروع کیا اور ہر طرف سے شفقت و پیار کی نظریں آپ پر پڑنا شروع ہوگئیں۔ ہر بزرگ آپ کی جبین روشن کو دیکھتا اور فرماتا کہ "یہ بچہ خدا جانے آئندہ کس مرتبہ فضل و کمال کو پہنچے گا"۔

یہی ہوا کہ آپ نے تین برس فرنگی محل میں رہ کر شفیق اُستاذ کی مخصوص عنایت کے باعث جملہ علوم معقول و منقول سے فراغ تام حاصل کیا۔ بزرگ اُستاذ کو اپنے گرامی قدر شاگرد سے کمال درجہ اُنس تھا اور ہمیشہ نہایت فخر کے ساتھ آپ کے ملکۂ قدسیہ کا تذکرہ فرماتے اور خوش ہوتے۔ خداداد ذہانت کی تعریف فرماتے اور جدید طلبہ جو حلقۂ درس میں آکر شریک ہوتے وہ مولانا کے سپرد کیے جاتے۔ جماعت سے جداگانہ مخصوص اوقات میں یکہ [و] تنہا آپ کو سبق پڑھاتے اور اپنے سامنے تکرار کراتے۔ جید طلبہ سے کسی خاص مسئلے میں تقریری مناظرہ کراتے اور مولانا کے زورِ تقریر اور قوتِ استدلال سے بے انتہا مسرور ہوتے۔

آپ کی قوت حافظہ اتنی زبردست تھی کہ ایک مرتبہ جو مطالب اُستاذ کی زبان سے سن لیتے کبھی فراموش نہ ہوتے، جس فن کی کتاب شروع کرتے بہت قلیل عرصے میں اُس کے دقائق و غوامض پر عبور ہو جاتا۔ پندرہ برس کی عمر میں اگر ایک جانب معقول کے معراج کمال پر آپ کا قدم تھا تو دوسری طرف دینیات کی انتہائی منزل میں آپ کی رسائی ہو چکی تھی۔ اُستاذ کی دلی مسرتوں کی کوئی انتہا نہ رہی تھی، شاگرد کی قابلیت کے سکے بیٹھے ہوئے تھے، بڑے بڑے فلسفی و معقولی نگاہیں بچا کر چلتے تھے۔

رسم دستار بندی:

یہاں تک کہ جمادی الثانی ۱۲۲۸ھ [اگست ۱۸۱۳ء] کا مہینہ آیا، یہ وہ مہینہ ہے کہ حضرت قطب الآفاق مخدوم شاہ عبد الحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک پندرہ سے سترھویں تاریخ تک ردولی شریف میں ہوتا ہے۔ اُس زمانے میں خدا والوں کے غول علمائے کرام کے مجمع اعراس کی زیب و زینت کا سبب ہوتے تھے۔ اُستاذ مطلق حضرت سلطان العلما مولانا نور الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیارے شاگرد کو حکم دیا کہ ردولی شریف ہماری ہمرکابی میں چلنے کے لیے تیار ہو۔ خاندان کے معزز

اراکین، خدام اور طلبہ کی جماعت بھی ہمراہ ہوئی، عرس شریف کی برکتوں سے یہ قافلہ مستفیض ہوا۔

سترھویں تاریخ جو خاص قُل کی تاریخ تھی فرنگی محل کے اس نورانی وجود نے صبح کو مواجہہ مزار شریف میں ایک مجلس ترتیب دی۔ تمام اکابر وقت اور علما و مشائخ عصر، حاضرین عرس خاص مجلس کی شرکت کے لیے تشریف لائے۔ جب مجمع کافی ہو گیا اور مجلس حاضرین کی کثرت و ہجوم سے بخوبی پُر ہوگئی۔ حضرت سلطان العلما نے کھڑے ہو کر اوّل صاحبِ آستانہ سے استعانت فرمائی اور مولانا کو اپنے پیش نظر بلا کر کھڑا کیا۔ اس کے بعد مولانا عبدالواسع صاحب (۱) مولانا عبدالواحد صاحب خیر آبادی (۲) مولانا ظہور اللہ صاحب فرنگی محلی (۳) و دیگر اکابر موجودۂ مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ''آج یہ مجلس صرف اس لیے منعقد کی گئی ہے کہ آپ حضرات کے سامنے ان صاحبزادے کا امتحان ہو جائے، جملہ علوم و فنون میں جو بزرگ چاہیں بلا تکلف جانچ و پڑتال کر سکتے ہیں''۔ اُس کے بعد علمائے کرام سے اصرار فرمایا کہ آپ حضرات سوال کریں۔ بعض اصحاب نے اشارتاً، بعض نے امتحاناً مسائل دقیقہ باتوں باتوں میں دریافت بھی کیے اور جودت طبع کو نگاہوں میں جانچ لیا۔ بھری محفل میں اَحسَنتَ و آفریں کے ساتھ آپ پر نگاہیں پڑنے لگیں، ہر شخص کی زبان سے کلمات استعجاب جاری تھے۔

اس کے بعد حضرت مکرم سلطان العلما نے آپ کی رسم دستار بندی ادا فرمائی، سند خاص میں اجازت درس جملہ علوم نقلیہ و عقلیہ کی تحریر فرمائی اور دست دعا بلند کیے۔ صاحب مزار کا روحانی تصرف ان سراپا برکت دعاؤں کو باب اجابت تک لے اڑا، مشائخ و سجادہ نشینان محفل نے آمین کہی۔ اس شان کی دستار بندی بھی شاید کسی فرد کامل کی ہوئی ہو تو ہو، ورنہ حقیقتاً یہ ادا بھی سب سے انوکھی اور جداگانہ تھی۔

عرس شریف کے اختتام کے بعد مجلس علم کا یہ سراپا نور قافلہ سالار مع خدم و حشم اپنے جائے اقامت یعنی لکھنؤ تشریف فرما ہوا۔ وہاں اس نونہال چمن بغداد کو تجلیات قدس کی قد آدم شبیہ یعنی حضرت مولانا احمد انوار الحق رحمۃ اللہ علیہ کی رونمائی کے لیے پیش کیا۔ نور نظر کی آبیاریٔ فیض کا ثمرہ جس وقت قبلۂ حاجات باپ کے سامنے آیا فرط مسرت سے چہرے کا نورانی رنگ ارغوانی ہو گیا، مولانا کو قریب بلا کر خیر و برکت کی دعائیں دیں، فرمایا ''صاحب زادے! ایک دن آنے والا ہے

---

(۱)(۲)(۳) ان حضرات کے حالات کے لیے ملاحظہ کریں صفحہ 365 حاشیہ ۱/۲/۳۔

کہ حفاظت دین کا سہرا تمہارے سر پر سجایا جائے گا، مسندِ فقر و عرفان کو تمہارے دم سے فروغ ہوگا، رحمت الٰہی کا دامن تمہارے سر پر ہوگا، فرزند ارجمند مولانا نور کا نور علم تمہارے جلوۂ فیض سے تجلی بخش عالم ہوگا''۔ ان کلمات سراسر حسنات کو والد کی زبان سے سن کر مولانا نورالحق صاحب کے ہنستے ہوئے چہرے پر تبسم کی لہر دوڑ گئی اور نہایت فرحت و انبساط کے ساتھ مولانا کو جانب وطن رخصت فرمایا۔ آپ شاداں [و] فرحاں بدایوں تشریف لائے، جد امجد کی قدم بوسی حاصل کی، تین سال کی محنت کا نتیجہ یعنی سند تکمیل پیش کی، مربیانہ شفقت کے ساتھ کمال مسرت کا اظہار ہوا، لیکن جوش محبت کے ساتھ ہی فن طب کی تحصیل کا بھی سوال ہوا، جس نے فوراً ہی خرمن دل پر برق شرر بار کا کام کیا اور چندے قیام کے بعد تہیہ سفر کر دیا۔

سفر دھولپور برائے تحصیل علم طب:

اس مرتبہ دھولپور کی جانب عزم روانگی فرمایا، مکان آنے پر والد بزرگوار کی زیارت کے لیے جب مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور حضور اچھے میاں رحمۃ اللہ علیہ کی قدم بوسی اور حضوری نصیب ہوئی وہاں سے بھی تحصیل طب کا حکم ہوا۔

لکھنؤ کے طویل قیام میں مشاہیر اودھ کے حالات سے مولانا [سیف اللہ المسلول] کو بخوبی واقفیت ہوگئی تھی۔ ہر فن کے صاحب کمال کا ذکر اہل کمال کی علمی مجلسوں میں ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے، علاقہ اودھ میں اُن ایام میں امام الاطبا حکیم سید ببر علی خاں موہانی کا آوازۂ کمال زباں زدِ خلائق تھا۔ حکیم صاحب کی اسی حقیقی شہرت نے اودھ سے آپ کو دھولپور کی ریاست میں پہنچایا اور قدردانی کے ہاتھوں آپ کی کماحقہ عزت افزائی کی گئی۔ حضرت مولانا [سیف اللہ المسلول] کی ترنگ اشتیاق کب نچلی بیٹھنے والی تھی، آپ بھی بدایوں سے دھولپور پہنچے اور حکیم صاحب سے کتب طب کا آغاز کیا۔

حکیم صاحب نہایت نازک دماغ اور قلیل الدرس تھے، اول تو آپ خود تاوقتے کہ طلبا کی قابلیت کا اطمنان نہ ہو اور مزاج کے موافق روشن دماغ شاگرد نہ ملے سبق دینے سے انکار و عار کرتے تھے۔ دوسرے آپ کی نازک دماغی سے طالب علم مایوس ہوکر تہی دامن واپس ہوتے تھے۔ لیکن مولانا [سیف اللہ المسلول] کی جدت فکر اور جودت طبع نے حکیم صاحب کو بھی اپنا گرویدہ کرلیا اور اپنی ساری توجہ علماً اور عملاً آپ پر مبذول فرمائی۔

ایک دن سبق میں تشخیص نبض کی بحث آ گئی، بہت دیر تک حکیم صاحب سمجھاتے رہے، مگر

مولانا [سیف اللہ المسلول] کی تسکین خاطر نہ ہوئی، حکیم صاحب نے فرمایا کہ "نبض کی تحقیق و تشخیص کے لیے ضروری ہے کہ طبیب کی اُنگلیاں کم سے کم ستار کے پردوں کی شناخت رکھتی ہوں"۔ حکیم صاحب کی زبان سے یہ فقرہ سنتے ہی مولانا [سیف اللہ المسلول] نے کتاب بند کی اور مطب سے اُٹھ آئے، اُسی وقت سے فن موسیقی کے کسی باکمال شخص کی جستجو شروع کر دی۔

سفر گوالیار:

اسی تلاش میں دھولپور سے آپ گوالیار آئے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ راجہ کے ندیموں میں اِس فن کا ایک ماہر موجود ہے۔ آپ نے تبدیل وضع فرما کر اول اُس شخص پر اپنا پورا اعتماد قائم کیا۔ اُس کے بعد کئی مہینے کی متواتر کوشش سے اِس فن میں مہارت تامّہ حاصل کی۔ دن کو اکثر آپ گوالیار کی پہاڑیوں میں تشریف لے جاتے اور نباتات کے خواص کی تحقیق فرماتے، شب کو وقت مقررہ پر جب آمد و رفت بند ہو جاتی اور سونے کا وقت آ جاتا اُس صاحب فن کے پاس پہنچتے اور اُس سے اخذ فن کرتے۔ غرض جب تقویت خاطر ہو چکی، گوالیار سے واپس ریاست دھولپور آئے، مطب سے اس قدر عرصے تک علیحدگی میں علم نباتات اور فن موسیقی کی تحصیل کے علاوہ ریاضت و نفس کشی کی عادت بھی آپ کا جوہر ذاتی ہو گیا تھا۔

حکیم صاحب مولانا کو دیکھ کر اول تو اس طویل غیر حاضری کے باعث ناراض ہوئے مگر جب واقعات کا علم ہوا تو پہلے سے زیادہ شفقت فرمانے لگے اور پھر سلسلۂ اسباق شروع کر دیا۔ غرض دو سال کی محنت اور تجربۂ مطب نے آپ کو مشاق طبیب بنا دیا۔ اِس فن شریف کے لیے بھی حکیم علی الاطلاق نے آپ کو وہ دماغ عطا فرمایا تھا کہ اگر ارسطو آج دنیا میں موجود ہوتا تو آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتا۔ بقراط و سقراط کے دماغ آپ کے دماغ کے ایک گوشے میں پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اطبائے عصر کو تو ہرگز آپ سے کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ تشخیص امراض کی ایسی مثالیں جو ہم نے کسی دوسری جگہ لکھی ہیں طب کی تاریخ کے صفحے کے صفحے اُلٹ جائیں کہیں نظر نہ آئیں گی۔

دست حق پرست میں جوہر شفا کا وہ جان بخش مادّہ شافی مطلق نے ودیعت رکھا تھا کہ جس مریض پر ہاتھ رکھ دیا صحت یاب ہو گیا، جس کو خاک اُٹھا کر اپنے پاک ہاتھوں سے دے دی اکسیر بن گئی، اب تک آپ کے طبّی کمالات اہل بدایوں کی زبانوں پر ہیں۔ بعض واقعات بطور "مشتے نمونہ از خروارے" ہم دوسرے موقع پر ناظرین کے پیش نظر کریں گے۔ یہاں صرف تعلیمی حالت

کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔

حکیم صاحب نے بھی نہایت خندہ پیشانی اور کمال افتخار کے ساتھ آپ کو سند عطا فرمائی اور وطن کی واپسی کی اجازت دی۔ آپ گلہائے مراد دامان آرزو میں چُن کر اور عروس مدعا کو آغوش تمنا میں لے کر رونق افروز وطن ہوئے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ آپ کے جد امجد خاندان بھر میں سب سے بزرگ، سب کے سروں پر سایہ گستر دنیا میں موجود ہیں۔ چھہتّر [۷۶] سال سے عمر تجاوز کر چکی ہے، والد بزرگوار بادۂ الفقر فخری کے نشے میں مست و مدہوش فنافی الشیخ کی منزل کو میخانہ عشق سمجھ کر محو طواف ہیں۔ مارہرہ کی مقدس خانقاہ ہے اور اُس پاک نفس کو شب و روز آستانہ بوسی کی ہوس، پیر کا جلوۂ جمال ہے اور اس طرف نظارہ پرست نگاہیں۔ نہ اپنی خبر نہ اپنے متعلقین کا ہوش۔ بیٹے نے کیا کمال حاصل کیا؟ کیا دولت پائی؟ اگر چہ روشن ضمیر قلب سے پوشیدہ نہیں لیکن بظاہر کچھ خیال بھی نہیں، شیخ کا فرمودہ کہ:

فضل رسول ان شاء اللہ امام الافاضل خواہد بود

[ترجمہ: ان شاء اللہ فضل رسول (اپنے وقت کے) فضلا کا امام ہوگا۔]

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

آیت حدیث ہے۔ یقین واثق ہے کہ ترقیوں کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا [ترجمہ: مَیں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ الحدیث] کے صاحب فرمان کا لخت جگر جو کہہ چکا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ ہاں اگر کبھی کبھی خلوت و جلوت میں خود حضور اچھے صاحب اپنی زبان مبارک سے فرزند ارجمند کا کچھ تذکرہ فرماتے ہیں یا حال دریافت کرتے ہیں تو کچھ یاد آ جاتی ہے، وہاں طب کی تکمیل بیٹے نے کی یہاں مژدہ پہنچایا گیا کہ ''مولانا مبارک ہو، ہمارے فضل رسول کو جہاں خدا نے طبیب بنایا وہاں دست شفا بھی عطا فرمایا، مولیٰ تعالیٰ ہزاروں بندگان خاص کی اس ذریعے سے بھی حاجت برآری فرمائے گا''۔ یہ دل خوش کن نوید سن کر معلوم ہو گیا کہ صاحبزادے اس فن میں بھی کامل ہو آئے۔

حالت درس و تدریس:

مولانا نے وطن آ کر اپنے آبائی قدیمی مدرسے کو (جو اُس وقت تک حضرت بحر العلوم مولانا محمد علی صاحب قدس سرہٗ کے نام کی رعایت سے 'مدرسۂ محمدیہ' کہلاتا تھا) ترقی کا ایک جدید خلعت

پہنایا۔ مسند درس آراستہ کی، خود بہ نفس نفیس سلسلۂ درس و تدریس شروع کیا، مدرسہ قادریہ کے نام سے مدرسۂ قدیم موسوم ہوا۔ علمی گھرانوں میں طلب و تحصیل علوم کا ذوق وشوق ترقی کرنے لگا، ہر طرف سے طلبہ کے گروہ، شائقین کے غول آنا شروع ہوئے۔ شہر کے معزز مشتاق علم جو اس وقت تک آرزو مند تھے مراد نصیب ہوئے۔ یہاں راقم الحروف کی وقف اضطراب تمنائیں بے خودانہ دل میں چٹکیاں لے رہی ہیں کہ میں اپنے حضور اقدس حضرت سیدی تاج الفحول رحمۃ اللہ علیہ کی روح پرور عبارت درج کر کے ناظرین کو بھی لذت تحریر سے محظوظ کروں۔

'تحفۂ فیض' میں سلسلۂ درس کی افتتاحی حالت کے متعلق فرماتے ہیں:

> ہمیں کہ بر مسند افادہ و استفادہ قدم نہادند و باب درس و تدریس بر روئے طالباں کشادند جوش طلب علم در دل ہمکناں از اہل بلدہ و نواح آں سر زدہ کہ ہر یکے از اصاغر و اکابر محلات بلدہ ہذا برائے تحصیل علوم از غلبۂ شوق تام بمدرسہ علیہ حاضر آمدہ از حضور اقدس رضی اللہ تعالیٰ عنہ استفادہ خواستند و برائے اجابت مامول خود ہا بر خاستند۔ حضور اقدس ابی و مرشدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باجرائے افاضات درس تدریس طلبہ را فخر تمام تر بخشیدند تا آنکہ آوازۂ کمال تبحر علمیہ حضور اقدس رضی اللہ تعالیٰ عنہ باطراف و اکناف رسید و از ہر جانب جوق جوق جماعت طلبہ علوم از بلاد و امصار حاضر مدرسہ علیہ گردید۔ گویا دریائے فیوض علمیہ منبسط شدہ و چشمہ آب حیات برائے تشنگان فضل و کمال رواں گشتہ کہ صدہا مردمان تکمیل علوم ساختند و بحصول فراغ پر داختند۔
>
> [ترجمہ: جیسے ہی آپ نے مسندِ افادہ و استفادہ کو زینت بخشی اور طلبہ کے لیے درس و تدریس کا دروازہ کھولا تو اہل شہر اور مضافات والوں کے دلوں میں طلب علم کا جوش پیدا ہوا، اس شہر کے مختلف محلوں سے ہر چھوٹا بڑا حضرت (سیف اللہ المسلول) سے علم حاصل کرنے کے شوق میں مدرسہ قادریہ میں حاضر ہوا، یہ لوگ آپ سے استفادہ کرنے لگے اور اپنی امید کو پورا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ حضرت ابی و مرشدی (سیف اللہ المسلول) نے افاضات درس و تدریس کا اجرا فرما کر طلبہ کو مفتخر کیا۔ یہاں تک کہ آپ کے تبحر علم کی شہرت اطراف و اکناف کے دیگر علاقوں میں پھیل گئی، لہٰذا دور دراز کے شہروں سے بھی جوق در جوق طلبہ کی

جماعتیں مدرسہ قادریہ میں آنے لگیں، گویا کہ آپ کے علم کے فیوض کا دریا بہنے لگا اور تشنگان علم وفضل کے لیے ایسا چشمہ آبِ حیات جاری ہوا کہ سیکڑوں لوگ آپ سے تکمیل علوم کر کے سند فراغت سے مشرف ہوئے۔]

ابھی آپ کا حلقۂ درس صرف ابتدائی حالت میں تھا کہ آپ کی عالمگیر شہرت نے دنیائے علم میں دھوم مچادی۔ طلبہ کی کثرت سے شہر میں عجیب علمی چہل پہل نظر آنے لگی، مساجد طالب علموں سے معمور ہو گئیں، طلبہ کے قیام وطعام کی فکر نے طبع اقدس میں خلش پیدا کر دی، خود آپ جہاں تک متکفل ہو سکتے تھے ہوئے، مگر غنی ابن غنی کے تونگر دل فرزند تھے کسی طالب علم کی ذراسی تکلیف سنی اور روح بے چین ہو گئی، جہاں کسی کو آب وخورش کا شاکی پایا فوراً دل بھر آیا۔ آخر جب ان ناقابل برداشت تفکرات نے بہت مجبور کیا بغرض نفع رسانی خلق وصلۂ رحم آپ نے تعلق ظاہری کسی جگہ پیدا کرنے کا قصد کیا، جس کا ذکر بعد کو ہوگا۔ اس حالت میں بھی آپ جہاں رہے سلسلۂ درس ترقی پذیر رہا۔ اُس کے بعد جب باطنی دولت کے مختار ہوئے اور صبغة اللـه و من احسن من الله صبغة [ترجمہ: اللہ کا رنگ اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر ہے؟ البقرة ۱۳۸] کی چوکھی رنگت آپ پر پورے طور پر چڑھی جذب کی مدہوش کن پھلواریوں سے گزر کر سلوک کے مرصع تخت پر آپ نے قدم رکھا اور حرمین شریفین کی ازلی ابدی نعمتوں سے مالا مال ہو چکے۔ مدینہ منورہ کے علمی تاجدار، علمائے عالم کے سرتاج حضرت مولانا شیخ عابد مدنی انصاری اور مکہ مکرمہ کے روشن چراغ امام الائمہ سراج الامہ کے مسند کے وارث حضرت مولانا شیخ عبداللہ سراج مکی قدس سرہما (باوجودے کہ جملہ علوم وفنون میں سلسلۂ درس جاری تھا) حصول برکت کے لیے جدید اسانید حاصل فرما کر وطن میں مسند درس پر جلوہ آرا ہوئے۔ اُس وقت کی فیض بخشی احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ ہندوستان کے ہر گوشے کے طالب علم بدایوں میں نظر آنے لگے، اس سے قبل صرف ظاہری علوم کا فیض جاری تھا، اب باطنی کمالات کے سرچشمے بھی اُمڈنا شروع ہو گئے اور آپ کی ذات سراپا برکات مجمع البحرین بن کر ظاہر وباطن کی نعمتوں کی قاسم بن گئی۔ بڑے بڑے جید علما فضلا جن کے شجرۂ فضل وکمال کی شاخیں ایک عالم پر محیط ہیں آپ کے کاشانۂ علم سے فراغ حاصل کر کے اساتذۂ عصر بنے۔ قبل اِس کے کہ ہم آپ کے مخصوص ومشاہیر تلامذہ سے اپنے ناظرین کو روشناس کرائیں اوّل آپ کے باکمال اساتذہ کے مختصر حالات گوش گزار کرنا چاہتے ہیں تاکہ اُن بزرگوں کی یاد بھی از سرِ نو تازہ ہو جائے۔

☆☆☆

تذکرۂ اساتذۂ کرام

سلطان العلما اُستاذ مطلق حضرت مولانا نورالحق علیہ الرحمۃ

آپ فرنگی محل کے حرم خانہ علم کے سراج منیر ہیں، آپ کا نورانی شجرہ حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ ملک العلما حضرت مولانا قطب الدین شہید سہالوی رحمۃ اللہ علیہ (۴) کے صاحبزادۂ دوئم مولانا محمد سعید قدس سرہٗ (۵) کے پرپوتے ہیں۔ آپ نے فیض ظاہر و باطن اور مختصرات والد ماجد سے اور کسی قدر ملا محمد مبین سے تحصیل علم کی۔ لیکن خرقہ خلافت اپنے والد ماجد مولانا احمد انوار الحق (٦) ابن ملا احمد عبدالحق (۷) ابن مولانا محمد سعید قدست اسرارہم سے حاصل تھا۔ تکمیل علوم منقول و معقول حضرت مولانا بحرالعلوم اُستاذ الآفاق مُلّا عبدالعلی (۸) سے فرما کر ہمیشہ سلسلۂ درس وتدریس کو بہ کمال فروغ جاری رکھا۔

آپ کے اوقات شبانہ روز جو یاد الٰہی سے بہ اعتبار ظاہر خالی ہوتے وہ طلبہ کی خدمت میں بسر ہوتے۔ آپ کے مزاج میں حد درجہ انکساری کی شان جلوہ افروز تھی۔ آپ کی ادائے علم وتواضع مشہور انام ہوگئی تھی۔ بیعت سلسلہ قادریہ رزّاقیہ میں اپنے والد ماجد سے حاصل تھی۔ بعد وفات پدر بزرگوار ہر چند مریدین نے مسند خلافت پر بیٹھنے کا اصرار کیا لیکن آپ نے قبول نہ کیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو مسند ارشاد پر بٹھا کر خود نذر پیش کی۔

حضرت سیف اللہ المسلول سے کمال درجہ انس تھا، اکثر احباب و اقارب سے آپ کی ذکاوت و ذہانت کی تعریف فرماتے اور نہایت فخر ومباہات کے ساتھ خوش ہو ہو کر آپ کا تذکرہ کرتے، اِدھر سے حضرت مولانا [سیف اللہ المسلول] بھی (جب تک آپ زندہ رہے) برابر لکھنؤ آتے جاتے رہے۔

---

(۴) دیکھیے: صفحہ 365۔ (۵) تا (۸) کے لیے ملاحظہ کریں صفحہ 366۔

۲۳؍ربیع الاول شریف یکشنبہ ۱۲۸۳ھ [اگست؍۱۸۶۶ء] میں آپ کا وصال ہوا۔ کل شاعر نے تاریخ وصال اس طرح موزوں کی:

پئے تاریخ ترحیلش چو بسمل — در معنی بہ کلک فکر می سفت
سروش غیب ناگہ با دل زار — بسوئے حق برفتہ نورحق گفت

۱۲۸۳ھ

از شاعر دیگر

آں نور کہ بود نور انوار — در نور چو آں ظہور پیوست
دل کرد خبر زِ نور پاکش — در جلوۂ نور نور پیوست

۱۲۸۳ھ

از شاعر دیگر

علامۂ عصر مولوئ نورالحق — جاں رابا جل سپرد ہیہات اے وائے
تاریخ وفات او نمودم مرقوم — نورالانوار مرد ہیہات اے وائے

۱۲۸۳ھ

☆

امام الاطبا حکیم سید ببر علی موہانی

آپ اپنے زمانے میں یکتائے عصر سمجھے جاتے تھے، موہان کے سادات رضویہ میں فخر خاندان تھے۔ آپ کی شہرت کمال نے آپ کو ہمیشہ اعزاز و وقار کے ساتھ رکھا۔ والیٔ ریاست دھول پور کو جب آپ کے طبّی کمالات کا علم ہوا نہایت توقیر و تکریم کے ساتھ آپ کو اپنی ریاست میں بلایا اور بہت جلد آپ نے راجہ کو اپنا گرویدہ کرلیا، ریاست کے سیاسی امور میں آپ کی رائے پر عمل ہوتا۔ باوجود اس عزت وثروت کے غریب مریضوں پر بے انتہا نظر توجہ رہتی، غربا کو اجازت تھی کہ جس وقت چاہیں عرض حال کریں۔ لیکن اُمرا کے ساتھ اُسی نازک دماغی کے ساتھ کام لیا جاتا جو آپ کے مزاج میں قدرت نے ودیعت کردی تھی۔

حضرت مولانا [سیف اللہ المسلول] کے ساتھ ہمیشہ بزرگانہ شفقت کا برتاؤ رہا اور مثل اپنی اولاد کے آپ کو عزیز سمجھتے تھے۔ اگر چہ مذہباً کئی پشت سے شیعہ تھے لیکن مولانا [سیف اللہ

المسلول] کی محبت اور دربار نبوت کے فیض نے آپ کو اپنی طرف کھینچا۔ آپ معمولات کے علاوہ درود شریف کی کثرت ایک عجیب ذوق وشوق کی حالت میں فرماتے تھے، آخر ایک دن یہ مبارک شغل رنگ لایا بخت خوابیدہ بے دار ہوا، خواب میں دیدار پُر انوار حضور سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سرافراز ہوئے کہ تخت مرصع پر حضور جلوہ افروز ہیں چاروں گوشوں پر آسمانِ نبوت کے چار چاند یعنی چاروں خلفائے راشدین مستغرق تجلی جمال ہیں اور لذت ہم نشینی سے بہرہ اندوز ہیں۔

صبح کو جب بیدار ہوئے جلوۂ حق نے قلب کو روشن کر دیا، عقیدۂ باطل جو حضرات شیخین کی جانب سے دل کو تاریکی میں ڈالے ہوئے تھا حرف غلط کی طرح دور ہوا۔ فوراً عقائد باطلہ سے تائب ہو کر مذہب حقہ اہل سنت قبول کیا۔

اکبر آباد [آگرہ] میں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہیں۔ صحیح انتقال کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔

☆

رئیس العلما مولانا الشیخ محمد عابد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیف اللہ المسلول نے پہلی بار سفر حج میں جب زیارت حضور سید البشر رحمۃ للعالمین ﷺ سے عزت حضوری حاصل کی آپ سے سند حدیث لی۔ آپ مولانا احمد علی بن شیخ یعقوب سندھی کے فرزند، فقیہ ومحدث، جامع علوم عقلیہ ونقلیہ تھے۔ نواح حیدر آباد سندھ میں شہر سیون میں پیدا ہوئے، علمائے زَبید مُلک یمن سے اکتساب علوم فرمایا۔ وہاں سے صنعا میں تشریف لائے۔

وزیر یمن نے آپ کو یکتائے عصر اور علامۂ دہر سمجھ کر اپنی لڑکی کی شادی آپ سے کر دی اور آپ امام صنعا کی جانب سے مصر کی سفارت پر مامور ہوئے۔ مصر سے حب وطن کا جوش آپ کو سندھ میں لایا اور قصبہ نواڑی میں کچھ دنوں قیام کر کے ولولہ باطنی کی ترقیوں سے مضطرب ہو کر مدینۃ الرسول ﷺ میں ہجرت کر کے آ گئے۔ خدیو مصر کی جانب سے رئیس العلمائے مدینہ منورہ مقرر ہوئے۔ آپ مذہب حنفیہ کے دل دادہ و جاں نثار اور حضرت سراج الامۃ امام اعظم رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے شیدائی تھے۔

آپ کی مشہور تصانیف میں کتاب 'مواھب اللطیفة علی مسند الامام ابی حنیفة'، 'طوالع الانوار علی الدر المختار' 'شرح تیسیرالوصول الی احادیث الرسول' 'شرح بلوغ المرام'، علمی کتب خانوں کی زیب وزینت کا سبب ہیں۔ آپ نے مدینہ منورہ میں بروز دوشنبہ ماہ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ [مارچ۱۸۴۱] میں متاع جان کو جان آفریں کی جناب میں پیش فرمایا۔ جنت البقیع میں محو استراحت ہوئے۔

☆

حضرت سراج العلما مولانا عبداللہ سراج مکی علیہ الرحمة

کعبے شریف کی نورانی حریم کے اندر آپ محو تجلیات قدس ہو کر تفسیر و حدیث کا درس دیتے رہے۔ علمائے مکہ آپ کی تابش علم و فضل سے نورانیت حاصل کرتے۔ آپ کی درس گاہ کا فیض حجاز سے گزر کر شام و عراق تک جاری و ساری تھا۔ ہند میں بھی روشنائی کلک حضرت فضل رسول سے سراج مکہ کی جلوہ ریزی ہو کر رہی۔

ایام حج میں اکثر حضرت مولانا [سیف اللہ المسلول] آپ کے حلقۂ درس کے مزے لیتے، بعض اوقات سماعت حدیث کی لذت حاصل فرماتے۔ یہاں تک کہ حضرت سراج العلما نے آپ کی جبین روشن میں فضل و کمال کی چمک دیکھ کر سند خاص عطا فرمائی۔ آپ بھی حضرت امام الائمہ سراج الامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس علمی کے روشن چراغ تھے۔ آپ کا وصال مکہ معظّمہ میں ہوا۔ تاریخ وصال تحقیق نہ ہو سکی۔

حضرت مولانا [سیف اللہ المسلول] کے اساتذۂ کرام میں صرف اُن حضرات کا مختصر حال درج کر دیا ہے جن سے اپنے گھر کے علاوہ آپ نے استفاضہ کیا ہے۔ اُستاذ اول آپ کے جد بزرگوار ہیں جن کا سلسلۂ درس دور تک اپنے ہی آبا و اجداد کے احاطے کے اندر محدود چلا گیا ہے۔ آپ کے جد امجد کا تذکرہ سلسلۂ انساب میں ہم لکھ آئے ہیں۔ اِس کے علاوہ جب عرفان الٰہی کی خلوت قدس پر آپ نے قدم رکھا تو والد بزرگوار کے بارانِ فیض سے دل سیر ہو کر حصہ لیا۔ باطنی دولت ظاہری علم کے ذریعے سے بھی اس طرح تحصیل کی کہ 'فصوص الحکم' اور 'مثنوی مولانا روم' کو

بالاستیعاب والد ماجد سے پڑھنا شروع کیا اور یوں رشتہ تلمذ کو والد بزرگوار کے دامن دولت سے وابستہ کیا۔

والد ماجد کا سلسلۂ درس بوساطت حضرت بحر العلوم مولانا محمد علی (جن کا ذکر پیشتر ہو چکا) علامہ جلال الدین دوانی تک پہنچتا ہے۔ تمام سلاسل کا ذکر حضرت اقدس سیدی تاج الفحول رحمۃ اللہ علیہ نے [الکلام السدید فی تحریر الاسانید] میں (جس کو آپ نے اپنے مستفید رشید جناب مولوی محمد حسن سنبھلی کی خاطر مرتب فرمایا تھا) بخوبی لکھ دیا ہے۔ یہ تذکرہ رسالے کی صورت میں مطبع مجتبائی دہلی [سے ۱۳۰۸ھ] میں مولوی معین الدین کیفی میرٹھی نے مطبوع کرا دیا ہے، رسالہ عربی زبان میں ہے☆۔

☆☆☆

☆ راقم نے الکلام السدید کا اردو ترجمہ کیا ہے جو تاج الفحول اکیڈمی نے ۲۰۰۸ھ/ ۱۴۲۹ھ میں شائع کیا ہے۔ (مرتب)

[تذکرۂ تلامذہ]

حلقہ درس:

آپ کے تلامذہ کا ذکر ایک مشکل اور دشوار کام ہے، جس ذات ستودہ صفات نے ساٹھ برس کے قریب سلسلۂ درس کو سفر و حضر ہر حالت میں جاری رکھا ہو، جس کی شہرت کا آفتاب مشرق سے مغرب تک شعاع بار رہا ہو اُس کے تلامذہ کا حصر حیطۂ تسطیر اور احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ حالت سفر میں خصوصاً ہندوستان سے باہر جو صدہا بزرگ آپ کے علمی فیضان سے فیض یاب ہوئے اُن کا ذکر ہی کیا خاص ہند کی سرزمین میں بزمانہ سیاحت و قیام بیرون جات جو لوگ مستفیض ہوئے اُن کے اسمائے گرامی بھی معلوم نہ ہو سکے۔

آپ کے پہلو میں ایک خدا پرست اور خدا ترس دل تھا، جو ہر وقت عجز اور انکسار کا خوگر، کبر و غرور کا قاطع تھا۔ نہ آپ کے لیے کسی ایک یا ہزاروں کی شاگردی مایۂ ناز تھی نہ آپ یا آپ کے خاندان کو اپنے علو کا کبھی خیال ہوا۔ آج کل جیسے جاہ پرست مولویوں کا وہ زمانہ نہ تھا جو مسجد کے ممبروں پر وعظ کی مجلسوں میں بیٹھ بیٹھ کر اپنی تعریفوں کے خطبے خود اپنی زبان سے کرتے ہیں یا اجرتی منادیوں کے ذریعے سے اپنے مناقب طشت از بام کراتے ہیں۔

اُس زمانے کے پاک نفوس بالخصوص ہمارے حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] کی ذات گرامی صفات ان تخیلات سے ہمیشہ نفور رہی۔ آپ سے ہزاروں نے استفادہ و استفاضہ کیا مگر کبھی آپ نے اپنے مستفیدین کے نام تو کیا اس قسم کا تذکرہ بھی نہ فرمایا۔ البتہ مدرسہ عالیہ قادریہ میں جو طلبہ بیرون جات کے آئے اور نعمت علم سے جھولیاں بھر بھر کر گھروں کو واپس ہوئے اور پھر اُن کی شہرت کمال نے دنیا میں ایک اودھم مچا دی اُن کے دیکھنے والے، اُن کے حالات کے واقف کار اب بھی موجود ہیں۔ اِن معمر حضرات کی امداد سے جن اکابر کے حالات معلوم ہو سکے اُن میں سے بعض مشاہیر کا مختصر تذکرہ ناظرین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

آپ کے تلامذہ جملہ علوم وفنون میں آپ سے مستفیض ہوئے ہیں، بعض ایسے ہیں جنھوں نے محض فن طب کو عملاً وعلماً اخذ کیا ہے، بعض وہ ہیں جنھوں نے صرف قرأت حدیث کر کے سند حدیث حاصل کی ہے، بعض فراغ تام حاصل کر کے اپنے گھروں کو شادکام واپس ہوئے ہیں۔ اگر فرداً فرداً ہر ایک شخص کا حال لکھا جائے تو اُس کے لیے اوّل تو وقت کی ضرورت دوسرے ایک جداگانہ کتاب کی ترتیب کی حاجت ہوگی۔

اسی طرح اگر ذی علم احباب وطن کا تذکرہ لکھا جائے جنھوں نے جوش ارادت اور فرط عقیدت سے مدرسہ عالیہ قادریہ میں ناقص یا کامل تعلیم پائی اور بعد کو کسب معاش کے افکار نے ان کو مشاغل علمی کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا تو بھی ایک دفتر بے پایاں مرتب ہو جائے اور پھر یہ لطف مزید براں ہو کہ ہر شخص کو ہم سے شکایت کا موقع ملے کہ ہمارے اکابر میں سے فلاں بزرگ کا حال کیوں نہ لکھا اس لیے کہ وہ بھی تو زمرۂ مستفیضین میں شامل تھے۔ کیوں کہ راقم کے علم میں اُس زمانے کے شرفائے بدایوں میں کوئی ایسا شخص نہ نکلے گا جس کے گلوئے ارادت میں آپ کے گلشن فیضان کے ظاہری و باطنی پھولوں کا ہار نہ ہو۔ اس لیے ہمارے ناظرین خصوصاً ہمارے برادران وطن معاف فرمائیں گے اور ہمیں اختصار تحریر کے باعث معذور سمجھیں گے۔ صرف اسی خیال سے چند اکابر شہر کے نہایت مختصر حالات تحریر کیے گئے، بعض تذکرات میں بھی جو مشہور و مطبوع ہیں صرف چند نام جو مصنفین کتب کو معلوم ہو سکے ہیں درج ہیں۔ 'بوارق محمدیہ' کے آخر میں بھی تلامذہ کا ذکر ہے، انھیں تذکروں سے بطور اختصار پیشکش ناظرین ہیں۔

☆☆☆

احوال بعض علمائے مشاہیر کہ تلامذۂ آں جناب ہیں

[مفتی اسد اللہ الہ آبادی]

قاضی القضاۃ جناب مولانا مفتی اسد اللہ خاں صاحب الہ آبادی۔ آپ اکابر علمائے ہند سے گزرے ہیں۔ نہایت زبردست فقیہ تھے، تکمیل و تحصیل علوم حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] قدس سرہٗ سے فرمائی۔ اوّل فتح پور میں مفتیٔ عدالت ہوئے، اس کے بعد صدر آگرہ میں بعہدۂ قاضی القضاۃ فائز ہوئے۔ بعدۂ جون پور میں صدر الصدور ہوکر تشریف لے گئے، آخر عمر تک وہیں مقیم رہے۔ آخر میں تمام تعلقات ظاہری کو قطع کر کے گوشہ نشینی اختیار فرمائی، حرمین الشریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ یکم جمادی الاول ۱۳۰۰ھ [اپریل ۱۸۸۳ء] بروز دوشنبہ انتقال فرمایا۔

صاحبِ 'تذکرۂ علمائے ہند' نے جو کچھ آپ کی نسبت لکھا ہے صرف اسی کو بجنسہٖ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

> مفتی محمد اسد اللہ الہ آبادی ابن مفتی کریم قلی بزرگی خاندان ایشاں بر ہمکناں ظاہر و ہویدا است۔ دانشمند ذکی و متقی باوصاف حمیدہ و اخلاق پسندیدہ آراستہ و پیراستہ بودہ۔ نسبت تلمذ بہ مولانا فضل رسول بدایونی داشت ہنگامے کہ در فتح پور مفتی عدالت بودہ فقیر جامع الاوراق (مولوی رحمٰن علی) شرح عقائد نسفی و مشکوٰۃ شریف در خدمتِ بابرکت شاں سبقاً خواندہ۔ باز قاضی القضاۃ صدر آگرہ و در اخیر صدر الصدور جون پور شدہ۔ بتاریخ یکم جمادی الاول یوم دوشنبہ سال سیزدہ صد ہجری لاالـــہ الاانـــت گویاں جاں بجان آفریں سپردہ، بحلمہ چتر ساری

محلات جون پور مدفون شد ند طاب اللہ ثراہ۔

[ترجمہ: مفتی محمد اسد اللہ الٰہ آبادی بن مفتی کریم قلی ان کے خاندان کی بزرگی تمام لوگوں پر ظاہر و آشکار ہے۔آپ عقل، ذہانت اور تقویٰ جیسے اوصاف حمیدہ اور بہترین اخلاق سے آراستہ تھے۔شرف تلمذ مولانا فضل رسول بدایونی سے حاصل تھا۔جس وقت آپ فتح پور میں مفتی عدالت کے عہدے پر فائز تھے فقیر راقم الحروف (مولوی رحمٰن علی) نے آپ کی خدمت اقدس میں شرح عقائد نسفی اور مشکوٰۃ شریف آپ سے پڑھی تھی۔پھر آپ آگرہ میں قاضی القضاۃ رہے،آخر میں جون پور میں صدر الصدور کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ا ر جمادی الاول بروز پیر ۱۳۰۰ھ میں لا الہ الا انت کہہ کر جان خالق دو عالم کے سپرد کر دی۔جون پور میں محلّہ چتر ساری میں دفن کیے گئے۔(اللہ ان کی قبر کو معطر فرمائے)]

☆

[مولانا عنایت رسول چریا کوٹی]

مولانا مفتی عنایت رسول صاحب چریا کوٹی۔آپ علمائے ہند میں آسمان شہرت کے آفتاب ہیں۔علمائے چریا کوٹ سے علمی دنیا کا ہر فرد بشر بہ خوبی واقف ہے۔آپ قاضی عطائے رسول کے پوتے، مولانا قاضی اکبر کے صاحبزادے ہیں۔۱۲۴۴ھ [۲۹۔۱۸۲۸ء] میں پیدا ہوئے۔عباسی النسل ہیں۔ابتدائی صرف ونحو کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے پائی۔بعدہٗ مولانا احمد علی صاحب چریا کوٹی سے فیض تلمذ حاصل کیا، حدیث شریف مولوی حیدر علی ٹونکی سے اخذ کی، علم ادب و ہیئت وغیرہ علوم عقلیہ کی تکمیل حضرت اقدس قدس سرہٗ سے فرمائی۔بعد حصول فراغ تام جانب وطن مراجعت کی اور عرصے تک سلسلۂ درس وتدریس جاری رکھا۔اسی اثنا میں عبری زبان کی تحصیل کا شوق ہوا، کلکتہ جا کر فضلائے یہود سے اس زبان کو حاصل کیا۔آپ خاص طور پر منتخب طلبہ کو تعلیم دیتے، ہجوم طلبہ کو پسند نہ فرماتے۔آخر عمر میں اس سلسلے کو بھی ترک فرما کر عزلت گزیں ہو گئے۔

مولانا محمد فاروق مرحوم آپ کے برادر خورد اور ارشد تلامذہ سے تھے، جن کے شاگرد مولوی شبلی نعمانی اعظم گڑھی (سابق مہتمم دار العلوم ندوہ) وغیرہ بقید حیات ہیں۔ابھی ہم اپنی کتاب کو

صاف کررہے تھے کہ ۲۰؍نومبر ۱۹۱۴ء کے اخبار زمیندار میں مولوی شبلی کے انتقال کی خبر شائع ہوئی کہ ۲۸؍ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۸؍نومبر ۱۹۱۴ء بروز چہارشنبہ بوقت صبح فوت ہوگئے۔

یہ ایک آزادخیال جدید روش کے صاحب تصانیف کثیرہ قومی مولوی تھے اور بہ اعتبار شہرت وقبول زمرۂ اہل علوم جدیدہ میں نامور اور مسلّم مانے جاتے تھے۔

☆

[مولانا عبدالفتاح گلشن آبادی]

قاضی القضاۃ مولانا مولوی سید عبدالفتاح عرف اشرف علی حسنی حسینی نقوی گلشن آبادی ابن سید عبداللہ حسینی۔ نواح ناسک خاندیش میں آپ فاضل اجل، عالم باعمل، مشاہیر علما میں شمار کیے جاتے ہیں۔ متعدد علما سے اکتساب علم کیا، کتب متداولہ کی تکمیل ملا محمد اکبر شاہ کشمیری (خلیفۂ حضرت اقدس قدس سرہٗ و معلم ابراہیم باعلظہ) سے بمبئی وغیرمیں کی۔ تصوف وحدیث وغیرہ کی تکمیل حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] سے فرمائی۔ اولاً عدالت ضلع خاندیش میں مفتی مقرر ہوئے۔ بعدہٗ مدرسہ الفنسٹن واقع بمبئی میں مدرس عربی وفارسی مقرر ہوئے۔

ترک ملازمت کے بعد سرکار انگلشیہ کے عرصے تک پنشن خوار رہے، گورنمنٹ میں آپ کا بہت کچھ اعزاز و وقار تھا۔ آپ کی علمی خدمات اور خاندانی وجاہت کے لحاظ سے گورنمنٹ نے آپ کو 'جسٹس آف دی پیس' اور 'خان بہادر' کے معزز خطاب عطا کیے۔ درس وتدریس کے شغل کے سوا تصنیف وتالیف کا بھی شوق تھا۔ واعظ بھی اعلیٰ پائے کے تھے۔ اکثر تصانیف مثل 'تحفۂ محمدیہ فی ردّ وہابیہ'، 'تائید الحق'، 'جامع الفتاویٰ' (چار جلد میں)، 'خزینۃ العلوم'، 'تاریخ الاولیا' وغیرہ مطبوع ہوکر مشہور ہوچکی ہیں۔

مولوی سید نظام الدین، مولوی شیخ قطب الدین، سید بچّو میاں وغیرہ علمائے خاندیش آپ کے شاگرد ہیں۔ سید امام الدین احمد، سید سراج الدین محمد دو صاحبزادے اپنی یادگار چھوڑے۔

☆

[مولوی خرم علی بلہوری]

مولوی خرم علی صاحب بلہوری حضرت اقدس سے جملہ علوم کی تکمیل کے بعد دہلی پہنچے۔ خاندان شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے سند حدیث حاصل کی۔ مولوی اسمٰعیل ومولوی

اسحٰق دہلوی مقتدایان فرقہ وہابیہ کی صحبت کا اثر دل میں ٹھہر گیا، سادہ لوح سید تھے سادے آدمی تھے، سید احمد صاحب رائے بریلوی کے (جو پیر مقتدائے وہابیہ تھے) مرید ہو گئے۔ بہت سی کتابیں فرقہ اسماعیلیہ کی تائید میں لکھیں۔ اکثر عربی کتب کا ترجمہ اہل مطابع کی فرمائش سے کیا۔ کچھ دنوں نواب ذوالفقار علی خاں رئیس باندا کی ملازمت اختیار کی اور حسب فرمائش 'درمختار' کا اردو میں ترجمہ کیا۔ 'کتاب النکاح' کی تکمیل کے بعد 'کتاب الحج' کا ترجمہ ختم کر چکے تھے کہ وقت آخر آ گیا۔

باوجود اس کے کہ مذہب میں اختلاف تھا مگر حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] کی خدمت میں جب حاضر ہوتے، نہایت آداب وتکریم کے ساتھ پیش آتے۔ شرم سے کبھی سر اوپر نہ اُٹھاتے، جب کچھ گفتگو عقائد کے متعلق چھڑ جاتی اپنی بدعقیدگی سے توبہ کرتے۔ کہا جاتا ہے آخر العمر میں مذہب حقہ اہل سنت کی طرف رجوع ہو گئے تھے۔ بہت سی کتب آپ کی مؤلفہ مترجمہ ہیں۔ درس وتدریس کا شغل بھی جاری تھا۔

'آداب الحرمین ترجمہ مشارق الانوار'، 'نصیحۃ المسلمین'، 'رسالہ منع قرأت فاتحہ خلف الامام' وغیرہ رسائل آپ کی تصنیف سے ہیں۔ ۱۲۷۱ھ [۵۵-۱۸۵۴ء] میں انتقال ہوا۔

☆

[مولانا سخاوت علی جونپوری]

مولانا سخاوت علی عمری جونپوری مہاجر مکی۔ آپ بھی اکابر علما فضلا سے ہیں۔ اکثر علمائے عصر سے کتب متداولہ کی تحصیل کی۔ بغرض تکمیل وحصول سند حضور اقدس [سیف اللہ المسلول] کی خدمت میں باریابی حاصل کی، اس سے پیشتر بھی بنارس ولکھنؤ میں حاضر خدمت رہ کر شرف تلمذ سے مشرف ہو چکے تھے۔ ۱۲۲۶ھ [۱۲-۱۸۱۱ء] میں پیدا ہوئے۔ درس وتدریس کا حد درجہ شوق تھا، اصل وطن آپ کا قصبہ مندیاہون ضلع جونپور تھا۔ لیکن بعد فراغ جامع مسجد شاہی جونپور میں (جو اہل تشیّع کے تصرف میں عرصے سے تھی) مدرسۂ ربّانیہ قائم کیا اور مسجد کو اغیار کے دخل سے پاک کیا۔ کچھ عرصے تک باندا میں نواب ذوالفقار علی خاں بہادر کے یہاں مدرس رہے۔ مفتی مولانا اسد اللہ خاں صاحب مرحوم الہ آبادی سے آپ کے مراسم اتحاد زیادہ تھے، اکثر آمد ورفت کا سلسلہ بھی رہتا تھا۔

آپ بھی صاحب تصانیف کثیرہ ہوئے۔ رسالہ ُالقویم ٗ، عقائد نامہ، رسالہ کلمات کفر، رسالہ ُاسلم ٗ وغیرہ آپ کی تصانیف سے ہیں۔ شیعوں کے رد میں آپ کو زیادہ توغل تھا۔ اکثر مولوی آپ کے شاگرد ہیں جن میں مولوی کرامت علی جون پوری، مولوی محمد عمر غازی پوری، مولوی سید خواجہ احمد نصیر آبادی، مولوی شیخ محمد مچھلی شہری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

آخر عمر میں بارادۂ ہجرت مکہ معظّمہ کو روانہ ہوئے اور وہیں ۶ رشوال ۱۲۷۴ھ [مئی ۱۸۵۸ء] میں انتقال فرمایا۔ چار صاحبزادے یادگار چھوڑے، مولوی محمد، مولوی حکیم محمد جنید، مولوی محمد شبلی، مولوی حافظ ابوالخیر محمد مکی۔ انہوں نے ابتداً وہابیت کے رنگ میں رنگ کر رسائل تصنیف کیے بعدہٗ تائب ہو گئے۔

☆

[مولانا شاہ احمد سعید نقشبندی]

حضرت مولانا شاہ احمد سعید نقشبندی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نہایت مشہور و معروف مشائخ مجددیۂ ہند سے ہیں۔ آپ کے متوسلین اور مریدین کا دائرہ بہت وسیع ہے، اب بھی آپ کے سلسلے کے مرید و منقاد کثرت سے ہندوستان میں موجود ہیں۔ علاوہ کتب دینیہ کے رسائل تصوف بکمال تحقیق و تدقیق حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] سے اخذ فرمائے۔ قطع نظر شاگردی کے حضرتِ اقدس [سیف اللہ المسلول] سے نہایت عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔ بعض اعمال واذکار کی خاص طور پر اجازت بھی حاصل کی تھی۔ اکثر تصانیف حضرت اقدس پر تقریظات بھی لکھی ہیں۔ آپ مولانا شاہ ابو سعید عمری دہلوی کے فرزند ہیں۔ غرۂ ربیع الاوّل ۱۲۱۷ھ [جولائی ۱۸۰۲ء] میں پیدا ہوئے، ُمظہر یزداں ٗ آپ کا تاریخی نام رکھا گیا۔ بیعت و خلافت سلسلۂ نقشبندیہ میں سید شاہ غلام علی علوی دہلوی سے (جو مظہر جانِ جاناں کے مشہور خلیفہ تھے) حاصل تھی۔ آخر عمر میں مدینہ طیبہ کو ہجرت کر گئے تھے، وہیں آپ کا ۲ رربیع الاوّل ۱۲۷۷ھ [ستمبر ۱۸۶۰ء] کو وصال ہوا۔ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ تصوف اور ردِّ وہابیہ میں آپ کے رسائل مشہور و معروف ہیں۔ مولانا شاہ ارشاد حسین صاحب مرحوم رامپوری (جن کے بکثرت شاگرد اِس زمانے میں خاص رام پور و دیگر بلاد میں موجود ہیں) آپ کے ارشد تلامذہ اور صاحب مجاز خلفا میں تھے۔

☆

[حضرت سید شاہ محمد صادق مارہروی]

حضرت سید شاہ محمد صادق میاں صاحب برکاتی مارہروی قدس سرہٗ۔آپ مارہرہ مطہرہ کے سدا بہار باغ کے ایک مہکتے ہوئے پھول ہیں۔آپ کی ستھری صورت اچھی سیرت اچھے ستھرے جلووں سے آراستہ و پیراستہ تھی۔آپ حضرت سید شاہ اولادرسول قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ۷ر رمضان المبارک ۱۲۴۸ھ [جنوری ۱۸۳۳ء] میں پیدا ہوئے۔علوم دینیہ کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے پائی۔ بیعت [و] خلافت اپنے عم مکرم حضرت سید شاہ محی الدین قدس سرہٗ سے حاصل تھی، اس کے سوا اپنے والد اور اپنے عم اعظم سید شاہ حضرت آل رسول قدس سرہٗ کی جانب سے بھی صاحب مجاز تھے۔آپ کے دامن کرم میں دولت فقر اور دولت دنیا دونوں موجود تھیں۔سیتاپور میں آپ مدت العمر بسلسلۂ وکالت مقیم رہے، گورنمنٹ کی طرف سے آنریری مجسٹریٹ بنادیے گئے تھے۔باوجود اس عزت وحکومت کے درویشانہ گزر فرماتے تھے۔طبیب اعلیٰ درجے کے تھے اور فن طب کو علماً وعملاً حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] سے حاصل کیا تھا۔ ۲۴ر شوال ۱۳۲۶ھ [نومبر ۱۹۰۸ء] بمقام سیتاپور آپ کا وصال ہوا اور اپنے ہی باغ میں مدفون ہوئے۔......ع

باوصل خدا شاہ محمد صادق

مصرع تاریخ وصال ہے۔ ۱۳۲۶ھ

☆

[مولانا سید اولاد حسن موہانی]

مولانا سید اولاد حسن صاحب موہانی۔آپ مولانا سید آل حسن صاحب موہانی کے خلف الصدق ہیں۔جن کی تصنیف کتاب 'استفسار رد نصاریٰ' میں مشہور و معروف ہے۔آپ نہایت ذکی، عالم باعمل اور صاحب زہد واتقا تھے۔ جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل وتکمیل حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] سے فرمائی تھی۔ اوائل عمر سے ہی فقر کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ریاضت وعبادت میں زیادہ وقت صرف ہوتا تھا، کثرت اشغال سے حالت جذب طاری ہوگئی۔ بے خودانہ مستی کے عالم میں حرمین شریفین کا قصد فرمایا، حضوریٔ سرکار رسالت ﷺ سے دیدہ ودل

منور کر کے واپس ہوئے، بمبئی آ کر مبتلائے امراض ہو گئے اور بمبئی ہی میں وصال ہوا۔

☆

مولوی سید اشفاق حسین سہسوانی

آپ قصبہ سہسوان ضلع بدایوں کے سادات کرام سے ہیں۔ علوم درسیہ اور فنون طب کی تحصیل و تکمیل بکمال تحقیق حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] سے حاضر آستانہ ہو کر فرمائی تھی اور تکمیل طب اور نعمت بیعت حضرت سیدی شاہ عین الحق قدس سرہٗ المجید سے پائی تھی۔ آپ کے سچے خلوص اور حقیقی ارادت نے شیخ کی چشم کرم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، انعامات خاص سے دامان طلب بھر کر گھر واپس ہوئے۔ سرکاری ملازمت میں مراتب جلیلہ سے سرفرازی حاصل ہوئی، ڈپٹی کلکٹر کے عہدے سے پنشن پائی۔ اسی عہدے پر آپ کے صاحبزادے سید غلام جیلانی مرحوم بھی فائز ہو کر پنشن یاب ہوئے۔ آپ نے حالت حکومت میں بھی پیر کی آستانہ بوسی اور پیرزادوں کی خدمت کو سرمایۂ افتخار جانا۔ آخر عمر میں جب بریلی میں ندوۃ العلما کا جلسہ ہوا اور آپ کے احباب نے آپ پر زور ڈالا تو ندوہ کے مخلصین میں آپ بھی داخل ہوئے۔ حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کا مفاوضۂ شریفہ مطبوعہ متعلق ندوہ آپ ہی کے نام تھا۔ اگر چہ اُس وقت دوستوں کی دل شکنی کی وجہ سے ندوہ سے آپ علیحدہ نہ ہو سکے، لیکن بعد کو پھر کسی جلسے میں شریک نہ ہوئے۔ حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہو آئے تھے، بریلی میں مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں انتقال ہوا۔

☆

مولوی کرامت علی جونپوری

ابتدا میں آپ مولانا سخاوت علی عمری جونپوری کے ہمراہ بدایوں آئے، جب تک حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] کی حضوری رہی سیدھے سادے طریق حقہ اہل سنت پر قائم رہے مگر حصول علم میں سعی بلیغ کرتے رہے۔ جب سند فراغ پائی اور تکمیل کے بعد گھر کو واپس ہوئے بدعقیدگی نے آنکھوں پر پردہ ڈالا، صراط مستقیم کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اعتقادات فرقہ وہابیہ کی طرف مائل ہو گئے اور تقلید ائمہ کا پٹکا کمر سے نکالا۔ درس و تدریس کے مشاغل کے ساتھ وعظ گوئی کا ملکہ بھی حاصل ہوا، اِس ذریعے سے باشندگانِ ڈھاکہ اور بنگال کو اپنا ارادت مند بنا لیا۔ آخر عمر میں اُستاذ کی باطنی کشش نے پھر اپنی طرف کھینچا اور صحیح العقیدہ سُنّی بن کر بمقام رنگ

پور۳ر ربیع الآخر ۱۲۹۰ھ [مئی ۱۸۷۳ء] میں وفات پائی۔ مفتاح الجنۃ وغیرہ بہت سے رسالے آپ کی تصنیف سے ہیں اور نواح بنگال میں ہزار ہا آدمی آپ کے معتقد و مستفید ہیں۔

☆

مولوی قاضی تجمل حسین عباسی

آپ سروئی ضلع مرادآباد کے رؤسائے باوقار میں سے تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عم رسول اکرم ﷺ تک پہنچتا ہے، آبا و اجداد قاضی کہلاتے تھے۔ آپ تحصیل علم کا شوق دل میں رکھتے تھے، اِسی بڑھتے شوق نے مسندِ ریاست سے اٹھا کر بدایوں طالب علمانہ زندگی بسر کرنے کے لیے پہنچایا، اگرچہ ثروت و امارت نے دامن کھینچا، لیکن استقلال و ہمت نے پائے طلب کو لغزش سے روکے رکھا، اکثر کتب دینیہ حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] سے بکمال ارادت پڑھیں، دست ہمت حاجت مندوں پر ہمیشہ کشادہ رکھا، امیرانہ صورت میں فقیرانہ سیرت کے رنگ موجود تھے۔

☆

[حضرت پیر سید سلمان بغدادی]

تاجدار مسند غوثیہ، جلوہ آرائے سجادۂ قادریہ، نقیب الاشراف حضرت سیدی مولانا پیر سید سلمان صاحب بغدادی قدس سرہٗ۔ آپ حضرت مولانا پیر سید علی صاحب کے صاحبزادے، حضور غوث اعظم کے نور نظر سیدنا عبدالوہاب صاحب کی اولاد امجاد سے ہیں۔ بہ زمانۂ حاضریٔ دربار مقدس حضرت بغداد حسب الارشاد اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] سے آپ نے تلمذ و اجازتِ سلسلہ حاصل فرمائی، آپ کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ ہے جو ایک قادری آستانے کے خادم بے ریا کے قلم سے احاطۂ تحریر میں آسکے۔ حضور غوث الثقلین کے دربار سراپا انوار کے تاجدار کے مناقب و محامد کے اظہار سے زبانِ قلم عاجز ہے۔

حضرت سیدی تاج الفحول سیدنا شاہ فقیر نواز فقیر قادری رحمۃ اللہ علیہ جب حاضر بغداد شریف ہوئے اُس وقت آپ ہی نقیب الاشراف تھے۔ نگاہ اوّل میں یہی زبان مبارک سے فرمایا "انت ابن فضل الرسول؟" [ترجمہ: کیا تم فضل رسول کے فرزند ہو؟] اور مسند مبارک سے تکلیف فرما کر تقدیم فرمائی اور توقیر و تکریم کر کے اپنی مسند پر اپنے پہلو میں جگہ دی اور برابر اپنے صاحبزادے

حضرت مولانا پیر سید مصطفیٰ صاحب کے یہاں حضرت تاج الفحول کو مہمان رکھا اور جس طرح آپ نے حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] سے تلمذ و اجازت حاصل فرمائی تھی اُسی طرح اپنے صاحبزادے صاحب کو حضرت تاج الفحول کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل فرما کر اجازت دلوائی۔

پیر سید مصطفیٰ صاحب کے صاحبزادے جناب پیر سید ابراہیم صاحب ۱۳۳۱ہجری قدسی [۱۳-۱۹۱۲ء] میں ہندوستان میں بغداد شریف سے رونق افروز ہوئے۔ مسلمانان ہند نے نہایت تجمل و احترام کے ساتھ ہر شہر میں آپ کا خیر مقدم کیا، فی الحال بمبئی میں آپ تشریف فرما ہیں۔

اس کے سوا تلامذہ میں حکیم قاضی محمد مشتاق علی صاحب بدایونی ثم البریلوی، مولوی سید بنیاد شاہ صاحب سنبھلی، حکیم محمد ابراہیم صاحب، مولانا احمد علی صاحب رامپوری، مولانا سید برہان الدین خاں صاحب حیدر آبادی مہاجر مدنی (اُستاذ میر نواب رضا علی خاں صاحب حیدر آبادی) [بھی ہیں۔]

☆

[مولوی سید ارجمند علی نقوی]

مولوی سید ارجمند علی صاحب نقوی قبائی۔ آپ سادات قبائی محلّہ سید باڑہ سے تھے۔ حضرت مولانا سید علاء الدین اصولی رحمۃ اللہ علیہ (۹) سے (جو اُستاذ حضور محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں) آپ کا سلسلۂ نسب ملتا ہے۔ آپ بدایوں کے باکمال لوگوں میں سے ہیں، فن تحریر کے مختلف صنائع بدائع کے موجد تھے۔ خوش نویسی کے اُستاذ کامل تصور کیے جاتے ہیں۔ تحصیل و تکمیل علوم دینیہ کی حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] سے فرمائی۔ نعمت بیعت آپ کو اور آپ کے برادران و ہمشیرگان کو حضرت سیدی شاہ عین الحق قدس سرہٗ المجید سے حاصل تھی۔ آپ ریاست گوالیار میں عرصے تک عہدہ ہائے جلیلہ پر مامور رہ کر ۱۲۷۵ھ [۵۹-۱۸۵۸ء] میں راہیٔ ملک بقا ہوئے۔

☆

مولوی شیخ جلال الدین صاحب متولی

حضرت شیخ عبداللہ مکی رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد سے تھے) کی اولاد بدایوں میں متولیوں کے لقب سے نامزد ہے۔ آپ بھی اُسی خاندان کے مایۂ

---

(۹) مولانا علاء الدین اصولی کے حالات کے لیے ملاحظہ کریں صفحہ 367 حاشیہ ۹۔

نازبزرگ ہیں۔آپ کا زہد وتقویٰ مشہورانام اورآپ کا فیض عربا پر عام تھا۔فن تجوید میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔لذت شعروسخن بھی لطف زندگی کا باعث تھا،باقرؔ تخلص فرماتے تھے،شعرائے وطن آپ سے استفادۂ سخن کرتے تھے۔آپ کے بھائی شیخ جمال الدین حسن متخلص بہ حسنؔ اور شیخ وصف اللہ وغیرہ آپ کے شاگرد تھے۔۱۲۶۹ھ[۵۳-۱۸۵۲ء] میں انتقال ہوا۔

شیخ رسول بخش صاحب نے آپ کی تاریخ وفات عجیب صنعت کے ساتھ لکھی ہے:

جلال الدین باقر صاحب علم　　ز دنیا راہی ملک بقا شد
سر نامش سہ چنداں بہر آحاد　　پئے عشرات تضعیفش روا شد
مأتش یافتم در چار گونہ　　بدیں ترکیب تاریخش ادا شد☆

☆

حکیم وجیہ الدین صاحب

آپ قاضی محلّہ کے رؤسا میں سے ہیں۔نسباً صدیقی ہیں اورفن طب اورعلم دین کی تعلیم خاص طور پرحضرت اقدس[سیف اللہ المسلول] سے پائی تھی،باوجود تعلقات دنیوی بڑے دین داراوراحکام دین کی سختی سے پابندی کرنے والے تھے۔

آپ کے ہاتھ میں شافیٔ مطلق نے برکت وشفا کا خاص اثر رکھا تھا،مایوس العلاج مریض آپ کی حسن توجہ سے شفایاب ہوتے تھے۔آپ مرید باخلاص حضرت سیدی شاہ عین الحق علیہ الرحمۃ کے تھے۔شعروسخن سے بھی ذوق تھا،وجیہؔ تخلص کرتے تھے۔آپ نے ایک سلام اپنے شیخ کی مدح میں نظم کیا تھا جس کا مطلع ومقطع یہ ہے:

السلام اے عاشقِ رب حمید　　ہادیٔ دیں عین حق عبدالمجید
بر وجیہ خویش از فضل و کرم　　یک نظر فرما کہ مستغنی شوم

ماہِ رمضان المبارک ۱۲۹۱ھ[اکتوبر۱۸۷۴ء] میں انتقال ہوا۔حسب وصیت آستانہ

☆ ج + ج + ج

سہ چند　۳　۳۰　۳۰۰×۴

۳　۳۰

۳

۹ ۲ ۱۲ھ (ضیا)

قادریہ میں مدفون ہوئے۔ اولاد آپ کی بدایوں میں موجود ہے۔

☆

حکیم شیخ تفضّل حسین صاحب

آپ رؤسائے مولوی محلّہ سے ہیں۔ علم طب میں حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] سے تعلیم پا کر مہارت کامل حاصل کی تھی، خصوصاً تشخیص امراض اور ملکہ نبض شناسی میں صاحب کمال تھے، لیکن بسبب احتیاط اکثر معالجے سے احتراز فرماتے تھے۔ نہایت وسیع الاخلاق، متدین، متورع تھے، اُس کے ساتھ ہی صاحب ثروت بھی تھے۔ ۱۲۹۶ھ [۷۹-۱۸۷۸ء] میں انتقال ہوا۔

☆

[مولوی امانت حسین صدیقی]

مولوی امانت حسین صاحب دانش مند صدیقی عبدالرحمانی مکی نجیبی۔ آپ شاہ محبوب عالم صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کا خاندان پشتہا پشت سے خطاب 'دانش مند' سے متصف ہے۔ شرافت و امارت کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے مولوی محلّہ میں اقامت پذیر ہیں۔ آپ نے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ طلب علم کی جانب توجہ کی، حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] سے تکمیل علوم دینیہ فرما کر تبحر حاصل کیا۔ منجانب سرکار مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے اور منصفی درجہ اوّل کا عہدہ حاصل کیا۔ کتب بینی اور کتب جمع کرنے کا نہایت شوق تھا۔ اُستاذ زادوں کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے۔ آپ کے صاحبزادے مولوی انوار حسین صاحب مرحوم صدر اعلیٰ (سب جج) تھے۔ آپ کی تاریخ وفات معلوم نہ ہوئی، اگر چہ آپ کے خاندان کی تاریخ بھی شائع ہوئی، مگر یہ نقص رہ گیا کہ کسی بزرگ کی تاریخ پیدائش و انتقال کا اندراج سہواً نظر انداز ہوگیا۔ 'طوالع الانوار' میں سنہ وفات ۱۲۸۷ھ [۷۱-۱۸۷۰ء] درج ہے۔

☆

میاں بہادر شاہ صاحب دانش مند

آپ بھی خاندان دانش منداں کے رُکن رکین ہیں، آپ بدایوں کے مشائخ کرام اور رؤسائے ذوالاحترام میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ کی ذات مجسم برکات تھی۔ آپ سرائے فقیر

میں (جو حضرت شاہ اجیالے صاحب علیہ الرحمۃ کی نگاہ کرم کی بدولت وراثتاً آپ کو پہنچی تھی) سکونت رکھتے تھے۔ اب بھی آپ کے اعقاب وہیں سکونت پذیر ہیں۔ آپ بھی حضرت اقدس[سیف اللہ المسلول] کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں اور حضرت شاہ اجیالے (۱۰) صاحب کی انوار گاہ کے مدت العمر جلوہ افروز رہے۔

☆

مولوی شیخ فصاحت اللہ صاحب متولی بدایونی

آپ بدایوں کے اکابر رؤسا میں سے تھے، مجسم کمال اور سراپا اخلاق تھے۔ مجالس میلاد شریف کے عاشق تھے اور مشتاقانہ اہتمام کے ساتھ ربیع الاوّل شریف میں بارہ دن تک متواتر محافل کیا کرتے تھے اور اکثر روزانہ ہجوم شوق میں ادب وتکریم کے ساتھ خود ذکر شریف پڑھا کرتے تھے۔ آپ کی زبان میں خداوند کریم نے یہ تاثیر و برکت مرحمت فرمائی تھی کہ روزانہ اہل شہر آپ کا بیان سننے کی تمنا میں آپ کے یہاں شریک محفل ہوا کرتے تھے۔ ۱۲۷۳ھ [۵۷-۱۸۵۶ء] میں آپ کا انتقال ہوا۔ لوح مزار پر 'ذاکرِ جنابِ رسول' کندہ ہے۔

☆

مولوی محمد رضی اللہ صاحب

آپ قاضی محلّہ کے عمائد سے ہیں۔ نسباً آپ شیخ صدیقی ہیں، آپ اپنے زمانے میں شرافت ونجابت کی زندہ تصویر، محاسن و اخلاق کی مجسمہ تنویر تھے۔ ۱۲۷۴ھ [۵۸-۱۸۵۷ء] میں انتقال فرمایا۔

☆

مولوی غلام حیدر صاحب

آپ صدیقی شیوخ میں سے ہیں، نواح بلند شہر میں آپ کا بہت بڑا علاقہ زمینداری تھا، آپ حضرت تاج الفحول رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تھے۔ شرف بیعت وتلمذ حضرت اقدس[سیف اللہ المسلول] سے حاصل تھا۔ مروت، محبت، ثروت، سخاوت نے آپ کے اوصاف کو عطر مجموعہ بنا رکھا تھا۔ عرصۂ دراز تک مناصب جلیلہ پر فائز رہے۔ ایام غدر میں دولت انگلشیہ کی خیر خواہی نے

---

(۱۰) شاہ اجیالے صاحب کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 367 حاشیہ ۱۰۔

آپ کے اعزاز کو اور چمکا دیا۔ سکونت و قرابت بدایوں میں زیادہ تر محلہ عباسیان میں اب تک قائم ہے۔ آپ کی ذات نہایت فیض رساں تھی۔ خصوصاً اہل محلہ سے بکمال شفقت و احسان سلوک ہوتے تھے۔ ملازمت سے سبک دوش ہونے پر اپنی زمینداری واقع موضع بھنڈولی ضلع بلند شہر میں سکونت پذیر ہو کر راہیٔ ملک بقا ہوئے۔ آپ کی اولاد بدایوں میں متوطن ہے۔

☆

مولوی سید خادم علی صاحب

آپ سادات کرام بخاری سے ہیں۔ آپ اپنے خاندان بھر میں (جو سوتھہ محلہ بدایوں میں سکونت پذیر ہے) منتخب اور باعثِ افتخار سمجھے جاتے تھے۔ آپ علم و فضل، زہد و اتقا میں یکتائے روزگار تھے، صاحب باطن اور نسبت قوی رکھنے والے بزرگ تھے۔ حضرت سیدی شاہ عین الحق قدس سرہٗ المجید کے محبوب و مخصوص مریدوں میں تھے اور اپنے شیخ کے عاشق جاں نثار تھے۔

۱۲۵۶ھ [۴۱-۱۸۴۰ء] میں جب آپ کے پیر و مرشد حجاج کی برات کے دولہا بن کر روحانی سج دھج کے ساتھ عروس حجلۂ تقدیس کی زیارت کو تشریف لے گئے آپ بھی شرف ہمرکابی سے معزز و ممتاز ہوئے۔ راستے بھر مستانہ بے خودی کے ساتھ خدمات انجام دے کر خصوصی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ایک دن جہاز میں بیٹھے ہوئے شیخ کی قمیص پاک کر رہے تھے سمندر کے تیز و تند ہوائی جھونکے موجوں کی چادر آب کو اُڑاتے ہوئے بار بار جہاز سے ٹکراتے، دامان قمیص ہوا میں لہراتے، اُس وقت آپ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی اتفاق سے کپڑا ہاتھ سے چھوٹ کر ہوا میں اڑتا ہوا سمندر میں گر پڑا، میر صاحب غائت غلبہ حال میں ''یا شیخ'' کہہ کر سمندر میں بلا تکلف کود پڑے۔ دامن آب سے ہم کنار ہو کر دامن قمیص پکڑ لیا، تمام جہاز میں ایک شور عظیم برپا ہو گیا، لوگ جہاز کے کناروں پر مجتمع ہو کر آپ کو افسوس و یاس کی نظر سے دیکھتے اور آپ کی زندگی سے مایوس ہو ہو جاتے، مگر آپ کو گر کر بھی کوئی خوف و ہراس نہ ہوا، افسر جہاز نے حلقے اور رسیاں سمندر میں ڈلوانا شروع کیں، آپ نے ایک رسّی کو مضبوط پکڑ لیا اور اُسی رسّی کے ذریعے سے مع قمیص شاداں و فرحاں جہاز پر چڑھ آئے۔ لوگوں میں دوبارہ غوغہ مچ گیا اور چاروں طرف سے لوگ آپ کے پاس جمع ہونا شروع ہوئے، ہر شخص نے کہنا شروع کیا کہ ''آپ کو اپنے ڈوبنے اور جان جانے کا ذرا اندیشہ نہ ہوا؟ پھر لطف یہ کہ پانی میں غوطہ بھی نہ لگا؟''۔ آپ نے جواب دیا کہ

''پیر و مرشد کا پٹرا میرے ہاتھ سے سمندر میں گرے اور میں جان کے خوف سے دیکھتا رہوں، اسی طرح مَیں پانی میں گروں اور شیخ وقت ناخدائی نہ کرے، یہ کیوں کر ممکن ہے، جس وقت مَیں پانی میں گرا ہوں شیخ کا دست تصرف میری کمر میں حمائل تھا جس نے مجھ کو یہ بھی تمیز نہ ہونے دیا کہ مَیں پانی میں ہوں یا خشکی میں''، تمام جہاز میں اس معرکۂ عظیمہ سے مرشد برحق کے تصرف خاص اور مرید صادق کے اخلاص کی دھوم مچ گئی، افسر جہاز بھی انگشت بدنداں ہو کر رہ گیا۔ اسی طرح آپ کے خلوص کے اور واقعات بھی ہیں جو بسبب طوالت درج نہیں کیے جاتے۔ آخر میں آپ کسی ضرورت سے فتح گڑھ ضلع فرخ آباد میں تشریف لے گئے اور مولوی سید نذر علی صاحب مرحوم بدایونی کے یہاں مقیم ہوئے، وہیں بعارضہ فالج ۱۲۸۵ھ [۶۹-۱۸۶۸ء] میں وصال ہوا، مزار آبادی سے جانب جنوب فتح گڑھ میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

قطعۂ تاریخ وصال

چوں ز دنیا بدار بقا شد رواں | صاحبِ ہر کمال خفی و جلی
ملہم غیب سال وصالش بگفت | طالب عین حق میر خادم علی

۱۲۸۵ھ

اسی طرح بہت سے احباب وطن کے اکابر فیض یاب ہوئے۔ خاندان کے اعزا و اقارب جو شرف تلمذ سے بہرہ یاب ہوئے اُن کا ذکر سلسلۂ انساب میں آ چکا ہے۔ یوں تو آپ کا دریائے فیض ہر طالب کی تشنگی علم کے لیے چشمۂ آب حیات تھا اور تمام طلبا پر محبت [و] کرم یکساں اور برابر تھا، مگر آپ نے جس خلوص اور خصوص کے ساتھ علامہ اوحد جناب مولانا فیض احمد قدس سرہٗ الصمد کو تعلیم دی ہے یہ انداز فیض رسانی سب سے انوکھا اور جداگانہ تھا، جس کا ظاہری کرشمہ مولانا موصوف کے حلقۂ درس کی وسعت تھی کہ ایک جہان بھر کو احاطہ کیے ہوئے تھی، جو آپ کے کثیر التعداد شاگردوں کی فہرست سے ظاہر ہے، جن کا مفصل تذکرہ رسالہ 'تحفہ فیض' [مصنفہ حضرت تاج الفحول] میں ہے۔

☆☆☆

مشاغل طبیہ

سفر بنارس:

اگر چہ حضور اقدس کے کمالات ظاہری و باطنی کے بے انتہا مناظر کی موجودگی میں فن طب کا تذکرہ نہ کچھ وقیع ہے نہ کچھ مناسب، مگر چونکہ ذات والا کا تعلق کچھ دنوں اِس فن شریف سے بھی رہا ہے اور ہزار ہا بندگانِ خدا کو اِس ذریعے سے بھی فیض پہنچا ہے، لہٰذا اُن کثیر التعداد واقعات میں سے جو شہرت عامہ کے ہاتھوں مسموع خلائق ہو چکے ہیں چند واقعات کا اظہار کچھ بے جا نہ ہوگا۔

تکمیل طب کے بعد جب دھول پور سے آپ وطن واپس آئے اور مدرسہ قادریہ میں بساط علم پر جلوہ افروز ہوئے، شہرت درس نے طلبہ کا ہجوم آپ کے آستانہ فیض کاشانہ پر روز افزوں ترقیوں کے ساتھ کرنا شروع کیا۔ اُن کے قیام و طعام کا انتظام، کتب و مطالعہ اور دیگر ضروریات کا سرانجام ایک حد تک آپ نے برداشت کیا، آخر کہاں تک اِس بار کو آپ اُٹھا سکتے تھے، کوئی تعلقہ دار یا والیٔ ملک تو آپ تھے ہی نہیں جو ہر شخص کی ضروریات کو آپ پورا کر سکتے، مگر دل یہی چاہتا تھا کہ جو کچھ بھی ہو کوئی شخص محروم نہ جائے۔ اسی بڑھتی ہوئی ہمت اور چڑھتے ہوئے ولولے نے یہ خیال پیدا کیا کہ کسی جگہ کوئی ایسا تعلق اختیار کیا جائے جو معاش کی جانب سے فارغ البالی ہو۔

آخر اِسی جستجو میں بارادۂ ریاست گوالیار گھر سے قصد سفر کر دیا، گوالیار کے چند ماہ کے قیام میں پیشتر سے اثر قائم ہو چکا تھا اور وہاں کامیابی زیادہ دشوار نہ معلوم ہوتی تھی، اِسی سبب سے وہاں کا ارادہ فرمایا تھا، مگر مشیت الٰہی دوسرے طریقے سے منزل وقار اور کرسیٔ اعزاز پر پہنچانا چاہتی تھی۔ گھر سے روانہ ہو کر آپ متھرا پہنچے، شب کو سرائے میں قیام کیا، بعد نماز عشا جب مسجد سے سرائے میں واپس آئے سرائے کی ایک کوٹھری میں سے کسی شخص کی مضطربانہ چیخ پکار کی آواز سنائی دی، دریافت سے معلوم ہوا کہ ایک مسافر شدت درد سے سخت بے چین ہے۔ خصلت کرم نے اس کے حال زار کی طرف متوجہ کیا، اُس کے حجرے میں جا کر حالت ملاحظہ فرمائی، علاج کیا دوا

عطا فرمائی۔ دستِ شفا نے اثر دکھایا، مریض کا درد جاتا رہا، چین سے سویا، آپ اپنی فرودگاہ میں آرام فرما ہوئے۔

صبح کو جب نماز کے لیے مسجد میں آپ تشریف لے گئے رات کے مسافر نے آپ کو دیکھ لیا، یہ اطمنان کر کے کہ آپ زیادہ دیر تک مسجد میں مقیم رہیں گے اپنی ضروریات رفع کرنے کے لیے سرائے سے باہر چلا گیا۔ طلوعِ آفتاب کے بعد چشم براہ ہو کر آپ کی آمد کا منتظر رہا، جس وقت آپ اورادِ معمولہ کے بعد مسجد سے باہر تشریف لائے وہ شخص فوراً حاضرِ خدمت ہوا، عرض کیا ''حضور میں وہی شخص ہوں جس پر رات حضور نے اس درجہ کرم فرمایا تھا کہ مہلک تکلیف سے نجات ملی، میں راجہ بنارس کی طرف سے اس امر پر مامور کیا گیا ہوں کہ کسی طبیبِ حاذق کو تلاش کر کے راجہ کی لڑکی کے علاج کے لیے اپنے ہمراہ لے جاؤں، اِسی جستجو میں یہاں آ کر شب باش ہوا تھا، میری خوش نصیبی ہے یا دخترِ راجہ کی زندگی میں اضافہ ہونے والا ہے کہ خدا نے حضور کی زیارت کرائی، جہاں حضور نے میرے حال پر رحم فرما کر مجھے اس جانکاہ تکلیف سے بچایا وہاں میری عرض داشت کو شرفِ قبولیت بخشا جائے اور میرے ہمراہ بنارس تک زحمتِ سفر برداشت کی جائے''۔ یہ کہہ کر ایک خلعت (جو راجہ نے اپنے اِس معتمدِ خاص کو صرف اس لیے دیا تھا کہ جب کوئی حکیم حاذق مل جائے تو بطور شناخت طلب یہ خلعت پیش کر دیا جائے) آپ کو نذر گزرانا۔ آپ نے معتمدِ ریاست کی اس سچی ارادت کو دیکھ کر اُس کی دعوت قبول فرمائی اور قصدِ بنارس کر دیا۔ راستے میں تمام حال علالت مریضہ کا معتمد کی زبانی معلوم ہوا، یہاں تک کہ بنارس پہنچے۔ ہمراہی نے نہایت تکریم و اعزاز سے اول اپنے یہاں آپ کو مقیم کیا، اس کے بعد راجہ سے آپ کی حذاقتِ طب کا حال اس مؤثر پیرائے میں بیان کیا کہ والیٔ ریاست بنارس کی عقیدت کامل و پختہ ہوگئی، فوراً ایک مکان جداگانہ مع خدم و حشم کے آپ کے قیام کے لیے منتخب کیا گیا۔

دوسرے دن والیٔ ریاست مع چند امرا و مصاحب کے آپ کی فرودگاہ پر بغرضِ ملاقات آیا اور لڑکی کی تمام حالت بیان کی، یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سے اطبا اور ڈاکٹر موجود ہیں ہر شخص لڑکی کی زندگی سے مایوس ہو چکا ہے، ان واقعات نے آپ کو اول تو سخت متفکر کیا، مگر پھر راجہ کا خلوص اور اصرار دیکھ کر حکیمِ مطلق کی رحمت کے بھروسے پر آپ نے لڑکی کے دیکھنے کا ارادہ فرمایا اور بہ ہمراہی راجہ و دیگر عمائد مریضہ کے مکان میں داخل ہوئے۔ لڑکی کی والدہ جو نہایت ضعیف اور لڑکی

لی محبت میں سخت پریشان اور غمزدہ تھی لڑکی کے پاس موجود تھی، آپ نے مریضہ کی نبض پر ہاتھ رکھ کر تشخیص کامل سے مرض کی حالت پر غور کیا، ضمیر نے دل میں چٹکی لی کہ اب مریضہ کا کام تمام ہو چکا دوا اثر پذیر نہ ہوگی علاج کرنا فضول ہے۔ آپ کو بھی اُس کی زندگی سے مایوسی ہوئی، مگر لڑکی کے والدین کی تسلی و تشفی کے لیے اُن سے کہا کہ ''حالت اس قدر نازک ہے کہ اب کوئی دوا جو روزانہ دی جاتی ہے ہرگز سودمند نہ ہوگی البتہ ذرا سی خاک میرے پاس ہے ان شاء اللہ اُس سے آرام ہو جائے گا، لیکن اگر آپ کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو تو ہرگز استعمال نہ کریں''، ضعیفہ ماں محبت کے جوش میں فوراً رو کر کہنے لگی کہ ''خواہ کچھ ہو آپ وہ خاک ہی دے دیجیے''۔

اس کے بعد آپ قیام گاہ کو واپس ہوئے اور اس معتمد خاص کو جو پیشتر سے بندۂ عقیدت تھا، ایک چٹکی بھر خاک کاغذ کی پڑیہ میں دے دی اور دربار الٰہی میں جبین نیاز رکھ کر متوکلانہ حصول عزت کی التجا کی۔ ناکامی کے تخیلات دامن گیر ہوئے کہ فوراً یہاں سے رخصت ہونا چاہیے، ورنہ ندامت مآل کار گریباں گیر ہوگی۔ اسی تحیر میں موقع تنہائی کو غنیمت جان کر آپ نے سامان سفر درست کیا، استخارے کی نیت کی، شبیہ مثالی اکابر طریقت کی پیش نظر ہوگئی، قلب میں طمانیت وتقویت کے آثار ظہور پذیر ہوئے۔ وہاں وہ معتمد ریاست اُس خاک کو اِس خیال سے کہ اگر محض اسی حیثیت سے یہ پُڑیہ دی جائے گی تو والئ ریاست کی نگاہوں میں کیا قدر و منزلت ہوگی؟ ایک مکلّف صندوقچے میں نہایت احتیاط کے ساتھ بند کر کے لے گیا۔ تیمار دار رانی نے بلا تامل فرطِ عقیدت سے مریضہ کو وہ خاک پلا دی، حلق سے اترتے ہی خاک نے اکسیر کا رنگ دکھایا، شافئ مطلق کی شان جاں بخشی نے جلوہ نمائی کی، آثار صحت ظاہر ہونا شروع ہوئے، مریضہ کو استفراغ کی آمد ہوئی، نرگس بیمار چشم نیم باز کی صورت کشادہ ہوئی، فوراً خدام ریاست اطلاع کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مریضہ کے روبہ صحت ہونے کی خبر دی۔ آپ دوبارہ پھر تشریف لے گئے، حالت میں کچھ عجیب و غریب تغیر دیکھ کر شکر باری ادا کیا، ادویات سے علاج شروع کر دیا۔ ایک ہفتے میں مریضہ نے مرض سخت سے نجات پائی۔ تمام ریاست میں دھوم مچ گئی، اطبا و معالج اس عجیب وغریب علاج سے غرق تحیر تھے، اراکین وعمائد ریاست نیازمندانہ عقیدت مندی کے ساتھ آپ کے حسن معالجہ پر فریفتہ ہو گئے، والئ ریاست نے خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور آپ کی خدمات کو ریاست کے لیے فوراً آپ سے طلب کیا، آپ نے اس شرط پر کہ موجودہ اطبا جو ریاست کے ملازم

تھے بدستور رکھے جائیں قیام منظور فرمایا۔ راجہ نے علاوہ مصارف مصاحبت ساڑھے تین سو روپے ماہوار آپ کے ضروری اخراجات کے لیے مقرر کیے۔

اِس سلسلے میں ایک سال کے قریب آپ بنارس میں مقیم رہے اور صدہا بندگانِ خدا کو اس حیلۂ جمیلہ سے فیض عظیم پہنچا۔ صبح کے وقت حاجت مندوں کی مراد برآری اور تشخیصِ امراض میں آپ مشغول رہتے، اُس کے بعد وہاں بھی سلسلۂ درس کا اجرا فرما کر طلبہ کو تعلیم دیتے۔

بنارس سے ترک تعلق کے بعد اس فن سے بھی قطع تعلق کر لیا، لیکن نہ اس طرح کہ کوئی مایوس العلاج آپ کے آستانۂ شفا منزل پر آ کر محروم چلا گیا ہو، بلکہ صرف طبیب کی حیثیت سے اس کے بعد کوئی علاج نہیں کیا، اب جو علاج ہوتے تھے وہ درویشانہ رنگ میں ہوتے تھے اور جو چیز ہاتھ لگ گئی وہ ہی مریض کو بتا دی۔

[معالجات]

[۱] چونے سے علاج:

جس زمانے میں آستانۂ معلیٰ یعنی درگاہِ مجیدیہ کی تعمیر جاری تھی اور آپ زیادہ تر وہیں رہتے تھے روزانہ مریض متلاشی پہنچ جاتے۔ آپ کسی کو چونا، کسی کو اینٹوں کی کتریں اُٹھا دیتے، دستِ شفا سے قدرت الٰہی کی نیرنگیاں ظاہر ہوتیں، مریض شفایاب ہوتے۔ جناب مولانا حکیم سراج الحق صاحب وہیں حاضر خدمت رہ کر علوم ظاہری حاصل کرتے تھے اور فن طب میں بھی دست گاہ کامل حاصل کر چکے تھے، یہ کرشمہ سازیاں دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے۔ آخر آپ نے بھی ایک دن یہ سوچ کر کہ اگر اس پاک درگاہ کی اینٹوں اور مٹی میں مادّۂ شفا دربارِ ایزدی سے ودیعت رکھا گیا ہے تو مَیں بھی اِس ترکیب کو استعمال کروں۔

اتفاق سے فوراً ہی ایک مریض پہنچ گیا، اس وقت حضرت اقدس کسی گوشۂ درگاہ میں مشغول وظائف تھے، چونا اُٹھا کر مریض کو دیا اور اسی طریقے سے جیسا کہ دیکھ چکے تھے ترکیب استعمال بتا دی۔ مریض کو اس علاج سے سخت ضرر پہنچا۔ دوسرے روز پھر مضطربانہ حاضر ہوا، حضرت اقدس سے حکیم صاحب کی شکایت کی، حکیم صاحب نے (جو حاضر خدمت تھے) عرض کیا کہ ''جس طرح حضور کو دیکھا تھا اُسی طرح مَیں نے بھی عمل کیا''، آپ نے فرمایا ''حکیم صاحب! آپ نے نسخہ تو صحیح تجویز کیا، لیکن ترکیب بتانے میں غلطی کی'' اور خود مریض کو اپنے ہاتھ سے وہی چونا اُٹھا کر دیا

اور فرمایا کہ "آج اسی کو اس طرح استعمال کرنا"۔ مریض تو اچھا ہو گیا مگر حکیم صاحب کو آپ نے ہدایت فرمائی کہ "میاں! تم اپنے کتابی نسخے مریضوں کو لکھا کرو میں تمہاری کتابوں کا پابند نہیں ہوں، یہ ایک انعام الٰہی ہے، صحت و شفا خدا کی طرف سے ہے، جس کی قسمت میں شفا ہوتی ہے خدا میرے ذریعے سے اُس کو شفا عطا کر دیتا ہے"۔

[۲] برگ امرود سے ہیضہ کا علاج:

ایک مرتبہ مرض وبائی کی کثرت شہر میں ہوئی، ہزاروں جانیں ہیضے سے تلف ہو گئیں، اکثر اطبائے شہر جو آپ کے ہی زلہ ربا تھے دوا کرتے کرتے عاجز آ گئے اور خود بدولت بھی مریضوں کے ہجوم سے پریشان ہونے لگے تو حاضرین سے فرمایا "جمعے کے دن جب ہم درگاہ شریف جائیں راستے میں یاد دلایا جائے"۔ چنانچہ حسب معمول جمعے کو جب ختم کلام مجید کے لیے آپ آستانۂ مجیدیہ کو مدرسہ عالیہ [قادریہ] سے روانہ ہوئے راستے میں تمام درختوں اور نباتات پر نظر فرماتے جا رہے تھے۔ قریب درگاہ معلیٰ ایک باغ میں جہاں امرود (سفری) کے بہت سے درخت تھے آپ نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "شہر میں اطلاع کر دی جائے جو شخص ہیضے میں مبتلا ہو وہ صرف اس درخت کے پتے لے جائے اور اُس کا جوشاندہ مریض پر استعمال کرے"۔ سیکڑوں مریضوں نے اس طرح شفا پائی۔ کثرت سے لوگ اس واقعے کے چشم دید شاہد اِس وقت بھی بدایوں میں موجود ہیں اور آپ کا یہ علاج مشہور انام ہے۔

بالکل ایسے ہی ایک واقعے کی شہادت ایک شخص (جو معززین بلند شہر سے ہیں) دیتے ہیں کہ وہاں بھی ایک مرتبہ ہیضے کی شدت تھی، آپ دہلی کے قصد سے بلند شہر میں دو چار روز کو مقیم ہوئے تھے اور آپ کی اطلاع شہر میں ہوتے ہی لوگ دعا و دوا کی خاطر حاضر خدمت ہوئے، آپ نے جنگل میں جا کر ایک درخت کے پتوں کے استعمال کا حکم دیا اور وہاں بھی سیکڑوں نے اس مرض سے نجات پائی۔

[۳] ایک مریض کا عجیب و غریب علاج:

ایک مرتبہ آپ مع خدام تشریف لیے جا رہے تھے، جس وقت شفا خانے کے سامنے گزر ہوا خلاف معمول لوگوں کا اژدہام کثیر دیکھا، دریافت فرمایا "کیا معاملہ ہے"، لوگوں نے عرض کیا "ایک شخص کی ران میں درد ہے کئی ہفتوں سے اس مصیبت میں مبتلا ہے کسی علاج سے کچھ افاقہ نہیں

ہوتا، آج بہ مشورۂ ڈاکٹر مریض کا پیر کاٹا جائے گا"، مریض کے اعزاو اقارب یہ سن کر کہ خود بدولت دریافت حال فرمارہے ہیں غمگین وملول حاضر خدمت ہوئے، سرنیاز پائے اقدس پر رکھ کر بہ کمال تضرع عرض کیا کہ "مریض کی تکلیف شبانہ روز دیکھی نہیں جاتی، آج مجبور ہوکر پیر قطع کرانے کا ارادہ کرلیا ہے لوگ تماشائی جمع ہیں"۔آپ نے کلمات تسکین ارشاد فرمائے اور ہمراہیوں سے کہا کہ "آخر ایسا کیا مرض ہے کہ خواہ مخواہ پیر کاٹا جاتا ہے؟"

جس وقت آپ مریض کے بالیں پر پہنچے ڈاکٹر کو موجود پایا، بیمار کی بے چینی و اضطراب دیکھ کر خود بھی بے چین ہوگئے، ڈاکٹر سے فرمایا کہ "کیوں غریب کو زندگی میں اس درجہ سخت تکلیف میں مبتلا کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے؟" سول سرجن نے کہا "بغیر ٹانگ کاٹے ہوئے یہ درد نہیں جا سکتا"، آپ نے فرمایا کہ "اگر بغیر پیر قطع کیے آرام ہوجائے تو آپ ہماری طب کے قائل ہو جائیں گے؟" ڈاکٹر نے ہنس کر کہا کہ "طب یونانی کو اس علاج میں کیا دخل؟ اگر آپ کی دعا جیسا کہ مشہور ہے کچھ اثر دکھائے تو یہ دوسری بات ہے"، آپ نے فرمایا "اچھا ہم جہاں بتائیں آپ ہڈی میں سوراخ کردیں"، ڈاکٹر نے آپ کا کہنا قبول کیا، آپ نے ایک مقام پر انگلی سے نشان کیا کہ اس جگہ ہڈی میں سوراخ کردیا جائے، ڈاکٹر نے فوراً انگریزی برمے سے عمل کیا، آپ نے وہیں احاطۂ شفاخانے میں سے ایک گھاس اکھیڑی اور اپنے ہاتھوں میں گھاس کو دبا کر اور مل کر عرق نکالا۔ اُس کے بعد ڈاکٹر سے کہا کہ "اس عرق کو سوراخ کے اندر پہنچایئے"۔ جس وقت عرق اندر پہنچا، دو منٹ نہ گزرے تھے کہ سوراخ کے اندر سے سیکڑوں بھنگے نکلنا شروع ہوگئے۔ ڈاکٹر یہ جدید کرشمہ دیکھ کر متعجبانہ نگاہوں سے باربار آپ کے چہرے پر نظر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ "جناب یہ ہرگز انسانی عقل اور طب کا کام نہیں"، تمام لوگ بھی غرق حیرت تھے۔ تھوڑے عرصے میں ہزارہا بھنگے سوراخ کی راہ سے نکل گئے، مریض جو شدت درد سے تڑپ تڑپ کر کروٹیں بدل رہا تھا یک بیک محو خواب ہوگیا، دوبارہ آپ نے ایک گھاس کا عرق جب بالکل بھنگوں کا نکلنا بند ہوگیا سوراخ میں ڈلوایا، سوراخ مندمل ہوگیا اور مریض چند دن میں شفاخانے سے صحت پاکر اپنے گھر کو واپس گیا۔

[۴] اہلیہ نصرت خاں بدایونی کی جدید زندگی:

ایک مرتبہ ایک بدایوں کے رئیس نصرت خاں نامی نہایت پریشانی اور ناکامی کے عالم میں حاضر مدرسہ ہوئے، اُن کی اہلیہ عرصے سے سخت بیمار تھی، خاں صاحب کو اپنی بیوی سے حد درجہ انس و

محبت تھی، جس وقت حضرت اقدس کی صورت دیکھی قدم بوسی کو جھکے، قدموں پر گرتے ہی ضبط گریہ نہ ہوسکا، زار زار رونا شروع کیا، آپ نے بہ دقت اُن کو اٹھایا، سبب گریہ و بکا دریافت کیا، عرض کیا ''حضور! خاکسار کی زوجہ عرصے سے بیمار تھی آج اُس کی نزع کی سی حالت ہے اگر حضور ایسے وقت پر غریب خانے پر قدم رنجہ فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائیں تو ہر طرح موجب برکت ہوگا''۔ آپ بکمال شفقت و کرم خاں صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے، جس وقت مکان پر پہنچے ہیں اندر سے عورتوں کے نوحہ و بکا کی آوازیں آرہی تھیں، معلوم ہوا کہ مریضہ کا کام تمام ہوگیا۔ خاں صاحب تو یہ سنتے ہی چیخ مار کر قریب تھا کہ زمین پر گر پڑیں، لیکن اُس جان کرم کے تلطف آمیز ہاتھ دستگیری کے لیے بڑھے، زبان سے ارشاد ہوا کہ ''خاں صاحب! مرد کو ثابت قدم رہنا چاہیے، صبر و استقلال سے کام لینا چاہیے''، کلمات تلقین کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ''ممکن ہے اِس وقت غشی یا سکتے کا عالم ہو، مجھے بلا کر لائے ہو تو پردہ کرا کر مریضہ کا حال تو دکھا دو''، خاں صاحب نے پردہ کرایا عورتوں نے شور مچایا کہ مردہ عورت کو کوئی بھی طبیب کو دکھاتا ہے؟ مگر خاں صاحب کے حسن اعتقاد نے سب کو خاموش کیا۔

آپ مکان کے اندر تشریف لے گئے، مریضہ کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہی فرمایا کہ ''خاں صاحب! یہ تو بفضلہٖ تعالیٰ زندہ ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تھوڑے عرصے میں افاقہ ہوجائے گا''، یہ کہہ کر باہر تشریف لائے اور چند خذف ریزے منگائے، خاں صاحب سے فرمایا کہ ''اِن کو جوش کر کے پانی جس طرح ممکن ہو فوراً مریضہ کے منہ میں ڈال دو اور بعد کو جو حالت ہو اُس کی اطلاع ابھی مجھے کرو''، خاں صاحب تو دوا میں مشغول ہوئے اور آپ وہیں ایک خانقاہ میں تشریف لے گئے، صاحبِ مزار کی فاتحہ پڑھی، مراقب ہو کر خدا معلوم خدا سے لو لگائی یا دربار رسالت تک دعائے اجابت طلب پہنچائی۔ اِس عرصے میں خاں صاحب شاداں و فرحاں چہرے سے مسرت کا رنگ نمایاں حاضر ہوئے اور کہا کہ ''حضور! مریضہ کے ہوش و حواس بالکل درست ہیں''۔ آپ دولت سرا کو واپس ہوئے، خاں صاحب نے دامنِ دولت سے رشتۂ ارادت مضبوط باندھا، داخل سلسلہ ہوئے۔

[۵] محمد ظہور علی خاں رئیس دھرم پور کا علاج:

جناب نواب محمد ظہور علی خاں صاحب مرحوم رئیس دھرم پور (جو لال خانیوں میں خاندانی رئیس اور نہایت باوقار شخص تھے) بعارضۂ جذام مبتلا ہوئے، ہر قسم کا علاج کیا، ہزاروں روپے

صرف کیے، مگر ازالہ مرض نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ آخر مایوس ہوکر علاج سے دست کش ہو گئے، لیکن آپ کے بڑے بھائی جناب نواب محمد وزیر علی خاں صاحب مرحوم رئیس اعظم دان پور بھائی کو اس حال میں دیکھ کر بہت ہی مضطرب الحال تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا کوشش کیے جاتے تھے۔

آپ کو حضرت اقدس سے بے انتہا عقیدت تھی، جب کسی جگہ سے مراد براری نہ ہوئی تو بدایوں آئے، چونکہ مخلصان خاص اور محبانِ سراپا اختصاص سے تھے نہایت منت و اصرار سے حضرت اقدس کو دھرم پور لے گئے اور بھائی کی حالت زار دکھلائی۔ آپ نے اُن کی تسلی و تسکین فرمائی، دونوں بھائی ذی حوصلہ رئیس تھے سمجھے کہ نہ معلوم کیسی بیش قیمت ادویات سے علاج ہوگا، عرض کیا کہ "حضور! ادویات کا خیال نہ فرمائیں، جو دوا جہاں سے ملے گی وہاں سے فوراً طلب کی جائے گی"، آپ نے فرمایا کہ "مَیں جو دوا تجویز کروں گا آپ خود دیکھ لیں گے"، نواب صاحب کے مکانات کے نزدیک ہی کھیت تھے آپ نے ایک کھیت میں (جو کپاس کا تھا) بہت سے درخت اکھڑوائے اور فرمایا کہ بس یہی گھاس یعنی کپاس آپ کے علاج کے لیے کافی ہے اور فوراً شربت اور عرق وغیرہ تیار کرایا۔ اِس علاج سے بہ عطائے ذوالجلال مرض کا زوال اور استیصال ہوا اور تمام عمائد و رؤسائے بلند شہر میں آپ کے کمالِ فیض رسانی کی شہرت ہو گئی۔ اُس وقت سے برابر رؤسائے دان پور اور دھرم پور کو آپ کے خاندان کے ساتھ عقیدت رہی اور جناب مولانا حکیم سراج الحق صاحب مرحوم کو مدت العمر ان عالی ہمت رؤسا نے اپنے دار الریاست سے جدا نہ ہونے دیا۔

[٦] مولوی سدید الدین شائق کی شفایابی:

ایک مرتبہ مولوی سدید الدین صاحب شائق عباسی مرحوم نے کسی غلطی سے (بقول اُن کے بعض احباب جلسہ کے) سنکھیا کھالی، فوری اثر نے طبیعت کا رنگ دگرگوں کرنا شروع کیا۔ احباب نے دریافت کیا، جب اصل حالت معلوم ہوئی جلدی سے مدرسہ عالیہ قادریہ میں لے کر آئے۔ گیارہ بجے دن کا وقت تھا، آپ ایک چارپائی پر استراحت فرماتے تھے، حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ رومال سے مگس رانی فرما رہے تھے، شائق مرحوم نے آگے بڑھ کر لڑکھڑائی زبان سے آداب عرض کیا، جس وقت کان میں سلام کی آواز پہنچی فوراً گلابی چہرہ دمکنے لگا اور کسی قدر غصے کے ساتھ جلال انگیز لہجے میں سلام کا جواب دے کر فرمایا "ہیں یہ کیا حرکت؟" آپ کے سامنے کسی کو جرأت کلام تو کبھی ہوتی ہی نہ تھی، خاص کر جلال کی حالت میں کون جواب دیتا۔ شائق مرحوم تو

کانپ گئے، پسینہ آ گیا، تھوڑی دیر سکوت کا عالم رہا، اس کے بعد آپ نے فرمایا ''کوئی ہے؟''، حضرت تاج الفحول نے معمول کے موافق فوراً عرض کیا ''عبدالقادر''، ارشاد ہوا دیکھو دروازے کے باہر دیوار کے قریب ایک فلاں صورت و شباہت کی گھاس ہوگی اس کو توڑ لاؤ، حضرت مولانا بھی حیراں ہیں کہ آج نہ معلوم شائق سے کیا بے عنوانی ہوئی ہے نہ اُنہوں نے کچھ عرض کیا نہ خود بدولت نے کچھ دریافت فرمایا ہے، جس گھاس کا پتہ دیا تھا لاکر حاضر خدمت کی۔ (یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرت اقدس کی ظاہری روشنی چشم ظاہر میں نگاہوں سے غائب ہوچکی تھی) گھاس ہاتھ میں لے کر کچھ حصہ پھینک دیا باقی کا ہاتھ سے دبا کر عرق نکالا اور شائق مرحوم کو قریب بلا کر عرق منہ میں چوآیا، ذرا دیر نہ گزری تھی کہ وہیں مدرسے میں استفراغ ہونا شروع ہوا، دو تین دست بھی آئے، فوراً زہر کا اثر جاتا رہا، دوبارہ زندگی پائی۔ عرصے تک عروس زیست سے ہم کنار رہے، عرصۂ دراز کے بعد پیک اجل نے خلوت مزار میں گہوارۂ استراحت درست کیا، عرصے تک علیل رہ کر انتقال فرمایا۔ درگاہ معلّٰی میں مدفون ہوئے۔ ۲۶ر رجب المرجب ۱۳۲۶ھ [اگست ۱۹۰۸ء] سال وفات ہے۔

[۷] ایک خاکروب عورت کی بلا علاج صحت یابی:

ایک مرتبہ چند خاکروب چارپائی کی ڈولی بنا کر ایک مریضہ عورت کو لائے، سڑک پر مدرسہ عالیہ [قادریہ] سے باہر ڈولی کو رکھ دیا۔ مریضہ کی حالت یہ تھی کہ تمام جسم سوکھ کر کانٹا سا ہوگیا تھا بجز استخواں گوشت بدن پر باقی نہ تھا، بظاہر امید زیست منقطع ہوچکی تھی، مگر ذات گرامی صفات تو غریبوں کا سہارا، ناامیدوں کا ملجا و ماویٰ تھی۔ ہر شخص یہ جانتا تھا کہ اُس ابن غنی کے در سے کوئی خالی ہاتھ پھرتا ہی نہیں ہے، ارذل طبقے کے بیکس غریب خاک روب صرف اسی امید پر کہ شاید نگاہِ کرم ہوجائے قریب المرگ عورت کو لے کر حاضر ہوئے۔

جس وقت آپ حرم سرا سے برآمد ہوئے، غریب بھنگی دور سے گڑگڑا کر زمین پر گر پڑے، آپ کو اُن کے حالِ زار پر نہایت ترس آیا، قریب آ کر مریضہ کی حالت کو دیر تک بغور ملاحظہ فرماتے رہے یکا یک لب جاں بخش پر تبسم کی جھلک جلوہ ریز ہوئی، فرمایا ''اچھا کل مریضہ کو قبل طلوع آفتاب لے کر آنا، لیکن فلاں راستے سے شہر کے باہر باہر لانا اور ڈولی پر پردہ نہ ڈالنا''۔ دوسرے روز علی الصباح خاکروب حسب الارشاد مریضہ کو لے کر حاضر ہوئے۔ دوسرے دن آپ

نے پھر بغور حالت کو دیکھا اور فرمایا کہ ''آج تو اور ہم نسخہ نہیں لکھتے کل پھر اسی راستے سے اسی طرح لے کر آنا''۔ تیسرے دن بھی مہتر بموجب ارشاد عورت کو لے کر حاضر آستانہ ہوئے، تیسرے روز بھی کوئی دوا تجویز نہ فرمائی اور کہا کہ ''روزِ آئندہ بھی اسی طریقے سے لے کر آنا''۔ غرض ایک ہفتے تک یوں ہی روزانہ عمل کرایا۔ اس ہفتے بھر میں مریضہ کی حالت اس قدر روبصحت ہو چلی تھی کہ بلا سہارے چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ جاتی تھی۔ آٹھویں روز ارشاد ہوا کہ ''کل جب آؤ تو راستے میں دو چار قدم مریضہ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر چلانا''۔ خاک روب روزانہ تعمیل حکم کرتے رہے اور اسی امید میں رہے کہ شاید کچھ دوا بتادی جائے۔ پندرھویں دن مریضہ میں اتنی سکت آگئی تھی کہ خود آہستہ آہستہ چل کر مدرسہ شریف تک آگئی، اُس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ''اچھا اب تمہیں صحت ہوگئی یہاں آنے کی ضرورت نہیں، روزمرہ شہر سے باہر صبح کو تھوڑی دور ٹہلا کرو''۔

مریضہ کا یوں خود بخود بغیر کسی علاج کے صحت یاب ہو جانا، ہر شخص کو متعجب کرنے والی بات تھی، بعض خدام نے جرأت کر کے عرض کر ہی دیا کہ ''حضور نے اس قدر عرصے تک روزانہ حاضری کا حکم مریضہ کو دیا لیکن کوئی دوا تجویز نہ فرمائی، نہ بظاہر زبان مبارک سے دعائیہ کلمات کا اظہار رہوا، آخر خود بخود نیم مردہ کا تندرست ہو جانا کوئی راز ضرور ہے''، آپ نے مسکرا کر جواب دیا کہ ''دراصل یہ عورت کسی انگریز کی ملازمہ تھی اور کھلے میدانوں میں ہوا کھانے اور ٹہلنے کی عادی تھی اپنے مکان پر آ کر بیمار ہوگئی اور وہ عادت ترک ہوگئی، جس کے سبب سے مرض نے اور بھی ترقی کی، ہم نے دیکھا کوئی مرض سخت اس کو لاحق نہیں یہی عمل سمجھ میں آیا، خدا نے اس کو اچھا کر دیا''۔

[۸] والدہ مولوی ستار بخش قادری کا علاج:

ایک مرتبہ مولوی سعید بخش صاحب قادری مرحوم (جو رؤسائے محلّہ سوتھہ بدایوں سے تھے اور خاندان حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] کے آخر دم تک شیفتہ و فریفتہ رہے) اُن کی اہلیہ محترمہ حالت حمل میں سخت علیل ہوگئیں، مدت حمل پوری ہو چکی تھی، لیکن بچہ پیدا نہ ہوتا تھا، تمام خاندان سخت پریشان تھا، اطبا علاج سے جواب دے چکے تھے، ڈاکٹر نے قطعی فیصلہ کر دیا تھا کہ بچہ رحم کے اندر مر چکا ہے بغیر عمل جراحی (شگاف) کے بچے کا باہر آنا غیر ممکن ہے، ایسی حالت میں مریضہ کی جان جانے کا بھی سخت اندیشہ تھا۔ اِن مصائب جانکاہ سے مولوی سعید بخش صاحب مرحوم کو انتہا درجے کی پریشانی تھی، جب تمام تدابیر ظاہری سے قطع امید ہوگئی تو حاضر خدمت ہوئے،

تمام حالت عرض کی، فرمایا "ہم مریضہ کی نبض دیکھنا چاہتے ہیں" اور مولوی صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے، مولانا حکیم سراج الحق صاحب بھی ہمرکابی میں حاضر تھے، حکیم صاحب بھی جو پہلے سے معالج تھے یہ قیاس قائم کر چکے تھے کہ شاید بچہ رحم مادر میں فوت ہو چکا ہے، ڈاکٹر کو بھی بلوایا گیا، ڈاکٹر نے آپ کے سامنے بھی اپنی وہی رائے ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا کہ "دونوں کی رائے صحیح نہیں ہے بچہ بفضلہٖ زندہ ہے، رحم کے اندر پھوڑا ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے باہر آنے میں دشواری ہے"۔ یہ فرما کر حکیم صاحب سے کہا کہ " آپ نے غالباً اب فلاں فلاں ادویات تجویز کی ہونگی"، گویا حکیم صاحب کی طرف سے خود ہی ادویات تجویز فرمائیں اور اپنے سامنے دوا پلا کر مولوی سعید بخش صاحب اور حکیم صاحب سے فرمایا کہ "فوراً باہر چلو" اور جلدی سے مکان سے باہر آئے، ہنوز دروازے سے باہر تشریف نہ لائے تھے کہ جیتا جاگتا بچہ پیدا ہو گیا اور پھوڑے سے مواد فاسدہ بھی خارج ہوا۔ وہ بچہ خدا کے فضل سے اب بوڑھا ہونے کو آیا اور بہت سے اپنے بچوں کو اور اپنی اولاد کی اولاد کو گہوارۂ ریاست میں کھلا چکا۔ یہ سارا واقعہ میرے عم طریقت جناب مولوی ستار بخش صاحب قادری کی ولادت کا ہے۔

غرض اسی طرح اگر آپ کے روزانہ کے واقعات پر نظر ڈالی جائے تو ہزاروں ایسے واقعات معلوم ہوں گے جس سے عقل انسانی عاجز ہے اور سیکڑوں عجیب وغریب قصے صرف آپ کے کمالات طبیہ کے متعلق مشہور ہیں۔ دراصل آپ صاحبِ تاثیر تھے جو زبان سے کہہ دیا وہ ہو کر رہا۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایسے ہی باکمال حضرات کی نسبت مثنوی شریف میں فرمایا:

گفتہ او گفتہ اللہ بود　　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

مردوں کو زندہ کرنا، مردہ دلوں کو حیات جاوید عطا کرنا خاصانِ خدا کے دست تصرف میں شان قدوسی کی طرف سے دے دیا گیا ہے۔

☆☆☆

علائق دنیوی

بنارس سے سلسلۂ تعلق ترک کر کے جب پھر آپ وطن تشریف لائے اور آپ کی خداداد قابلیت نے وطن کی چار دیواری سے نکل کر شہرت و ناموری کے علمی سبزہ زاروں کی گلگشت شروع کی حکام وقت اور والیان ملک نے قدر دانی اور مرتبہ شناسی کے اظہار کے لیے دست طلب بڑھانا شروع کر دیے اور آپ کی خدمات کو سرکاری کاموں کی انجام رسی کے لیے مانگنا چاہا۔ آپ نے کچھ دنوں محکمہ افتا (جو اس وقت گورنمنٹ میں قائم تھا اور بطور مفتی کے علما کو عہدے دیے جاتے تھے) کو اپنے کلکِ انصاف جو کی روشنائی سے فروغ بخشا۔ اسی دوران میں ریاست دکن سے محکمۂ قضا کی صدارت کا حکم آیا آپ نے اول الذکر صیغے سے دست بردار ہو کر ریاست کو روانگی کا تہیہ کر لیا، مگر بعد مسافت کے لحاظ سے وہاں بھی جانا پسند نہ فرمایا، اِدھر حاکم ضلع کو اپنی کچہری میں عہدۂ جلیلہ سرشتہ داری کے لیے کسی معزز و ممتاز فائق الاقران والعلم کی تلاش ہوئی، ضلع بھر میں اِس قابلیت کا کوئی شخص موجود نہ تھا ہر پھر کر آپ پر ہی نظر پڑتی تھی۔ آخر بکمال اصرار آپ کو رضامند کیا گیا۔ اس وقت ضلع کا صدر مقام سہسوان تھا، جہاں اب تحصیل و منصفی کی دو کچہریاں موجود ہیں، آپ بدایوں سے سہسوان تشریف لے گئے اور غالباً ساڑھے تین سال تک آپ نے جوہر ذاتی سے حکام وقت کو اپنا گرویدۂ لیاقت بنائے رکھا۔

شیخ محمد افضل بدایونی آپ کی نیابت میں کام کرتے تھے۔ جب تک آپ سہسوان اس سلسلے میں قیام پذیر رہے، خوان کرم ہمیشہ کشادہ رہا۔ صبح سے شام تک باورچی خانہ گرم رہتا تھا مطبخی کو حکم تھا کہ جس وقت کوئی اہل وطن صادر و وارد ہو اُس کو فوراً کھانا کھلایا جائے۔ اہل معاملہ اہل قرابت جو کثرت سے روزمرہ تصفیہ مقدمات کے لیے سہسوان جاتے آتے رہتے تھے بلا تکلف آپ کے یہاں مقیم رہتے اور مہمان ہوتے۔ پوری تنخواہ مصارف مہمان نوازی میں صرف ہو جاتی بعض اوقات خرچ کے لیے مکان سے بھی کچھ طلب کر لیا جاتا۔ درس و تدریس کا سلسلہ وہاں بھی برابر

جاری رہتا، اکثر سہسوان کے علم دوست شرفا کو آپ سے اور آپ کے تلامذہ سے شرف تلمذ حاصل تھا اور جب آپ نے اس سلسلے سے بھی قطع تعلق کیا مدرسہ عالیہ [قادریہ] میں مستقل طور پر حلقہ استفادہ کا اجرا فرمایا۔ برابر اہل سہسوان تحصیل علم کی دھن میں بدایوں آتے رہتے اور حضرت تاج الفحول اور مولانا فیض احمد صاحب کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔

مشائخانہ سیاحی میں جب زیادہ تر قیام حیدرآباد دکن میں (جہاں باطنی خدمت سرکار غوثیت مآب کی جانب سے آپ کے سپرد تھی) ہوا، نواب آصف جاہ خلد مکانی اور تمام امرا و اراکین ریاست کو آپ سے عقیدت و ارادت ہوئی۔ آپ کے مصارف کے لیے عالی جناب نواب محی الدولہ بہادر خاں صاحب حضور نظام سابق جنت آشیانی نے کوشش کر کے سترہ روپے یومیہ مقرر کرائے، لیکن اُسی زمانے میں چند مریدین حضرت زبدۃ العرفا حافظ محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ [وفات: ۱۲۶۶ھ/ ۵۰-۱۸۴۹ء] صاحب سجادہ خانقاہ خیرآباد تقرر یومیہ کی کوشش اور فکر میں تھے اکثر فائز خدمت ہوا کرتے تھے، آپ نے ان کو مغموم و کبیدہ خاطر دیکھ کر اپنی علو ہمتی سے اُس یومیہ میں سے چھ روپے یومیہ اُن کے نام فرما دیے اور مستقل طور پر خانقاہ خیرآباد کے لیے یومیہ منتقل کرا دیا۔ اُس وقت سے یہ یومیہ اب تک گیارہ روپے روزانہ کے حساب سے ریاست فرخ نہاد حیدرآباد سے برابر جاری ہے، جس کی تعداد سرکاری سکے سے دو سو ساٹھ روپے ماہوار کے قریب ہوتی ہے۔

☆☆☆

ذوقِ عرفاں

مدارج قرب الٰہی:

منزلِ قرب کے خلوت نشین نورانی وجود، حریم قدس کے پردہ بردار، روحانی ہستیوں والے جب عالم ارواح سے گلشن امکان کی گل گشت کے لیے بھیجے جاتے ہیں اوّل بادۂ الست کے تندوتیز ساغر میخانۂ قدم کی وحدت نگار کشتیوں میں سجا کران کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ حدوث پسند متوالے مینائے حقیقت اساس کی سج دھج سے آنکھیں ملاتے ہی کیف بے خودی سے مخمور ذوق حق شناسی سے سرشار ہوکر ترنگ خمار میں ساقیٔ ازل کا طواف کرتے ہوئے قالو بلیٰ کے خوش آئند ترانے میثاق آفریں لے میں گانے لگتے ہیں۔ اس کے بعد تنزیہ کے نزہت محل سے تشبیہ کے شبہات افروز تماشا گاہ میں آتے ہیں، خلوت وحدت کی فردادائیں، جلوت کثرت کی نیرنگ سازیاں رفتہ رفتہ دل سے محو کرنا شروع کرتی ہیں، لیکن جلوۂ وجوب کی دلکش تجلیاں مجلس امکان میں رخشاں ہوہوکران دور افتادگانِ جادۂ مقصود کواپنی کشش نورانیت سے اپنی طرف کھینچتی ہیں، کبھی فانوسِ خیال میں اللّٰہ نور السمٰوات والارض کے تصور پیکر تصدیق بنا کر چکر میں ڈالا جاتا ہے۔ کبھی نحن اقرب کے پھول تار رگ جاں میں پروکر گلے کا ہار بنائے جاتے ہیں۔ کبھی وفی انفسکم افلا تبصرون کہہ کر پائے نظر کو جولاں گاہ تصور میں رستخیز کیا جاتا ہے، مشعل ہدایت کی اس انوکھی جلوہ ریزیوں سے روشنی پانے والے عینک بصارت کو دیدۂ بصیرت سے دور کر کے سر بہ گریباں ہوہوکر اپنے ہی وجود میں واجب الوجود کی تلاش کرتے ہیں، پردہ برانداز قلب چھپ دب کر ضمیر سے کہتا ہے کہ اے محیط امکان کے چکر لگانے والو! نقطۂ وجوب تک رسائی محال، اگر ان کنتم تحبون اللّٰہ کے احاطے میں صورت پرکار گشت لگانے کی تمنا ہے فاتبعونی کہنے والے کی گردش ابرو پر چلو، اُس کے دائرۂ اتباع میں داخل ہو، مرکز حقیقی حلقۂ چشم بن جائے گا، اگرچہ تمہارے پیش رو الطرق الی اللّٰہ بعدد انفاس الخلق [ترجمہ: اللہ تک پہنچنے کے راستے انفاس مخلوق کی تعداد کے برابر ہیں] کہہ کر ظاہر کر چکے ہیں کہ جادۂ

مقصود (منزل قرب الٰہی) کی راہیں انفاس خلق کی طرح کثیر التعداد ہیں، تاہم اس دائرے سے مرکز تک ہر راہ صورت قطر صراط مستقیم ہی نظر آئے گی۔ اب یہ حلقہ بگوشانِ صاحب قوسین منزل اوّل یعنی طریق اخیار کو اپنے پائے ثبات وقدم استقلال سے طے کرتے ہیں۔ صوم وصلوٰۃ کی پابندی، حج و زکوٰۃ کا ممکن الوقوع اشتیاق راحت جان مراد ہوتا ہے۔ کبھی جہاد نفس کی طرف حوصلہ مند طبیعت جد و جہد کرتی ہے، کبھی تلاوت قرآن عظیم ان کا روح پرور معمول ہوتا ہے، لیکن عجلت پسند جوش طلب تاخیر مقاصد کے ناقابل برداشت عشوہ و انداز کا شکار ہوتا ہے، فائز المرام ہونے کے لیے مدتوں محو انتظار رہنا پڑتا ہے۔

دوسری راہ یعنی طریق ابرار کے اختیار پر خود رفتہ تمنائیں مچلتی ہیں، ولولہ انگیز ارمان اس راہ پر بھی لگا لاتے ہیں۔ اخلاق ذمیمہ سے نفرت، خصائل حسنہ سے رغبت ہونے لگتی ہے، ''دل بیار و دست بکار'' معیار طلب بنتا ہے۔ مجاہدات وریاضات کی تجلی خیز شعاعیں باطنی تاریکیوں کو نیست و نابود کر کے دل کو بقعہ نور بناتی ہیں، تزکیہ نفس سے دل میں جلا پیدا ہوتی ہے، لیکن معراج کمال اور افق اتصال کی بالائی منزل اب بھی مافوق النظر معلوم ہوتی ہے۔ لذت قرب اور ذوق اتصال لمحہ لمحہ ترقی کرتا ہے، جوشِ طلب کبھی نچلا نہیں بیٹھنے دیتا، ہر وقت دامان آرزو بڑھا بڑھا کر شاہد حسن آفریں سے متاع وصل کے لیے حس تقاضا کرتا ہے۔

منزل قرب کی تیسری راہ یعنی حجلہ وصال میں جس کو طریق عشاق کہیے رسائی کے وسائل ڈھونڈے جاتے ہیں، باطنی جذبات اُبھار اُبھار کر از خود اس طرف لے جانا چاہتے ہیں، لیکن جلال بارگاہ اور شان جبروت دور ہی سے چتون دکھاتی ہے، پائے ہمت لغزش میں آ کر عصائے شیخ کا سہارا ڈھونڈتے ہیں، اسی کا نام تلاش مرشد کامل رکھا گیا ہے۔ ہزاروں باکمال منزل مقصود پر پہنچ کر اپنے نقش قدم پر چلنے والوں کو اسی پاک طریق کی تعلیم دیتے چلے گئے کہ مسند تقرب کی حاشیہ نشینی بغیر غاشیہ برداری شیخ طریقت ہرگز ممکن نہیں۔

اس مختصر تمہید سے میرا مدعا یہ نہ تھا کہ مَیں اصول تصوف کو فروغ تحریر کا باعث ٹھہراؤں بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ اتنی سی بات اہل نظر کے پیش نگاہ ہو جائے کہ خاصان خدا کے مراتب کس طرح بتدریج رفعت وعلو کے منازل طے کرتے ہیں۔ انہیں اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے جب حضرت مولانا [سیف اللہ المسلول] کے وقائع سابقہ پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ آپ کی ابتدائی

حالت طریق اختیار سے بالکل مشابہ تھی۔ روزہ نماز کی پابندی کے لیے صرف اسی پر قیاس کر لینا کافی ہے کہ آپ کس بابرکت خاندان کے نونہال تھے، کن خدا رسیدہ ہاتھوں کو آپ کا گہوارۂ تربیت بنایا گیا تھا۔ حج وزکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ابھی قدرت نے وقت مقرر نہ فرمایا تھا، جہاد نفس طلب علم کی مستی نے جیسا کچھ آپ سے کرایا وہ عالم آشکارا ہے۔ بارہ برس کی عمر کو دیکھیے اور پیادہ پا سفر دور دراز پر نظر کیجیے۔ اگرچہ اُس وقت آپ کا منتہائے نظر خاص حصول قرب الٰہی نہ تھا، تاہم ذات الٰہی کا علم حاصل کرنا صفات نامتناہی کی معلومات بہم پہنچانا منشائے حصول کمال ضرور تھا۔

اسی طریق ابرار میں جب آپ کی طرف نظر اُٹھتی ہے ایک طرف اگر علائق دنیوی کے خارزار میں آپ کے دامن کو الجھا ہوا دیکھتے ہیں تو دوسری طرف باوجود تعلقات کے لذائذ دنیوی سے آپ کو بیگانہ محض پاتے ہیں۔ ''باہمہ'' ہوکر ''بے ہمہ'' ہونے کی شان، بندہ ہوکر باخدا ہونے کی آن ہر پہلو سے آپ کی پابند اداؤں میں نکلتی ہے۔ فقرا کی اعانت، غربا کی دستگیری، اعزا کا خیال، احباب کی دلجوئی، درماندوں کی امداد، بےکسوں کی ناز برداری، حاجت مندوں کی حاجت برآری، امرا سے علیحدگی، عمائد سے جدائی، فاسق و فاجر سے نفرت اخلاق کے چمکتے ہوئے جوہر ہیں۔ اسی کا نام خصائل حسنہ رکھا گیا ہے۔ غیبت و ریا، تملق و تکبر افعال ذمیمہ کے چار عنصر مکر و فریب، کذب و افترا، خود رائی و خودستائی اعمال شنیعہ کی شش جہات جوان سے بیگانہ و بیزار وہی مقبول روزگار۔ خدا کا فضل عظیم کہ آپ کی ذات گرامی صفات جہاں شمائل جلیلہ و خصائل جمیلہ کا عطر مجموعہ تھی وہاں اطوار رذیلہ اور حرکات ناپسندیدہ کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔ کہنے کو ملازمت کا حیلہ حوالہ تھا، مگر دراصل اس پردے میں آپ کا امتحان ہونے والا تھا، پابند علائق ہوکر آزادانہ عبادت و ریاضت میں مشغول ہونا جس قدر دشوار ہے وہ جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں، مگر بحمد اللہ کہ آپ نے اِس حالت میں بھی وہی کر دکھایا جو اکابر متقدمین ہی کا کام تھا۔

آخر جانچ کامیابی کے ساتھ ختم ہوئی، جذبات روحانی نے دل میں گدگدی پیدا کی، ذوق حقیقت شناسی نے ارمانوں کو بھڑکایا، مچلی تمنائیں ترقی کے سبزہ زاروں میں ہوا کھانے کی آرزو مند ہوئیں، آتش عشق آہوں سے شرربار ہونے لگی، منزل قرب تک پہنچنے کی خاطر ذکر و اشغال، مجاہدہ و ریاض کو واسطہ وسیلہ بنا کر ہر طرح سلسلہ جنبانی کی، نہ علم و عمل کی کمندیں بام تقرب تک پہنچا سکیں، نہ تقویٰ و ریاضت نے حریم قدس تک رہبری کی۔ آخر طبیب حاذق تھے حکمت الٰہیہ کے

راز کو بجھ گئے کہ ورزش جسمانی جس طرح بدن کی تروتازگی کا سبب ہے اسی طرح کثرت ذکر و شغل روح کو تازہ کرنے کا ذریعہ۔ جس طرح بے احتیاطی، بدپرہیزی امراض جسمانی کے لیے باعث ضرر اسی طرح مشاغل و اذکار میں بے قاعدگی و بے اصولی سے روحانی مضرت کا خطرہ۔ جس طرح امراض جسمانی کی خاطر طبیب فاضل کی ضرورت یوں ہی امراض روحانی کے لیے معالج کامل کی حاجت۔ تصور کی رہبری سے بھی نسخہ اپنے ازالہ امراض کے لیے تجویز کیا گیا کہ اب گھر چل کر (جس طرح مریض ہمیشہ اپنے مزاج داں طبیب کے پاس دوڑتا ہے) اپنے روحانی رہبر کامل سے رجوع کیجیے، والد بزرگوار سے زیادہ (جو اُس وقت مسندِ تقرب کا اکیلا تاجدار تھا) اور کون واقف کار ظرف شناس ہوسکتا ہے۔

حصول بیعت و ترک علائق:

اِسی خیال نے ایک مستانہ بے خودی اور نیاز مندانہ ذوق ارادت کے ساتھ آستانہ شیخ پر پہنچایا، اس سے قبل بھی کئی بار اظہار مدعا ہو چکا تھا، مگر نظر کرم ملتفت ہو ہو کر رُک جاتی تھی، اب کی مرتبہ بے تابانہ اصرار کے ساتھ عرضداشت پیش ہوئی، والد اقدس کی مہر بھری نگاہیں بیٹے کی سعادت مند جبین نیاز پر پڑتے ہی تاڑ گئیں کہ اس مرتبہ طلب صادق کا جوش ہے، زبان کا کام چشم سخن گو نے کیا، تحریر چشم بیت موزوں بن کر پیش نظر ہوگئی، آپ بھی سمجھ گئے کہ شیخ کی چشم سخن گو کھلے لفظوں میں پکار رہی ہے کہ:

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں   ایں خیال است و محال است و جنوں

[ترجمہ: خدا کی طلب بھی رکھتے ہو اور حقیر دنیا کو بھی چاہتے ہو! یہ صرف خیال ہے، محال ہے اور جنون ہے۔]

ادھر شیخ کے اداشناس آستانہ بوس جو پہلے سے آگاہ کر دیے گئے تھے، آپ کو تسکین آمیز الفاظ میں سمجھانے لگے اور صاف طور پر منشائے شیخ سے ظاہر کر دیا کہ جب تک یہ تعلقات دنیوی آپ کے دامن سے وابستہ ہیں کمال باطنی میں کمال حاصل ہونا دشوار ہے۔ آپ نے اسی وقت ملازمت سے ترک تعلق کرنے کا مصمم ارادہ فرمایا۔ استعفیٰ دے کر خدمات سرکاری سے سبک دوشی حاصل کی۔ اس کے بعد ہجوم شوق اور کمال عقیدت سے طریقہ انیقہ عالیہ قادریہ میں اپنے والد بزرگوار امام الاولیا شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا شاہ عبد المجید عین الحق قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دست خدا

پرست میں ہاتھ دے کر مشرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

طریقہ بیعت مشائخ سلسلۂ قادریہ برکاتیہ:

اس سلسلۂ عالیہ کے مشائخ کرام اوّل مرید صادق کو وضوئے تازہ سے ادائے نوافل کی ہدایت فرماتے ہیں، کم از کم دو رکعت نماز نفل (جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص تین تین بار پڑھی جاتی ہے) ادا کرنے کا حکم ہوتا ہے، طالب بیعت تا وقتے کہ شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ نہ پہنچے نوافل کے بعد خاموش صورت شیخ کے تصور میں مشغول رہتا ہے۔ جس وقت بیعت کے لیے شیخ کا دست تصرف مرید کے ہاتھ میں پہنچتا ہے کلمۂ طیبہ کے ساتھ تجدید ایمان کرائی جاتی ہے۔ اُس کے بعد تمام معاصی و جرائم سے باقرار لسان و بتصدیق قلب تین بار توبہ کرائی جاتی ہے، توبہ کے بعد کلمات دعائیہ جو شیخ کی زبان سے ادا ہوتے ہیں، مرید بھی اپنی زبان سے اُن الفاظ کا اعادہ کرتا ہے، اب خاص وقت آتا ہے کہ شیخ کی باطنی توجہ مرید کے قلب کو گرماتی ہے۔ تین مرتبہ شیخ کی توجہ کا اثر مرید کے جذبۂ صادق کو ابھارتا ہے، توجہ کے بعد شیخ کی جانب سے ایجاب اور مرید کی جانب سے قبول کے کلمات تین تین بار ادا ہوتے ہیں۔ اگر مرید تنہا ہے تو اسی وقت اور اگر جماعت ہے تو فرداً فرداً اسی طرح ہر شخص سے ایجاب و قبول کے بعد صرف ایک بار شجرۂ طیبہ پڑھایا جاتا ہے، شیخ کی زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں سب مرید اپنی اپنی زبان سے ان کو دہراتے ہیں۔ اُس کے بعد فاتحہ کی شیرینی تعظیم و ادب کے ساتھ مرید خاص طور پر شیخ کے ہاتھ سے اپنے اپنے دامنوں میں کھڑے ہو کر لیتے ہیں، اسی انداز پر جس وقت حضرت مولانا نے اپنے دست طلب کو شیخ کے دست کرم ریز میں دیا پہلی ہی توجہ میں خزائن معرفت سے مالا مال ہو گئے، انوار الٰہی سے قلب روشن آئینۂ حریم قدس بن گیا۔

ظرفِ عالی اگرچہ بہت کچھ وسعت پذیر تھا، لیکن شیخ کی شان کریمی کے سیلاب عظیم کو نہ روک سکا، دوسری اور تیسری توجہ نے عروس حقیقت کی بے نقاب رونمائی کرا کر نہ صرف وارفتۂ جمال ہی بنا دیا بلکہ وادیٔ ایمن کا عالم نظروں کے سامنے پھر گیا۔ بے خودی اور مدہوشی نے دامن کھینچا، سر و پا کا ہوش باقی نہ رہا، جذب کی حالت طاری ہو گئی، شجرہ پڑھتے پڑھتے حالت متغیر ہونے لگی۔

بیعت سے فراغ کے بعد رنگ نیرنگی نے رنگ جمایا، نگار خانۂ عالم کی رنگ رلیاں بے لطفی و بے رنگی کی رنگت میں ظاہر ہو ہو کر نگاہوں سے گر گئیں۔ کچھ دنوں شیخ کے تار نگاہ سے دامان قبا نے چولی دامن کا ساتھ رکھا، نظروں سے اوجھل نہ ہو سکے، مگر جذب کی ولولہ خیز ترقیاں گریباں گیر

تھیں، ان سے گلوخلاصی نہ ہوسکی۔ آخر گھر کو خدا حافظ کہہ کر جس طرف کو منھ اُٹھا چل دیے۔

عرصے تک یہی حالت رہی بجز اوقات نماز ہر وقت ماسوا سے بےخبری رہتی تھی، بے خودانہ مستی کی دُھن میں خدا معلوم کہاں کہاں کی سیاحی کی، کس کس جگہ قیام کیا، مختلف اشخاص نے مختلف رنگوں میں آپ کو مستغرق ریاضت پایا، نفس کشی کے لیے سخت سے سخت مجاہدات آپ نے کیے، متقدمین کے انداز ریاض جو کانوں سنے تھے دیکھنے والوں نے اپنی آنکھوں دیکھے۔ کبھی لذت بادیہ پیمائی سے حلاوت پائی، کبھی دامن کوہ سے دامن باندھ کر چلہ کشی فرمائی۔ بارہ سال تک اسی طرح اسمائے جلالی و جمالی کے اشغال میں محو رہ کر منازل تلوین کو طے کیا۔ مسند تمکین پر جلوہ افروز ہوئے، سیر فی اللہ کی محویت آفریں شاہراہ میں رسائی ہوئی، بے خودی نے کام بنایا، نسبت چشت غالب آئی، ہندالولی کی سرکار سے سند ولایت کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت نے آپ کو بالکل اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

کشاں کشاں آپ دربارِ دُربار حضرت قطب صاحب پر حاضر ہوئے، آستانہ بوسی کی تہ میں راز کمال پائی اور سر کامیابی مضمر تھا۔ یہاں صبغۃ اللہ کی رنگی کا وہ چوکھا رنگ آپ پر چڑھا کہ بالکل رنگ گئے۔ حالت جذب نے تنزل کیا، سکر کی کیفیت سکون طبیعت کا سبب ہوئی، نعمت باطن اور دولت عرفان کے ان گنت خزانوں سے جھولیاں بھرلیں، چندروزہ حاضری میں برکات بیکراں کے علاوہ طی الارض کا خصوصی تمغہ عطا ہوا، جس نے ''سیر وافی الارض'' کی تمام مشکلات کو آسان کردیا۔

حضور سید العالمین ﷺ کا نظارہ جمال:

انھیں ایام میں ایک بزرگ صاحب دل سے ملاقات ہوئی بہ اشارۂ روحانیت حضرت دستگیر عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُنھوں نے ایک خاص درودشریف کی جو معمولات خاندان حضرت سید آل حسن رسول نما دہلوی (۱۱) سے ہے اور قصیدۂ بردہ شریف کے اِس شعر کی اجازت دے کر آپ کے اوراد میں داخل فرمایا:

هو الحبيب الذي ترجى شفاعته　　　لكل هول من الاهوال مقتحم

[ترجمہ: وہ ایسے حبیب ہیں کہ پیش آنے والے ہر خوف وخطر میں ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔]

اس درودشریف کی کثرت اور اس مبارک شعر کی برکت سے نوشاہِ کون و مکاں، عروس

(۱۱) آپ کے حالات کے لیے ملاحظہ کریں صفحہ 367 حاشیہ ۱۱۔

مملکت ربانیہ، جانِ جہاں، جانانِ عالم حضور رحمۃ للعالمین (روحی لہ الفدا) کے نظارۂ جمال باکمال سے چند بار مشرف ہوئے۔ اِس واقعہ کا مفصل تذکرہ آئندہ مکتوبات میں خود حضور اقدس کی زبانِ قلم سے ناظرین کے گوش گزار ہوگا۔

پہلی بار طالعِ بے دار نے اس انداز سے دربارِ پُر انوار میں باریابی کا اعزاز حاصل کیا کہ حضور پُر نور کو چاہِ زمزم پر جلوہ افروز پایا، خود کو بھی خوبیٔ قسمت سے وہیں حاضر دیکھا، چاہِ زمزم کا پانی جوش کھا کر ادھر آتا معلوم ہوا، آپ پانی کو اپنے ہاتھوں میں لینے اور نکال دینے میں مشغول نظر آئے، رخسار ہائے مبارک اس درجہ تجلّی خیز ہیں کہ نگاہیں فروغِ نور سے خیرہ ہوتی ہیں۔

دوبارہ لذتِ حضوری کا لطف اس آن بان سے حاصل ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ ایک جگہ جلوس فرما ہیں، لوگ حاضر ہوتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، خود کو بھی محوِ آمد و رفت پایا، لیکن واپسی کے وقت یہ محویت اس درجہ بے خودی کو پہنچی کہ سات بار حضور کا طواف کیا۔

تیسری بار کی رویت میں تجلیاتِ رحمت و انوارِ کرم نے نئی سج دھج دکھائی، ذوقِ تکلم اور عزتِ مخاطبت سے سرفرازی حاصل ہوئی۔ حضور شافع یوم النشو ﷺ کو وہی شعر قصیدۂ بردہ شریف کا تلاوت فرماتے ہوئے پایا اور بکمال شانِ کرم ارشاد ہوا کہ قصیدۂ بانت سعاد مصنفہ کعب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر بھی خوب ہے وہ بھی پڑھنا چاہیے اور خود حضور اکرم (روحی لہ الفدا) نے اِس پاک شعر کو اپنی زبانِ مبارک سے ادا فرما کر اُس کے پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی، لیکن حضرت اقدس جب بیدار ہوئے یہ شعر ذہن مبارک سے اُتر گیا۔ جی تڑپ کر رہ گیا، انقباضِ روح ہونے لگا، کسی طرح کشود کار نہیں ہوئی، فوراً عریضہ خدمتِ شیخ میں یعنی حضرت والد بزرگوار کی جناب میں حاضر کیا۔ اُس شعر کو دریافت کیا، قصیدۂ بردہ شریف کی خاندانی معمولات کے مطابق اجازت چاہی، یہاں آئینہ قلب پر پیشتر ہی سے یہ تمام واقعات عکس افگن ہو ہو کر رونما ہو چکے تھے، تقاضائے ہمت عطا پاشی کے لیے طلبِ صادق کا منتظر تھا، جب یہ عقیدت آفریں طلب نامہ نگاہوں سے گزرا اکرام و انعام کی نچھاور ہوئی، سلاسل خمسہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، مداریہ کی اجازت مع تمام معمولات خاندانی و سندِ خلافت کے دربارِ شیخ سے مرحمت فرمائی گئی۔ تکمیلِ مراتب کے بعد مدارجِ تقرب میں جتنا جتنا علو و اتصال ہوتا جاتا تھا اُسی قدر دربارِ نبوت کی حاضری کا شوق دل کو ابھارتا تھا۔

☆☆☆

سفر حجاز [و عراق]

پہلا سفر حج:

۱۲۵۵ھ قدسی [۴۰-۱۸۳۹ء] میں ☆ سالہا سال کی ریاضت شاقہ کے بعد اِسی جذب و بیخودی کے عالم میں آستانۂ حضرت قطب صاحب علیہ الرحمۃ سے حج کا احرام باندھ کر پیادہ پا تہیّہ سفر کر دیا۔ دہلی سے روانہ ہو کر دار الخیر یعنی دربار اجمیر میں حضرت سلطان الہند غریب نواز کی حضوری سے مشرف ہو کر فیوض و برکات کی بے شمار نعمت بطور زادِ راہ سلطان غریب نواز کی بارگاہ سے حاصل کی۔ یہاں سے بھی اُسی مستانہ دُھن میں احمد آباد گجرات ہوتے ہوئے سورت میں ہمہ تن نور کی صورت داخل ہوئے۔

راستے بھر خاصانِ الٰہی کی پاک روحیں اپنے اپنے مقام پر آپ کو برابر نوازتی رہیں۔ ہر جگہ سے دامن بھر بھر کر باطنی دولت عطا کی گئی۔ دہلی سے سورت تک پیادہ پا سفر کرنا کوئی آسان بات نہ تھی، بعد مسافت کا خیال کیجیے، راہ کی دشواریوں کو سوچیے، بہت سے دریا، پہاڑیاں، جنگل وغیرہ کی طرف نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تن تنہا محض ایک شخص کے لیے کس قدر خطرناک سفر تھا، لیکن آپ کو ہر وقت آپ کی ہمت وارادت لا تحزن ان اللہ معنا [ترجمہ: خوف نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے] کی حوصلہ بخش آیت پڑھ کر سنا دیتی، نہ کچھ خوف تھا نہ ہراس۔

چھ مہینے کا سفر باوجودے کہ راہ میں آستانوں پر قیام کیا، اولیائے کرام کی زیارت کا اہتمام ملحوظ نظر تھا، پھر بھی صرف سترہ دن میں طے فرمایا۔ سورت میں جس وقت آپ کی اِس دَھج سے تشریف آوری کی خبر مشہور ہوئی، خدائی بھر کی نگاہیں حیرت واستعجاب کے ساتھ آپ پر پڑنا شروع ہوئیں۔ بکثرت لوگ دامن دولت سے وابستہ ہونے لگے، چونکہ زمانۂ حج بالکل قریب آ گیا تھا

☆ مولانا انوار الحق عثمانی نے پہلے سفر حج کا سنہ ۱۲۵۵ھ ہی تحریر کیا ہے (طوالع الانوار: ص ۸) لیکن حضرت تاج الفحول نے ۱۲۵۴ھ تحریر فرمایا ہے۔ دیکھیے: الکلام السدید: ص ۲ (مرتب)

اس لیے لوگوں کی مشتاق آرزوئیں آپ کو روکنے میں ناکام رہیں۔

سورت سے بذریعہ جہاز خورد بادبانی آپ نے سفر کیا، یہ جہاز بھی خلاف معمول بہت ہی قلیل عرصے میں منزل مقصود تک پہنچ گیا اور جدّہ میں جا کر لنگر انداز ہوا۔ جدہ سے مکہ معظّمہ تک اگر چہ اونٹ کرائے پر لیا گیا تھا لیکن آپ کے پیادہ پا سفر طے کرنے کا ایک دوسرا سامان پیدا ہو گیا۔ ہمیشہ سے ہمت عالی غربا و مساکین کی امداد و اعانت کے لیے وقف تھی، یہاں ربّ کعبہ نے آپ کی مربّیانہ خدمات کو ایک بیوہ عورت و یتیم بچے کی نگہ داشت کے لیے مامور کر دیا۔

اِس کا قصّہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ آپ حسن اتفاق سے مَین پوری تشریف فرما ہوئے، وہاں آپ کے شاگرد رشید جناب شیخ جمال الدین صاحب مرحوم نے (جو حکومت کے معزز عہدے پر فائز تھے) کمالِ خلوص اور نیاز مندی کے ساتھ اپنے مکان پر قیام کے لیے اصرار کیا۔ شب کو اپنے ملازمین میں سے ایک نوجوان شخص کو آپ کی خدمت کے لیے منتخب کر کے حکم دیا کہ وہ شخص خود مع دیگر ملازمین کے رات بھر پنکھا کرنے پر مامور رہیں اور یکے بعد دیگرے نوبت بہ نوبت بدلتے رہیں۔ مگر یہ نوجوان شخص ہی جب سے آپ شیخ صاحب کے مکان پر رونق افروز ہوئے، خود بخود محبت و عقیدت کے ساتھ آپ کی خدمت کو کمالِ سعادت سمجھتا رہا۔ شب کو سب سے اوّل خوشی خوشی حاضر خدمت ہوا اور اِس خدمت میں کچھ ایسا مستغرق اور محو ہو گیا کہ بالکل کسی دوسرے ملازم کو پاس نہ آنے دیا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ تہجد کے وقت بھی وضو کے پانی وغیرہ کا انتظام کیا، جب نماز فجر کے لیے اول وقت سے آپ مسجد کو تشریف لے گئے تو یہ شخص ضروریات سے فارغ ہونے کے لیے مکان کو گیا۔ رات کو مکان نہ آنے کا سبب اُس کی والدہ نے دریافت کیا، لڑکے نے جواب دیا کہ ”ہمارے شیخ صاحب کے وطن سے ایک بڑے بزرگ عالم حاجی حرمین تشریف لائے ہیں، اُن کی خدمت میں میرا جی خود بہ خود ایسا لگا کہ بالکل جدا ہونے کو طبیعت نہ ہوئی، رات بھر انہیں بزرگ کی خدمت میں بسر ہوئی اور ابھی پھر جا رہا ہوں“۔ لڑکے کی یہ تقریر سنتے ہی ماں کی حالت بدلی چہرے پر عقیدت آ گیں رنگ دوڑ گیا، لڑکے سے نام اور جائے سکونت دریافت کیا۔ نام و نشان معلوم ہوتے ہی بے ساختہ جوشِ رقت اُس نیک عورت کو طاری ہوا اور لڑکے کے ہمراہ خود بھی شیخ صاحب کے مکان پر حاضر خدمت اقدس ہوئی۔ جبین نیاز قدموں کی جانب جھکا کر عرض کیا کہ ”حضور نے اِس جوان اور مجھ ناتواں کو پہچانا؟“۔ حاضرین نے حضرت اقدس کو خاموش دیکھ کر عورت سے

استفسار حال کیا۔

اُس وقت اُس ضعیفہ نے اپنا واقعہ سنانا شروع کیا کہ یہ بیکس اِس لڑکے کے والد کے ہمراہ حج کو گئی تھی، جہاز میں شوہر بقضائے الٰہی فوت ہوگیا۔ بچہ شیر خوار تھا، جب جدّہ میں جہاز سے مسافر اُتر کر مکہ مکرمہ کو روانہ ہونے لگے میں اِس بچے کو گود میں لیے ہوئے پیادہ پا اُس مقام پر پہنچی جہاں اونٹ جمع ہوتے ہیں۔ بیکسی کا سفر، شوہر کے مرنے کا غم، زادِ راہ کچھ پاس نہ تھا۔ اِسی عالم یاس میں یہ سوچ کر کہ قافلے آتے جاتے ہیں شاید کوئی خدا کا نیک بندہ بچے کے حال پر ترس کھا کر اُس کو اُٹھا لے اِس ضعیفہ نے بچے کو ایک پتھر پر لٹا دیا اور خود قافلے کے پیچھے ہولی، لیکن ماں کی محبت کب پیچھا چھوڑنے والی تھی؟ تھوڑی دور چل کر پھر واپس آئی، بچے کو گود میں اُٹھایا، آنکھیں اشکوں سے پُر آب ہوگئیں، آسمان کی طرف دیکھا اور بے ساختہ آہ نکل گئی۔ پھر بچے کو خدا حافظ کہہ کر چٹان پر لٹایا اور جی کڑا کر کے مکہ معظّمہ کی راہ لی۔ تھوڑی دور پھر چلی اور پھر لوٹ آئی، یہی اتفاق کئی بار رہا۔ اِسی اثنا میں حضور اقدس کی نگاہ پڑی، بچے کا پتھر پر بلکنا، عورت کا بے قرار ہو ہو کر بار بار آنا جانا دیکھا۔ شان کرم اور جوشِ شفقت کی لہریں دل میں دوڑ گئیں، ضعیفہ عورت سے فرمایا کہ ''مکہ معظّمہ تک یہ اونٹ جائے گا، تم مع اپنے بچے کے اونٹ پر آرام واطمنان سے بیٹھ کر چلو''۔

بیوہ عورت اور یتیم بچے کی اِس طرح دستگیری فرمائی خود بدولت پا پیادہ روانہ ہوئے۔ مکہ معظّمہ پہنچ کر مقصود اصلی یعنی شرف حج سے فارغ ہوکر مدینۃ الرسول کی حاضری کا قصد کیا۔ قافلے کے ساتھ آپ کا اونٹ بھی روانہ ہوا، آبادی سے باہر نکل کر معلوم ہوا کہ ایک شیر خوار بچہ زمین پر پڑا ہوا ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ آپ کو فوراً خیال آ گیا، اونٹ سے اُتر کر بچے کے قریب آئے، معلوم ہوا کہ وہی بچہ ہے۔ آپ نے بچے کو گود میں اُٹھا لیا، اُس کی ماں کو قافلے میں تلاش کر کے بلوایا اور پھر نہایت محبت وشفقت کے ساتھ اپنا اونٹ عورت کو مرحمت فرمایا اور خود پیادہ روی سے یہ سفر برکت اثر طے کیا۔ راستے بھر جہاں بچہ دودھ کے لیے روتا آپ راستے میں اگر بدوؤں کی آبادی ہوتی مکانوں پر جا جا کر دودھ فراہم کرتے، ورنہ قافلے میں جس طرح ہوسکتا بچے کو دودھ پلواتے۔

مکہ معظّمہ میں یہ عورت خود جماعت مساکین میں جا کر شامل ہوگئی تھی، لیکن مدینہ منورہ پہنچ کر عورت کو زادِ راہ بھی کافی مرحمت فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ عورت صحیح وسلامت مع اُس طفل شیر خوار کے اپنے وطن واپس آ گئی اور وہ بچہ اب جوان ہوکر اِس قابل ہوا تھا کہ شیخ صاحب کے

یہاں نوکری کی خدمات انجام دیتا تھا۔ حاضرین نے جب یہ واقعہ اور اِس درجہ شفقت کا حال سنا وجد کرنے لگے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ''ہم کو بالکل اس واقعے کا خیال بھی نہ رہا تھا، مدتوں کی بات آج اِس نیک بخت نے یاد دلائی''۔

غرض یہ پہلا سفر دہلی سے مدینہ طیبہ تک پیادہ پا طے ہوا۔ کعبے میں تجلیات الٰہی کی جلوہ ریزیاں نور باطن کے فروغ کا سبب ٹھہریں۔ مدینے میں حضور رحمت عالم (روحی له الفدا) کی خصوصی رحمتوں نے مالا مال کیا۔ دونوں جگہ علما و مشائخ کرام کی مجالس میں شرکت فرمائی، اکابر حجاز وعرب کی زیارت کی، اصحاب عظام کے مزارات سے فیض روحانی حاصل کیا، اسناد حدیث دونوں جگہوں کے اجلۂ مشائخ سے (جو اُس وقت تمام بلادِ عرب میں استاذ العلما اور شیخ وقت مانے جاتے تھے) لے کر ہندوستان کو مراجعت فرمائی۔

اجازت قصیدۂ بردہ شریف:

آپ نے قیام حرمین طیبین میں ایک بزرگ خدا رسیدہ کا (جو عامل قصیدۂ بردہ شریف تھے) آوازۂ کمال سنا تھا۔ خاطر اقدس میں تمنائے اجازت قصیدۂ بردہ شریف بہ درجۂ غایت پیدا ہوگئی۔ یہ بزرگ مشائخ و سادات بلاد حضرموت [یمن] سے تھے، اسم شریف سید تھا۔ جب جہاز بادبانی نواح حضرموت میں ایک شہر کے قریب (جو ساحل بحر پر واقع تھا) پہنچا معلوم ہوا کہ وہ بلدہ جائے قیام حضرت سید صاحب یہی شہر ہے جس کا نام بھی خیر سے 'شہر' ہے۔ اُس وقت آپ کے اشتیاق دلی میں ہزاروں تمناؤں کا ہجوم ہوا، ارمان و آرزو نے بے اختیار سید صاحب کی زیارت پر آمادہ کیا، مگر مجبوری، مایوسی کی مختلف صورتیں پیش نظر کرتی تھی، کبھی یہ خیال کہ 'شہر' بہت چھوٹی سی جگہ ہے جہاز رُکے گا کیوں، کبھی یہ خطرہ کہ مکان دور ہوگا جانا دشوار ہے۔ اُمید و بیم کی حالت میں لطف الٰہی اور کرم سرکار رسالت پناہی ڈھارس بندھاتا تھا کہ ان شاء اللہ تمنا ضرور پوری ہوگی۔ یہی ہوا کہ جہاز ناموافقت ہوا کے باعث بندرگاہ 'شہر' پر دو روز تک لنگر انداز رہا۔ ستم ظریف مسلمان ناخدائے جہاز نے مسافرین کو جہاز سے اترنے کی ممانعت کر کے ایک اور نئی مصیبت کا سامنا کرایا، مگر آپ کے شوق طلب نے آپ کو اجازت طلبی پر مجبور کیا۔ افسر جہاز نے ایک اور شرط کی قید لگائی کہ صرف اُس شخص کو اجازت دی جائے گی جس کی اہم ضرورت ثابت ہوجائے گی۔ اس شرط کے مطابق آپ نے بھی اپنی ضرورت پیش کی، جواب ملا کہ یہ کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے کہ جہاز سے

اُترنے کی اجازت دی جائے بذریعہ خلاصیان جہاز یہ ضرورت رفع کردی جائے گی۔ جب ہر طرح افسر جہاز کے خشک جوابوں سے مایوسی ہوئی تو آپ نے بھی سکوت فرمایا اور دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے۔ از خود جانا اس وجہ سے پسند نہ فرمایا کہ نہ معلوم کس وقت ہوا موافق ہوجائے اور جہاز بلا انتظار مسافرین چھوڑ دیا جائے۔ آپ کے جذبات روحانی کو صدمہ پہنچنا قدرت کو منظور نہ ہوا، تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ افسر جہاز نے آپ کو آواز دی، مگر آپ پہلی آواز پر مخاطب نہ ہوئے، دوبارہ اُس نے پھر قریب آکر آپ کو بلایا، آپ نے فوراً فرمادیا کہ ''مجھے کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کا ثبوت پیش کروں''۔ آپ کے جواب پر افسر جہاز نے ہنس کر کہا کہ ''ابھی تک آپ کو مجھ سے ضرورت و حاجت تھی، اب مجھے آپ کی ضرورت ہے''، یہ کہہ کر آپ کو ہمراہ لیا اور جہاز سے خشکی میں اُتار کر سید صاحب کے مکان تک آپ کی ہمراہی میں آیا۔

آپ جس وقت داخل مکان ہوئے اتفاق سے ورد کا وقت تھا، طریقہ ورد یہ تھا کہ بعد نماز اشراق سید صاحب مسجد میں پشت بقبلہ ہوکر بیٹھتے تھے، جملہ طالبان سامنے صف بنا کر بیٹھتے تھے، دوسرے اشخاص صف طالبان کے عقب میں ہوتے تھے، سید صاحب خود بہ نفس نفیس قصیدہ شروع فرماتے، بقیہ اشخاص سنتے رہتے، اعتصام واختسام وادعیہ محل اجابت پر جملہ طالبان اجازت سید صاحب کے ساتھ بہ آواز بلند مجموعی طور پر پڑھتے، دوپہر کے قریب ورد ختم ہوتا، اس کے بعد فاتحہ ہوتی، لوگ منتشر اور متفرق ہوجاتے۔ سید صاحب تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے، پھر اُٹھ کر نماز ظہر پڑھتے، بعدۂ جماعت حاضرین کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ کھانا کھا کر جنگل کو تشریف لے جاتے، نماز عصر کے لیے واپس آتے، عصر سے مغرب اور مغرب سے دوسری صبح تک تلاوت قصیدۂ شریفہ تک بالکل خاموش رہتے، صرف نماز ظہر سے فراغ طعام تک بات چیت فرماتے۔ چنانچہ اُس روز جب تلاوت ختم ہوچکی اور بعد نماز کھانے کا وقت آیا، افسر جہاز نے کھانے سے فارغ ہوکر سید صاحب کو کچھ نذر پیش کی اور عرض کیا کہ یہ ہندی بزرگ حضور کا ازحد مشتاق تھا اس وجہ سے مَیں اپنے ہمراہ لے کر آیا ہوں، سید صاحب نے جواب دیا کہ ''خوب کیا جو لائے''، اُس کے بعد ناخدا نے کچھ حالات اپنے وطن کے عرض کیے، ناخدا بندر ''محہ'' کا رہنے والا تھا۔ صرف اِس قدر گفتگو کے بعد آپ مع ناخدا رخصت ہوکر جہاز پر آئے۔

دوسرے روز آپ تنہا تشریف لے گئے اور قبل شروع ورد مسجد میں پہنچ گئے، حسب معمول

سید صاحب اپنی جگہ پر اور طالبان موجودہ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، آپ کو جب حلقے میں جگہ نہ ملی تو آپ دست بستہ کھڑے ہو گئے، ایک شخص نے آپ سے کہا ''اے ہندی چرا استادہ بیروں شو'' [ترجمہ: اے ہندی کھڑے کیوں ہو؟ باہر جاؤ] تو سید صاحب نے اُس شخص سے غصے میں فرمایا ''بیروں رو'' [ترجمہ: تم باہر جاؤ] وہ شخص پیچ وتاب کھا کر حلقے سے اُٹھ گیا۔ سید صاحب نے آپ کو اُس جگہ بیٹھنے کا حکم دیا، آپ بھی بہ ارشاد سید صاحب شریک ورد ہوئے۔

بعد فراغ جب سید صاحب قیلولہ کے لیے تشریف لے گئے آپ بھی داخل آرام گاہ ہوئے اور سید صاحب کی مالیدن پا کا قصد کیا، سید صاحب نے نہایت شفقت و محبت سے خلاف عادت سلسلۂ تکلم شروع کیا اور اجازت قصیدہ مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد سید صاحب محو استراحت ہوئے اور آپ وہیں منتظر تشریف فرما رہے۔ یہاں تک کہ سید صاحب نے اُٹھ کر نماز ظہر ادا فرمائی اور بروقت طعام آپ کو اپنے برابر بٹھلا کر کھانا کھلایا۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی افسر جہاز کا آدمی پیغام اجل کی طرح آیا اور کہا کہ ''جلد چلیے ورنہ جہاز چھوڑ دیا جائے گا''۔ مجبوراً آپ نے اجازت چاہی، دعائے برکت کے ساتھ سید صاحب نے آپ کو رخصت فرمایا۔

اس عجلت میں ادعیہ و اسناد لکھنے کی نوبت نہ آئی، دوبارہ حضرت اقدس [شاہ عین الحق عبدالمجید] قدس سرہ المجید کی ہم رکابی میں جب جہاز پھر اس نواح میں پہنچا، آپ نے حضرت اقدس [شاہ عین الحق عبدالمجید] سے عرض کیا کہ ''اس طرح اجازت قصیدۂ بردہ شریفہ حاصل کی تھی، مگر افسوس کہ بعض ادعیہ فراموش ہو گئیں''۔ حضرت اقدس [شاہ عین الحق عبدالمجید] نے مسکرا کر فرمایا کہ ''تاسف کی اور دوبارہ شہر میں جانے کی حاجت نہیں ہے، ہمیں سب معلوم ہے''، یہ فرما کر اپنی بیاض جو ہمراہ تھی آپ کو مطالعے کے لیے عطا فرمائی۔ آپ نے بیاض میں تمام اسناد و ادعیہ حرف بحرف جس طرح سید صاحب کی زبان سے سنے تھے مطابق پائے۔ اگر چہ بے انتہا مسرت کے ساتھ کچھ شک باقی نہ رہا، لیکن پھر بھی یہ وسوسہ ہوتا تھا کہ صرف دو مرتبہ قصیدۂ شریفہ سننے کی نوبت آئی ہے شاید کوئی دعا زائد از بیاض عطیہ پیر و مرشد رہ گئی ہو۔ یہاں تک کہ تیسری مرتبہ عدن میں سید صاحب کے ایک مرید سے ملاقات ہوئی، اُن کے پاس سید صاحب کی دستخطی اجازت مع اسناد و ترکیب کے لکھی ہوئی موجود تھی، آپ نے جب بیاض سے مقابلہ کیا تو بالکل حرف بحرف مطابق پایا۔ اُس وقت آپ کو معلوم ہوا کہ اس قدر اشتیاق و تمنا کے ساتھ سرزمین حجاز

میں آ کر جو خاص بات حاصل کی تھی وہ بھی اپنے گھر میں موجود تھی۔

سید صاحب کا سلسلہ طریقت حضرت صاحبِ قصیدۂ بردہ شریف سے ملتا ہے۔

اِس قصیدۂ متبرکہ کے فوائد و خواص احاطۂ قیاس سے باہر ہیں، چنانچہ خود [سیف اللہ المسلول] فرماتے ہیں:

فوائد ایں قصیدہ مبارکہ در حصول مطالب ظاہر و باطن بے شمار و بر السنہ خلق مشہور و در رسائل و دفاتر مسطور۔ اما عمدہ آنست کہ در بر عمل از ظاہر و باطن دنیا و آخرت قطع نظر باید نمود۔ خالصا بوجہ اللہ مخلصین لہ الدین باید بود، بر روئے توجہ نہ تخت و سلطنت باشد، نہ سوئے جنت و ولایت، در حدیث آمدہ: الدنیا حرامٌ علی اھل الآخرۃ و الآخرۃ حرام علی اھل الدنیا و کلاھما حرامان علی اھل اللہ آوردہ سیوطی فی الجامع الصغیر۔

[ترجمہ: ظاہر و باطن کے حصول مطلب کے لیے اس قصیدۂ مبارکہ کے فوائد بے شمار ہیں۔ یہ قصیدۂ مبارکہ لوگوں کے زبان زد اور بے شمار کتب و رسائل میں مذکور ہے۔ اِس قصیدۂ مبارکہ کو عمل میں لانے کا سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ دنیا و آخرت کے تمام ظاہر و باطن سے قطع نظر کر کے اسے محض رضائے الٰہی اور اخلاص کے ساتھ پڑھا جائے، نہ کہ تخت و تاج اور ولایت و جنت کے حصول کے لیے۔ کیوں کہ حدیث مبارک میں ہے کہ ''دنیا آخرت کے خواست گاروں کے لیے حرام اور آخرت دنیا داروں کے لیے حرام اور یہ دونوں (دنیا و آخرت) اہل اللہ پر حرام ہیں''۔ اِس حدیث کو امام سیوطی نے 'الجامع الصغیر' میں روایت کیا ہے۔]

حج ثانی:

بمبئی جب آپ کے ورود کی خبر ہوئی عمائد شہر نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ آپ کے کمالات و تصرفات مختلف عنوان سے ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ کبھی معالجہ و ادویات کی صورت میں، کبھی تعویذ و عملیات کے پیرائے میں۔ اِس فیض عام کو دیکھ کر نامی گرامی تاجر، معزز و باوقار رؤسا حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ بانی جامع مسجد بمبئی کے دونوں فرزند نواب جعفر علی خاں نواب سورت، نواب بیلہ چودھری امداد علی خاں، نواب اسمٰعیل خاں رؤسائے گرامی قدر ضلع پونہ ساکن قصبہ کلیانی وغیرہ

سب آپ کے مریدین با اخلاص میں تھے۔

ابھی آپ بمبئی ہی رونق افروز تھے کہ مکان سے خبر آئی کہ حضرت کے والد ماجد حضرت سیدی مولانا شاہ عین الحق قدس سرہ المجید مع قافلۂ عظیم الشان کے عالم ضعیفی میں بکمال غلبۂ عشق بقصد حج و حاضریٔ دربار رسالت وطن سے روانہ ہوکر ریاست بڑودہ تک تشریف لا چکے ہیں۔

فوراً بے تابانہ قدم بوسی کے اشتیاق میں بمبئی سے روانہ ہوکر بڑودہ پہنچے، شیخ کے جمال حق نما کی زیارت سے آنکھوں کو پُر انوار بنایا۔ قدم پاک پر جبین نیاز رگڑ کر نوشتۂ تقدیر میں اضافہ حسنات کیا اور پھر ہمرکابیٔ شیخ میں قصد حرمین فرمایا۔ اب یہ قادری برات بن سنور کر نوشاہِ حجلۂ توحید حضرت مولانا شاہ عبد المجید قدس سرہ کو دولہا بنائے جانب حجاز روانہ ہوئی۔ بمبئی پہنچ کر براتیوں میں اور اضافہ ہوا، پورے قافلے میں تقریباً دوسو اہل دل شامل تھے۔ جس میں بعض اولیائے کرام، بعض علمائے عظام اور اکثر صلحا و متقین تھے۔

اپنے شیخ وقت کو جھرمٹ میں لیے کعبہ شریف پہنچے، راستے بھر عجیب و غریب فیوض و برکات کا اظہار ہوتا رہا، انواع و اقسام کے تصرفات اور خوارق عادات ظہور پذیر ہوئے۔ آپ نے تمام راہ باوجود کثیر التعداد مریدین کے سب سے زیادہ اپنے شیخ کی خدمت کی اور شیخ کی توجہ خاص سے (جو اِس مستی عشق الٰہی میں خصوصی شان رکھتے تھے) فائز المرام ہوئے۔ اگر چہ حالت جذب سبز گنبد کی ایک جھلک نے سلوک سے بدل دی تھی اور طبیعت کو سکون کامل ہو چکا، لیکن اب شیخ کی مقدس و نورانی صورت میں شان محبوبیت کی وہ ہوشربا مستی تھی جس کا خمار آپ کو بھی مست و بے خود بنا دیتا تھا اور آپ محوِ شوق ہو ہوکر خدمات انجام دیتے اور سعادت و سیادت کا صلہ پاتے۔

یہاں تک کہ اسی سفر میں 'معین الحق' کے لقب سے سرفراز فرمائے گئے، ایام حج میں مشائخ حجاز (جو پہلی بار آپ سے واقف ہو چکے تھے) آپ کے ہمراہ آپ کے والد ماجد کی ملاقات کے لیے آتے اور برابر فیوض روحانی حاصل فرماتے جس کا تذکرہ پیشتر آچکا ہے۔ جب مدینۂ طیبہ قافلہ پہنچا اور حریم رسالت یعنی روضۂ اقدس کی حاضری نصیب ہوئی آپ نے ایک ہاتھ میں روضہ انور کی جالیاں اور ایک ہاتھ میں دامن شیخ کو مضبوط تھام کر بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ

یا رسول اللہ انظر حالنا   یا حبیب اللہ اسمع قالنا

[ترجمہ: اے اللہ کے رسول ہمارے حال کی طرف توجہ فرمائیے، اے اللہ کے حبیب ہماری

فریاد سنیے]

بہ سلام آمدم جوابم دہ مرہمے بردل خرابم نہ

[ترجمہ: یا رسول اللہ! میں سلام کے لیے حاضر ہوا ہوں جواب مرحمت فرمائیے، میرے دلِ ویران پر مرہم لگائیے]

اے رحمت عالم! جہاں تیری رحمت نے چند ہفتوں اپنے جوار رحمت میں رکھا ہے وہاں اپنے خادم در کی یہ آرزو بر لا کہ تا زیست یہی بارگاہ ہو اور یہ خادم اسی ولولہ انگیز جوش اشتیاق میں گردن جھکا دے۔ قیام حرم کی تمنا میں طالب اجازت ہوئے، حضور رحمت للعالمین ﷺ کی جناب سے 'علیك بالهند' کی پاک اور مبارک ندا گوش حق نیوش میں پہنچی، سرکار رسالت کی اس ذرّہ نوازی سے بے حد فرحت و مسرت حاصل ہوئی۔ یہ بھی بشارت دی گئی کہ تنبیہ و تادیب گمراہان اشرار کی (جو ہندوستان میں اہل نجد کے متبعین ہیں) ضروری ہے۔ اِس بشارت کبریٰ کی تعمیل آپ نے ہندوستان مع الخیر واپس آ کر کی۔ اکثر اہل قافلہ جو بہ نیت ہجرت بہ اجازت اپنے شیخ طریقت حضرت سیدی عین الحق قدس سرہٗ گھروں سے روانہ ہوئے تھے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے، باقی تمام حضرات مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔

[تیسرا اور چوتھا حج]

اِسی طرح ۱۲۷۰ھ [۵۴-۱۸۵۳ء] و ۱۲۷۷ ہجری قدسی [۶۱-۱۸۶۰ء] میں بہ ہمراہی اعزا و اقارب ظاہر طور پر حج کو تشریف لے گئے۔ بلدین طیبین کے تمامی اعاظم و اکابر حضرات آپ کے کمالات کے معترف، آپ کے فضائل و مناقب کے مقر ہوئے۔

یہ وہ سفر ہیں جو بالکل علانیہ طور پر کیے گئے، ورنہ اہل بصیرت کے نزدیک تو پہلے اور دوسرے سفر کے بعد کوئی سال ایسا نہ ہوگا کہ آپ کے اثر روحانی نے بذریعہ طی الارض آپ کو حرمین شریفین کی حاضری سے باز رکھا ہو اور آپ برکت حج سے فائز المرام نہ ہوئے ہوں۔

[سفرِ عراق]

۱۲۷۸ھ [۶۲-۱۸۶۱ء] میں سفر عراق کا قصد فرمایا۔☆ جوش عقیدت نے بکمال تکریم و

☆ مولانا انوار الحق عثمانی نے طوالع الانوار میں پہلے سفر عراق کا سنہ ۱۲۷۷ھ لکھا ہے۔ الکلام السدید میں حضرت تاج الفحول کی عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۵۴ھ میں پہلے حج کے ساتھ ہی آپ نے عراق کا سفر بھی کیا تھا۔ واللہ اعلم۔ (مرتب)

تعظیم بغداد شریف حاضر کرایا۔ یہ سفر بھی اگرچہ پہلا سفر تھا، لیکن دربار غوثیت میں جو کچھ عزت افزائی اور سرفرازی فرمائی گئی وہ برسوں کے مشتاقان جمال کو بھی شاید نصیب ہوئی ہوگی۔ اِس سفر میں صرف حاضریٔ آستانۂ حضور دستگیر عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیت کی گئی تھی، جس وقت آپ دربار پُر انوار میں حاضر ہوئے آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر قطب الافراد نقیبِ صاحبِ بغداد حضرت مولانا سید علی قدس سرہٗ سجادہ نشین دربار مقدس خود بنفس نفیس مسند مطہر سے اُٹھ کر تا درِ دولت سرا تکلیف فرما ہوئے اور بکمال اعزاز و اکرام ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دولت خانۂ فیض کاشانہ میں لے گئے اور اُس سجادۂ عالی پر (جس کی حاشیہ نشینی کی آرزو میں نہ صرف مشائخ وقت واکابر دہر رہتے ہیں بلکہ تاج ونگیں والے بھی اس سلطان دو عالم کے مسند نشینوں کی نگاہِ کرم کے ہمیشہ متمنی رہتے ہیں) لے جا کر اپنے پہلو میں جگہ دی۔

یہ اعزاز و وقار حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی نظر رحمت کا پرتو تھا۔ ایک طرف تو یہ عزت دی جاتی ہے کہ اپنی مسند فیض کے حقیقی وارث کے برابر بٹھایا جاتا ہے، دوسری جانب یہ وقار افزا توقیر دی جاتی ہے کہ خود بے حجاب و بے نقاب اپنے جمال جہاں آرا کی عین بیداری میں خواب کا خواب و خیال مٹا کر زیارت کرائی جاتی ہے اور اس طرح اپنے مشتاقِ جمال کو لذت دیدار سے وارفتہ و بیخود بنایا جاتا ہے۔ اِسی بے پردہ نظارۂ عارض کا نقشہ حضرت سیدی تاج الفحول قدس سرہٗ نے ایک شعر میں کھینچا ہے:

وہ جن کو عین بیداری میں تھا بغداد میں تم نے
دکھایا چہرۂ گلفام یا محبوب سبحانی

بغداد شریف میں آپ نے عرصے تک قیام فرمایا۔ حضرت نقیب صاحب نے بکمال کرم حضور پیران پیر کے باطنی اشارے سے مثال خلافت خاندانی عطا فرمائی اور اپنے فرزند اکبر حضرت سیدی سید سلمان صاحب کو حکم دیا کہ آپ سے تلمذ و اجازت حاصل فرمائیں۔ سرکار غوثیت کی چشم عاشق نواز نے تمام عراق و شام میں آپ کے کمالات کی دھوم مچادی۔ چنانچہ جب ۱۲۹۰ھ [۷۴-۱۸۷۳ء] میں حضرت تاج الفحول سیدنا فقیر نواز فقیر قادری رحمۃ اللہ علیہ حاضر بغداد شریف ہوئے حضرت سیدی مولانا سید سلمان صاحب نے (جو اس وقت مسند نشین دربار معلی تھے) نگاہ اوّل میں آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ "انت ابن فضل رسول" [ترجمہ: کیا تم فضل

رسول کے بیٹے ہو؟]۔ چنانچہ 'تحفہ فیض' میں خود ارشاد فرماتے ہیں:

بعد آستانہ بوسی روضۂ مقدسہ برائے قدم بوسی زیب سجادۂ عالیہ غوثیہ زینت دودمان عالیشان قادریہ مخدوم الانام مرجع الخواص والعوام، قرۃ العینین حضرات امام حسنین علیہما السلام و نور دیدۂ جناب غوث الثقلین رضی اللہ عنہ العزیز العلام جناب کرامت مآب حضرت نقیب صاحب مولانا سید سلمان ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم ماطلع القمران در مدرسہ شریفہ رسیدہ جمالے دیدم کہ حیران گردیدم و کمالے دیدم کہ در بحر تحیر رسیدم، آداب وسلام عرض نمودم میخواستم کہ دور استادہ مانم ناگاہ حضور پرنور نظر انور جانب فقیر برداشتہ، ارشاد فرمودند انت ابن فضل رسول اللہ از ہیبت وجلال ایں کلام قریب بود کہ از خود روم اما خود را جمع ساختہ بہ مجبوری کار خود را از اخفا دور دیدہ عرض نمودم ''نعم کان قدس سرہ ابی ''فی الفور بیشتر طلبید ند تقدیم نمودم و برقدم افتادم بالجملہ بطورے کہ اعزاز و اکرام فقیر فرمودند یارائے شرحش نہ دارم۔ ملخص کلام آں کہ اندراں مجلس مبارک تادیر ذکر جمیل حضور اقدس ابی و ربی شیخ و مرشدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ برزبان کرامت ترجمان از حاضرین بمیاں ماند دریں اثنائے بزرگے دیگر ہم کہ حاضر دربار بودند ذکر فضل وکمال حضور اقدس ابی و مرشدی شروع نمودند آں دم حضرت نقیب صاحب ارشاد فرمودند

فان فضل رسول اللہ لیس لہ　　　　حد فیعرب عنہ ناطق بفم

[ترجمہ: آستانے پر حاضری کے بعد مَیں زیب سجادۂ عالیہ غوثیہ زینت دودمان عالیشان قادریہ مخدوم الانام مرجع الخواص والعوام، قرۃ العینین حضرات امام حسنین علیہما السلام و نور دیدۂ جناب غوث الثقلین رضی اللہ عنہ العزیز العلام جناب کرامت مآب حضرت نقیب صاحب مولانا سید سلمان ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم کی قدم بوسی کے لیے مدرسہ شریفہ میں حاضر ہوا۔ مَیں نے (نقیب صاحب کی شکل میں) وہ جمال دیکھا کہ حیران رہ گیا اور ایسا کمال دیکھا کہ دریائے حیرت میں غوطہ زن ہوگیا۔ مَیں آپ کی بارگاہ میں آداب وسلام عرض

کر کے چاہتا تھا کہ دور ہو کر کھڑا ہو جاؤں، اچانک حضور صاحب سجادہ کی نظر مجھ پر پڑی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''کیا تم فضل رسول کے فرزند ہو؟'' اِس جلیل القدر جملے کی ہیبت سے قریب تھا کہ مَیں اپنے ہوش کھو بیٹھتا، لیکن مَیں نے خود پر قابو رکھا اور مجبوراً اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہوئے عرض کیا کہ ''ہاں! حضرت قدس سرہٗ میرے والد تھے''۔ یہ کہہ کر مَیں فوراً بغیر طلب کیے آگے بڑھا اور حضرت کے قدموں پر لوٹ گیا۔ خلاصہ یہ کہ آپ نے فقیر کی جس طرح سے عزت و تکریم کی فقیر اس کے اظہار کی طاقت نہیں رکھتا۔ قصہ مختصر یہ کہ اس نشست میں کافی دیر تک حضرت ابی و مرشدی (سیف اللہ المسلول) کا تذکرہ حاضرین مجلس کے سامنے آپ کی زبان فیض ترجمان پر رہا، اسی اثنا میں ایک اور بزرگ جو حاضر دربار تھے انہوں نے بھی حضرت ابی و مرشدی کے فضل و کمال کا ذکر چھیڑ دیا، اس وقت حضرت نقیب صاحب نے یہ شعر پڑھا:

فان فضل رسول الله ليس له　　　　حد فيعرب عنه ناطق بفم

ترجمہ: بے شک اللہ کے رسول کے فضل کی کوئی حد نہیں کہ کوئی بیان کرنے والا اس کو بیان کر سکے]

اسی طرح جب حضرت شیخی و مرشدی سیدی و مولائی مولانا شاہ غلام پیر مطیع الرسول محمد عبد المقتدر صاحب قبلہ مدظلہ العالی ربیع الثانی شریف ۱۳۳۲ھ [مارچ ۱۹۱۴ء] میں حاضر دربار مقدس ہوئے پہلی ملاقات میں کہ اس سے پیشتر حضرت نقیب صاحب قبلہ مولانا سید پیر عبد الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم نے نہ صورت دیکھی تھی نہ نام سے واقف تھے نظر اوّل ہی میں آپ کو دیکھ کر فرمایا:

هو اشبه بجده فضل الرسول لكن لحيته أطول منه

[ترجمہ: یہ اپنے دادا فضل رسول سے بہت زیادہ مشابہ ہیں، مگر ان کی داڑھی اُن کی داڑھی سے زیادہ طویل ہے]

بے ساختہ اس وقت مجھے وہ وقت اور وہ جلوہ ریز سما یاد آ گیا کہ اس واقعے کو میرے مخدوم زادے شہزادے حضرت مولانا عاشق الرسول محمد عبد القدیر صاحب قبلہ سلمہ اللہ تعالیٰ نے مجلس عرس

شریف میں خاص آستانۂ قادریہ کے اندر کچھ عجیب تیور کے ساتھ دورانِ وعظ میں بیان فرمایا تھا۔

حضرت مخدومی ومطاعی مولانا حکیم عبدالماجد صاحب نبیرۂ حضرت سیف اللہ المسلول فرماتے ہیں کہ:

> بغداد شریف کی حاضری کی بدولت اپنے حضرت جدامجد کی کمال شان ارفع و اعلیٰ کا پتہ چلا۔ وہ معمر بزرگ جن کی نورانی صورتیں شان تقدس کا آئینہ تھیں یہ سن کر کہ حضرت مولانا فضل رسول کی اولاد حاضر دربار پُرانوار ہے ہماری فرودگاہ پر تشریف فرما ہوتے اور دیر تک حضرت جدی قدس سرہٗ کے مناقب وفضائل بیان فرماتے۔

ایک بزرگ نے بیان کیا کہ پہلی بار جب حضرت سیف اللہ المسلول تشریف لائے اور عرصے تک قیام فرمایا یہاں تک کہ واپسی کا قصد کر دیا تو حضرت نقیب صاحب نے اپنے صاحبزادے مولانا سید سلمان صاحب سے فرمایا کہ ''مولانا کو حضرت امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار فائز الانوار کی زیارت تو کرالاؤ، اتنا عرصہ ہوگیا ابھی تک آپ اماکن متبرکہ پر حاضر نہیں ہوئے''۔ حضرت نقیب صاحب کے اِس ارشاد کو سن کر مولانا [سیف اللہ المسلول] نے جو جواب دیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دنیا میں حضور غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی سچی عقیدت اور زبردست نسبت رکھنے والی ذات اُس وقت تھی تو وہ صرف ایک مولانا [سیف اللہ المسلول] کی ذات تھی۔ آپ نے جواب میں کہا کہ مجھے یہ طریقہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں گھر سے حضرت غوث اعظم کی آستانہ بوسی کی نیت سے چلوں اور ضمناً حضرت امام اعظم کی زیارت کو حاضر ہوؤں، یہ احرام صرف سرکار غوثیت کے لیے باندھا ہے:...... ع

وکل ذنب سوی الاشراك مغفور

[ترجمہ: شرک کے علاوہ ہر گناہ قابل معافی ہے]

ایک جلیل القدر حنفی عالم کی زبان سے جو تمام علمائے احناف کا مقتدا مانا جاتا ہو اِن کلمات کا نکلنا دراصل ایک راز سربستہ ہے جس کو فقط حقیقی معرفت شناس ہی جانتے ہیں۔ چنانچہ اس سفر میں آپ اسی طرح تشریف لائے، اس کے بعد متعدد مرتبہ جب سفر عراق کیا تو تمام اماکن مقدسہ کی زیارت کی۔ دربار حضرت امام اعظم پر جبیں فرسا ہو کر کاظمین شریفین، نجف اشرف، کربلائے معلی، بیت المقدس وغیرہ متبرک مقامات سے فیوض روحانی حاصل فرمائے۔

نواب مولانا شاہ ضیاء الدین عون الحق قادری حیدرآبادی (جو حضور اقدس کے نہایت مخلص عقیدت مند اور صاحب ارشاد خلیفہ و مرید ہیں) فرماتے ہیں کہ آخر بار جب آپ حاضر بغداد شریف ہوئے اور بہ مصداق أتممت علیکم نعمتی تکمیل مراتب کے بعد واپسی کا قصد فرمایا دربار غوثیت سے ایک تھیلی (جس میں شانہ کنگھی، مصالح سر وغیرہ زنانہ سامان تھا) مرحمت ہوئی۔ حکم ہوا کہ بندر بمبئی میں ایک عورت ہے اُس کے حوالے کرنا۔

جب آپ بمبئی تشریف لائے اور حسب معمول مکان جناب شیخ حسام الدین صاحب کشمیری کے بالاخانے پر (جو عقب مسجد نواب ایاز واقع ہے) مقیم ہوئے۔ آپ کا معمول تھا کہ بعد نماز مغرب بحکم سیروا فی الارض ''تنہا مشی و گشت فرماتے۔ اس معمول میں اب چونکہ ایک حکم کی تعمیل، دوسرے امانت کو حق دار تک پہنچانا مقصود تھا لہٰذا سخت تلاش اُن گم نام اور لا پتہ بی بی کی فرماتے تھے۔

ایک شب ایک عورت شکستہ حال پریشان خاطر اثنائے راہ میں آپ سے ملی اور آپ کو دیکھ کر گویا ہوئی کہ ''مولوی صاحب! اگر ہمیں کچھ رشوت یا معاوضہ دو تو ہم اُن بیگم صاحبہ سے جن کی امانت تمہارے پاس ہے ملاقات کرادیں''۔ اِس رابعہ عصر کے کمال کشف کو دیکھ کر آپ نے فرمایا ''اچھا جو مانگو گی دیا جائے گا''،عورت نے جواب دیا ''اب موقع نہیں ہے کل شب کو اسی وقت اور اسی جگہ ملنا''۔ دوسرے روز وقت مقررہ پر اُسی جگہ ملاقات ہوئی، وہ نیک بخت عورت آپ کو اپنے ہمراہ ایک ویرانے میں لے گئی، آپ نے دیکھا ایک تخت پر بیگم صاحبہ جلوہ افروز ہیں، سر کے بال چھوٹے ہوئے، ہر دو چشم کشادہ، سرخ رنگ، عرفانِ الٰہی کی مستی آنکھوں میں، زمین سے آسمان تک تجلیات الٰہی کا شامیانہ۔ چھ عورتیں تخت کے اِدھر اُدھر خدمت میں حاضر، ساتویں یہ بی بی صاحبہ بھی جو ہمراہ لے گئی تھیں اُن میں شامل ہو گئیں۔ تخت نشین بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ ''مولوی صاحب! وہ ہماری بغداد شریف کی امانت کہاں ہے؟''۔ آپ نے فرمایا ''حاضر ہے'' اور تھیلی پیش کی، ارشاد ہوا کہ ''امانت پہنچانے میں بہت دیر کی''، فرمایا ''جائے قیام کی عدم وقفیت باعثِ تاخیر ہوئی''۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ ''مولوی صاحب! اب آپ فوراً حیدرآباد دکن تشریف لے جائیں، آپ اُس نواح کے صاحب ولایت اور صاحب خدمت مقرر کیے گئے''۔ یہ بیگم صاحبہ بموجب ارشاد اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری [ترجمہ: میرے اولیا میری تحت قبا ہیں، ان کو

میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا] اُس وقت میں مرتبہ قطبیت ہند پر فائز تھیں اور وہ سات عورات درجہ ابدالیت پر متمکن تھیں۔

رموز باطن کے واقف کاران معاملات کو بخوبی جانتے ہیں کہ جس طرح نظام عالم کی باگ عالم ظاہر میں بتدریج حکام وقت کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اسی طرح حکام باطن بہ اعتبار اپنے مدارج کے باطنی تصرفات سے انتظام عالم کرتے ہیں۔ یہی سبب تھا کہ حضرت سیف اللہ المسلول زیادہ تر حیدرآباد تشریف فرما رہا کرتے تھے، آپ کو سفر و سیاحت کرنے کے لیے آپ کے چاہنے والے رب نے بہت آسانیاں کردی تھیں۔ اوّل تو آپ درجہ ابدالیت پر فائز تھے، جس کے لیے قوت طیران مخصوص اور لازمی امر ہے۔ دوسرے حاکم طی الارض ہونے کے باعث طبقۂ ارض پر آپ کے تصرفات حاوی تھے۔

قطع نظر ان متبرک سفروں کے ایام گمشدگی مولانا فیض احمد صاحب علیہ الرحمۃ میں آپ کا بلاد اسلامیہ میں بسلسلۂ جستجو مولانا ممدوح سیاحت کرنا، عرصے تک خاص قسطنطنیہ میں سلطان المعظم خلیفۃ المسلمین خادم حرمین الشریفین حضرت سلطان عبدالمجید خاں خلد مکیں کے قصر دولت میں بکمال اعزاز و اکرام مہمان رہنا اور بوقت رخصت سلطان المعظم کا سعیٔ بلیغ آپ کو روکنا مشہور واقعات ہیں۔

جب سے آپ اقلیم حیدرآباد دکن کی خدمت پر خاص طور پر مامور فرمادیے گئے سیاحت کم کردی، خدائے پاک نے ایک عالم کو سیراب کرنے کے لیے یہ سفر آپ سے کرائے۔ ہر جگہ ہزاروں بندگان خدا آپ کے فیض ظاہر و باطن سے مستفیض ہوئے، کہیں آپ کے چشمۂ علم نے موج خیز ہو ہو کر رشد و ہدایت کی آبشاری فرمائی۔ ہزاروں غیر مذاہب والوں نے دولت ایمان پائی، فرقِ باطلہ نے مذہب حقہ اہل سنت اختیار کیا، کہیں دریائے عرفان نے جوش زن ہو کر تشنگان فیوض روحانی کو سقانی الحب کأسات الوصال کے تیز و تند ساغر پلائے۔ دیار و امصار میں آپ کے معترف اور متوسلین بکثرت پائے جاتے ہیں۔ حضرت تاج الفحول نے بعض اشعار میں اس طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

وہ جن کی ذات اشرف سے ترے باعث ہیں سب واقف
حجاز و مصر و روم و شام یا محبوب سبحانی

شہ فضلِ رسولِ پاک جن کے ہاتھ سے پھیلا
جہاں میں تیرا فیض عام یا محبوب سبحانی

کئی سال تک آپ حیدر آباد اس طور پر مقیم رہے کہ کبھی تھوڑے دنوں کے لیے وطن تشریف لے آتے، اُس کے بعد پھر واپس چلے جاتے۔ وہاں جس سج دھج اور جس آن و بان کے ساتھ آپ اوقات بسر فرماتے تھے وہ ادا بھی اپنی شان میں سب سے انوکھی ہے۔

جناب نواب ضیاء الدین صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کے قیام کا یہ انداز تھا کہ جب آپ کسی جگہ قیام پذیر ہوتے عمائد و رؤسا (جن میں واسطے متروکہ و جائداد و اراضی وغیرہ کے کچھ مناقشے اور جھگڑا برپا ہوتا) حاضر خدمت ہوتے اور آپ کو تکلیف تصفیہ معاملات ان کی خاطر برداشت کرنا ہوتی، جو آپ فرما دیتے فریقین بلا عذر قبول و منظور کرتے۔ جب آپ کے مزاج مبارک پر برخواستگی وحشت ہوتی تو سب سامان آرام اور تمام اشیائے اسباب وغیرہ وہیں چھوڑ کر صرف ایک عصائے چوبی شیشم سیاہ رنگ کی دست مبارک میں لے کر جہاں طبیعت چاہتی وہاں روانہ ہو جاتے اور جب کسی دوسری جگہ آپ پہنچتے جملہ سامان آسائش فرش ولباس وغیرہ آناً فاناً میں مہیا ہو جاتا، کچھ آپ کو کسی سامان کی پروا نہ ہوتی۔ دوسری جگہ بھی جب تک جی چاہتا رہتے اور جب چاہتے وہی ایک عصا اور چادر لے کر تشریف لے جاتے۔ نذر وغیرہ جو پیش ہوتی فقرا و مساکین کو تقسیم فرما دیتے، ورنہ وہ بھی خدام و کفش بردار دیگر سامان کی طرح تصرف میں لاتے۔ دنیا اور اہل دنیا کی صحبت سے اکثر گھبراتے، صحرا میں رہ کر بنا پتی کھانے میں بہت خوش رہتے، چنانچہ اسی حالت صحرا نشینی میں 'فصوص الحکم' کی ضخیم شرح تحریر فرمائی، کچھ حصہ جو شرح لکھنے سے باقی رہ گیا تھا اس کی نسبت فرماتے تھے کہ جب صحرا میں تنہا رہنا ہوگا ان شاء اللہ شرح کتاب پوری کی جائے گی۔ اس قدر تحریر کے بعد نواب صاحب نے جن حسرت آمیز الفاظ کے ساتھ اُس پاک صحبت سے اپنی جدائی پر اظہار تاسف کیا ہے وہ دراصل آپ کے سچے جذبے کا اظہار ہے۔ ایک شعر میں اپنے مفہوم کو یوں ادا کر دیا ہے:

اوقات ہمیں بود کہ با یار بسر شد　　　　باقی ہمہ بے حاصلی و بے خبری بود
[ترجمہ: زمانہ تو وہی تھا جو یار کی صحبت میں گزر گیا، باقی سب لاحصل اور بے خبری تھی]

☆☆☆

مشائخانہ زندگی

آپ کی زندگی کا ایک حصہ تو وہ تھا کہ سن تمیز کو پہنچتے ہی طلب علم میں عمر کے پندرہ سال گزار کر ۳ برس تک تحصیل طب میں صرف کیے۔ یہ زمانہ طالب علمانہ زندگی کا زمانہ تھا، اُس کے بعد بہ غرض فیض رسانی اہل ضلع و وطن تعلقات ظاہری پانچ یا چھ سال تک وابستہ دامن دولت رہے۔ گویا ستائیس برس کی عمر تک افاضہ و استفاضۂ علم کا سلسلہ تمدن و معیشت کا دور تھا۔ اُس کے بعد کا زمانہ عالم باطن کی سیاحی، گلشن روحانیت کی گل گشت میں بسر ہوا۔ جس قدر مدارج قرب الٰہی میں ترقی ہوتی گئی دنیا آپ کی نظر میں ذلیل و خوار اور آپ دنیا کی نظر میں مقبول ہوتے گئے، جس قدر مخلوق الٰہی کے قلوب آپ کی طرف متوجہ ہوئے اُس سے زیادہ خلاق حقیقی کا عشق آپ کے قلب میں موج زن ہوتا گیا۔ سوا خدا کے ماسوا سے بے خودی و بے خبری نے آپ کی رفعتِ شان کو خدائی بھر میں اعلیٰ و بالا کر دیا۔

وہ ایک عالم تھا کہ جب بدایوں میں آپ رونق افروز ہوتے مدرسہ قادریہ کی مسجد نور کے تڑکے نمازیوں کے نورانی وجود سے بھری نظر آتی، ہر صف میں غربا امرا کی جماعتیں نیچی گردنیں کیے ہوئے یاد الٰہی میں مستغرق دیکھی جاتیں۔ مدرسہ عالیہ کی چوکھٹ سے باہر جوتیاں اُتار کر بڑے بڑے ثروت و جبروت والے برہنہ پانچوں کے بل چل کر مدرسہ میں داخل ہوتے، سنتیں ادا کر کے خاموش اور محو اوراد و وظائف تمام حضرات منتظر رہتے، یہاں تک کہ جب حنفیہ کا خاص وقت آتا دولت خانے سے سنتیں پڑھ کر خود بدولت تشریف لاتے۔ مکبر تکبیر اقامت کہتا، آپ سیدھے محراب امامت تک پہنچ کر امامت فرماتے۔

بعد نماز طلوع آفتاب تک خدا طلب ہاتھ دعا کے لیے بارگاہ الٰہی میں پھیلے رہتے، اِدھر دعا ختم ہوتی اُدھر صفوں سے نمازی بے خودانہ اضطراب کے ساتھ مصافحے کے لیے دوڑتے، دست بوسی اور قدم بوسی کا سلسلہ دیر تک قائم رہتا۔ مریض و بیمار، غریب و تیماردار، کوئی مدرسے کے اندر

کوئی سڑک پر ہجوم کیے ہوتے، کسی کے ہاتھ میں پانی کے کٹورے ہوتے، کوئی بچوں کو گود میں لیے ہوتا، غرض و غایت سب کی یہی ہوتی کہ جس وقت سرکار مسجد سے باہر تشریف لائیں آیاتِ الٰہی دم فرماتے جائیں۔

یہ روح پرور اسلامی منظر اب بھی نظر آ جاتا ہے، لیکن اگلی سی عقیدت کہاں؟ اُس وقت کے سے خاص پاک قلوب اور سیدھے سادے مسلمان سچی محبت رکھنے والے خواب عدم سے ہم آغوش ہو چکے، خلوص کی بجائے ہوا و ہوس دلوں میں گھر کر گئی، اس کے سوا وہ زمانہ تھا کہ شرفائے بدایوں میں مشکل سے کوئی متنفس ایسا ہوگا جو سلسلۂ تلمذ یا سلسلۂ ارادت میں منسلک نہ ہو۔ اب مریدین و مستفیدین اپنے اپنے تفکرات میں مبتلا ہیں، تاہم ادب و احترام کی وہی لہریں اب بھی موج خیز معلوم ہوتی ہیں۔ اُس زمانے میں آپ 'امام باوا' کے لقب سے تمام لوگوں میں یاد کیے جاتے تھے، آپ کا احترام طبائع میں اس درجہ جاگزیں تھا [کہ] اگر آپ مدرسے کے اندر ہوتے تو آنے جانے والے اس خیال سے کہ پیر کی آہٹ نہ ہو ایڑیوں اور پنجوں کے بل چلتے۔ یہ احترام خواہ اس وجہ سے کہیے کہ آپ میں شان جلال کی جھلک پائی جاتی تھی، خواہ اس باعث سے سمجھئے کہ آپ کا نورانی چہرہ ہیبت و جبروت الٰہی کا آئینہ تھا خواہ اس عظمت کو خداداد تصور کیجیے۔ بہر حال کوئی شخص کیسا ہی جری، صاحب اثر مقرر و گویا کیوں نہ ہو آپ کے چہرے کو نظر بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ نہ کوئی مقرر آپ کے سامنے بے تکلف گفتگو کر سکتا تھا، ہر وقت کے حاضر باش بھی خلاف مزاج نہ ایک لفظ زبان سے کہہ سکتے تھے نہ دخل دے سکتے تھے۔ اس حالت میں بھی وسعت اخلاق کا یہ عالم تھا کہ جو ایک مرتبہ حاضر ہو کر اظہار مدعا کر لیتا اُس کو یہ دعویٰ ہوتا کہ میرے برابر دوسرے کسی شخص سے آپ کو اُنس نہ ہوگا۔ دراصل آپ کا یہ خلق سرکار ابد قرار مدنی تاجدار کے خُلق عظیم کا خاص ظل و پرتو تھا جو کمالِ اتباع سنت نبوی ﷺ کے باعث آپ کے عادات و اطوار سے ہر لحظہ آشکار تھا۔

اوقات شبانہ روز میں شب کا کل حصہ یادِ الٰہی کے لیے وقف تھا، شب بیداری کی عادت طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی۔ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر چاشت کے وقت تک ورد و وظائف کا معمول تھا۔ ۹ ربجے کے بعد مسند درس پر جلوس ہوتا تھا، ظہر تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا، درمیان میں تھوڑا وقت قیلولہ کا ہوتا تھا، ظہر کی نماز کے بعد پھر تھوڑی دیر وظائف میں صرف ہوتی۔ باطنی فیضان کے

طالب عصر تک استفاضہ کرتے، شہر کے اکابر و اصاغر حاضر ہو ہو کر اظہار مدعا کرتے، عصر و مغرب کا درمیانی وقت بھی بالکل اشغال و اذکار میں صرف ہوتا۔ نماز مغرب کے بعد نوافل وغیرہ سے فارغ ہو کر مسائل علمیہ پر گفتگو فرماتے۔ چند طلبہ آپس میں آپ کے سامنے مکالمہ کرتے، تحریرات جو بسلسلہ تصانیف قلم بند کی جاتیں آپ کو سنائی جاتیں۔ اُس کے بعد نماز عشا پڑھ کر دولت خانے میں تشریف لے جاتے، آخر عمر میں بالکل مدرسے ہی میں اقامت اختیار فرمائی تھی۔

نسبت اویسی روح پر فتوح حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہر وقت غالب تھی۔ کبھی خواجگانِ چشت کا عشق ماسوا سے بے خود کر دیتا تھا۔ دربار چشت سے جو فیض عظیم آپ کو حاصل ہوا اُس کا اندازہ احاطۂ خیال سے باہر ہے۔ خصوصاً حضرت سلطان الہند غریب نواز و حضرت قطب صاحب و حضرت گنج شکر اور حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ آپ کی نسبت باطنی نہایت زبردست تھی اور یہی چاروں حضرات آپ کے قصر کمال کے چار ستون تھے۔ اس زبردست نسبت نے ان چاروں حضرات کی مدح میں آپ کی زبان سے جو عقیدت آگیں الفاظ نکلوائے ہیں وہ اس نظم سے آشکار ہیں:

چہار ارکانِ نورِ عالمِ بالائے علیین — معین الدین قطب الدیں فرید الدیں نظام الدیں
شریعت معرفت میں اور طریقت میں حقیقت میں — عیاں یہ چار باغ ورد و ریحاں سنبل و نسریں
دعا جب مانگیے ان چار مردوں کے توسل سے — فرشتے چار جو خاصِ خدا ہیں وہ کہیں آمیں
بہارِ بے خزانِ جنتِ قربِ الٰہی میں — ہر اک ان چار کا ہے یکہ تاز عرصۂ تمکیں
جو بینا ہے سو وہ ناچار ان چاروں کا پیرو ہے — ہے نور ان کا محیط چار سوئے عالم تکویں
انہیں چاروں کے عکس چہرہ ہائے آفتابی سے — چہار آئینہ و چار عنصر عرفاں کی ہے تزئیں
انہیں چاروں کے گلہائے جمال نو بہاری سے — ہوا ہے چار باغ چار سوئے معرفت رنگیں
چہار اطراف عرش قرب پر ہے مستوی ہر اک — کرامت کرسی عزت کا ان کے پایۂ پائیں
دل ان کے مصحف اسرار ہیں چاروں کتابوں کے — رباعی انتخاب دفتر ابیاتِ صدیقیں
چہار ارکان ہیں یہ چار کرسی عرشِ وحدت کے — جو ہو خاک قدم ان کا وہ ہو سرتاج عرشییں

یہ ساقی میکدوں پر چار سوئے ملک وحدت کے
پلا دیں مست کو بھی جام سیر بر مئے نوشیں

سرکار غوثیت کے ولولہ عشق نے حضرت شیخ اکبر محی الدین عربی (۱۲) اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی (۱۳) رحمہم اللہ اجمعین کی محبت بھی بدرجۂ غایت آپ کے قلب میں جاگزیں کردی تھی، وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات حضور غوث پاک کے فرزندان مجازی میں شمار ہوتے ہیں، ارباب کشف جو حضور غوث پاک کو 'ذوالجناحین' کہتے ہیں وہ اسی باعث سے کہ آپ کے جناح اوّل حضرت شیخ الشیوخ عمر سہروردی اور جناح دوئم حضرت شیخ اکبر ابن عربی ہیں۔ حضرت سہروردی شریعت و اتباع سنت میں وارث علوم غوثیہ ہیں اور حضرت محی الدین ابن عربی علوم حقائق و معارف میں شمع شبستان قادریہ ہیں۔

چنانچہ جب آپ تنہائی اور اعتکاف یا صحرا نشینی کی حالت میں ہوتے حقائق و معارف کا فیضان ابن عربی کی روح پُر فتوح سے بے حجابانہ ہوتا۔ 'شرح فصوص الحکم' میں اس فیضان خاص کی جھلک موجود ہے۔ بدایوں میں جب آپ رونق افروز ہوتے تو نسبت سہروردیہ کا رنگ گلگونۂ عارض پرنور بنتا۔ اس کا اظہار اس طرح ہوتا کہ بعد نماز عشا جب آمد و رفت بند ہو جاتی اور تنہا فقط آپ ہی مسجد مدرسہ میں رہ جاتے تو شب بھر آپ آستانہ حضرت سلطان العارفین شیخ شاہی روشن ضمیر موئے تاب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴) میں حاضر رہ کر اذکار و اشغال میں محو رہتے۔ مدرسہ عالیہ سے شب کو چل کر بارگاہ حضرت شاہ ولایت بدرالدین موئے تاب سہروردی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (۱۵) میں ہوتے ہوئے حضرت شیخ شاہی کے مزار فائز الانوار پر بطور معمول اکثر جاتے۔ اُس طرف سے بھی حجاب اُٹھا دیے گئے تھے، بے پردہ حضوری ہوتی تھی، متواتر چلّہ کشی کی جاتی، اعمال و اوراد کی زکوٰۃ دی جاتی، رات کو وہیں مقیم رہ کر فجر کی نماز مدرسہ آکر ادا فرماتے۔

سرکار روشن ضمیر سے طرح طرح کے انعامات و اکرامات ہوتے۔ چنانچہ کتاب برکت انتساب 'احقاق الحق' خاص حضرت سلطان جی صاحب کے ارشاد سے تصنیف کی گئی تھی۔ غرض یہ کہ آپ سلاسل خمسہ کے اکابر اور صاحب سلاسل کے منظور نظر تھے ہر بزرگ کی چشم کرم آپ پر تھی اور ہر جگہ سے بے شمار فیوض و برکات آپ کو حاصل ہوئے تھے۔

اپنے شیخ سلسلہ کی نگاہوں میں بھی آپ کی اس درجہ عظمت و عزت تھی کہ جس زمانے میں آپ نے پیادہ پا سفر حجاز کیا اُن ایام میں حضرت سیدی شاہ عین الحق رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود

---

(۱۲) تا (۱۵) کے حالات کے لیے صفحہ 368 تا صفحہ 372 حاشیہ ۱۲/تا ۱۵/ملاحظہ فرمائیں۔

نقاہت لبرسنی چارپائی پر استراحت ترک فرمادی، آپ کی یہ کشمکش اور اضطراری حالت ایک راز سربستہ تھی۔ مریدین بااختصاص میں میر خادم علی صاحب قدس سرہٗ ہروقت کے مزاج داں اور ادا شناس تھے، پیرومرشد کو اس طرح مکلّف پاکر ایک دن عرض کیا ''حضور! اس آرام نہ فرمانے کا حال ظاہر نہیں ہوتا کہ اس طرح کیوں تکلیف برداشت کی جاتی ہے؟ اور چارپائی پر کیوں آرام نہیں فرمایا جاتا؟ زمین پر شب کا بسر کرنا غلام و کفش بردار نہیں دیکھ سکتے''، جواب میں ارشاد ہوا کہ ''میر صاحب! مجھ کو شرم معلوم ہوتی ہے کہ برخوردار مولوی فضل رسول تو پیادہ پا ہزاروں مصائب ونوائب برداشت کر کے شوق حج میں سفر کریں اور مَیں چارپائی پر آرام کروں''۔ اسی طرح کبھی کبھی یہ ارشاد ہوتا کہ ''جس طرح اکثر اولیاء اللہ کا ارشاد مثلاً حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اگر خدا مجھ سے پوچھے گا کہ کیا تحفہ لائے ہو تو امیر خسرو کو پیش کردوں گا، اسی طرح اگر میرے رب نے مجھ سے سوال کیا تو مَیں مولوی فضل رسول کو دربار احدیت میں پیش کروں گا''۔ یہ وہ خصوصی عزت ہے جو آپ کے مدارج رفیعہ کا اظہار کرتی ہے۔

جادۂ سلوک کے مسند نشیں جو کچھ وقار آپ کا کرتے تھے وہ ایک حد تک واجبی تھا تعجب تو یہ ہے کہ بادۂ عشق کے مدہوش و بے خبر مجاذیب کیوں اس قدر ادب و احترام میں سرگرم نظر آتے ہیں، لیکن جب خدا کی دین پر نظر ڈالیے تو کچھ حیرت واستعجاب باقی نہیں رہتا۔

'ضیاء المکتوب' میں ہے کہ ایک زمیندار ذی مقدور، متمول، صاحب اسناد جائیداد و آراضی کے ہندوستان میں تھے اُن کی آراضیات سرکار انگریزی میں ضبط ہوگئی تھیں، تمام کوششیں بے سود اور تمام تدابیر بیکار ہوچکی تھیں۔ حرماں نصیبی نے مایوس محض کر کے ان کو آستانۂ حضرت خواجہ غریب نواز پر پہنچادیا، عرصۂ دراز تک عیش وعشرت میں گزر چکی تھی، مزاج نازک اور ہمت مستقل تھی، یہ سمجھ کر کہ غریب نواز کی بندہ نوازی مشہور ہے کوئی محروم جاتا ہی نہیں ہے، مواجہہ شریف میں حاضر ہوکر یہ عہد واثق کرلیا کہ جب تک تمام آراضیات اور کل جائداد نہ مل جائے گی نہ اس پاک در سے جدا ہوں گا نہ کچھ کھانے پینے سے تعلق رکھوں گا۔ یہ کہہ کر بارگاہ قدس منزل میں مچل گئے۔

تین روز متواتر بے آب ودانہ باب اجابت پر کھڑے کھڑے گزار دیے، عشاق کے ناز بردار خدام کے حاجت روا سرکار بندہ نواز نے اس مچلے ہوئے آرزومند کو اپنی دھن کا پکا بات کا پورا پاکر بے نقاب اپنے جمال کی ایک جھلک دکھادی اور اپنی غریب نوازی سے دریافت فرمایا کہ ''کیا

چاہتا ہے؟''۔ ان حضرت نے وہی جواب دیا جو دل کی خواہش تھی عرض کی کہ '' آراضیات و جائیداد کا خواستگار رہوں''۔ ارشاد ہوا جا جو زبان سے کہے گا وہ پورا ہوگا، اس بخشش بے کراں نے ان زمیندار صاحب کو مستجاب الدعوات بنا دیا، عالم ملکوت اور لوح محفوظ کا انکشاف ہو گیا، ظرف ان کا اتنا وسیع نہ تھا کہ اس دولت گراں بار کا متحمل ہوسکتا فوراً مجذوب ہو گئے۔ صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی اختیار کی، ادھر ہمارے سرکار عالم جذب میں دشت نوردی کو اپنا شعار کیے ہوئے تھے، کسی صحرا میں دونوں بزرگ ملاقی ہوئے، بقول شخصے.....ع

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

لطف یکجائی و ہم مشربی نے صحبت بے تکلف کر دی، زمیندار صاحب نے جو خواجہ کی چشم کرم سے مالا مال ہو چکے تھے فرمایا کہ ''مولوی صاحب! آپ کو میں ایک اسم اعظم بتاتا ہوں جو ہمیشہ کشود کار کے لیے اکسیر کا کام دے گا، اس کو آپ یاد رکھیں اور جس کو چاہیں اجازت عطا فرمائیں''۔ وہ اسم اعظم یہ ہے '' الٰہی بحرمت حضرت خواجہ معین الدین چشتی مشکل کشا''۔ اس کے بعد صاحبِ 'ضیا المکتوب' نواب مولانا ضیاء الدین خاں صاحب فرماتے ہیں کہ اس اسم اعظم کی اجازت حضرت پیرومرشد نے اکثر اکابر کو عطا فرمائی اور مجھے بھی کرم خاص سے اجازت مرحمت فرمائی گئی۔

اس کے بعد تحریر ہے کہ ان مجذوب صاحب کے دو مرید تھے، وہ بھی مجذوب اور صاحب تاثیر تھے، جن میں سے ایک کا حال معلوم نہیں۔ دوسرے مرید جن کا نام سدا شاہ مجذوب تھا ہمیشہ بھیڑی (اسلام آباد) کسی میکدے یا ویرانے میں سرتا پا برہنہ پڑے رہتے تھے۔ جس زمانے میں حضرت اقدس نواب دلیر الملک سید سردار عبدالحق صاحب مرحوم کے والد کے یہاں فروکش ہوتے تو یہ مجذوب کسی پارچہ افتادہ سے ستر عورت کر کے بکمال ادب و تعظیم حاضرِ خدمت ہوتے اور دیر تک دوزانو مؤدّبانہ بیٹھے رہتے۔ بعض وقت کچھ نقدی وغیرہ حضرت اقدس سے طلب فرماتے ارشاد ہوتا ''ضیاء الدین! ان کو کچھ نقد دو''۔ نواب صاحب دوانّی چونّی وغیرہ پیش کرتے، مجذوب صاحب ان سکوں کو لے کر حضرت مولانا کی نعلین پر نچھاور کرتے اور پھر فرماتے کہ ''اب اس کی شیرینی لاؤ''۔

نواب صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجذوب صاحب نے حسب معمول شیرینی منگائی، میں شکر پارے لے کر حاضر خدمت ہوا، تین شکر پارے اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر مجھے دیے اور کہا کہ

"یہ شکر پارے محی الدولہ محمد یار خاں کو دے کر میری طرف سے تین سلام کہنا اور ہدایت لی حیدر آباد جاؤ" اور خواجہ حافظ کا یہ مصرعہ پڑھا.....ع

رفت آں صومعہ اے خواجہ کہ بازم بینی

اُس کے بعد تین ٹکڑے برفی کے مجھے عنایت کیے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں کہ ان تین ٹکڑوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری تین شادیاں ہوئیں۔

اصل غرض اِس تحریر سے یہ تھی کہ ایسے صاحب تصرف مجاذیب کی نگاہ میں حضرت کا کس قدر ادب واحترام تھا۔ درحقیقت باطن بین نگاہیں آپ کی رفعت شان بخوبی دیکھتی تھیں۔ جس زمانے میں آپ بہ مقام حیدر آباد نواب شرف الدین کے مکان کے بالاخانے پر تشریف فرما تھے یہ دستور تھا کہ عصر، مغرب، عشا کے وقت نماز کے لیے مسجد شرف الدین میں تشریف لاتے اور پھر بالاخانے پر چلے جاتے۔ درمیان عصر ومغرب کے کتاب 'فصوص الحکم' کا درس ہوتا۔ نواب ضیاء الدین صاحب قادری ہوتے اور قریب بیس پچیس دیگر ذی علم اہل بلدہ صاحب استعداد و مذاق سلیم والے شریک درس ہوتے۔ اِس حلقۂ درس میں اکثر نواب محی الدولہ محمد یار خاں مرحوم اور نواب وقار الدولہ اوّل مرحوم بھی بہ غرض حصول برکت و استفاضہ حاضر ہوتے۔ اُس وقت ایک خاص حالت حضرت پر طاری ہوتی تھی، عجیب لطائف و دقائق اور مضامین و اسرار اظہار فرماتے، سامعین و حاضرین اپنی اپنی استعداد و ظرف کے مطابق لذت و حظ حاصل کرتے، ایک وجدی کیف میں سب سرشار نظر آتے۔ اُس کے بعد خاصہ تناول فرماتے۔

بعد نماز عشا جب سب مریدین ومتوسلین رخصت ہو جاتے تو آپ گشت کے لیے بلدہ سے باہر نکلتے، صرف نواب صاحب تنہا ہمرکاب ہوتے۔ مقام 'حسین ساغر' سے مقام 'الوال' تک تقریباً سات کوس تک یہ گشت روزانہ ہوتا تھا۔ کبھی ایک بجے اور کبھی دو بجے شب کے واپسی ہوتی تھی۔ راہ میں جو عجیب بات قابل دید نظر آتی تھی وہ یہ تھی کہ ایک مقام پر کچھ مرد اور کچھ عورتیں مل مل کر نہایت تمنا و اشتیاق کے ساتھ ملاقات کرتی تھیں، جن کی صورتیں کبھی بلدہ یا باہر کسی جگہ نہیں دیکھی جاتی تھیں۔ مرد مصافحہ اور معانقہ کرتے اور مستورات بے خودانہ ذوق وشوق کے ساتھ بلائیں لیتی تھیں۔ نواب صاحب تحریر کرتے ہیں کہ جتنی دیر یہ سلسلۂ ملاقات جاری رہتا تھا مجھ پر جو حالت طاری ہوتی تھی اُس کا لطف ذائقۂ تحریر میں نہیں آسکتا۔ مدّتوں یہ مشی وگشت جاری رہی،

روزانہ اس لطف سے نگاہوں کو سرور حاصل رہا۔ یہ سب رجال الغیب، صاحب باطن اور حضرت کے رتبہ شناس تھے۔

اِسی طرح حیدرآباد میں ایک ضعیفہ مجذوبہ صاحب تصرف وکرامت جو محلّہ اندرون کھڑکی بھورہ ایک چوکھنڈی قبر پر ہمیشہ نظر آتی تھیں، یہ قبر ایک بزرگ مجذوب کی ہے اور بہ کثرت مجاذیب اس قبر پر ہمیشہ حاضر رہتے ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ مجذوبہ بھی اکثر وہیں فروکش رہتی تھیں، ان کے تصرفات بلدہ میں بہت مشہور ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ سیّد معین الدین صاحب مرحوم شادی کے بعد عرصۂ دراز تک لاولد رہے اور اِسی تمنا میں رہے کہ کاش اولاد ہو۔ اتفاق سے ایک دن یہ بیوی صاحبہ مجذوبہ ایک ڈولی میں بیٹھ کر سید صاحب کے مکان پر تشریف لائیں اور کچھ گڑیاں پارچے کی جس سے کمسن لڑکیاں کھیلا کرتی ہیں سیّد صاحب کی والدہ کو دیں، بہ عنایت الٰہی چندروز میں سید صاحب کی بیوی حاملہ ہوئیں اور خدا نے اولاد عطا فرمائی۔

نواب محی الدین بہادر مرحوم نے ایک دن حضرت اقدس سے عرض کی کہ ''وہ بیوی صاحبہ مجذوبہ اب بہت ضعیف ہوگئی ہیں اور ان کا بالکل آخر وقت ہے، اگر حضور بطور عیادت تشریف لے جائیں تو مَیں بھی ہمراہ چلوں''۔ نواب صاحب کے کہنے پر حضرت اقدس اُن مجذوبہ کی ملاقات وعیادت کو تشریف لے گئے۔ جس وقت یہ دونوں حضرات مجذوبہ کی گزرگاہ پر پہنچے اور مجذوبہ کی نگاہ حضرت اقدس کی جانب اُٹھی باوجود ضعف وناتوانی کے اشاروں سے مراسم تکریم ادا کرنے کے لیے اُٹھنے کا قصد کیا اور اُس کے بعد نہایت خاطر ومدارات کی اور ایک پیالہ پانی کا منگوا کر آپ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ ''مولوی صاحب! یہ پیالہ حضرت دستگیر عالم پیران پیر محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اس کو پی لیجیے''، آپ نے بے تکلف پیالہ پی لیا۔ اُس کے بعد اُن مجذوبہ نے نواب محی الدولہ بہادر کو بھی یہ کہہ کر کہ ''بڑے شیخ کا ہمراہی ہے'' دوٹکڑے روٹی کے دیے۔ بعد ازاں اُن کا انتقال ہوگیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) گویا سرکار غوثیت کی امانت تھی جو وقت رحلت حضرت اقدس [سیف اللہ المسلول] کے سپرد کردی گئی۔

مولوی سید یعقوب صاحب قدس سرہٗ 'کولسہ باڑی' میں سکونت پذیر تھے، دکن کے مشاہیر سادات کرام میں سمجھے جاتے تھے، اگرچہ ان کے بھتیجے نواب سیّد سعد الدین صاحب 'معتمد مدار المہام ریاست' کے عہدے پر فائز تھے، لیکن مولوی صاحب مذکور نہایت خدا رسیدہ اور بہت

بزرگ تھے، ایک دن نواب نصیر جنگ مہاجر مرحوم نے (جو حضرت اقدس کے شاگرد رشید تھے) سیّد صاحب کا تذکرہ کچھ اس عنوان سے کیا کہ حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا ''ہم بھی بغرض ملاقات سید صاحب جائیں گے''۔ نصیر جنگ مرحوم نے اپنا میانہ فوراً حاضر کیا۔ حضرت فوراً پالکی میں اور نصیر جنگ بہادر اور نواب ضیاء الدین ہاتھی پر سوار ہو کر میانے کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ جس وقت سید صاحب کے دولت کدے پر پہنچے سید صاحب نے بے انتہا تعظیم و تکریم کی اور آپ نے بھی حسب عادت مراسم آداب و تکریم جو سادات کرام کے ساتھ مخصوص تھے برتے۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی عارفانہ گفتگو رہی، اُس کے بعد سید صاحب نے فرمایا کہ ''مولانا! حضوری حضور سید عالم رسول اکرم (روحی له الفدا) کی گاہے گاہے ہو جاتی ہے، ایسا عمل بتائیے کہ جب مَیں چاہوں زیارت سے مشرف ہوا کروں''۔ آپ نے سید صاحب سے صرف نظر ملا کر یہ ارشاد فرمایا کہ ''ہماری چاہت کو کیا دخل ہے دارومدار سارا سرکار کی چاہت پر ہے''۔ صرف یہ کلمہ آپ کی زبان سے ادا ہوا ہی تھا کہ سید صاحب کی حالت متغیر ہونا شروع ہوئی، ایک خاص ذوق و کیف میں تمام بدن کے اندر لغزش پیدا ہو گئی اور دیر تک یہی رنگ رہا۔ حاضرین بھی اِس کیف سے لطف بیخودی حاصل کرتے رہے۔ اُس کے بعد حضرت اقدس نے کچھ آہستہ آہستہ سید صاحب سے کہا اور فرود گاہ کو واپس تشریف لائے۔

غرض یہ کہ تمام مشائخ عصر اور علمائے وقت اور اکابر عرب و عجم دنیائے اسلام میں آپ کے علوم ظاہری اور فیوض باطنی کی دھوم مچی ہوئی تھی، ایک طرف علوم شریعت کے طالب دیار و امصار سے آ آ کر اپنی تمناؤں کے دامن گلہائے مقصود سے بھرتے، دوسری جانب بادۂ عرفاں کے مے خوار دور دراز سے ساقی مست کے میخانے میں آ کر شراب معرفت سے مخمور و مدہوش ہو کر جاتے۔ مدرسہ قادریہ میں جہاں قال اللہ اور قال رسول اللہ کے نعروں سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی وہیں اللّٰہ ھو اور لا الہ الا اللّٰہ کے اذکار و اشغال کی دلکش اور روح پرور آوازیں قلوب کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں برقی قوت دکھاتیں۔ خدا والے تزکیۂ نفس کے لیے حاضر خدمت ہوتے، مدرسہ عالیہ [قادریہ] کے حجروں میں چلہ کشی اور پاس انفاس میں مشغول ہوتے، حصول کمال کے بعد اجازت و خلافت کی نعمت حاصل ہوتی۔

اسی طرح قیام حیدر آباد میں بہت سے مشائخ شرف خلافت سے فیض یاب ہوئے، جن کا

تذکرہ خلفا کے احوال میں مذکور ہوگا۔ یہاں صرف آپ کی مشائخانہ زندگی کے بعض وقائع کا اظہار منظور ہے۔

ماہ رمضان المبارک میں اکثر آپ معتکف رہتے اور بالکل تنہائی کو پسند فرماتے تھے۔ 'ضیاء المکتوب' میں ہے کہ زمانہ قیام ریاست حیدرآباد دکن میں جب نصف ماہ شعبان گزر گیا ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''رمضان شریف کا مہینہ آ رہا ہے اعتکاف کے لیے کوئی مسجد آبادی سے باہر جہاں آمد و رفت نہ ہو تلاش کی جائے''۔ نواب ضیاء الدین صاحب قبلہ دامت برکاتہم نے (جو اخص خلفا میں ہیں) ایک گھوڑا سواری کے لیے جناب محی الدولہ مرحوم کے اصطبل سے لیا اور حسب الارشاد تمام دن تلاش کر کے موضع 'ادیل' اور 'حیات نگر' کی دو مسجدیں منتخب کیں اور دونوں کا حال عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ''یہ دونوں مساجد مناسب حال نہیں ہیں، 'حیات نگر' کی مسجد آبادی میں ہے اور 'ادیل' کی مسجد لب سڑک واقع ہے، وہاں آمد و رفت رہتی ہے''۔ نواب صاحب متعجبانہ خاموشی کے ساتھ چپ ہو گئے۔ اسی اثنا میں آپ کا خادم و ملازم خاص محمد جمال نامی عرض پیرا ہوا کہ میرے موضع کے قریب ایک مسجد آبادی سے دور صحرا میں واقع ہے۔ یہ شخص محمد جمال موضع 'انکیر پال' کا (جو بلدہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے) رہنے والا تھا۔ ہر وقت آپ کی خدمت میں رہتا تھا اور دو وقتہ آپ کے سامنے کا بچا ہوا کھانا کھا کر اپنی قسمت پر ناز کرتا تھا۔ آپ ملازم کی بات سن کر خاموش ہو گئے اور بات رفت و گذشت ہو گئی۔

چند دن کے بعد کہ ستائیس تاریخ ماہ شعبان المعظم کی تھی آپ یکا یک بلدہ سے مع ملازم کے غائب ہو گئے۔ روزانہ کے حاضر باش اور تمام متوسلین بلا اطلاع آپ کے تشریف لے جانے سے سخت پریشان ہوئے۔ ہر چند تلاش کیا مگر آپ کا پتہ نہ چلا، یہاں تک کہ رمضان المبارک کا کل مہینہ ختم ہونے کو آیا۔ ستائیسویں رمضان شریف کو یکا یک محمد جمال مع صحیفہ گرامی نواب ضیاء الدین صاحب کے مکان پر پہنچا۔ نواب صاحب اس حسن اتفاق سے بے حد مسرور ہوئے، حضرت اقدس کا پتہ دریافت کیا، محمد جمال نے گرامی نامہ دست بدست دے کر زبانی کہا کہ ''حضور اقدس میں بالکل طاقت رفتار باقی نہیں، کوئی پالکی وغیرہ آرام دہ سواری ہمراہ لے چلو''، نواب صاحب محی الدولہ بہادر کی خدمت میں پہنچے، مژدۂ قیام پہنچایا، محی الدولہ مرحوم نے اپنی سواری کا میانہ مع میانہ برداروں کے نواب صاحب کے ہمراہ کیا، وہیں سے نواب صاحب نے

اپنے لیے ایک گھوڑا اور دو عرب جوان ہمراہی کو لیے۔ آخر شب بلدہ سے روانہ ہو کر ۲۸؍ماہ مبارک کو قریب عصر حاضر خدمت ہوئے۔ دیکھا کہ حضورِ اقدس مسجد کے رتیلے فرش پر رونق افروز ہیں، جسم مبارک ضعف نقاہت سے نیلا پڑ گیا ہے، آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں۔

نواب صاحب پیر و مرشد کی یہ حالت دیکھ کر گریہ کناں قدموں پر گر پڑے، یہاں تک کہ افطار کا وقت آیا، صحن مسجد میں ایک بڑا درخت گولر کا کھڑا ہوا تھا اور بکثرت گولر لدے ہوئے تھے۔ آپ نے اُن گولروں کا شربت اپنے دست مبارک سے تیار کیا اور تھوڑا سا گڑ ڈال کر وقت افطار خود بھی نوش فرمایا اور نواب صاحب کو بھی دیا۔ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ ''اُس شربت کی حلاوت نے جو لذت بخشی نہ عمر بھر وہ مزہ اور حلاوت حاصل ہوئی تھی نہ ہوگی۔ اُس کے بعد مجھ کو حکم ہوا کہ یہ صحرا ہے تم آبادی موضع میں جا کر شب بسر کرو بعد نماز صبح یہاں آنا''۔ نواب صاحب تعمیل حکم بجا لائے موضع میں (جو مسجد سے زائد از ایک میل ہوگا) رات کو مقیم ہوئے۔ دن نکلے حسب الارشاد حاضر ہوئے، شان جمال پیر و مرشد میں جلوہ گر دیکھی، چشم کرم کو اپنی جانب منعطف پایا، عطیات کے اُمیدوار ہوئے، کھڑاؤں پائے مبارک کی اور ایک کاغذ (جس میں ننانوے اسمائے الٰہی مع اعداد و ترکیب کے تحریر تھے) عطا ہوئے۔ حکم ہوا کہ تالاب میں غسل کر کے دروازۂ مسجد میں بیٹھ کر اِن اسمائے الٰہیہ کی تلاوت کرو۔

نواب صاحب کہتے ہیں کہ تالاب مسجد سے دور ایسے صحرائے لق و دق میں تھا کہ جہاں درندے اور شیر چیتے وغیرہ آ کر پانی پیتے تھے اور یہ صحرا اُن حیوانات کا مسکن تھا۔ دن میں وہاں جاتے ہوئے سخت دہشت معلوم ہوتی تھی، لیکن پیر و مرشد متواتر شب کو تہجد کے وقت اُسی تالاب میں جا کر غسل فرماتے تھے اور تمام درندے اور صحرائی جانور پاسبانی کرتے تھے۔ اُس کے بعد کہتے ہیں کہ مَیں نے غسل سے فارغ ہو کر حسب الحکم تلاوت اسمائے الٰہیہ کی شروع کی۔ عجب کیف و سرور، حلاوت و اطمینان قلب کو حاصل ہوا جس کا بیان قوت تحریر سے باہر ہے۔ اُسی عالم اِعتکاف میں نعت شریف کا یہ مقبول قصیدہ (جس کا اندراج ذیل میں ہے) آپ نے تصنیف فرمایا تھا۔ اُسی تاریخ ہلال طالع ہوا، اعتکاف سے باہر تشریف لائے، سواری حاضر تھی، شب کو چل کر تا صبح بلدہ واپس تشریف لائے، تمام اہل بلدہ نماز عید میں حضور کی زیارت سے مشرف ہوئے اور عید میں دوسری عید آپ کی دید ہوئی۔

نعت میں حضرت کے فکرِ شعر حالی کا خیال | وہم باطل ہے کہ ہے نقش محالی کا خیال
ہے خدا مداح اُن کا اور نہیں بندہ خدا | تا کرے مثل خدا مضمون عالی کا خیال
بندے کی تخییل وحس کی بس یہی معراج ہے | ذکر اشواق و مضامین خیالی کا خیال
نے سبل، نے جوش خوں ہے بلکہ ہے یہ جم گیا | آنکھ کے پردے میں اُس پردے کی لالی کا خیال
کیا حلاوت ہے مدینے کے سفر کے قصد میں | بحر مالح پر بھی ہے اک نہر حالی کا خیال
عالم بالا تہ و بالا ہے کیوں؟ کیا آ گیا | دیکھ لینے کا مدینے کی حوالی کا خیال
آمد و رفت نفس کی ہو گئی مسدود راہ | آیا جب مسدودیٔ بابِ شمالی کا خیال
تجربہ ہے خضر ہوجاوے جماوے دل میں جو | قبۂ خضرا کی اُس سرسبز جالی کا خیال
سینہ چھلنی ہوگیا آنکھوں میں جالے پڑ گئے | بندھ گیا جب شبکۂ عالی کی جالی کا خیال
نورِ حق آنکھوں کے آگے بس چمک جاتا ہے صاف | آئے ہے جس وقت اُس الماس عالی کا خیال

ساقیٔ کوثر مئے اطہر پلا دیں اے خدا
راست آ جائے یہ مست لاابالی کا خیال

مشائخ کرام کی روحانی زندگی اور اُن کا روزمرّہ جن واقعات سے لبریز ہوتا ہے حضرت اقدس کے شبانہ روز میں ہر لمحہ اور ہر ساعت اُسی نوع اُسی حیثیت پر بسر ہوتا ہے۔صوفیائے کرام کی زندگی میں جو محبوب ومقبول شے قابل دید ہوتی ہے وہ اتباع سنت نبوی اور شریعت مصطفوی ہے کیوں کہ اہل شریعت کا فتویٰ ہے......ع

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

الحمدللہ کہ بہ درجہ غایت و بہ کمال علو یہ حقیقی اتباع آپ کی زندگی کا جزو اعظم تھا۔

☆☆☆

تصرفات وخوارقِ عادات

آج کل کے زمانے میں خصوصاً نئی روشنی کے پروانے اکابر کے حالات میں جن واقعات سے چونکتے ہیں وہ بزرگوں کے تصرفات ہیں۔ مسلمانوں میں دو گروہ اِس وقت موجود ہیں جو کرامات اولیاء اللہ کے قائل نہیں ہیں۔

پہلا گروہ تو یہی نئی روشنی کا دل دادہ، فلسفۂ جدیدہ کا متوالا گروہ ہے، ان کے نزدیک کیمسٹری اور مسمریزم کے ذریعے سے خواہ کیسی ہی عجیب باتیں ظہور پذیر ہوں بعید از عقل و قیاس نہیں ہیں لیکن جہاں یہ کہہ دیا کہ ایک خدا والے کی قوت روحانی حقائق اشیا کے لیے مثل آئینہ ہے یا اُس کے تصرفات دیگر طاقتوں کو مغلوب کر سکتے ہیں تو خدا معلوم ان کے قیاس کی تنگ کوٹھریاں کیوں بند ہو جاتی ہیں کہ یہ باتیں ان کی عقلوں میں سماتی ہی نہیں۔

دوسرا گروہ پرانے خیالات والوں کا ہے۔ یہ گروہ معتزلہ کا کاسہ لیس، ہندوستان کے غیر مقلد وہابیہ کا فرقہ ہے، تعجب تو ان لوگوں سے ہے کہ مقتدائے فرقہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی رائے بریلی کے ایک سیدھے سادے، بے پڑھے لکھے سپاہی پیشہ سیّد کو مجسم کرامت اور سراپا کمال بنا کر نعوذ باللہ حضور خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کا ہم رُتبہ باور کرانے کی کوشش کریں، اُس کی جہالت کو توبہ توبہ نبی اُمّی (روحی لہ الفدا) کی شان اُمّیت کے ساتھ مشابہت دیں، اُس کے گھوڑے کی عنان فرشتوں کے ہاتھ میں دینے سے باک نہ کریں، غیب سے من و سلوٰی اُتروائیں، عجیب وغریب تراش خراش سے 'پیراں نمی پرند مریداں می پرانند' [ترجمہ: پیر خود نہیں اڑتے بلکہ ان کو مرید اڑاتے ہیں] کا زور دکھائیں۔ لیکن خاصان خدا اور مقبولان بارگاہ الٰہ جو برسوں مجاہدات شاقہ اور ریاضات سخت میں گزار کر کمال تزکیہ نفس کی بدولت مرتبۂ قرب نوافل طے فرمائیں جن کی نسبت خود حدیث قدسی میں ارشاد ہو:

لا زال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل فاکون سمعہ وبصرہ (الحدیث)

[ترجمہ: میرا بندہ جب نوافل کے ذریعے میرا اقرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کے کان اور آنکھ ہو جاتا ہوں۔ حدیث مبارک]

جن کی مدح سرائی قرآن عظیم ان مبارک الفاظ میں ادا کرے: الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون [ترجمہ: خبردار ہو جاؤ، بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے نہ وہ غم گین ہوتے ہیں۔ یونس: آیت ۶۲] یہ برگزیدہ حضرات ان ستم ظریف نافہموں کے نزدیک کچھ بھی نہیں۔ خیر ہمیں کیا؟ یہ جانیں اور ان کی قوت ایمان، آخر مرنا ہے خدائے جلیل و جبار کی جناب میں سب کو جانا ہے:

حشر میں ہم بھی سیر دیکھیں گے　　　منکر آج اُن سے التجا نہ کرے

اصل یہ ہے کہ بہ مصداق حدیث بالا ان مقدس بندوں کا چاہنے والا رب ان کو وہ زبردست قوتیں عطا فرماتا ہے کہ یہ دلق پوش حضرات تاجداروں کے [.....لفظ نہیں پڑھا جا سکا] کو ٹھکراتے چلتے ہیں، جو چاہتے ہیں کرتے کراتے ہیں، جو کہتے ہیں کر دکھاتے ہیں، عطائے الٰہی ان کی جنبش لب کا صدقہ، رحمت باری ان کی دعاؤں کا ثمرہ ہوتا ہے۔ تصرف و کرامات ان کی ادائے جلال و جمال کا نام ہے، ورنہ ان مقدس نفوس کے نزدیک تو دنیا کے اہم ترین امور معمولی سے معمولی بات ہیں۔

اولیاء اللہ کی زندگی کے آثار مقدسہ میں خوارق عادات شائبہ زندگانی ہیں، اس لیے ہم بھی بعض اُن واقعات کا تذکرہ عقیدتاً کرنے کے لیے مجبور ہیں جن کو ہم یقیناً اپنے حضرت کے تصرفات یا کرامات سمجھے ہوئے ہیں اور جن کی تصدیق و توثیق خبر رساں اصحاب کی ثقاہت اور پاک نفسی نے ہمارے عقیدت آگیں دل کو پورے طور پر کرا دی ہے، یا بعض واقعات کا ماخذ بعض مطبوعہ مشہورہ اور بعض غیر مطبوعہ تحریریں ہیں۔

[۱] واقعہ ولادت دختر میر رضا علی حیدر آبادی:

جناب اُستاذ مولانا میر رضا علی صاحب (اُستاذ سر سالار جنگ مختار الملک اوّل مدار المہام ریاست حیدر آباد دکن) نہ صرف دکن بلکہ ہندوستان کے مشاہیر اکابر سے ہیں۔ حضرت اقدس کے مخصوص تلامذہ میں ہیں، اُن کے خُسر مرزا ہاشم بیگ صاحب (تعلقہ دار مدگل) مع اپنی اہلیہ و تمام متعلقین کے حضرت اقدس سے بیعت رکھتے تھے۔ میر صاحب موصوف بکمال ادب حضرت

سے اپنی دلی تمنا کا اظہار کرنے میں تر ماتے تھے۔

ایک مرتبہ جب حضرت اقدس میر صاحب کے خسر مرزا ہاشم بیگ صاحب کے یہاں مقیم تھے میر صاحب نے اپنے خسر کی تحریک سے عرض کیا کہ ''حضور! ہم دونوں میاں بیوی بالکل ضعیف ہو چکے، دنیا میں چند دن کے مہمان اور ہیں، صرف اولاد کی حسرت ظاہراً قبر تک ساتھ جائے گی، خدائے پاک کے مخصوص بندے اگر دعا فرماتے ہیں تو باب اجابت سے قبولیت کا سہرا اُن کی دعاؤں کے ماتھے سجایا جاتا ہے''۔ میر صاحب نے کچھ اس انداز سے عرضِ حال کی کہ حضرت اقدس کا قلب بھی بے چین ہو کر تڑپ گیا۔ فرمایا ''میر صاحب! دعا تو ہم کرتے ہیں لیکن فرزند ہو یا دختر یہ مرضئ الٰہی پر منحصر ہے''۔ چنانچہ جب تک آپ مرزا صاحب کے یہاں مقیم رہے روزانہ عود اور لوبان اور شیرینی اور پانی پر کلمات طیبات اور آیات الٰہیہ دم فرما کر میر صاحب کو مرحمت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ زوجۂ میر صاحب حاملہ ہوئیں، بعد ایام حمل لڑکی تولد ہوئی، جو جوان ہو کر حسین یار خاں (برادر زادہ نواب محی الدولہ بہادر) کے عقد میں آئی۔ (منقول از 'ضیاء المکتوب')

[۴] ایک بدایونی رئیس کی پشیمانی:

بدایوں کے ایک معزز رئیس (جو شہر کے رکن رکین تصور کیے جاتے تھے) بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک معاملے میں جو اُن کے بنی اعمام کے ساتھ تھا حضور اقدس سے اس درجہ منحرف ہوئے کہ آپ کے دشمنوں کی جان کے خواہاں ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرت اقدس بعد نماز عشا درگاہِ معلی اور آستانہ حضرت شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ میں حاضر ہوتے ہوئے براہِ حضرت مولانا حاجی جمال ملتانی روزانہ سلطان جی صاحب میں شب باش ہو کر چلّہ کشی فرماتے ہیں۔ مدرسہ عالیہ [قادریہ] سے تن تنہا بلا کسی خادم و خدمتگار کے جاتے ہیں۔ یہ صاحب دل میں بہت خوش تھے کہ جس دن موقع پاؤں گا خدانخواستہ کام تمام کر دوں گا۔

ایک دن اسی خام خیالی نے ان کو آمادۂ کشت و خون کیا، تلوار باندھ کر پیشتر سے بَن میں ایسی جگہ جا بیٹھے جہاں سے حضرت اقدس گزرا کرتے تھے، یہ اسی انتظار میں تھے کہ وقت مقررہ پر انوار الٰہی کی بجلی چمکی، زمین سے آسمان تک تجلیات کی ایک ہلکی لہر دوڑ گئی، دیکھا حضرت مولانا تنہا اُس نور میں خراماں خراماں چلے آتے تھے۔ انہوں نے تلوار سنبھالی، جی کڑا کیا، سپاہیانہ جوش نے بہت کچھ ابھارا، مگر ہیبت حق نے حوصلے پست کر دیے، دل بیٹھ گیا، ہاتھ پاؤں میں لرزہ آیا کچھ نہ

کر سکے اور وہ نورانی تصویر سامنے سے نکل چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد حواس درست ہوئے اپنی اس بزدلانہ حرکت پر نفریں کی، نامردی پر دانت پیسے اور یہ ارادہ کیا کہ خیر اب واپسی کے وقت دیکھا جائے گا۔ اسی دُھن میں رات جنگل ہی میں گزاری، صبح سویرے نور کے تڑکے جب قبل از نماز حضرت اقدس پھر واپس ہوئے ان پر وہی مصیبت پھر طاری ہوئی، دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور وہ مسکراتے ہوئے پاس سے گزر رہے۔ ارادے کے پورے بات کے پکے تھے، پشیمان نہ ہوئے، پھر بھی اکڑے رہے اور ایک ہفتے تک اسی حماقت میں گرفتار رہے۔ آخر جب تمام آرزؤوں پر پانی پھر گیا، سارے منصوبے خاک میں مل گئے، تو سخت ندامت کے ساتھ توبہ کی نیاز مندانہ عقیدت کے ساتھ خدام میں شامل ہو گئے۔

نگاہت دشمناں را دوست کردہ   اثر ہا در رگ و در پوست کردہ

[ترجمہ: آپ کی نگاہ نے دشمن کو بھی دوست بنالیا، اس نگاہ کا اثر رگوں اور کھال میں پہنچ گیا]

(از طوالع الانوار)

[۳] قاضی عرفان علی بدایونی کا واقعہ:

حاجی قاضی عرفان علی صاحب مرحوم جو رفتگان بدایوں میں ایک ممتاز شان رکھنے والوں میں سے تھے دو مرتبہ حضوریٔ حرمین شریفین سے مشرف ہو کر امکنہ طیبہ دارالسلام بغداد شریف، نجف اشرف، کربلائے معلی، کاظمین معظمین کے پاک آستانوں میں جبہ سائی کی دولت پائی تھی۔ ایک مرتبہ سخت بلائے ناگہانی میں مبتلا ہو کر عیش و آرام کی زندگی سے محروم ہو چکے تھے، دشمنوں کے اغوا [بہکانے] سے حاکم وقت درپئے آزار و ایذا رسانی تھا۔ سنگین جرم میں ماخوذ ہو کر سشن کے اجلاس تک مقدمے کی نوبت پہنچ چکی تھی۔ دنیاوی پیروی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا، لیکن حرماں نصیبی گلے کا ہار بنی ہوئی تھی، مایوسی نے زندگی تلخ کر دی تھی، تمام تدابیر بے سود و بے کار ہو چکی تھیں۔ اسی سراسیمگی اور بکمال یاس کے عالم میں ایک دن تنہائی میں حضرت اقدس کے قدموں پر خود کو ڈال کر ساری سرگذشت غم عرض کی۔ ابن غنی کی بارگاہ سے محروم لوٹنا تو سنا ہی نہیں، تسلی و تشفی سے فوراً طمانیت قلب کر دی گئی، دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے، قاضی صاحب نے گریۂ خود رفتگی میں دیکھا کہ حضرت اقدس کے دہن انور سے ایک بقعۂ نور برآمد ہوا اور اُس نے اس مجسمۂ پریشانی کے سارے جسم کو گھیر لیا اور اپنے روح پرور جلوؤں سے دل و دماغ پر محیط ہو کر تمام اضطراب و آلام،

تفکرات ومصائب کو یک لخت زائل کردیا، قاضی مرحوم بالکل مطمئن اور دلشاد ہوگئے۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے زبان مبارک سے مقدمے کا حکم آخر سنادیا۔ یہ بزرگ خوش وخرم گھر کو واپس آئے جب مقدمے کی پیشی کا روز آیا، کچہری میں حاضر ہوئے مجوز نے بلفظہٖ وہی حکم سنایا جس کا وقوع زبان اقدس سے پیشتر ہی ہو چکا تھا۔

[۴] منشی بہادر سنگھ کا قبول اسلام:

بدایوں کے معزز ہنود کے ایک رکن منشی بہادر سنگھ نامی قوم کے کایستھ کسی مرض میں مبتلا تھے، طبیب حقیقی کی ہدایت سے معالج روحانی کی جناب میں حاضر ہونے کے قصد سے مدرسہ قادریہ میں پہنچے۔ معلوم ہوا جمعے کا دن ہے حسب معمول حضرت اقدس آستانہ مجیدیہ میں ختم کلام الٰہی کے لیے مع طلبہ وخدام تشریف لے گئے ہیں۔ یہ بھی وہیں پہنچے، اس وقت قرآن شریف کا دور ہورہا تھا، درگاہ معلّٰی کے ایک گوشے میں مؤدّبانہ خاموش بیٹھ گئے۔ جس وقت قرآن شریف ختم ہوا معمول کے مطابق بعد فاتحہ شیرینی تقسیم ہوئی، قاسم تبرک نے جب ان کا نمبر آیا قصداً غیر مذہب سمجھ کر ان کو چھوڑ دیا اور آگے بڑھنا چاہا، حضرت اقدس نے وہیں سے جہاں آپ تشریف فرما تھے اشارہ کیا کہ آستانے کے تبرک سے کوئی محروم نہ رہنا چاہیے۔ چنانچہ فوراً منشی بہادر سنگھ کو شیرینی دی گئی۔ اس عطیے کو منشی صاحب نے بے اختیار کھالیا، فوراً حالت متغیر ہوئی، ظاہری علاج یاد سے اُتر گیا، باطنی علاج کا ولولہ دل میں پیدا ہوا، جگہ سے بے تابانہ اُٹھے، رقت کے جوش میں قدموں پر جا پڑے، قبول اسلام کی تمنا ظاہر کی، حضرت اقدس نے خود کلمہ طیبہ تلقین فرمایا۔ جس وقت انہوں نے کلمہ شریف پڑھا حجابات اُٹھ گئے، حقانیت اسلام کی تجلی برق ظلمت سوز بن کر دل میں پیوست ہوگئی، مستغرق محض ہو گئے، ہاتھوں ہاتھ بدقت تمام مدرسہ شریفہ میں لائے گئے، تین روز تک کمالِ محویت اور انتہائی استغراق کے ساتھ یاد الٰہی میں زندہ رہے، دوشنبہ کے روز اسی عالم میں انتقال فرمایا۔ سارے شہر میں شہرت ہوگئی، ہجوم کثیر کے ساتھ نماز جنازہ ادا ہوئی، بے تعداد ہندو مسلمان جنازے میں شریک ہوئے، جوار روضۂ مقدسہ میں شرف دفن پایا۔ (از طوالع الانوار)

اخوند حاجی محمد ضمیر صاحب ولایتی (جو حضرت مولانا سیدی شاہ عین الحق قدس سرہٗ المجید کے مریدانِ با اختصاص میں سے تھے اور اُس زمانے میں اپنے پیر ومرشد کے آستانے میں چلہ کش تھے) بیان کرتے ہیں کہ شب کو رفع حاجت کے لیے اتفاق سے آستانے سے مَیں باہر آیا،

عقب آستانہ شریفہ اُس طرف سے ہوکر گزرا جہاں یہ بزرگ نومسلم شیخ عبدالرحیم نامی دن میں دفن کیے گئے تھے، یکا یک پھولوں کی تیز خوشبو کی مہک نے دماغ معطر کر دیا۔ ولایتی صاحب قبر کے قریب پہنچے، دیکھا کہ قبر کثرت بارش کے سبب سے شق ہو گئی، اندر سے اِس درجہ روح افزا اور مست کن خوشبو آ رہی ہے جس کے سامنے دنیا کی کوئی خوشبو نظر میں نہیں جمتی۔ اُنہوں نے جھک کر بغور قبر کے اندر دیکھا، معلوم ہوا کہ میت گلہائے تر کے ہاروں سے بالکل ڈھکی ہوئی ہے، پھولوں کی رنگت اور خوشبو ایسی فرحت خیز ہے کہ کسی پھول اور خوشبو سے کوئی مناسبت اور مشابہت ہی نہیں۔ ولایتی صاحب اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوکر اس خیال سے کہ درگاہ معلّٰی کے اور شب باش لوگوں کو اس واقعۂ عجیبہ کی زیارت کراؤں اپنے ہمراہ لوگوں کو قبر پر لے گئے لیکن بہ مصداق:

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

[ترجمہ: یہ سعادت قوت بازو سے حاصل نہیں ہوتی، جب تک عطا کرنے والا رب نہ عطا فرمائے]

کسی دوسرے کو کچھ معلوم نہ ہوا۔

منشی بہادر سنگھ بدایوں کے کایستھوں کے مشہور طبقے میں سے تھے نہایت ذی استعداد اور قابل شخص تھے، فارسی میں دست گاہ کامل رکھتے تھے، عربی صرف و نحو سے بھی واقف تھے۔ اپنی قوم میں معزز و ممتاز سمجھے جاتے تھے، اسلامی نام عبدالرحیم رکھا گیا تھا۔ (از بیاض قادری)

[۵] عشق مجازی سے عشق حقیقی کا ظہور:

ایک شخص مسلمان حسن و عشق کے کرشموں میں مبتلا ہوکر مجازی راستے سے حقیقی منزل تک اس طرح پہنچے کہ محلّہ ٹکٹ گنج بدایوں کے ایک ہندو حسین لڑکے مسمّیٰ پیارے لال کی نظر فریب صورت پر مائل ہوکر وارفتہ و بےخود ہو گئے۔ گھر بار خویش واقربا کو خیر باد کہہ کر درِ دلدار کے طواف میں اوقات بسری کرنا شروع کی۔ ہر وقت پیارے پیارے کی رٹ لگی ہوئی تھی، زبان سے جو بات نکلتی تھی وہ پیارے کی پیاری صورت کا خیر مقدم کرتی ہوئی نکلتی۔ کوئی لمحہ، کوئی ساعت مکان سے جدائی گوارا نہ تھی۔ لڑکے ہر طرف سے انگشت نمائی کرنے لگے، رفتہ رفتہ سارے شہر میں خبر مشتہر ہو گئی غول کے غول ان نوگرفتار عشق کی زیارت کو آنا شروع ہوئے، اُدھر لڑکے کے والدین ہر چند کوشش کرتے ہیں کہ یہ مائل شوریدہ کسی حکمت سے مکان سے جدا ہو مگر ممکن نہیں ہوتا، شرم سے گردن اُوپر نہیں اُٹھتی۔ آخر پیارے لال کے والد مع اپنے خاص احباب کے حضرت اقدس کی

جناب میں حاضر آئے۔ آپ کی ذات سراپا کمالات تو ہر فرقہ و ہر مذہب کے لیے قبلہ حاجات تھی، آپ نے ان کے معروضے کو شرف سماعت بخشا ان کو جرأت ہوئی، قدموں پر سر رکھ دیا، عرض کیا ''حضور! میری بڑی ذلت ہوتی ہے، شرم کی وجہ سے گھر سے باہر نہیں نکل سکتا، حضور کرم فرما کر تھوڑی سی تکلیف گوارا فرمائیں اور اُس جنون گرفتہ بندۂ عشق کی رہبری فرمائیں''۔

چونکہ ایک شخص کو اس بہانے سے جادۂ حقیقت تک پہنچانا مقصود تھا، آپ پالکی میں دولت خانے سے تشریف لے گئے۔ دیکھا دروازے پر وہ از خود رفتہ موجود ہے، آپ نے نگاہ بھر کر اوّل اُس شخص کو دیکھا، اُس کے بعد قریب طلب فرما کر خدا معلوم کان میں کیا آہستہ سے کہہ دیا کہ اُن بزرگ کو دوسرے رنگ میں رنگ دیا۔ پالکی جس وقت اِس مکان سے مدرسہ عالیہ [قادریہ] کو روانہ ہوئی اب یہ بزرگ پالکی کے ساتھ ساتھ......ع

رشتۂ درگردنم افگندہ دوست

کہتے ہوئے چلے آرہے تھے۔ یہاں تک کہ مدرسے میں پہنچے، فیض باطنی سے مستفیض ہو کر شام تک مدرسہ عالیہ [قادریہ] میں نظر آئے۔ دوسرے دن کچھ ایسے غائب ہوئے کہ پھر کسی کو نظر نہ آئے۔ اِس واقعے کے دیکھنے والے ابھی بدایوں میں موجود ہیں۔

[٦] واقعہ حضرت شہیدی

بریلی میں بالکل اِسی واقعے کے مطابق جناب میاں شہیدی علیہ الرحمۃ کا واقعہ ہے۔ یہ بھی اِسی طرح کسی ہندو کے لڑکے پر ابتدا فریفتہ ہو کر بے خود محض ہو گئے تھے۔ حضرت اقدس کی (جو حسن اتفاق سے بریلی رونق افروز تھے) ایک دن سواری جا رہی تھی، راستے میں شہیدی حسن مجازی کا شکار بنے ہوئے نظر آئے۔ خدّام ہمرکاب نے عرض کی ''شہیدی یہی بزرگ ہیں''، حضرت نے چشم خدا بیں کی ایک گردش اُن کی طرف بھی کر دی، صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگ گئے، ساتھ ہوئے۔ فرودگاہ پر آئے تو محبوب حقیقی کے روضۂ مقدسہ کی حاضری کی ہدایت ہوئی۔ دوسرے روز قصیدۂ نعتیہ (جو سلطان عرب کی بارگاہ میں شرف قبولیت پا چکا ہے) لکھ کر لائے، جب یہ شعر سنایا کہ:

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے   قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقیّد کا

حضرت اقدس نے زبان اقدس سے ''آمین'' کہہ کر فرمایا کہ ''ان شاء اللہ تمنا پوری ہوگی''۔ چنانچہ

یہی ہوا کہ جب آپ اُسی سال حج سے فارغ ہو کر مدینۃ الرسول کی زیارت کو چلے یہ عالم تھا کہ کبھی مستانہ دُھن کے ساتھ پیادہ پا چلتے، کبھی ناقہ پر سوار ہو جاتے۔ تھوڑی دیر نہ گزرتی کہ پھر ولولہ عشق نیچے اُتار دیتا، یہاں تک کہ طیبہ مطیبہ کے قریب قافلہ پہنچا۔ سبز کھجوروں کے جھرمٹ میں فضائے قدس کے جلوے روضۂ اقدس کے سبز گنبد کو اپنی آغوش میں لیے نظر آئے، شہید عشق حضرت شہیدی کی نگاہیں ایک طرف لپک کر قبہ سبز کے طواف میں مشغول ہوئیں، دوسری طرف ہجوم آرزو نے یہ مصرع زبان سے نکلوایا.....ع

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے

عروس اجابت نے شہیدی کے طائر روح کو فوراً اپنے دامن میں لے کر اشجار حرم پر ابد تک آشیانہ بنا کر رہنے کی اجازت دی۔ صرف یہ معلوم ہوا کہ لاشہ تڑپ کر شغدف پر سے گرا اور روح پرواز کر گئی۔ شہیدی کا مصنفہ شجرہ راقم الحروف نے پڑھا ہے، عجیب سوز و گداز کا منظوم مرقع ہے۔

[۷] دربار حضرت قطب صاحب میں ایک رقاصہ کا جذب:

ایک مرتبہ بہ ہمرکابی پیر و مرشد آپ دہلی میں مقیم تھے، انہیں ایام میں دہلی کا مشہور میلہ پھول والوں کی سیر (جو حضرت قطب صاحب میں ہمیشہ نہایت آب و تاب کے ساتھ ہوتا ہے) ہو رہا تھا۔ ایک دن آپ مسجد میں رونق افروز تھے، دالان کے اندر آپ کے پیر و مرشد قدس سرہ المجید اوراد میں مشغول تھے۔ اتنے میں چند اشخاص مسجد میں آئے اور آپ سے میلے میں چلنے کو کہا، مگر آپ نے یہ کہہ کر کہ ''وہاں آج ہجوم بہت ہوگا، رقص و سرود کی مجلسیں ہوں گی، ہمارا آج جانا ٹھیک نہیں ہے، آستانے کی حاضری تنہائی میں کیف انگیز ہوتی ہے''۔

دوبارہ آپ کے اور احباب آئے اُن سے بھی آپ نے یہی کہہ دیا۔ تیسری بار کچھ اور لوگ آئے، انہوں نے بھی اصرار کیا کہ ضرور چلیے۔ آپ انکار کرنا چاہتے تھے کہ اندر سے پیر و مرشد کا اشارہ گویا حاضری دربار کا حکم ہوا، چلنے کو تیار ہو گئے۔ جب قطب صاحب میں پہنچے، صدر دروازے پر بہ کثرت ہجوم تھا، اُس طرف سے گزرنا محال سمجھ کر کھڑکی کی جانب سے اندر جانے کا قصد کیا۔ وہاں ایک نوعمر رقاصہ (جو بہ اعتبار حسن و جمال کے فرد تھی) مجرے میں مشغول تھی۔ آپ نے نیچی نگاہیں کیے نہایت تیزی سے اندر جانے کا قصد کیا اور چاہتے تھے کہ اندر داخل ہو جاؤں، مگر اندر سے آدمیوں کا ایک غول دھکے دیتا ہوا اس انداز سے برآمد ہوا کہ آپ اس کشمکش میں

بجائے اس کے اندر پہنچ جاتے عین حلقے میں ٹھر گئے۔ ہر چند کوشش کی کہ کسی طرح نکل جائیں مگر ممکن نہ ہوا۔ مجبوراً اسی طرح تھوڑی دیر رُکنا پڑا۔

اِسی اثنا میں بھیڑ کم ہوئی اور آپ فوراً مزار پُر نور تک پہنچ گئے۔ فاتحہ پڑھی مراقبہ کیا، یکا یک مراقبے کی حالت ہی میں اُٹھ کر پھر وہیں پہنچے اور اُس طوائف سے دریافت فرمایا کہ ''نیک بخت! تو نے کس قدر نوافل پڑھے ہیں؟ کتنی بار حج کیا ہے؟ کتنی عبادت کی ہے؟''، عورت جس کے کان ان باتوں سے آشنا نہ تھے کیا جواب دیتی، عرض کیا ''حضور! میں ایک بازاری عورت نماز روزے سے بے تعلق، حج وزکوٰۃ سے نابلد محض ہوں، ریاضت وعبادت کی بجائے اِسی رقص وسرود کو ریاض سمجھتی ہوں، البتہ خداوند کریم نے دامن عفت کو داغِ معاصی سے اب تک محفوظ رکھا ہے''، آپ نے ارشاد فرمایا ''اچھا آج جو انعام واکرام حضرت قطب صاحب کے دربار سے تمہیں (اُس خلوص کے صلے میں جو تبرکِ درگاہ کی تعظیم میں تم نے حسنِ عقیدت ظاہر کیا تھا) ملا ہے اُس کا تبادلہ ہماری عبادات وہمارے حج وزکوٰۃ سے کرنا چاہتی ہو؟''۔

رقاصہ نے عرض کیا ''نہایت خوشی سے منظور ہے''، آپ نے فرمایا ''عہد واثق کرتی ہو؟''، اس نے کہا کہ ''ہاں''۔ اس کے بعد آپ نے اُس سے نظر ملائی اور فوراً یہ کہہ کر......ع

سپردم بہ تو مایۂ خویش را

فرودگاہ کو تشریف لے آئے۔ وہاں اُس حسین سراپا جمال رقاصہ کی یہ حالت ہوئی کہ فوراً کپڑے چاک کر ڈالے، جذب کی کیفیت طاری ہوگئی، ایک مستانہ انداز کے ساتھ روضۂ اقدس کا طواف کرنا شروع کردیا۔ اب جو شخص بد نظری سے اُس کی برہنگی پر نظر ڈالتا ہے بصارت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

ایک ہفتے تک یہی عالم رہا تمام میں ایک ہُو مچ گئی۔ آستانہ شریف کے خدّام کرام یہ رنگ دیکھ کر آپ کی خدمت میں تشریف لائے اور ان واقعات کی اطلاع کر کے کہا کہ ''حضرت بندگان الٰہی پر رحم فرمایئے بہت سے لوگ نابینا ہو چکے ہیں، رقّاصہ کا ظرف اس بارِ عظیم کا متحمل نہیں ہوسکتا، آستانہ چل کر اُس کی حالت ملاحظہ فرمایئے''۔ آپ دوبارہ پھر حاضر دربار ہوئے، حسن کی اُس چلتی پھرتی تصویر کو اِس رنگ میں دیکھ کر دوش مبارک سے اپنی چادر اُتاری اور اس کو مرحمت فرمائی۔ عورت عرض پیرا ہوئی:

ایں خرقہ ہستی را در میکدۂ وحدت   صد بار گرو کردم عریان خراباتم

حضور نے خرقہ وجود کی پردہ داری کے لیے جو خرقہ عطا فرمایا خوب کیا، لیکن اب تو اُس بے جبری میں ہی کچھ لطف تھا۔ آپ نے نہایت تسکین وتشفی فرمائی۔ اپنے ہمراہ شہر میں لاکر ایک شخص کے ساتھ نکاح کر دیا اور حکم دیا کہ یہ نکاح صرف محرم بنانے کے واسطے کیا گیا ہے، یہ شرط ہے کہ اس عورت کو مدینۂ منورہ تک پہنچا دو اور دونوں زوج اور زوجہ کا زادراہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔ آپ کی بدولت دونوں کو حج کی نعمت بھی بہم پہنچی۔ عورت جس وقت روضۂ مقدسہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے قریب پہنچی بلند آواز سے'' السلام علیك یا رسول اللہ '' کہہ کر بے اختیار خندہ زناں ایک چیخ ماری اور فوراً جان دے دی۔

[۸] ہنگامہ غدر کی بے ہنگامی:

ایام غدر میں جب کہ ہر طرف ایک ہنگامہ اور طوفانِ بے تمیزی برپا تھا ہر شخص مطلق العنان ہو کر جو چاہتا کرتا تھا، روزمرہ لوٹ کھسوٹ کے نت نرالے واقعات ظہور پذیر ہوتے تھے۔ ضلع بدایوں میں اگرچہ ہر طرف آتش فساد شعلہ زن تھی لیکن شہر میں حضور کی توجہ قلبی امن وامان کی ضامن تھی۔ تحصیل داتا گنج کے جھنگارے ٹھاکر موقع کو غنیمت سمجھ کر آمادۂ غداری ہو گئے۔ موضع بکسینہ کے ٹھاکر ہلی سنگھ تمام ٹھکرات میں سربرآوردہ اور بااثر سمجھے جاتے تھے اُن کو ٹھاکروں نے اپنا سرگروہ بنایا تھا اور ایک جماعت کثیر بطور فوج کے ترتیب دی تھی، لمبی لمبی لاٹھیوں میں لوہے کی گنڈاسیاں جڑوا کر اسلحہ نبرد آزمائی کی ایجاد کو شرمایا تھا، ''اُٹھے گنڈاسا''، ''چلے گنڈاسا'' فوجی قواعد کے جنگی استعارات تراشے گئے تھے، سکہ اس سجع سے مسجع کیا گیا تھا:

نیچے دھرتی اوپر رام   کرے کچہری دابو دھام

غرض یہ کہ ان دہاقین نے اپنی فہم وفراست کے مطابق اپنے دھن میں ایک جاہلانہ حکومت کی بنیاد ڈال کر بدایوں پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ ایک چارپائی متعدد بانسوں پر باندھ کر تخت رواں کے مشابہ بنائی گئی، اُس پر ہلی سنگھ ٹھاکر جلوس کناں ہوئے۔ جیتے جی اس ارتھی کو چند دہقانوں نے کاندھے پر اُٹھایا، ڈھول اور نقارے بجاتے ہوئے اِس گروہ ناشکوہ کے گنوار گاؤں میں لوٹ کھسوٹ کرتے آگ دیتے ہوئے موضع شتاب نگر تک (جو بدایوں سے چند میل پر ہے) آ گئے۔ اہل شہر کو وقتاً فوقتاً ٹھاکروں کی جاہلانہ حرکات اور اُن کی جماعت کی نقل وحرکت کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں اور سراسیمگی کے آثار نمایاں ہوتے جاتے تھے۔ جب اس قدر نزدیک ان کے پہنچ جانے کا

حال معلوم ہوا تو بعض شرفا وعمائد شہر سخت پریشان ہوکر مدرسہ عالیہ [قادریہ] میں حاضر ہوئے اور حضرت اقدس سے تمام واقعات عرض کیے۔ آپ نے کلمات تسکین ارشاد فرمائے اور کہا کہ "ان شاء اللہ تعالیٰ بدایوں تک یہ اشرار نہیں آئیں گے"۔ مگر لوگوں کی پریشانی کم نہ ہوئی، یہاں تک کہ 'کھیڑہ نوادہ' تک ان لوگوں کے آنے کی خبر شہر میں گونج گئی۔ اس وقت معتقدین نہایت اصرار کے ساتھ طالب اعانت ہوئے، آپ نے فرمایا "اچھا ہم خود چل کر یہ تماشہ دیکھیں گے"۔

اہالی شہر جن میں ہر فرقے و ہر مذہب کے لوگ شامل تھے بہ کثرت حضور کے ہمراہ ہوئے۔ آپ مدرسہ قادریہ سے مزار فائز الانوار حضرت میراں ملہم شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱۶) تک تشریف لے گئے۔ بعد فراغ فاتحہ کوٹ سے نیچے اُتر کر کچھ دیر توقف فرمایا اور تین بار زمین سے خاک اُٹھا کر 'شاھت الوجوہ' کہہ کر جانب شمال (جدھر سے ٹھاکروں کے آنے کی خبر تھی) دست خدا پرست سے ہوا میں پھینکی۔ اہل عقیدت عرض پیرا ہوئے "اب حضور کو زیادہ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہماری تسکین بخوبی ہوگئی حضور واپس تشریف لے جائیں"۔ بہت لوگ اس خیال میں کہ کس طرح گنواروں کی امیدیں خاک میں ملتی ہیں مشتاقانہ وار تماشا دیکھنے کے لیے آگے کو روانہ ہوئے۔ دور سے دیکھا کہ گنواروں میں ہلڑ مچا ہوا ہے، ہر شخص خائف و ترساں اُلٹے پاؤں بھاگا جا رہا ہے، سارا گروہ تتر بتر ہوکر جدھر سے آیا تھا اُدھر ہی کو لوٹا جا رہا ہے۔

اس واقعے کی چشم دید شہادت چند ثقہ اکابر نے بیان کی بدایوں میں ابھی بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں جو روزانہ کے اپنی آنکھوں دیکھے ہوئے واقعے بیان کرتے ہیں۔

☆☆☆

---

(۱۶) آپ کے حالات کے لیے صفحہ 372 حاشیہ ۱۶ ر ملاحظہ کریں۔

تذکرۂ خلفائے مجاز

[مولانا حکیم عبدالعزیز مکی]

کاشف اسرار حقیقت، واقف امور طریقت حضرت مولانا حکیم عبدالعزیز مکّی قدس سرہٗ۔ آپ خاص مکہ معظّمہ میں کوہ صفا کے عقب میں سکونت رکھتے تھے۔ جملہ علوم وفنون کے عالم تھے۔ عرب شریف میں طبی شہرت تقویٰ وتورع کے دوش بدوش تھی۔ حج کے زمانے میں حرم محترم کے اندر مقام حطیم میں شرف بیعت سے مشرف ہوئے، کمال تزکیۂ نفس کی بدولت مثال خلافت سے سرفراز ہوئے۔ کعبۂ مقدسہ کی تجلیات قدسیہ نے آپ کے کمال نورانیت اور علو روحانیت کو زمین حجاز پر خوب چمکایا۔ آپ کے خاندان کے باوجاہت وباوقار لوگ حضرت اقدس کے سلسلۂ بیعت میں داخل تھے۔ بعد وصال پیرومرشد مکہ معظّمہ سے بدایوں آئے، آپ میں شان تواضع وانکسار جو خداوالوں کی خصوصی شناخت ہے عجیب تجمل کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ عرس شریف میں شریک ہوکر واپس وطن ہوئے۔

آپ کی توجہ قلب جہاں روحانی مریضوں کی معالج تھی وہاں آپ کا دست شفا جسمانی بیماروں کے لیے طبیب حاذق تھا۔ مکہ مکرمہ میں آپ کا وصال ہوا۔ تاریخ وصال معلوم نہ ہوسکی۔ حضرت اقدس نے جب تیسری بارے ۱۲۷ھ[۶۱-۱۸۶۰ء] میں سفر حج کیا☆ اُس وقت آپ بیعت ہوئے ہیں اور 'رسالہ طریقت' صرف آپ کی ہی خاطر حضرت اقدس نے تصنیف فرمایا تھا۔(۱۷)

☆

[سید شاہ آل نبی شاہجہاں پوری]

سلالہ خاندان غوثیہ حضرت مولانا سید شاہ آل نبی حسنی حسینی شاہجہانپوری قدس سرہٗ۔ آپ

---

(۱۷) مولانا عبدالعزیز مکی کے برادران اور احفاد کے حالات کے لیے دیکھیے صفحہ 373۔

☆ مصنف نے صفحہ 225 پر تیسرا حج ۱۲۷۰ھ میں اور چوتھا حج ۱۲۷۷ھ میں ہونا بیان کیا ہے۔

حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد سے ہیں۔ قصبہ کانٹھ ضلع شاہجہاں پور میں سکونت پذیر تھے۔ ابتدا میں مولانا نذیر احمد صاحب مرحوم عثمانی بدایونی سے تعلیم پائی، بعدہٗ مدرسۂ قادریہ میں آکر حضرت اقدس سے تکمیل فرمائی۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے اہل فضل و کمال کی طلب تھی، بعد فراغ علوم لذت بادۂ عرفاں نے مدہوش کیا۔ اُدھر حضور دستگیر عالم کی جناب سے اپنے نور نظر کی تکمیل مراتب کے باطنی اشارات شروع ہوئے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہو کر عرصے تک شیخ کے پیش نظر رہ کر ریاضت شاقہ اور مشاغل واذکار میں مصروف رہے۔ مدارج عالیہ روزانہ مائل بہ ترقی تھے، یہاں تک کہ خرقہ خلافت وسند اجازت سلاسل اربعہ کی دربار شیخ سے حاصل ہوئی۔ ہزاروں بندگان خدا آپ سے مستفیض ہوئے، باطنی کمال کی شہرت دور دور پہنچی۔ سفر پنجاب میں آپ مشغول تھے کہ مژدۂ وصال حقیقی پہنچا۔ مقام بٹالہ ضلع گورداس پور میں ۱۲۷۸ھ [۶۲-۱۸۶۱ء] میں آپ کا وصال ہوا۔

☆

[مولانا سید نور الحسن حیدر آبادی]

سید السادات، منبع السعادات حضرت مولانا سید نور الحسن حسنی حسینی حیدر آبادی قدس سرہٗ۔ آپ نواح دکن میں نہایت تقدس واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ دربار ریاست میں آپ کا وقار مسلم تھا، قادر الدولہ بہادر کے لقب سے ملقب تھے، سلسلۂ نسب کے اعتبار سے حضور غوث اعظم کی پاک اولاد ہونے کا فخر آپ کو حاصل تھا۔ آپ کی نورانی شکل آپ کو اسم بامسمّیٰ بنائے ہوئے تھی۔ اپنے خاندان میں آپ کو پیشتر سے بیعت واجازت حاصل تھی اور نسبت قوی و کامل تھی، لیکن بہ اشارۂ باطنی ترقیٔ مدارج وزیادت کمال کے لیے حضرت اقدس سے طالب بیعت وتجدید ہوئے۔ آپ کے اصرار بے حد سے بیعت مصافحہ سے آپ کو سرفراز کیا گیا، علاوہ عقیدت و ارادت کے علم تصوف کو بکمال ذوق حضرت اقدس سے آپ نے اخذ کیا تھا۔ آپ کا چشمۂ فیض دکن میں ہزارہا تشنگان معرفت کو سیراب کرتا رہا۔

☆

[مولانا سید شمس الضحیٰ بخاری]

سید الاتقیا، سند الاذکیا حضرت مولانا سید شمس الضحیٰ بخاری قدس سرہٗ۔ آپ سادات

بخاری سے ہیں، حیدرآباد میں آپ کے اجداد نے اقامت اختیار فرمائی تھی۔ اہل دکن آپ کے خاندان کی بہت کچھ عظمت کرتے ہیں۔ آپ کی علمی قابلیت آپ کے مصنفہ رسائل تصوف وغیرہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ آپ بھی سلسلۂ چشتیہ میں پیشتر سے بیعت رکھتے تھے، لیکن حضرت اقدس کے کمالات کے گرویدہ ہوکر سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی۔ اذکار و اوراد کی اجازت لے کر عرصے تک ریاضات میں مشغول رہے، کمال تزکیۂ نفس کے بعد اجرائے سلسلہ کی اجازت حاصل کی۔ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، آپ کے مریدوں کا سلسلہ نواح دکن میں احاطۂ شمار سے باہر ہے۔

☆

[مولانا حاجی حمید الدین]

مسند نشین شرع مبین حضرت مولانا حاجی حمید الدین قدس سرہٗ۔ آپ مچھلی شہر کے سرمایۂ عزت و تمکین شرفا میں سے تھے، محکمۂ قضا کی مسند خاندانی میراث تھی۔ حیدرآباد کی علم پرور سلطنت نے آپ کی خداداد قابلیت کی قدر افزائی عدالت افتا کی کرسی آپ کو سپرد کر کر بخوبی فرمائی۔ آپ علوم معقول و منقول کے جید عالم تھے، خصوصاً فقہ میں تبحر کامل حاصل تھا۔

حضرت اقدس جب سفر عروس البلاد حضرت بغداد سے واپس آکر حیدرآباد تشریف فرما ہوئے ہیں اُس وقت آپ بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۱۲۸۴ھ [۶۸-۱۸۶۷ء] میں نعمت حج اور حضوریٔ دربار رسالت کا شرف حاصل کیا۔ آپ نہایت مرتاض بزرگ تھے، ریاضت و مجاہدہ آپ کا روزانہ کا شغل تھا جس کے باعث روحانی قوت نے اِس درجہ ترقی کی کہ آپ بھی صاحب ارشاد ہوکر رہے۔

دوئم ماہ جمادی الآخر ۱۲۸۵ھ [ستمبر ۱۸۶۸ء] میں بمقام حیدرآباد متاع جان کو جاں آفرین کے سپرد فرمایا۔ آپ کے صاحبزادے قاضی رشید الدین صاحب بھی اپنے بزرگ باپ کے فضل و کمال کی زندہ تصویر تھے اور عرصے تک حیدرآباد میں منسلک رہے۔ فارسی میں ذوق سخن رکھتے تھے۔

غزل

اے سر گروہ انبیا نعل تو تاج اصفیا　　　از خاک او زینت فزا گردید عرش کبریا

نعلین موسیٰ شد جدا بالائے طور از حکم حق — نعلین تو بر عرش ہم ہرگز نشد از پا جدا
نعلین پائے خود اگر بخشی مرا از مکرمت — بر سر نہم تاجش کنم ایں فخر باشد بس مرا
خاک نعالِ پائے تو بارے نصیب من شود — باعین شوق آنرا کشم در چشم دل صبح و مسا
چوں خاک پائے تو نشد در چشم ما کحل البصر — تمثالِ نعلین تو بس از بہر حرز جانِ ما
تمثال نعلین تو گر لوحِ مزارِمن بود — گردد منور قبر من از نورِ نعلِ پُر ضیا
ظلّ لواء الحمد را جوئند جملہ اہل حشر — من ظل نعلین ترا جویا شوم روزِ جزا
آنجا بد ستم گر بود تمثال نعل پاک تو — باشد خط آزادیم از بند اندوہ و بلا

چوں نامۂ اعمال خود ہر کس بہ محشر آورد
حاضر رشیؔد آندم شود بانقش نعل مصطفیٰ

یہ پاک غزل آپ کے دلی جذبات کی شاہد ہے۔

☆

[مولانا شیخ عطاء اللہ]

عارف حق آگاہ، مقبول بارگاہ الٰہ حضرت مولانا شیخ عطاء اللہ قدس سرہٗ۔آپ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انجمن اخلاف کے روشن چراغ اور حضرت مخدوم اولیا قاضی ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ معروف بہ قاضی جیا کے دولت خانہ نور کاشانہ کے سراج منیر تھے۔پیرزادگان نیوتنی شریف میں آپ صاحب علم وفضل اوروارث سجادۂ طریقت تھے۔

جس طرح آپ کے نانا حضرت مولانا شیخ اسد اللہ علیہ الرحمۃ نے حضرت سیدی شاہ عین الحق قدس سرہٗ سے اکتساب بیعت کرکے اجرائے سلسلہ کی اجازت حاصل فرمائی اسی طرح آپ بھی باوجود پیرزادگی بہ کمال ذوق وشوق نیوتنی شریف سے چل کر بدایوں تشریف لائے اور حضرت اقدس سے مشرف بیعت ہوکر مثال خلافت حاصل کی۔گھر کی دی ہوئی دولت اس طرح پر گھر میں واپس لی۔عرصے تک توجہ شیخ سے اذکار و اشغال میں مصروف رہ کر مرتبہ کمال حاصل فرمایا اور فائز المرام ہوکر مسند آبائی پر فیوض عرفاں کی جلوہ ریزی فرمائی۔

☆

[مولانا محمد عبید اللہ بدایونی]

مخزنِ علوم، مجمع کمالات، حقائق آگاہ مولانا محمد عبید اللہ قدس سرہٗ۔ آپ حضرت مولانا عبداللہ مکی قادری کے صاحبزادے، حضرت مولانا شیخ عبدالکریم قدس سرہٗ کے پوتے تھے۔ جمیع علوم فقہ وحدیث وتفسیر کامل تحقیق کے ساتھ حرمین طیبین کے مشائخ اجل سے حاصل کیے۔ معقول کی تکمیل، تصوف کی تحقیق حضرت اقدس سے فرمائی۔ اپنے زمانے میں استاذ الاساتذہ تھے، علم نواز رؤسائے بمبئی کے اصرار سے ہندوستان تشریف لاکر مسجد جامع بمبئی میں مدت العمر خدمت درس انجام دی۔ صاحب زہد وتقویٰ اور مہر وفتویٰ تھے، نواح سورت وکاٹھیاواڑ میں ہزاروں آپ کے ارادت مند ہیں۔ باوجود کثرت مشاغل واذکار آپ کا قلم فرق باطلہ خصوصاً طائفہ وہابیہ کے حق میں صولت ذوالفقار رکھتا تھا۔ آپ کی تصانیف سے رسالہ 'سیف المسلول عن علم غیب الرسول' ☆ کے مطالعے سے راقم الحروف کو بھی شرف حاصل ہے، یہ رسالہ مطبع گلزار حسنی بمبئی میں چھپوا کر ایک سنی سورتی سیٹھ نے وقف کر دیا تھا۔ غیر مقلدین نے سیکڑوں رسالے مفت منگا منگا کر بدعقیدگی وگمراہی کی جان کو اس چمکتی ہوئی تلوار کی آنچ سے اپنی چلتی بہت کچھ بچایا، لیکن لکھنے والا جو لکھ گیا اُس کا جواب نہ ہوا نہ آئندہ ہو سکے گا۔

آپ کی نسبت اپنے شیخ سے اس درجہ قوی تھی کہ خود کو بھی ہمیشہ 'بدایونی' لکھا کرتے تھے۔ ہر سال بمبئی سے ایام حج میں کعبے کے طواف کا شوق آپ کو حرمین طیبین پہنچاتا تھا۔ آپ باوجود صاحب ارشاد ہونے کے بہت کم مرید فرماتے تھے، تاہم آپ کا سلسلہ اب تک جاری ہے اور ایک بزرگ مولانا سید شاہ غلام حسین صاحب مدفیضہ (جن کو آپ سے تلمذ وبیعت وخلافت کا شرف حاصل ہے) آپ کے سلسلے میں مرید کرتے ہیں۔

سید [شاہ غلام حسین] صاحب جامع علوم عقلیہ ونقلیہ ہیں۔ آپ ریاست جونا گڑھ کے مشاہیر اکابر سے ہیں۔ بندر رویراول میں بہ مقام اگول سکونت پذیر ہیں۔ آپ سادات کرام

☆ رسالے کا نام 'تنبیہ الغفول عن علم غیب الرسول' ہے، مطبع گلزار حسنی بمبئی سے ۱۳۱۹ھ میں شائع ہوا۔ عزیزم مولانا خالد قادری مجیدی (مدرس مدرسہ قادریہ) اس پر تخریج وتحقیق کا کام کر رہے ہیں، ان شاء اللہ عنقریب تاج الفحول اکیڈمی کے زیر اہتمام منظر عام پر آنے والا ہے۔ (مرتب)

ترمذی سے ہیں۔ نواح کاٹھیاواڑ میں آپ کا فیض ظاہر و باطنی جاری و ساری ہے۔ آپ ۱۳۳۱ھ[۱۳-۱۹۱۲ء] میں بغرض حاضری عرس شریف حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ بدایوں تشریف لائے، مگر عرس شریف ایک ہفتے پیشتر ختم ہو چکا تھا۔ آپ نے کلکتہ سے (جہاں آپ کے مریدین کی کافی تعداد موجود ہے) بدایوں کا قصد کیا تھا۔ آپ واعظ بھی ہیں، مَیں نے آپ کو اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس مولانا شاہ مطیع الرسول محبوب حق محمد عبد المقتدر صاحب قبلہ و مدظلہم العالی کی جناب میں جس قدر مؤدب پایا باوجود کفش بردار ہونے کے کبھی دوسروں کو کیا کہوں خود کو بھی اتنا مؤدب نہ دیکھا یا یہ کہیے کہ آداب شیخ ہم غلامان بارگاہ نے سمجھا ہی نہیں۔

سید صاحب کے صاحبزادے مولوی سید غلام عباس صاحب تقریباً ڈیڑھ دو سال تک مدرسہ قادریہ میں حاضر رہے اور قبل تکمیل والدین کی محبت اور وطن کی کشش نے ان کو اپنی جانب کھینچ لیا۔

حضرت مولانا[محمد عبید اللہ بدایونی] قدس سرہٗ کے ارشد تلامذہ میں سے جناب مولانا الحاج حافظ عبد الغفور صاحب مرحوم ہندوستان کے مشاہیر علما میں سے تھے۔ بمبئ میں ۱۳۲۸ھ میں وصال ہوا۔ راقم الحروف نے تاریخ وصال 'ہوالغفور' (۱۳۲۸ھ) سے اخذ کی تھی۔ آپ زنگاری محلّہ بمبئ کی مسجد کے پیش امام تھے۔

علاوہ ان کے جناب مولانا سکندر خاں صاحب امام مسجد مریم لین بمبئ، مولوی محمد یٰسین صاحب، مولوی حکیم مرزا صاحب وغیرہ[مولانا عبید اللہ بدایونی کے تلامذہ میں] ہیں۔ جناب مولانا عمر الدین صاحب فاضل ہزاروی بھی (جو آج کل علمائے اہل سنت میں ایک ممتاز علمی وقار رکھتے ہیں) حضرت مولانا[عبید اللہ بدایونی] قدس سرہٗ کے ارشد تلامذہ اور حضرت اقدس تاج الفحول کے مخصوص مریدین میں سے ہیں۔ [مولانا عبید اللہ بدایونی کی وفات ۱۳۱۵ھ/ ۹۸-۱۸۹۷ء میں ہوئی۔]

☆

[مولانا محمد اکبر شاہ ولایتی]

حقائق پناہ، معارف دست گاہ مولانا الحاج محمد اکبر شاہ ولایتی قدس سرہٗ۔ صاحب تذکرۂ علمائے ہند نے آپ کو کشمیری لکھا ہے، لیکن دراصل آپ علاقہ 'ہوتی مردان' مضافات ولایت 'سُو' یعنی سرحد کی طرف کے رہنے والے تھے۔ اپنے زمانے کے اکابر علما میں شمار ہوتے تھے۔

طلب علم کا شوق آپ کو وطن سے بدایوں تک لایا، جمیع علوم کی تحصیل و تکمیل آستانۂ شیخ پر رہ کر فرمائی۔ مسائل فقہیہ میں امام وقت تھے، زہد و اتقا میں بالکل متقدمین اولیائے کرام کا نمونہ تھے۔ شبانہ روز عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے، صائم الدہر قائم اللیل تھے۔ شیخ کے خلفائے خاص و مقربان با اختصاص میں تھے، دربار رسالت میں نسبت اویسیہ کا خصوصی شرف حاصل تھا۔ اکثر رویت جمال کی دولت عالم منام میں حاصل ہوتی رہتی تھی، بارہا لذت سماع کلام حضور سید عالم ﷺ سے مشرف ہوئے۔

ایک مرتبہ دولت حضوری اس شان سے نصیب ہوئی کہ حضور رسالت مآب ﷺ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں، حضور نے حضرت فاروق اعظم سے خطاب فرمایا: ''یا عمر انت حي کحیاتي'' [ترجمہ: اے عمر تم میری ہی طرح باحیات ہو] مولانا نے بکمال تعظیم عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ اس زمانے میں بعض اشخاص حضور کے حیات النبی ہونے کے منکر ہیں''، ارشاد ہوا کہ ''اُن کی جانب التفات نہ کرنا چاہیے''۔ آپ نے عرصۂ دراز تک بمبئی میں مسند درس پر جلوہ افروز رہ کر افاضۂ علمیہ کا اجرا فرمایا۔ مولوی مفتی عبد اللطیف، مولوی سید عماد الدین رفاعی، مولانا سید عبد الفتاح گلشن آبادی وغیرہم علمائے کرام کو آپ سے تلمذ حاصل تھا۔ آخر عمر میں نواح سرحد پر آپ کا فیض باطنی مدت العمر جاری رہا۔

☆

[مولانا الحاج شاہ محمد قدرت اللہ کشمیری]

سالک ذی جاہ، عارف حق آگاہ مولانا الحاج شاہ محمد قدرت اللہ کشمیری قدس سرہٗ۔ آپ کشمیر کے مشہور بزرگ ہیں، سیّاحی کا شوق تھا، امکنہ متبرکہ حرمین شریفین، بغداد سید البلاد، بیت المقدس، نجف اشرف، کربلائے معلی، کاظمین معظمین وغیرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ بعض مقامات پر مجاہدہ اور چلہ کشی کر کے مدارج عالیہ حاصل کیے۔ حضرت اقدس سے بیعت و اجازت حاصل کر کے عالم اسلام کی سیّاحی شروع فرمائی۔ حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ حاضری بغداد شریف کے بعد جب آستانۂ حضور غریب نواز سلطان الہند اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضوری سے مشرف ہوئے تو حضرت شاہ صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ نہایت ادب و احترام سے پیش آئے اور اپنے شیخ کے فیوض باطنی کا تذکرہ اور اپنی سیاحت کا حال سنایا۔

☆

[شاہ سالار سوختہ]

سر دفتر مشائخ کبار مولانا شیخ عبدالہادی ملقب بہ شاہ سالار سوختہ قدس سرہٗ۔ آپ لکھنؤ کے کایستھ رؤسا میں سے تھے، آپ کے آبا و اجداد دربار اودھ میں ہمیشہ معزز عہدوں پر فائز رہے اور شہرت کامل حاصل کی۔ آپ کو ابتدائے جوانی میں اختلاج قلب کا سخت مرض لاحق ہو گیا تھا اور حالت خفقان ہر وقت طاری رہتی تھی۔ آپ کے مرض نے آپ کے والدین کو سخت پریشان کر رکھا تھا، ہر چند علاج کرتے تھے لیکن افاقہ نہ ہوتا تھا۔ حسن اتفاق سے حضرت اقدس لکھنؤ تشریف لے گئے، آپ کی شان کمال زمانۂ طالب علمی سے مسلّم تھی، تشریف آوری کی شہرت ہوتے ہی لکھنؤ کے حاجت مند آنا شروع ہو گئے، شاہ صاحب موصوف کے والد بھی حاضر خدمت ہوئے اور آپ کو پیش کر کے آپ کے امراض سخت کی کیفیت بیان کی۔ نبض پر ہاتھ رکھتے ہی مرض تشخیص ہو گیا، فرمایا ”روحانی مریض کو جسمانی علاج سے کیا علاقہ؟ البتہ ان کی روح کا علاج ابھی ہوا جاتا ہے“۔ یہ فرما کر توجہ باطنی کی ایک جھلک شاہ صاحب کے سینے پر ڈال دی پھر فرمایا کہ ”کیا حال ہے؟“، مریض نے اپنے والد کے سامنے عرض کیا:

فرقتِ یار میں یاں جان مجھے بھاری ہے　　　یہ سمجھتے ہیں کہ مجھ کو کوئی بیماری ہے

اور فوراً ہی بکمال رغبت اسلام قبول کیا۔ شاہ صاحب کے والد نے جو ایک معزز اور باوقار شخص تھے یہ حالت دیکھ کر غیظ آمیز نگاہوں سے لڑکے کو دیکھا اور ہاتھ پکڑ کر لے گئے۔ اہل برادری نے مقفل مکان میں بند رکھنے کی صلاح دی۔ آپ مجبور ہو کر مقید ہو گئے، لیکن اُسی وقت سے والدین کے ہاتھ کا کھانا مطلق نہ کھایا، دن بھر سخت بے چینی اور اضطراب میں گزر گئی، شب کے وقت شورش باطنی اور زیادہ ہوئی، رہائی سے مایوس ہو کر خودکشی کا خیال پیدا ہوا، اسی دھن میں چاہتے تھے کہ دیوار سے سر پھوڑ کر اپنا کام تمام کریں، یکا یک غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور ان کی دستگیری کر کے مقید مکان سے باہر نکال دیا۔

اب جو نگاہ اُٹھائی اپنے آپ کو ایک جنگل میں موجود پایا چاروں طرف نظریں ڈالیں کچھ نہ دیکھا، بے خودی میں ادھر اُدھر قدم مارے، ایک درخت کے قریب ایک مشعل نور چمکتی معلوم

ہوئی، قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت ہیں، قدموں پر گر پڑے، حضرت اقدس نے کلمہ تلقین کیا، بیعت سے مشرف ہوئے۔ عرصۂ دراز تک ہم رکابیِ شیخ میں صحرا نوردی اور مجاہدات میں مشغول رہے۔ جب آتش حقیقی نے زنگ کفر و معاصی کو جلا کر دل کو مجلّٰی کر دیا آپ کا لقب 'سالار سوختہ' قرار دیا گیا۔ اُسی وقت سے آپ چشم مردم سے چھپ کر بادیہ پیمائی میں مصروف رہنے لگے۔

حضرت سید کاظم علی شاہ صاحب قدس سرہٗ سجادہ نشین کالپی شریف کا بیان ہے کہ آپ کو ابتدائے جوانی میں بسبب صحبت و قرابت اکثر مولوی اولاد حسن قنوجی سے مکالمہ کرنے کا موقع ہوتا رہتا تھا اور مولوی اولاد حسن بہ تقلید مولوی اسمٰعیل دہلوی مسائل وہابیہ کی تائید اور اہل تصوف کی تردید کیا کرتے تھے، بعض بعض اعتراض کبھی کبھی قوی معلوم ہونے لگتے تھے اور دل میں شکوک اور شبہات پیدا ہوتے تھے۔

آخر الامر حضرات کالپی شریف کی ارواح طیبات سے رجوع کی، ایک شب خواب میں معلوم ہوا کہ اطمنان تمہارا اور جملہ اشکال کا حل شاہ سالار سوختہ سے ہوگا۔ سید صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں متحیر تھا کہ یہ سالار سوختہ کون بزرگ ہیں؟ عرصے تک ان کا منتظر رہا، اِسی اشتیاق میں 'چورہ' سے عید الفطر کے روز حسب معمول کالپی شریف کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ بعد مغرب ایک بزرگ دلق پوش سے ملاقات ہوئی، خواب میں جو آثار دیکھے تھے ان کی شباہت سے بالکل ملتے جلتے نظر آئے، مزید اطمینان کے لیے نام دریافت کیا، معلوم ہوا کہ شاہ سالار سوختہ یہی بزرگ ہیں اور ہمارے ہی گھر کے فیض یافتہ ہیں۔ شاہ صاحب نے اپنا تمام قصہ بیان کیا اور حضرت مولانا [سیف اللہ المسلول] کے ساتھ عرصۂ دراز تک سیاحت وصحرا نوردی کا حال سنایا، اس کے بعد فرمایا کہ ''حضور شیخ سے اب یہ ارشاد ہوا ہے کہ اپنی زوجہ کو جس کے ساتھ حالت کفر میں شادی ہوئی ہے لکھنؤ جا کر ہدایت کروں اور براہ کالپی جاؤں کیوں کہ حضرت پیر و مرشد نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے مخدوم زادے کو فلاں فلاں شکوک ہیں ان کو فلاں فلاں اسرار سمجھاتے جانا''۔

اُس کے بعد حضرت سید صاحب فرماتے ہیں کہ شاہ سالار سوختہ نے اول وہ تمام شکوک

(جودل میں پیدا ہو گئے تھے) بیان کیے، اُس کے بعد باطنی توجہ کے ساتھ سب شکوک مدلل طریقے سے رفع کر دیے۔

☆

[مولانا نواب ضیاء الدین حیدر آبادی]

عالم باعمل، مفتی بے بدل، زبدۃ الصالحین حضرت مولانا نواب ضیاء الدین صاحب دامت برکاتہم۔ حضرت اقدس کے خلفا میں صرف آپ کی ذات بابرکات اس وقت تک نگارخانۂ ہستی میں زیب و زینت وجود کا باعث ہے۔ آپ مدتوں ریاست حیدر آباد میں مفتی دوئم رہے۔ اس وقت حضور نظام کے جاگیرداروں میں سے ہیں، آپ کے والد ماجد نواب محی الدین خاں صاحب مرحوم باوجود خاندانی ریاست و امارت کے خدا شناس دل اپنے پہلو میں رکھتے تھے اور اس زمانے کے صاحب باطن اور اہل اللہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ ابتداً اثر جذب آپ کی طبیعت میں ساری تھا جس کو ناواقف جنون سمجھتے تھے، لیکن بعد کو جب ذوق طبیعت کا انکشاف ہوا تو اس خیال خام سے لوگ باز آئے۔ آپ کی جود و سخا کا شہرہ تھا، روپے کی قدر خاک سے بھی کم آپ کی نظر میں تھی۔ نواب صاحب قبلہ ابتدائے عمر سے زہد و اتقا سے آراستہ تھے، زمانہ طالب علمی میں قرآن شریف حفظ کیا، بعد فراغ تعلیم لذّت فقر سے طبیعت آشنا ہوئی۔ شیخ طریقت کی تلاش میں نگاہیں جستجو کناں ہر طرف دوڑائیں آخر حضرت اقدس کی جناب میں باریابی ہوئی۔ حیدر آباد سے بمبئی پہنچے، بغداد شریف سے حضرت اقدس بمبئی آ کر مقیم ہوئے تھے، نواب صاحب کی عقیدت مند طبیعت ریاست و امارت کو خیر باد کہہ کر فقر کی طرف مائل ہوئی۔ شرف بیعت حاصل کر کے عرصے تک ہم رکابیٔ شیخ میں تزکیۂ نفس کرتے رہے۔ خدمات جلیلہ کے صلے میں پیر کی نگاہ کرم کو اپنی جانب منعطف کر لیا۔ حیدر آباد اپنے ہمراہ بکمال عقیدت و شوق شیخ کو ہمراہ لائے۔ عرصے تک حضوری میں رہ کر منازل تقرب کو طے کیا، یہاں تک کہ خرقۂ خلافت اور سند اجازت حاصل ہوئی، 'عون الحق' کے خطاب سے سرفراز کیے گئے۔

اس وقت آپ کی ذات بابرکات منبع کمال، مرجع اہل حاجات ہے۔ دربار غوثیت میں نسبت قوی حاصل ہے، پیر و مرشد کا عشق پیرزادوں کے سچے احترام سے ظاہر ہے۔ باوجود کبرسنی

وثیقہ ریاست جو حضرت سیدی مولانا شاہ شفیع الرسول [عبد المقتدر] صاحب قبلہ مد ظلہم الاقدس کے نام ماہانہ آتا ہے اس کے متعلق وصول ترسیل کا کل انتظام آپ ہی فرماتے ہیں۔ آپ نے اپنی بزرگانہ شفقت سے اِس نیاز مند راقم الحروف کی عرض داشت کو شرف قبولیت بخشا اور اپنا مرتبہ رسالہ 'ضیاء المکتوب' (جس کا اقتباس جابجا ناظرین کے ملاحظے سے گزرا) مرحمت فرمایا۔

ایک مرتبہ آپ بغرض شرکت و حاضریٔ عرس شریف حیدر آباد سے مع جناب محترم نواب خواجہ حفیظ اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم بدایوں بھی تشریف لائے تھے۔ اگر چہ راقم الحروف ضیائے بے ریا زیارت سے محروم ہے، لیکن دل میں دونوں حضرات کی عقیدت کی جھلک پاتا ہے اور خدا سے دعا کرتا ہے کہ خداوند عالم دونوں بزرگوں کا سایہ تا دیر عزت و اقبال کے ساتھ قائم رکھے، آمین۔

☆

[مولانا محمد یار خاں محی الدولہ بہادر]

زبدۂ ارباب کمال، عمدۂ انتخاب جود و افضال، عالی جناب، معلی القاب مولانا محمد یار خاں صاحب مخاطب بہ محی الدولہ بہادر۔ آپ ریاست دکن کے سب سے اعلیٰ عہدۂ احتساب پر فائز تھے، محتسب عام اور صدر الصدور سلطنت کہے جاتے تھے۔ نسباً آپ صدیقی تھے، بیعت آپ کو سلسلۂ چشت اہل بہشت میں زبدۃ العارفین، قدوۃ الکاملین حضرت مولانا حافظ محمد علی صاحب چشتی خیر آبادی قدس سرہٗ سے تھی۔ جس وقت حضرت اقدس بغداد شریف سے معاودت فرما کر وارد بمبئی ہوئے جناب ممدوح کے غایت اصرار و اشتیاق سے (جس کا اظہار بوسیلہ حضرت شاہ عون الحق نواب ضیاء الدین صاحب وقتاً فوقتاً ہوتا رہا) حضرت مولانا تشریف فرما ہوئے۔ تمام اہل دکن میں ایک دھوم مچ گئی۔ ہزارہا بندگان خدا نعمت بیعت سے مشرف ہوئے، تمام شرفائے باوجاہت غربائے باعقیدت داخل سلسلہ ہوئے۔ نواب صاحب بھی حضرت اقدس کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہوئے۔ آج تک آپ کا نام تمام ریاست دکن [میں] فیض رسانی خلق کے لیے مشہور ہے۔

ماہ محرم الحرام ۱۲۸۲ھ [مئی ۱۸۶۵ء] میں آپ کا انتقال ہوا۔ آیۂ کریمہ الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون سے آپ کا مادۂ تاریخ رحلت بر آمد ہوتا ہے۔ چونکہ نواب صاحب کو روح پر فتوح حضرت مولانا فخر الملۃ والدین قدس سرہٗ سے خاص علاقہ تھا لہٰذا اِس

نسبت قویہ نے یہ رنگ دکھایا کہ تاریخ وصال بھی اُس آیہ شریفہ سے برآمد ہوئی جس سے حضرت فخر صاحب کی تاریخ کا استخراج ہوتا ہے۔ حضرت فخر صاحب کی تاریخ اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون سے نکلتی ہے۔ ان دونوں تاریخوں میں بہ اعتبار شمار عدد ہمزے کا نہیں لیا گیا، ایسی تاریخوں کی مفصل ومبسوط بحث شرح رسالہ 'فخر الحسن'، کتاب 'بہجۃ المرجان' اور 'شرح قصیدہ ملا نقشبند' میں موجود ہے۔

☆

[تذکرۂ مریدان خاص]

حضرت اقدس کے خلفا میں بدقت تمام جن حضرات کے حالات دستیاب ہو سکے قلم بند کر دیے گئے۔ سند اجازت صرف اُن با کمال حضرات کو دی گئی جو علم وفضل میں یگانۂ آفاق ہونے کے علاوہ مدارج باطنی کی تکمیل سے مستحق اجازت ہو چکے تھے۔ یہاں بعض مخصوص مریدین کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

☆

[نواب ریاست علی خاں حیدرآبادی]

منجملہ مریدین کے جناب نواب ریاست علی خاں صاحب حیدرآبادی ہیں۔ آپ ریاست دکن کے رکن اعظم تھے، آپ کا خطاب 'رفیق یاور الدولہ بہادر' تھا۔ ابتدائے عمر سے آپ کو عقیدت وارادت مشائخ کے ساتھ تھی اور مرشد کامل کی جستجو میں پیک خیال کو اِدھر اُدھر دوڑایا۔ آخر بہ مقتضائے 'مَن جَدَّ وَجَدَ' [جس نے کوشش کی اس نے پایا] جب حضرت اقدس حیدرآباد میں رونق افروز تھے آپ کے شوق طلب نے آپ کو حاضر دربار کرایا۔ ہم آغوشِ تمنا ہوئے، شرف بیعت حاصل ہوا، ہمیشہ ظاہر وغائب کمال محبت وخلوص کے ساتھ عمر بسر کی۔ آپ کا بذل وایثار مشہور تھا۔ اہل کمال کی قدردانی، اہل حاجت کی حاجت برآری آپ کا خاصۂ طبیعت تھا۔ تمام عمر فیض رسانی خلق میں مصروف رہے۔ آپ کے تمام اعزا واحباب اور اہل قرابت بھی سلسلۂ بیعت میں داخل تھے۔

[شیخ چاند محمد قادری]

مظہر فیض وسخا جناب شیخ چاند محمد صاحب متوطن بمبئی علیہ الرحمۃ۔ آپ بمبئی کے مشہور سیٹھ

اور صاحب ثروت بزرگ تھے، اصل وطن آپ کا سورت تھا۔ عقیدت کامل حضرت مولانا ابراہیم باعلظہ قدس سرہٗ (۱۸) سے رکھتے تھے اور حسب ارشاد مولانا ممدوح جب حضرت اقدس رونق افروز بمبئی ہوئے تو شیخ صاحب داخل سلسلہ ہوئے۔ روز مرّہ عقیدت جوش خلوص کے ساتھ ترقی کرتی گئی، یہاں تک کہ مرتبہ فنافی الشیخ (کہ اصل اصول طریقہ وصول الی اللہ کا ہے) خصوصی امتیاز کے ساتھ حاصل کیا۔ ہر سال متعدد اشخاص کو آپ اپنے صرف سے حج بیت اللہ شریف کو بھیجا کرتے تھے، بروقت واپسی حجاج ناداروں کی امداد کرنا قلت زادراہ کے باعث جو لوگ بے وطنی کے عالم میں پریشان ہوتے اُن کو زادراہ دے کر وطن پہنچانا آپ کا معمول تھا۔ صدہا بندگان خدا کو آپ نے حرمین طیبین کی زیارت سے مشرف کرایا، خود بھی متعدد بار حج کیے۔ مدینۃ الرسول کی حاضری سے مشرف ہوئے، غربا و مساکین کی اعانت کرنا روزانہ کا معمول تھا۔

غرض آپ کی ذات ستودہ صفات ملاذ غربا اور محبّ الفقرا تھی۔ شب و روز یاد الٰہی میں مصروف رہنا، تصور شیخ میں مستغرق رہنا آپ کا کام تھا۔ فنائیت شیخ اس درجہ کامل تھی کہ جس روز شیخ کے وصال کی خبر اور مرض کی کیفیت بمبئی میں آپ کو معلوم ہوئی اُسی ہفتے میں اُسی مرض سے جو پیر و مرشد کو لاحق تھا آپ بھی جان بحق ہو گئے۔ رسالہ 'عبرت نامہ' میں جو نظم میں مطبوع ہو چکا ہے آپ کے انتقال کی مفصل کیفیت درج ہے۔

[سید خواجہ حفیظ اللہ قادری]

سرچشمۂ جود و احسان نواب سید خواجہ حفیظ اللہ خاں صاحب قادری قبلہ دامت برکاتہم۔ آپ کے محاسن جلیلہ اور محامد حمیدہ کا قلم بند کرنا دریا کو کوزے میں لینا ہے۔ آپ حضرت اقدس کے مخصوص و محبوب مریدین سے ہیں۔ حیدرآباد دکن کے باوقار جاگیرداروں میں ہیں، پیر کی نظر کرامت اثر نے حضور غوثیت مآب کی محبت رگ و پے میں جذب کر دی ہے۔ ہر ماہ میں گیارھویں شریف جس دھوم دھام سے ہوتی ہے، اُس کے علاوہ آخر ماہ شعبان المعظم میں جشن ولادت حضور دستگیر عالم رضی اللہ تعالی عنہ نہایت عظیم پیمانے پر آپ منعقد کرتے ہیں۔ یہ جشن مبارک غرّہ ماہ رمضان المبارک تک کہ خاص یوم ولادت غوث اعظم ہے قریب ایک ہفتہ جاری رہتا ہے۔ تمام قرب و جوار میں اس کی سج دھج مشہور ہے، اس دوران میں بلدۂ حیدرآباد میں جس قدر علما و مشائخ

---

(۱۸) آپ کے حالات کے لیے صفحہ 374 حاشیہ ۱۸ ملاحظہ کریں۔

موجود ہوتے ہیں سب مدعو کیے جاتے ہیں لنگر عام جاری رہتا ہے۔مشائخ کو علاوہ خاطر و مدارات کے نذور بھی پیش کی جاتی ہیں۔آپ کے مصارف کا ایک معمولی اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس جشن مبارک کے لنگر کے لیے چاول کثیر مقدار میں بدایوں بریلی وغیرہ سے خرید کیے جاتے ہیں، جس کے کرائے میں رقم کثیر صرف میں آتی ہے۔

اِسی طرح ماہ جمادی الثانی میں اپنے پیرومرشد کے یوم وصال کی تاریخ نہایت اعلیٰ پیمانے پر عرس کرتے ہیں، سلسلۂ قادریہ کے حلقہ بگوش حسن عقیدت کے ساتھ شریک ہوکر برکات عرفان حاصل کرتے ہیں اور 'ہم خرما و ہم ثواب' ہوتے ہیں۔غرض یہ کہ آپ کے مصارف خیر شبانہ روز جاری ہیں۔فنافی الغوث ہیں، حضور غوث پاک کے نام پر بذل وسخا کی عجیب وغریب شانیں آپ سے ظہور میں آتی رہتی ہیں۔

ضیائے بے ریا آپ کی عنایات کا جس قدر شکریہ ادا کرے کم ہے۔آپ نے یہ سن کر کہ قادری آستانے کے ایک خادم نے آپ کے پیرومرشد کے واقعات زندگی کو اپنی بساط کے موافق ترتیب دیا ہے اپنی عالی ہمتی سے مصارف طبع کا تمام بار اپنے ذمے لیا ہے۔محنت کا ثمرہ ملتے نظر آیا، ہمت وشوق نے اولوالعزمی کے ساتھ تکمیل پر مائل کیا۔صرف خبر سنی تھی طبیعت مطمئن نہ ہوئی، عریضہ لکھ کر استصواب کیا، آپ نے نہ صرف جواب سے عزت افزائی فرمائی، بلکہ دوسو روپے بذریعے منی آرڈر روانہ فرما دیا۔الحمد اللہ کہ تمناؤں میں جان پڑگئی، آرزوئیں شگفتہ ہوگئیں، یہ کتاب محض آپ کی عالی ہمتی کے باعث زیور طبع سے آراستہ ہوتی ہے ورنہ کہاں ناچیز وناکارہ ضیا کہاں حیدرآباد کا ایک نواب باجودوسخا، نہ دید نہ شنید، ہاں اتنا رشتہ ضرور مضبوط کہ جس سرکار کا میں خادم وکفش بردار اُسی تاجدار کا وہ بزرگ مخلص وجاں نثار۔اس قرب نے دوری کو حضوری سے بدل کر نیا رنگ دکھایا۔خدا سے دعا ہے کہ عین حق کے صدقے میں اس عینِ کرم اور اِس گناہ گار کی مشکلیں آسان ہوں، آمین۔

☆☆☆

ذکرِ وصال

حضرت اقدس کی عمر شریف کے چھیتر (۷۶) سال ختم ہونے کے بعد ستترواں (۷۷) سال گویا وصال باری کا سال تھا۔ ماہ مبارک ربیع الاوّل ۱۲۸۹ھ [مئی ۱۸۷۲ء] میں دونوں شانوں کے درمیان میں پشت مبارک پر زخم شبور جس کو 'اڈیٹ' کہتے ہیں نمودار ہوا۔ اِس سے پیشتر قوت روحانی کے باعث اعضا میں کوئی خاص علامت انحطاط کی معلوم نہیں ہوتی تھی، آخر عمر میں ظاہر بیں نگاہوں سے حضور کی قوت نظر او جھل ہوگئی تھی۔ زخم کے اظہار کے ساتھ ہی عقیدت مندوں کا ماتھا ٹھنکا، خدّام و کفش بردار جو ہمیشہ نظارۂ جمال سے حضوری دربار رسالت کی لذت حاصل کرتے تھے آئندہ اس دولت سے محروم ہونے کے خیال میں کلیجہ مسوس کر رہ گئے۔ صبح و شام کے حاضر باش جو دو ایک بار کی قدم بوسی سے اپنی تمناؤں میں خدا طلبی کی جھلک پاتے تھے ہجوم اضطراب کے ساتھ کئی کئی بار مدرسۂ شریفہ میں حاضر ہوتے اور عارض خدا نما کے دیدار سے اپنی پژمردہ آرزؤں کو شگفتہ کرنے کی کوشش کرتے۔ جتنی جتنی مرض میں شدت و زیادتی ہوتی گئی اسی قدر تمام شہر میں بے چینی اور اضطراب میں ترقی ہونا شروع ہوگئی۔

بدایوں اور بیرون جات کے نامی گرامی اطبّا (جو حضرت اقدس کے ہی تربیت یافتہ اور مستفیضین میں سے تھے) دور دراز سے آنا شروع ہوئے۔ علمائے کرام جن کو علالت کی حالت سے اطلاع ہوئی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ ہر طرح کے علاج، ہر قسم کی ادویات کا استعمال ہوا مگر افاقہ نہ ہوا اور جس طرح خاصان خدا کو دربار قدس سے آزمائش میں ڈالا جاتا ہے جسمانی تکلیف روحانی ترقیوں کا ذریعہ بنائی جاتی ہے اسی طرح آپ کو بھی قریب تین ماہ تک اس ابتلا و امتحان میں میدان صبر و رضا سر کرنا پڑا۔

مریدین کا یقین روز بروز اس سبب سے اور بھی ترقی کرتا جاتا تھا کہ ماہ محرم الحرام میں ایام عرس شریف حضرت سیدی مولانا شاہ عین الحق قدس سرہٗ المجید کے موقع پر خود زبان مبارک سے

خبر رحلت کا اظہار فرما دیا تھا، یہاں تک کہ خود ہی قبر شریف کے لیے جگہ بھی مخصوص کر دی تھی۔ ربیع الثانی اور جمادی الاوّل علالت و مرض کی ہی حالت میں بسر ہوئے۔ تمام متوسلین ماہ جمادی الاوّل کے آخر ہفتے سے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر مدرسۂ عالیہ [قادریہ] میں آپڑے تھے۔ حضور کا خلق عمیم جو اپنے خدّام کے ساتھ تھا اس آخر وقت میں ایک لمحے کو حضور سے غلاموں کو جدا نہ ہونے دیتا تھا۔

ایک دن جناب قاضی مولوی شمس الاسلام صاحب عباسی مرحوم (جو آپ کے والد اقدس کے مخصوص مریدوں میں تھے) عیادت کے لیے حاضر تھے، حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ:

> قاضی صاحب! بہ مقتضائے واما بنعمة ربك فحدث [ترجمہ: اور تم اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچہ کرو۔ الضحیٰ: آیت ۱۱] آج آپ سے کہتا ہوں کہ دربار نبوت سے استیصال فرقۂ وہابیہ نجدیہ کے لیے مامور کیا گیا تھا۔ الحمد للہ کہ بہ تائید ایزدی اس فرقۂ باطلہ اور اس کی ذرّیات اسمٰعیلیہ و اسحاقیہ کا رد پوری طور پر ہو چکا، دربار نبوت میں یہ سعی قبول ہو چکی اور میرے دل میں بھی اب کوئی آرزو باقی نہ رہی، عنقریب مَیں اس جہان فانی سے جانے والا ہوں۔

اسی طرح ایّام مرض میں اشارتاً کنایتاً وقت وصال کی اطلاع خود زبان مبارک سے فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ دوسری تاریخ ماہ مبارک جمادی الثانی پنجشنبہ کے دن اپنے صاحبزادے 'شیخ الاسلام فی الہند' تاج الفحول حضرت مولانا شاہ عبد القادر محبّ رسول قدس سرہٗ کو طلب فرما کر نماز جنازہ کی وصیت فرمائی، وقت کا تعین کہ بعد ظہر اس ہستی ناپائیدار کو ترک فرمایا جائے گا بتا کر اور تمام اسرار عرفانی اور انوار رحمانی نظر ہی نظر میں سپرد فرما کر اندرون دولت خانہ لے جانے کا حکم دیا۔ خدّام میں کہرام مچ گیا، رقیق القلب مریدین ضبط گریہ نہ کر سکے، چار پائی مکان کے اندر پہنچا دی گئی۔

حکیم سراج الحق صاحب قدس سرہٗ اور مولانا مرید جیلانی صاحب و مولانا انوار الحق صاحب جو سب سے زیادہ عزیز اور مخصوص تھے خدمت کے لیے مامور ہوئے۔ حضرت تاج الفحول و دیگر مخصوص حضرات وقتاً فوقتاً زیارت کے لیے جاتے اور بادیدۂ نم واپس آتے۔ اسی عالم میں ظہر کا وقت آیا، اشارے سے فریضۂ الٰہی ادا فرما کر ذکر خفی میں مستغرق ہو گئے۔ کئی ساعت اسی طرح گزر چکیں تو مولانا سراج الحق صاحب نے عرض کیا کہ "حضور! غلاموں سے آخر وقت میں کچھ تو ارشاد فرمائیے"، اِس کے جواب میں آپ نے جہر کے ساتھ نہایت بلند آواز سے دو بار اللہ اللہ

ارشاد فرمایا جس کو تمام خدّام نے جو دولت سرا کے باہر پریشان تھے بہ خوبی سنا۔ اِدھر اسم ذات زبان سے برآمد ہوا اُدھر روح مبارک خانۂ تن سے برآمد ہو کر تشریف فرمائے خلد بریں ہوئی۔

ایک نور سا دہن مبارک سے چمکا اور بلند ہو کر غائب ہو گیا۔ سارے شہر میں تاریکی چھا گئی، آفتاب فضل و کمال غروب ہوا، بھیانک و بدرونقی تمام گلی کوچوں میں عیاں ہونے لگی۔ دیکھنے والے اس حالت کے ہزاروں موجود ہیں۔

حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ، حضرت مولانا سراج الحق قدس سرہٗ نے بہ شرکت دیگر علمائے کرام بدایوں غسل دیا۔ بعد نماز عصر غسل مبارک سے فارغ ہو کر جنازہ شریفہ عیدگاہ شمسی کو (جو آثار قدیمۂ بدایوں میں یادگار سلطان دین پناہ حضرت سلطان شمس الدین التمش علیہ الرحمۃ ہے) روانہ ہوا۔ ہزار ہا بندگان خدا (جن کا اندازہ و شمار دشوار تھا) جنازے میں شریک تھے۔ باوجودے کہ باران رحمت الٰہی راستے بھر ترشح ریز تھا لیکن چاروں طرف سے مسلمان غول کے غول بے تابانہ اُفتاں خیزاں چلے آتے تھے۔ دوسری قوم کے سیکڑوں عقیدت مند بھی بادیدۂ اشک بار معیت میں تھے۔ غرض بعد نماز مغرب حضرت قبلۃ الاولیا تاج الفحول قدس سرہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولوی محمد اسحاق صاحب مرحوم صدیقی (رئیس و ساکن محلّہ سوتھہ بدایوں) کا قول ہے کہ مَیں بعد نماز مغرب بہ ارادۂ شرکت نماز جنازہ شریفہ بہ عجلت تمام گھر سے روانہ ہوا، یہ صحیح معلوم نہ تھا کہ نماز جنازہ عیدگاہ میں ہو گی یا کہیں اور صرف اس خیال سے کہ بجز عیدگاہ کے اور دوسری جگہ ایسی نہیں ہے کہ جہاں ہزار ہا آدمی نماز پڑھ سکیں عیدگاہ کی طرف روانہ ہوا، جس وقت سوتھ کی چوکی سے نیچے قبرستان کے قریب پہنچا یکا یک قبور کے درمیان سے الصلوۃ والسلام علیك یا رسول الله کا غلغلہ کانوں میں پہنچا، جس کی ہیبت سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، لیکن یہ یقین واثق ہو گیا کہ جنازہ مبارک ضرور اس طرف سے روانہ ہوا ہے۔

اسی طرح بہت سے واقعات اکثر صلحا و ابرار بدایوں کو آپ کے وصال کے بعد پیش آئے جو بوجہ طوالت نظر انداز کیے جاتے ہیں۔ نماز کے بعد جنازہ آستانہ عالیہ قادریہ مجیدیہ کو روانہ ہوا اور اوّل وقت نماز عشا شب جمعہ میں کہ دوئم و سوئم جمادی الثانی کی درمیانی شب تھی جسد اطہر کو حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ اور مولانا مرید جیلانی صاحب و مولانا حکیم سراج الحق صاحب و

مولانا انوار الحق صاحب نے مرقد منور کے اندر رکھ دیا۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، اللھم بارك علی جسدہ المنور وروحہ المطھر و قبرہ المعطرو بارك ببرکتہ علینا ماطلع الشمس و القمر۔

اس شب جمعہ مبارک کی فضیلت عالم آشکار ہے۔ سب سے افضل تر برکت یہ ہے کہ یہ شب منور شب علوق حمل انور حضور خیر البشر سید الانبیا والمرسلین خاتم النبیین ﷺ ہے۔ اسی باعث حضرت سیدنا امام احمد حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شب مبارک کو شب قدر سے افضل قرار دیتے ہیں۔ اسی بابرکت رات کو حضرت اقدس کی روح طیب و طاہر نے خلوت وصال الٰہی کے لیے منتخب فرمایا۔

بعد وصال مبارک ایک ہفتے تک متواتر شبانہ روز تلاوت کلام مجید و دلائل الخیرات شریف و کثرت درود شریف کا دور جاری رہا۔ قبر شریف پائیں مزار اقدس حضرت سیدی شاہ عین الحق قدس سرہٗ حسب الارشاد حضرت اقدس بنائی گئی۔ تعویذ بالکل سنگ مرمر کا ہے۔ اب آستانہ قادریہ دو حصوں میں منقسم ہے، بڑی درگاہ معلیٰ میں مزار منور حضرت مولانا شاہ عین الحق قدس سرہٗ کا ہے اور دوسرا حصہ جو درگاہ خورد کہا جاتا ہے اُس میں حضرت اقدس کا مزار شریف ہے۔

عرس شریف تیس سال تک نہایت عظیم پیمانے پر ایک ہفتہ شبانہ روز ہوتا رہا، بعد وصال حضرت تاج الفحول قدس سرہ صرف تین دن ہوتا ہے۔ یکم سے تیسری جمادی الثانی تک قرآن خوانی اور محافل میلاد شریف ہوتی ہیں۔

☆☆☆

تصانیف

علمائے مصنفین کی تصانیف اُن کے دلی خیالات اور روحانی جذبات کا آئینہ ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر ہر مصنف کی تصنیف کا رنگ نرالا اور دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ ہر انسان پر اُس کی عمر میں مختلف جذبات طاری ہوتے ہیں ایک ہی عالم کی مختلف اوقات کی تصانیف مختلف جلوے دکھاتی ہیں۔ ہمارے حضرت اقدس قدس سرہٗ کے حالات صغرسنی اور شباب اور زمانۂ تحصیل علم، پھر زمانۂ درس وتدریس، پھر زمانۂ ترک وتجرید، پھر زمانۂ استغراق توحید، پھر زمانۂ ہدایت وارشاد ورد فرق باطلہ (حسب الحکم حضور سید عالم ﷺ جن کا مختصر تذکرہ ہدیۂ ناظرین ہو چکا) جس قدر انقلابی پہلو لیے ہوئے ہیں وہ عقل ظاہر کو خیرہ کررہے ہیں۔ پھر حضرت کی تصانیف پر نظر کرنا ہم جیسے ظاہر بین آدمیوں کا کام نہیں۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ بعض علما کو اپنی تصانیف کی جمع وتدوین و اشاعت وتعداد نمبر شماری کا شوق ہوتا ہے یہاں ہمیشہ سے اپنے حالات وکمالات ظاہری وباطنی کا اخفا فرمایا گیا ہے، پھر تصانیف کا صحیح اندازہ کیوں کر ہوسکتا ہے؟ مگر کتب حالات حضرت اقدس سے بطور انتخاب چند کتابوں کے نام اوران کے مضامین ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

حضور پُرنور کو تصنیف کا شوق زمانۂ طالب علمی سے تھا، اکثر کتب درسیہ پر ہنگام قرأت ہی حواشی تحریر فرمائے تھے۔ بعد فراغت بوقت درس تو اس مبارک کام کے واسطے کافی وقت ملا، اکثر علوم فنون میں کتب ورسائل تصنیف فرمائے۔ عالم شباب میں خصوصیت کے ساتھ توجہ سامی ہیئت وہندسہ، منطق وفلسفہ پر مبذول رہی، لیکن ان علوم ظاہر میں بھی تحقیق باطن کا رنگ غالب تھا۔ اختلافی مسائل میں اکثر طبع والا کا رجحان اشراقیین کے اقوال کی جانب رہا، لیکن نہ صرف تقلید بلکہ ہر معرکے کا فیصلہ وتصفیہ اشراق انوار باطنیہ سے فرمایا۔ گویا طریق افسانہ میں شمع حقیقت کا نور پھیلایا۔ اس کے بعد دینیات میں قلم اُٹھایا، تفسیر وحدیث، فقہ، اصول، کلام میں تصنیفیں ہوئیں۔ پھر رنگ تصوف طبع مقدس پر غالب آیا۔

آخر عمر میں جب ہند میں فتنۂ تجدد کی بنا قائم ہوئی اور گروہِ اہل بدعت برعکس نہند نام زنگی کافور بہ اہل حدیث وتوحید مشہور مذہب حنفیہ سنیہ سنیہ کا مدمقابل بنا تو خامۂ شرربار خدا کے غضب کی تلوار بن کر اُن سے دوچار ہوا اور دمِ واپسیں تک اس میں مشغولی رہی۔ حقانیت وخلوص کا پتہ (جوان تصانیف کا حقیقی منشا تھی) اس واقعے سے بھی چلتا ہے کہ جب قریب وفات حالت سکرات تھی اور زبان مبارک پر کلمہ طیبہ جاری تھا حاضرین سے فرمایا کہ حضرت تاج الفحول کو بلاؤ اور دریافت کرو کہ اعدائے دین کا کوئی رسالہ ایسا تو باقی نہیں جس کا جواب ہم نے نہ لکھا ہو اور ہمارے بعد عوام اہل اسلام کو باعث تشویش ہو؟ جواب میں جب حسب منشا نفی سنی، روئے منور دمکنے لگا اور بہ آواز نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اور حقیقتاً انہیں پاک تصانیف اور سچے خلوص کا اثر ہے جو ہندوستان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس فرقۂ مخذولہ کے قدم متزلزل ہو گئے۔ سنیوں کو ہر مباحثے مکالمے کے لیے قبل از وقت بیش از بیش جواب ہاتھ آ گئے۔ اس سرمائے سے نہ صرف عوام فائدہ مند ہوئے بلکہ اکثر آج کل تصانیف علما و مصنفین مابعد فقط اسی ذخیرے کا ایک علمی نتیجہ وتفصیل ہیں، مگر افسوس کہ ابتدائی تصانیف کا اکثر حصہ زمانۂ غدر میں تلف ہو گیا اور بہت کم کتابیں باقی رہیں۔

[ا۔ حاشیہ بر حاشیہ میر زاہد رسالہ]

منجملہ تصانیف علم معقول [حاشیہ بر] 'حاشیہ میر زاہد رسالہ' ہے۔ شناوران بحر زخار علوم معقول 'میر زاہد رسالہ' کے تحقیقات وتدقیقات اور اس کے حواشی کے دقائق ونکات سے واقف ہیں۔ متاخرین میں کم کوئی معقولی گزرا ہوگا جس نے 'میر زاہد رسالہ' کے حاشیے میں زور طبع نہ دکھایا ہو، مگر حضرت اقدس کے حاشیے کی شان سب سے انوکھی ونرالی ہے۔ اس کے معرکۃ الآرا مباحث کا ذکر ہماری اس مختصر سوانح کو معقولی دقیق رسالہ بنا دے گا۔ صرف میر زاہد کے ایک قول ''وتحقيق كل فرد منه بعد تحقق الموصوف'' جو حضرت نے بسط کر لکھی ہے ایک مستقل رسالے کا حکم رکھتی ہے، بعدیۃ ذاتیہ وزمانیہ کے اختلاف میں محشین کے اقوال اور اُن پر جرح وقدح آخر میں تحقیق بعدیۃ زمانیہ کا اثبات قابل ملاحظہ اہل تحقیق ہے☆۔

[۲] شرح فصوص الحکم:

زمانۂ قیام حیدر آباد میں جب وہاں کے اکابر علما واعاظم مشائخ آپ کے حلقۂ استفاضہ و

☆ اس حاشیے کا قلمی نسخہ کتب خانۂ قادریہ بدایوں میں موجود ہے۔ البوارق المحمدیہ کے آخر میں حضرت کے جو حالات درج ہیں اس میں بذیل تصانیف 'حاشیہ بر حاشیہ زاہدیہ جلالیہ' کا بھی ذکر ہے۔ (مرتب)

درس میں شامل ہوئے تو اکثر اوقات 'مثنوی شریف' مولانا روم اور 'فصوص الحکم' کے مطالب زبانی بیان ہوتے تھے۔ پھر اُن کے اصرار سے بطور درس سلسلہ جاری ہوا، اغلب کہ اُسی زمانے میں حالت بادیہ پیمائی واعتکاف میں نوبت تصنیف 'شرح فصوص' کی آئی۔

فن تصوف تو گویا حضرت اقدس کا خاص جولان گاہ ہے، پھر اُس میں حضرت نے جو کچھ نکات وحقائق کا اظہار کیا ہے، اس کی نسبت ہمارا کچھ لکھنا 'چھوٹا منھ بڑی بات' ہے اور مشکل یہ ہے کہ اب اس کے مسودے بھی نہیں ملتے، حتیٰ کہ مدرسہ عالیہ قادریہ کے کتب خانے میں بھی بجز چند اوراق کے پتہ نہیں۔

[۳۔ تلخیص] شرح مسلم امام نووی:

اس کے بھی اب صرف چند اجزا بطور تبرک باقی ہیں، اکثر حصہ مفقود ہے۔ افسوس کے سوا کیا چارہ ہے۔☆

[۴] المعتقد المنتقد:

علم کلام کی وہ کتاب ہے اور ایسی تصنیف ہے جس نے بڑی بڑی کتابوں کی ضرورت و احتیاج سے مستغنی کر دیا ہے۔ یہی پر سطوت تصنیف علم کلام وعقائد میں ایک محقق کامل اور متبحر وسیع الفیض معلم بنی ہوئی ہے۔ فرق باطلۂ مستحدثہ زمانہ موجود کا ردّ جابجا شامل کیا گیا ہے گویا ردّ فلسفہ جدید کی بنیاد قائم فرمائی تھی۔ حضرت اقدس کے اکابر معاصرین نے جو اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور اس تحریر کی عظمت وجلالت کو سراہا ہے وہ ان تقریظوں سے ملاحظہ کیجیے:

[خلاصہ تقریظ استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی]

مَیں اپنے رب حمید کی حمد وثنا کرتا ہوں اور اس پر جو خدا کے سب حامدوں میں احمد ہے اور خلق عظیم اس کا مثل اُس کی خلقت جمیل کے تمام خلائق کے اخلاق سے احمد ہے اور اسم شریف اُس کا مثل اس کے محمد واحمد ہے۔ درود پڑھتا ہوں اُن پر اور اُن کی آل واصحاب پر ایسا درود کہ دائم وسرمدی۔

☆حضرت تاج الفحول نے اِس کتاب کا نام 'تلخیص شرح مسلم امام نووی' لکھا ہے (تحفۂ فیض، ص:۲۶) جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ امامِ نووی کی شرح مسلم کی تلخیص ہے، مگر مولانا انوار الحق عثمانی نے لکھا ہے کہ ''شرح احادیث ملخصہ ابواب صحیح مسلم کی ہے کہ ہر باب کی ایک حدیث لے کر باختصار حذف اسانید ومکررات کے شرح فرمائی ہے'' (طوالع الانوار،ص:۴۷)۔ (مرتب)

امابعد: مَیں نے وہ رسالہ دیکھا جس کو تصنیف کیا مولانا نے جو بڑے رتبے والے، بڑے عالم، بڑے متقی، بڑے فائق، بڑے متقی، بڑے متشرع، صاحب مناقب ثواقب جلیلہ، وانظار ثواقب دقیقہ، جامع علوم عقلیہ ونقلیہ ومعارف شرعیہ حقیقت میں علوم کے بلند پہاڑوں کے چڑھنے والے، حق کے شہروں اور راستوں میں مشہور آوازوں والے، جنہوں نے اُس سینگ کو جونجد سے نکلا چورا چورا کرڈالا، بڑی معرفت والے، بڑے مرتبے کے، علم دوست، خالص مہربان اکرم مولانا مولوی فضل رسول صاحب قادری حنفی (اللہ مومنین کواُن کے طول بقا سے نفع کرے اور اُن کو اپنے حرز وامان میں رکھے) اِس رسالے کو جو مَیں نے غور سے دیکھا تو وہ باوجود اختصار کے حقائق عقائد کا جامع ہے، مکائد اہل حقائد کا دافع ہے، سرتاپا حق صریح بیان صریح ہے اور اوضاع وہدایت کے تئیں توضیح ہے، ظلم اہل باطل کے ظلمتوں کے کشف وتفضیح ہے، اُس فرقۂ باطلہ کے لیے جس نے فساد وبدعت پھیلانا چاہا تھا خنجر وتلوار ہے، اس کے ذریعے سے گمراہِ طریقہ اہل سنت سنیہ پانی میں پیاسے اس کے باعث دریائے شریعت بیضا سے سیراب ہوتے ہیں، اس سے عقائد حقہ دینیہ اور مکائد فرق باطلہ دنیہ کا فرق ظاہر ہوا اور معتزلہ ونجدیہ کے تمام عیوب وفسادات کی تفضیح ہوئی۔ فقط

محمد فضل حق فاروقی خیرآبادی

جناب مولانا مولوی حیدرعلی صاحب (مصنف منتہی الکلام) اور جناب مولانا مولوی مفتی صدرالدین خاں صاحب [آزردہ] وغیرہ اعاظم علمائے زمان نے بھی اِس کتاب کے متعلق اپنی رائیں ظاہر کیں۔ اُن سے اس کی جلالت شان اور عموم فیضان کا اندازہ ہوسکتا ہے، ناظرین کی دلچسپی کے لحاظ سے مختصراً درج ذیل ہیں:

خلاصہ تقریظ مولوی مفتی صدرالدین خاں صاحب دہلوی

مَیں نے اُس رسالہ کاملہ اور عجالہ نافعہ کو دیکھا جس کو دانش مند، مدقق، عالم ماہر، محقق، فاضل کامل وعالم ممتاز، بلند رتبہ، دریائے بے پایاں، روشن طبع جناب مولانا مولوی فضل رسول بدایونی قریشی قادری نے تحقیق عقائد یعنی اصول ملت

تاباں میں تالیف کیا ہے۔ اِس رسالے کو میں نے لفظاً و معناً بہتر و خوب پایا اور نظم و حکم کلام کے اعتبار سے چمکتا مہکتا دیکھا۔ بلند مرتبہ اور مرتفع قدر ہے۔ کوئی کتاب اور کوئی رسالہ علم کلام اس کا مقابل نہیں۔ خورمی ہے اُس کو جو اس سے حصہ پائے اور اس کو پڑھے، یہ رسالہ سراپا نور اور سراسر سرور ہے۔

(ترجمہ شعر عربی) مَیں اِس رسالے کی تعریف کر رہا ہوں اور تعجب کر رہا ہوں کہ یہ رسالہ کیسا ہے جو نگاہوں کے سامنے پیش ہوا ہے اور دنیا کی تعریفوں سے برتر ہے۔ ایسے نور سے چمکتا ہے کہ کوئی ستارہ اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور کیوں کر نہ ہو؟ اگر آفتاب اُس کے مقابل آئے ذلیل و شرمندہ ہو۔

حررہ العبد المسکین

مفتی صدر الدین غفرلہٗ

ترجمہ خلاصہ تقریظ

جناب مولانا شیخ احمد سعید صاحب سر حلقہ سلسلۂ مجددیہ دہلی

بعد حمد و صلوٰۃ کہتا ہے بندۂ محتاج طرف خدائے مہربان کے۔ احمد سعید نقشبندی مجددی حنفی۔ مَیں نے المعتقد المنتقد (مصنفہ فاضل کامل، عالم عامل، بزرگ رتبہ، جامع معقول و منقول و معانی بیان، سمیٹنے والے علوم ادیان کے، مولانا و بالفضل اولانا مولوی فضل رسول القادری سلمہ المنان) کو دیکھا اُس کو نہایت صاف بیان سے عقائد اہل سنت پر شامل پایا، ایسی فصلوں کے ساتھ جو قواعد دین اور اصول شریعت میں اہل بدعت و گمراہی اہل ہوا، گروہ شیطان کے لیے سر توڑنے والی ہیں، خدا اُن کو سب مسلمانوں کی طرف سے بہتر جزا دے۔

ترجمہ خلاصہ تقریظ

مولانا حیدر علی صاحب مصنف منتہی الکلام

مجھے متن متین اور کتاب معتقدات سلف صالحین کے مطالعے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ایسی کتاب ہے جو راہ راست کا پتہ دیتی ہے اور طریقہ قوی و درست پر رہنمائی

کرتی ہے جس پر چلنے والا راہ نجات پاتا ہے اور تاریکیوں سے بچتا ہے یہ ایسے علامہ کی تصنیف ہے جس کا تمام عالم میں نظیر نہیں ۔ وہ عارفین کا امام ہے اور عابدین کا مدار کار اوصاف بیان کرنے اور اظہار سے مستغنی ہے، جامع معقول و منقول ہے اور ہمارا پیشوا بزرگ مانا ہوا ہے اور ایسا وہ کیوں کر نہ ہو حالانکہ وہ فضل رسول ہے(تائید کرے اللہ مسلمانوں کی اُس کی درازی عمر سے اور شہرت افادات سے اور گمراہوں کی پیٹھ ٹوٹنے سے اُس کی تصانیف سے)میں نے اس کتاب کو عقائد اہل سنت پر مشتمل پایا اور معتزلہ اور اُن کی متبعین ضالین اور وہ جو جماعت اہل حق و یقین سے نکل گئے ہیں اُن کی خرافات کے ابطال پر شامل دیکھا یہ کتاب اس لائق ہے کہ فضلا اپنے مدارس میں اس کو پڑھائیں۔

فقط

اُس زمانے کے علمائے کاملین محققین نے اِس متنِ متین کا داخل درس طلبہ علوم اہل سنت ہونے کا مشورہ دیا۔ اس کے مطابق بفضلہٖ تعالیٰ بہت مدارس میں وقتاً فوقتاً اس کا درس ہوتا رہا۔ اوّل مرتبہ بمبئی میں طبع ہوئی، مگر بہ سبب نہ موجود ہونے حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ یا کسی دوسرے مصحح کے اُس میں بہت غلطیاں رہ گئیں۔ آخر میں بڑا غلط نامہ لگانا پڑا، بعض نسخوں میں وہ بھی نہ لگ پایا۔ اس شکایت کے رفع کے لیے دوبارہ مطبع اہل سنت پٹنہ میں حامی سنت، ماحی بدعت مولانا قاضی عبدالوحید صاحب مرحوم نے اپنے اہتمام سے بہ اجازت حضرت قبلہ مولانا شاہ محمد مطیع الرسول عبدالمقتدر صاحب دامت برکاتہم (سجادہ نشین مسند مجیدیہ و وارث علم و فضل حضرت سیف اللہ المسلول)طبع کیا۔

پہلے اس متنِ مبارک کی شرح کا فخر حضرت جناب مولانا حکیم محمد سراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابن حضرت علامہ مولانا مولوی فیض احمد صاحب (مصنف ہدیہ قادریہ وغیرہ، برادر زادۂ☆ حضرت مصنف رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو حاصل ہوا، مگر افسوس کہ وہ اب دستیاب نہیں اور ہمارے ہاتھوں میں نہیں رہی۔ طبع ثانی میں جب کہ قاضی عبدالوحید صاحب مرحوم کا اہتمام تھا تو جناب عالم اہل سنت، ماحی بدعت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے اُنہوں نے

☆ یہاں برادرزادہ کی بجائے ہمشیرزادہ ہونا چاہیے۔ (مرتب)

فرمائش کر کے اُس کا تحشیہ کرایا۔ مولانا نے ابتدا میں مختصراً بطور حواشی کلام کیا بعد کو بہ مشورہ مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی بعض مقامات پر بسط و تفصیل سے بھی لکھا۔ چنانچہ مقدمے میں لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

خلاصہ ترجمہ

خطبہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی

تعریف اُس خدا کو جس نے انوار دین کے مینار کو جمال فضل رسول مبین سے منور فرمایا، جس سے طلب رہنمائی کرنے والوں کی بہبودی ظاہر ہوگئی اور بلند کیا اُسی خدا نے نشانوں راہ یقین کو جلال نقی علی مکین سے جس سے بند ہو گیا فساد مفسدین کا۔ برکت نازل فرمائے رب تعالیٰ حضور سرور عالم ﷺ پر اور اُن کی آل واصحاب اور اُن کے فرزند اور اُن کے گروہ پر۔

امابعد: کتاب المعتقد المنتقد مصنفہ خاتم المحققین، عمدۃ المدققین، سیف الاسلام، شیر سنت، دور کرنے والے تاریکی کے، بند کرنے والے فتنے کے، مولانا الاجل الانجل سیف المسلول معین الحق فضل الرسول السنی الحنفی القادری البرکاتی العثمانی البدایونی۔ (بلند فرمائے حق تعالیٰ اُن کے مقام کو اعلیٰ علیین میں اور اُن کو بہتر سے بہتر اسلام وتمام مسلمانوں کی طرف سے جزا عطا فرمائے) اپنے باب ونصاب میں یکتا وکامل تھی۔ اُس کی طبع کی طرف وہ متوجہ ہوا جس کو خداوند تعالیٰ تاج خیرات اُڑھا چکا ہے اور اُس کو توفیق والا بلکہ وقف موقف نیکیوں پر بنا چکا ہے، یعنی حامی سنت مولانا قاضی عبدالوحید صاحب حنفی فردوسی۔ اُنہوں نے اس کی تصحیح میرے متعلق کی، مجھ کو قاضی موصوف کی دینی جاں فشانی دیکھ کر امتثالِ امر کرنا پڑا۔ اس کے لیے مجھے جو نسخہ المعتقد کا ملا وہ بمبئی کا مطبوعہ تھا جس کو کاتب نے نسخ وتحریف وتبدیل کر ڈالا تھا جس کی تصحیح میں مَیں نے کمال جدو جہد کیا اور مختصر مختصر حل مشکلات وکشف معضلات ولغات بھی کرتا گیا، جب کچھ اجزائے کتاب طبع ہو گئے تو مجھ سے میرے دوست خالص حامی دین مولانا وصی احمد صاحب سنی حنفی محدث سورتی کا اشارہ ہوا کہ مَیں بجائے اختصار بسط وتشریح و

توضیح کروں۔ پس میں نے جو کچھ لکھا وہ یہ موجود ہے، اس کا نام میں نے المعتمدالمستند بناء نجاۃ الابد تاریخی رکھا۔

فقط

اس کتاب مبارک المعتقد المنتقد میں باوجود اختصار کے تمام معرکۃ الآرا مسائل کا فیصلہ کر دیا گیا ہے، بالخصوص بحث صفات باری اور اسی ضمن میں امکان کذب باری کی تردید اور باب دوئم میں مبحث نبوت اور مسئلہ امتناع نظیر حضور نبی اکرم بشیر ونذیر ﷺ کی بحث، شفاعت کی تقریر بسیط وغیرہ وغیرہ قابل حظ علما ولطف یابی فضلا ہیں۔

خطبہ کتاب ہی میں گویا تمام مضامین کا لب لباب موجود ہے۔

ترجمہ [خطبہ]

کتاب المعتقد

سب تعریف ہے اُس ذات کو جس پر ہر وہ صفت محال ہے جس میں نہ نقصان ہے نہ کمال، پھر کیوں کر اُن کی تجویز ہوسکتی ہے جو سراسر نقصان ہیں جیسے جہل، کذب، عجز۔ برتر ہے ذات اُس کی اُس سے جو اہل ضلال عیب لگاتے ہیں۔ وہ معاف فرمانے والا اور بخشنے والا ہے تمام بڑے چھوٹے گناہوں کا سوا کفر کے جس کے لیے چاہے، اگر چہ وہ کبائر پر اصرار کرتا ہوا مرا ہو۔ اُس پر ثواب وعذاب واجب و لازم نہیں اور اُس کے افعال معلل بالافعال واسباب نہیں اور درود وسلام اس کے انبیا پر جو خاص کر لیے گئے ہیں عصمت و وحی شریعت کے ساتھ اور انواع فضیلت کے ساتھ کوئی غیر نبی اُن کا مساوی نہیں ہوسکتا چہ جائے کہ اُن سے بڑھ سکیں۔ غیر نبی کو ان سے افضل کہنا شریعت محمدیہ میں کفر ہے۔ خصوصاً صلوٰۃ وسلام نبیوں کے ختم کرنے والے پر جن کے بعد کسی نبی کی تجویز کرنا کفر ہے اور دین سے خروج ہے۔ ایسے خصائص والے ہیں جو ان سے قبل کسی مخلوق میں جمع نہ ہوئے اور اُن کے بعد ان کے مثل کا محال ہونا یقینی۔ وہ یقیناً گناہ گاروں کے بخشوانے والے ہیں اگر چہ گناہ گار بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے ہوں۔ وہ ہمارے سردار اور آقا محمد ﷺ ہیں اور درود وسلام آپ کے آل واصحاب سب پر۔

ایک مقام پر حضرت اقدس قدس سرہٗ نے ردّ ندوہ کی طرف اشارہ فرمایا، جس کو کرامت یا الہام یا پیشن گوئی کہنا چاہیے۔ چنانچہ جناب مولانا فاضل بریلوی صاحب اپنی شرح 'المعتمد المستند' میں لکھتے ہیں ص:۱۹۵، حاشیہ وھذا رد منه الخ

ترجمہ: یہ ردّ ہے ندوۂ مخذولہ کا حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے جو ان کی وفات مقدس کے بہت بعد پیدا ہوا۔ اہل ندوہ یہ گمان کرتے ہیں کہ تمام اہل ہوا و بدع سے محبت فرض ہے جو ایسا نہ کرے اُس کی نماز روزہ بلکہ ایمان بھی مقبول نہیں اور وہ کہتے ہیں مبتدعین کا ردّ قتل نفس کی برابر ہے اور کسی کی کسی امر میں برائی نہ کرنا چاہیے۔ اس ندوۂ مخذولہ کے ناظم محمد علی نے تمام اہل ضلالت وہابیہ، نیچریہ وغیرہ کو اکابر دین سے شمار کیا اور اُن کا ردّ حرام کیا اور اُن کا اختلاف مثل خلاف ائمہ اربعہ ٹھہرایا اور سب کو حق پر بتایا۔ علمائے اہل سنت ہند نے اُن کا ردّ مندوب سمجھا اور ہم سب کے پیشوا ابن مصنف علام حضرت محبّ رسول تاج الفحول خاتمۃ المحققین مولانا شاہ عبدالقادر القادری البدایونی قدس سرہٗ تھے اور اس عبدضعیف نے بھی اُن کے ردّ میں کتابیں لکھی ہیں جس میں وہ فتویٰ ہے جس پر علمائے حرمین نے تقریظیں لکھی ہیں۔

[۵] تثبیت القدمین فی تحقیق رفع الیدین :

یہ فن حدیث کی کتاب ہے جس میں معرکۃ الآرا اصولی بحثیں ہیں اور تمام صحاح بالخصوص بخاری سے تمام احادیث رفع یدین نقل کر کے سب پر تفصیلی تنقید فرمائی ہے اور احادیث بخاری کا دیگر کتب کی احادیث سے راجح ہونے کا خیال ضعیف و غلط ٹھہرا کر ضعف رواۃ بخاری و مسلم پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ غرض کہ یہ کتاب اپنی شان تحقیق میں ایک یادگار فن کتاب ہے اور خیالات باطلہ مخالفین مذہب حنفیہ کے ابطال میں بے مثل و بے نظیر ہے۔

[۶] رسالہ سلوک:

بہ اصرار جناب شیخ حکیم عبدالعزیز صاحب مکی مکہ معظّمہ میں تصنیف فرمایا گیا ہے جس میں طریق سلوک و معارف طریقت بیان کیے گئے ہیں۔

[۷۔رسالہ عمل مراقبہ حقیقت محمدیہ:]

دوسرا رسالہ سلوک نواب ضیاء الدین خاں صاحب کے واسطے فوری لکھ دیا تھا ہمارے پیش نظر ہے، چونکہ وہ مختصر اور نافع ہے مثل مکاتیب ملفوظات اولیا اس لیے ہم اُس کو بجنسہٖ درج کریں گے۔

[۸] رسالہ وحدۃ الوجود:

اس رسالے میں وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کے مبحث عظیم کی نہایت محققانہ بحث فرمائی ہے اور دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔

[۹] رسالہ نغمہ موسیقی:

[۱۰] رسالہ نبض: اور دو رسالے طب کے وہ جو عربی زبان میں بفرمائش جناب حکیم ہاشم علی خاں صاحب (نبیرۂ حکیم سید ببر علی خاں صاحب مرحوم اُستاذ حضور) تصنیف ہوئے تھے۔

اس کے بعد فن مناظرہ کی تصانیف کا حال ہدیہ ناظرین ہے، دربار رسالت سے جو خدمت اعانت سنت آپ کو مفوض ہوئی تھی اس کی آخر دم تک بخوبی تکمیل فرمائی۔ بغیر تحریرات فرقہائے باطلہ بالخصوص نجدیہ، وہابیہ، غیر مقلدین کی تردید جس کی ابتدا و انتہا ایسی حضور فرما گئے کہ آج بڑے بڑے علمائے مصنفین حضور ہی کی تصنیفات سے تمام و کمال کام چلا رہے ہیں۔

[۱۱] البوارق المحمدية:

اس سلسلۂ تصنیف میں ہم سب سے پہلے کتاب 'بوارق محمدیہ' کا نام لکھیں گے، جس کی وجہ تصنیف و تالیف تائید غیبی اور حضور کا ایک خصوصی شرف تھا۔ اعلیٰ حضرت اقدس تاج الفحول قدس سرہٗ 'تحفہ فیض' میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اقدس دہلی میں حضرت خواجہ خواجگاں قطب الاقطاب [خواجہ قطب الدین بختیار کاکی] رضی اللہ تعالی عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ حضور خواجہ کھڑے ہیں اور دونوں ہاتھوں پر اس قدر کتابیں رکھیں ہیں کہ آسمان تک بلند ہوگئی ہیں۔ عرض کیا ''حضور خواجہ! یہ تکلیف کتابیں اٹھانے کی حضور نے کیوں اُٹھائی ہے؟'' جواب میں ارشاد ہوا ''تمہارے لیے مولوی فضل رسول، لو ان کتابوں کو لو اور ان کی مدد سے فتنۂ شیاطین دفع کرو''۔ اس کے بعد ہی بہ عجلت حضور نے کتاب مذکور 'بوارق [محمدیہ]' تصنیف فرمائی، جس میں اصول کلیہ وہابیہ کے باطل کیے گئے ہیں۔ زبان فارسی ہے، اب کم یاب ہے، مگر بمبئی مدرسۂ احمدیہ قصاب محلہ سے دستیاب ہوسکتی ہے۔

[۱۲] کتاب الصلوٰۃ:

اس کتاب میں کل مسائل صلوٰۃ پر کلام فقیہانہ ومحدثانہ طرز پر فرمایا ہے۔ عربی زبان میں اس کا ترجمہ اعلیٰ حضرت آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عین الحق عبدالمجید قدس سرہٗ نے فرمایا ہے۔

[۱۳] احقاق الحق وابطال الباطل:

فارسی زبان میں ہے۔ جواز ندائے یارسول اللہ واستعانت بہ انبیاواولیا کا اثبات ہے۔ یہ رسالہ حضرت سلطان العارفین شیخ شاہی موئے تاب روشن ضمیر سلطان جی بدایونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے لکھا گیا ہے، جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک بار ایک شخص حاضر خدمت حضور ہوااور عرض کیا ''حضور! میرا اوردیہ ہے الصلوۃ والسلام علیك ایها النبی الکریم الصلوۃ والسلام علیك ایها النبی الرحیم۔ اس پر ایک وہابی حکم شرک لگاتے ہیں''، حضور نے اُن صاحب کو سمجھا دیا کہ'' آپ جو پڑھتے ہیں اُس کو پڑھے جایئے، اس کو شرک وکفر بتانے والا خود جاہل وضال ہے''، اُن صاحب نے عرض کی کہ ''حضور اس مسئلے پر اگر رسالہ تصنیف فرمادیں تو ہم عوام کو بہتر و نافع ہو''۔ اُس وقت حضور نے کثرت اشغال درس وافتا کا عذر فرمادیا۔ اُس کے بعد جب حضرت برہان الکاملین سلطان جی صاحب کے مزار پر حاضر ہوئے تو ملاحظہ فرمایا کہ قبر مبارک مجلّا اور روشن آئینے کی طرح ہے اور اندر حضرت سلطان جی صاحب تلاوت کلام الٰہی میں مصروف ہیں اور اُسی حالت میں ادھر متوجہ ہوکر حکم دیتے ہیں کہ'' مولانا فضل رسول! اُس سائل کا سوال پورا کرو اور رسالہ جواز ندا واستعانت میں تحریر کرو''۔ غرض کہ حضور کی تصنیفات اور خدمات احیائے سنت وامحائے بدعت حکم خدا وخاصان خدا سے تھیں یہی وجہ ہے کہ آج تک اُن کی روحانیت وجلالت ہر قاری وسامع کے دل پر خاص اثر ڈالتی ہے۔

[۱۴] تصحیح المسائل:

اس کتاب بسیط ولاجواب میں مولوی اسحاق دہلوی کی 'مائۃ مسائل' کی غلطیاں اور خلاف تحقیق ومخالف مسلک حق اختراعات وفتوے کی تصحیح کی گئی ہے اور اکثر مسائل اختلافیہ مابین مقلدین وغیر مقلدین وہابیہ کی ایسی تحقیق وتوضیح فرمائی گئی ہے جو اپنی خوبی میں لاثانی ہے۔ چونکہ خلوص سے اور حکم خدا ورسول سے خدمت دین کرنے والے حضرات فائدۂ مخلوق واصلاح خلق

سے غرض رکھتے تھے، لہٰذا طرز بیان میں کیا ممکن جو عامیانہ رنگ آ جائے چہ جائے کہ سبّ وشتم، تمسخر و ہزل۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے ارشادات للّٰہیت وخلوص کا جلوہ دکھا کر آج تک اثر ڈال رہے ہیں۔ یہ کتاب چند بار طبع ہو چکی ہے، آخر بار بمبئی میں کوئی چھ سات سال ہوتے ہیں کہ طبع ہوئی تھی، مگر اب کم یاب ہے، زبان فارسی ہے۔

[۱۵] سیف الجبار:

اس کتاب میں فرقۂ نجدیہ کی تاریخ اور اُن کے شیوع مکائد وعقائد کا تذکرہ اُس کے ساتھ ہی مسائل کی توضیح۔ مبسوط کتاب ہے۔ چند بار طبع ہو چکی ہے، حال میں میرٹھ میں طبع ہوئی ہے۔

[۱۶] فوز المؤمنین:

مبحث شفاعت میں مکمل تحریر زبان اُردو۔

[۱۷] اکمال فی بحث شدّ الرحال:

اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ شدِ رحال زیارت اماکن مقدسہ کے لیے منع نہیں ہے اور حدیث ممانعت کا مطلب کتب شرح حدیث سے بتایا گیا ہے۔

[۱۸] فصل الخطاب:

زبان اردو ردّ فرقہ وہابیہ میں۔

[۱۹] تلخیص الحق:

زبان اُردو جواب رسالہ مولوی حیدر علی ٹونکی وہابی کا جو اُنہوں نے 'فصل الخطاب' کے جواب میں لکھا تھا۔

[۲۰] تبکیت النجدی:

اُنہیں مولوی حیدر علی صاحب نے ایک رسالہ 'کلام الفاضل الکبیر' دربارۂ امکان نظیر لکھا۔ یہ اُس کا ردّ زبان فارسی میں ہے، مباحث عقلیہ ونقلیہ، کلامیہ وفلسفیہ کو حد کمال تک پہنچایا ہے۔

[۲۱] حرز معظم:

یہ اُردو زبان میں مختصر رسالہ آثار منیفہ وتبرکات شریفہ کے متعلق ہے☆۔

☆ بعض تصانیف کے قدرے تفصیلی تعارف کے لیے ضمیمہ صفحہ 378 تا 391 ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

[۲۲۔اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ]

حضرت اقدس کی تصانیف مطبوعہ مشہورہ اور غیر مطبوعہ کے علاوہ ایک فتویٰ ہے جس کو ہندوستان کے آخری اسلامی تاجدار، خاتم السلاطین ہند، حضرت ظل سبحانی، سلالۂ دودمان تیموریہ، خلاصۂ خاندان مغلیہ، سلطان ابن السلطان، خاقان ابن خاقان، ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی جنت آشیانی نے دہلی سے بکمال حسنِ عقیدت آپ کی خدمت اقدس میں بھیجا تھا۔ یہ استفتا بارگاہ سلطانی سے نواب معلی القاب علاء الدولہ یمین الملک سید محی الدین خان بہادر استقامت جنگ (خلف الصدق جناب اعظم الدولہ معین الملک محمد منیر خان بہادر) بدایوں لے کر آئے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں شاہانہ آداب کے ساتھ خریطۂ سلطانی پیش کیا، آپ نے شاہی مہمان کو درویشانہ میز بانی کے ساتھ ٹھہرایا اور فوراً جواب استفتا مرتب فرمایا۔ دہلی کے تمام اکابر علمائے اعلام نے تصحیح وتصدیق کی مہریں کردیں، فرمان سلطانی سے یہ فتویٰ ماہ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ میں دارالخلافت شاہجہان آباد [دہلی] محلّہ زینب باڑی مطبع مفید الخلائق میں مطبوع ہوا۔ چونکہ یہ استفتا مسلمانان ہند کے اخیر تاجدار کے حسن عقیدت کی یادگار ہے اور آج کل کے بعض مسائل متنازعہ کا فیصلہ اس لیے اصل استفتا مع جواب کا حرف بحرف نقل کردینا اچھا معلوم ہوتا ہے۔☆

☆☆☆

☆ استفتا اور فتوے کا متن یہاں سے حذف کیا جارہا ہے جس کی وجہ 'ابتدائیہ' میں بیان کی جاچکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں صفحہ 22۔ (مرتب)

ذکر نظم و شاعری

شاعری اظہار خیالات اور دلی جذبات کا ایک روشن آئینہ ہے، ہر انسان کو فطرتاً اس کا کچھ حصہ عطا ہوا ہے۔ جس طرح سب کے کمالات متفاوت ہوتے ہیں یوں ہی اس میں بھی تفاوت ہے۔ طبقات الاولیا علما میں کم کوئی صاحب تصنیف ہوئے ہوں گے جنہوں نے نظم میں اپنے خیالات کا تھوڑا بہت اظہار نہ فرمایا ہو۔ حضور اقدس نے بھی وقت غلبہ شوق گاہے گاہے کلام نظم ارشاد فرمایا۔ عربی، فارسی، اردو سب زبانوں میں آپ کا کلام برکت التیام موجود ہے، مگر چونکہ قصد جمع کرنے کا نہ ہوا لہٰذا وہ آپ کے معتقدین کے پاس متفرق رہا۔ اکثر کلام حضرت اقدس کا رنگ تصوف و نعت شریف حضور سید انام و مدح اصحاب کرام اہل بیت عظام، اولیائے فخام میں ہے، جس کا خلاصہ ایک ایک غزل بغرض اختصار درج ذیل ہے۔

شاعری مجازی میں جو درحقیقت آئینہ حقیقت ہے آپ نے کبھی کبھی بہ اصرار احباب کلام فرمایا، مگر وہ حکم الشاذ کالمعدوم رکھتا ہے، بعض حاسدانہ طبیعت والوں نے حضرت اقدس کو اپنے گل دستوں میں زمرۂ شاعران مجاز میں شمار کر کے حضرت اقدس کے دوسرے ہزار کمالات عظیمہ پر پردہ ڈالنا چاہا، ہم کو اس کی شکایت نہیں چاہیے، کیوں کہ آفتاب کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتا۔ حضور کے کمالات ظاہر و باطن کسی کے اظہار کے محتاج نہیں مثلاً حضرت سیدنا امام شافعی یا حضرت اقدس سرکار بغداد محبوب اعظم کی شاعری کو پیش کر کر ذریعہ فخر بتایا جائے تو یہ ایک بے معنی بات ہوگی۔

شجرۂ طیبہ قادریہ

در انبساط آمدہ بحر محیط ذات — از موج اولش کہ بود اصل کائنات
اطلاق در تعین اوّل چو زد قدم — نور محمدی بحدوث آمد از قدم
یک قطرۂ و بحر محیطے درو نہاں — موجے و موج خیزد و عالم ازاں عیاں

گردید از تموج آں موج آشکار — انواع بحرہا کہ بروں باشد از شمار
زاں جملہ گشت بحر ولایت چو منجلی — شد مظہر کمال خفی و جلی علی
باز آمدہ بجوش چو آں بحر بیکراں — نہرے زغیب سوئے شہادت شدہ رواں
گردید سیدالشہدا رو بہ مصطفیٰ — ایں نوع کرد وصف شہادت خدا عطا
عشاق حق چو عزم سفر سوئے او کنند — در راہ او بخون خود اوّل وضو کنند
زاں نہریافت بحر عبادت چو انفجار — شد ذات پاک حضرتِ سجاد آشکار
چوں انشعاب شعبۂ توحید شد ازاں — گردید عین حضرتِ باقر رواں ازاں
زاں چشمہ شد چو چشمۂ صدق وصفا رواں — شد مشتہر بجعفر صادق در انس و جاں
زاں چشمہ بحر حلم وتحمل چو رو نمود — فرمود ذات موسیٰ کاظم ازاں شہود
بحر رضا چو جوش زد و فیضش عام شد — موسیٰ رضا امام علیہ السلام شد
زاں بحر نہر معرفتے گشت چوں عیاں — معروف ساختند بمعروف در جہاں
زاں چشمہ شد چو چشمۂ اسرار آشکار — آمد بنام سریٔ سقطی در اشتہار
جاری چو گشت سلسلۂ جزر و مد دراں — شد سید الجنود و جنید جنیدیاں
درجہ بدرجہ ہر نفسے گشت موج زن — شبلی و عبد واحد و بوالفرح بوالحسن
وقت ظہور بحر سعادت چو در رسید — شد ذات پاک حضرتنا شیخ ابو سعید
زاں بحر موج خیز عظیمے شد آشکار — درجوش آں برآمدہ یک موج بے کنار
کز موج اوّل آنچہ کہ تا لجۂ اخیر — بود است جمع آمد و شد پیر دستگیر
زاں بعد ذات سید رزاق شد پدید — بوصالح از پئے آمد و بو نصر در رسید
سید علی و سید موسائے رہ نما — سید حسن بسید احمد گذاشت جا
زاں پس بہائے دین و براہیم ایرچی — زاں بعد ذات شیخ محمد شہ جلی
قاضی جیا و بعد ازاں حضرتِ جمال — سید محمد آمدہ احمد بصد کمال
زاں بعد گشت حضرتِ فضل اللہ آشکار — پس یافت شاہ بوالبرکات ازوے اشتہار
من بعد شاہ آل محمد نمود رو — گردید عین حضرتِ حمزہ رواں ازو
پس ذات پاک سیدنا آل احمد است — کز وے ظہور چشمۂ عرفان ایزد است

کردہ صفات حق چو بذاتش ظہور تام — عین الحق از حضور خداوند یافت نام
اے شاہ عین حق تو سراپائے رحمتی — آبے بر آتشم کہ تو دریائے رحمتی
ایں تشنہ کام بر لب دریا رسیدہ را — مستسقی و بہ پیش نظر آب دیدہ را
محروم و نا اُمید مگر واں ز جوئے بار — برخود ببیں نہ بر عمل ایں گناہ گار
از بحر فیض ساغر آبے مکن دریغ — و ز میکدہ کدوی و شرابے مکن دریغ
یک قطرۂ زآب نوال تو ام بس است — یک جرعہ ازشراب وصال تو ام بس است
یا رب بحق ایں حضرات و طفیل شاں — مارا ز ما رہا کن و بے ما بخود رساں

[نعت]

فتادہ در گل ولالہ عدم بود آدم و احمد — بسر تاج نبوت یکہ تاز عرصۂ سرمد
چوگردانید عناں زاں سوبسوئے وادیٔ کثرت — وجود انبساطِ از بطون اندر ظہور آمد
عوالم مطلقاً غیب و شہادت علوی و سفلی — فروغ جملہ زاں شمع وجود انبساط آمد
وجود منبسط ظلی بود از اولیں خلقے — کہ در عرفِ شریعت نور احمد نام می دارد
بعارف نیست حاجت شرح سر ایں معمہ را — کہ در ہر ممکن او لمعۂ زاں نوری بیند
مئے صاف محبت پاک از غش ریا باید — کہ سرّ ایں معمہ را ز راہ ذوق بکشاید
مپرس از مشرب مستِ خراباتی کہ در ہر شے — جز آں محبوب کل چیزے نمی بیند نمی داند

[نعت]

کلیم اللہ تا سینا دویدہ — حبیب اللہ بہ اَو اَدنیٰ رسیدہ
کلیم ایں جا ببرق از خود رمیدہ — حبیب اللہ باللہ آرمیدہ
کلیم ایں جا برخ پردہ کشیدہ — حبیب آں جا حجب ہا بردریدہ
کلیم از لن ترانی خودطپیدہ — حبیب از قد رأی شد برگزیدہ
کلیمش ذوق آوازش چشیدہ — حبیب او گل نظارہ چیدہ
کلیم اللہ کلامِ او شنیدہ — حبیب اللہ رخش دیدہ بدیدہ
زدیدہ ہست فرقے تا شنیدہ — ”شنیدہ کے بود مانند دیدہ“

[نعت]

فنا چیست عکس جلالِ محمد
بقا چیست ظل جمالِ محمد

جہان کمال از چہ گردید روشن
ز شمس کمال الکمالِ محمد

نباشد نباشد نباشد نباشد
شریک خدا و مثالِ محمد

بجز مطلع قاب قوسین بیتے
نشد راست برحسب حال محمد

بود شاہ شاہان دنیا و عقبیٰ
غلامِ غلامانِ آلِ محمد

کرے کیا بشر اُس کا شرح شمائل
کہ قرآں ہے وصف خصالِ محمد

کروں وصف کیا مَیں سراپا کا اُس کے
کہ مہر نبوت ہے خال محمد

یہی ورد ہے مستؔ کا دو جہاں میں
من و دستِ دامانِ آلِ محمد

[منقبت صحابہ]

محبوب حق ہیں سب جو محمد کے یار ہیں
ارکانِ کانِ فضل جو ہیں اُن میں چار ہیں

ان چار میں سے فضل خدا کے کلام سے
ثابت ہوا ہے جن کا سو وہ یار غار ہیں

کیا سرِ حق ہے اُن کو پیمبر نے خود کہا
سرِّ خدائے پاک کے وہ رازدار ہیں

کیا مرتبہ خدا نے عنایت کیا اُنہیں
ہر حال میں جہاں میں نبی پر نثار ہیں

تھے اوج عرش پر بھی وہ مونس رسول کے
غار زمیں میں وہ نہ فقط غمگسار ہیں

صدیق اُن کا نام رکھا خود رسول نے
لطف رسول حق سے عجب نامدار ہیں

قربت نبی سے تھی اُنہیں حال حیات میں
بعد از وفات بھی بہم اُن کے مزار ہیں

جنت میں بھی رفیق بنے ہیں وہ بالیقیں
مخبر جو اُس کے حضرت عصمت شعار ہیں

دوزخ حرام اُن کو ہے بے شبہ سرفراز
چشمِ کرم سے آپ کے جو ایک بار ہیں

کیا عزت اُن کی ہوگی کہ جن پر رسول کی
پیاری نگاہیں مہر بھری بے شمار ہیں

کیا عظمت اُن کی ہوگی جو مخصوص اُن میں ہیں
جن کے کہ فضل خاص ہزاروں ہزار ہیں

وہ راز ہیں جو دونوں میں حرمت سے اُن کے ہم
دونوں جہاں میں فضل کے اُمیدوار ہیں

[منقبت فاروق اعظم]

جو مدحِ حضرتِ فاروق کا خیال آیا — کمال دین نبی کا نظر جمال آیا
کمالِ قوتِ دین نبی ہوا ظاہر — نبی کے دین میں جب سے وہ باکمال آیا
طبق میں ارض ضلالت کے زلزلہ آیا — سریر دیں پہ جو وہ شاہِ با جلال آیا
حکومت اُن کی نہ مخصوص نوع انس میں تھی — کہ برّ و بحر ہر اک تابع مثال آیا
کیا ہے جب سے کہ شقہ نے اُن کے جاری نیل — نہ اُن کے حکم میں ہے اب تک اختلال آیا
جو حکم اُن کا ہے زندہ تو وہ بھی زندہ ہیں — وہ واقعی ہے تو یہ کس طرح محال آیا
دعا جو مانگی محمد نے اُن کے ایماں کی — عمر کو جذب محبت سے جوش حال آیا
اثر سے نور محمد کے دل ہوا پُر نور — کہ جس کے سامنے خورشید مثل خال آیا
جبیں سے اُن کے ملا نور جان ایماں کو — قدم سے اُن کے دل کفر پائمال آیا
کہاں ہو کفر کو تاب اُن کی تیغ براں کی — کہ ظلّ اُن کا ہو جب دافع ضلال آیا
بجز فرار مفر کیا ہو اُن سے کافر کو — کہ سایہ اُن کا ہے شیطان پر وبال آیا
عرب سے تا بہ عجم اور روم سے تا شام — مسخر اُن کے اوامر کا بال بال آیا
رہے حمایتِ دین نبی میں وہ مشغول — کبھی نہ خطرۂ آرام جان و مال آیا

[منقبت ذوالنورین]

یہ ذی النورین کی مدح و ثنا ہے — کہ وہ نور دو چشمِ مصطفیٰ ہے
ہوا اُس سے منور خانۂ دیں — سراپا نور ہے نورِ خدا ہے
عیاں ہے شکل نورانی سے اُس کے — کہ نور حق مجسم ہو گیا ہے
ہوا تھا نور ظاہر باطن اُس کا — یہی یک نکتہ ذی النورین کا ہے
نبی کا یار بھی ہے خویش بھی ہے — عجب نورٌ علیٰ نورِ بنا ہے
وہ نور صبغۃ اللہ تھا ازل سے — اُسی پر خاتمہ اُن کا ہوا ہے
گناہوں کے ضرر سے ہے وہ مامون — کہ ساماں جیش عسرت کا کیا ہے
طفیل اُس کے ہو میری مغفرت بھی — یہ میرا مدعا یہ التجا ہے

[منقبت علی مرتضیٰ]

سخن میں میرے نہ یہ بو رچی گلاب کی ہے — گلِ بہار تولّائے بو تراب کی ہے
علی کے دفترِ حب میں جو ہیں بہشتی ہیں — نہ کچھ حساب کی حاجت نہ کچھ کتاب کی ہے
علی کا عرصۂ اوصاف ہے وہ بے پایاں — کہ ایک ذرّہ خبر ردّ آفتاب کی ہے
سر رسول ہے حضرت علی کے زانو پر — نزول وحی سے کچھ حالت ایک خواب کی ہے
نمازِ عصر علی نے پڑھی نہیں کہ ہوا — غروب جیسے سدا عادت آفتاب کی ہے
نبی افاقے میں آئے تو آفتاب پھرا — علی کے واسطے عزت یہ آں جناب کی ہے
ہوئے علی ہی جو کل مغلقات کے فاتح — یہ فتح خیبر اثر ایک فتح باب کی ہے
کتاب حاوی شرع و طریقت اک موجز — سخن مدینہ علم نبی کے باب کی ہے
کتاب خلق نبی سے جو حکمت عملی — ملا کے دیکھے تو تلخیص ایک باب کی ہے
سخن میں اُس کے کہ معصوم کا ہو وہ درِ علم — نہ انتقاد کی حاجت نہ انتخاب کی ہے
خم غدیر میں ہے جو مئے ولائے علی — ہماری مستی ہے اُس کی نہ اس شراب کی ہے

[منقبت امام حسین]

نام حسین شافی ہر درد مند ہے — ذکر حسین کافی ہر مستمند ہے
قصر کمال آل نبی کیا بلند ہے — جس کے کمر سے عقل کی قاصر کمند ہے
عالم کو رنج رحمتِ عالم سے غم نہ ہو — منکر وہی ہے اس کا جو ناحق پسند ہے
یک نیزہ سر پہ خلق کے آیا ہے آفتاب — بالائے نیزہ یا وہ سرِ سر بلند ہے
تن سے جدا ہے وہ سر سردار سروراں — ہے شغل ذکر حق وہی اور وعظ و پند ہے
جاری ہے فیض ملک شہادت میں آشکار — حاجت روائی دلِ ہر مستمند ہے
ظاہر میں عجز قدرت باطن کا وہ کمال — کچھ اس میں سرِّ حکمتِ حق چند چند ہے
سرِّ طلسم حق کو سمجھتے ہیں اہل حق — گو عقل عامّہ کی نظر چشم بند ہے
ہوتا ہے صبر سے جو خدا صابروں کے ساتھ — ظاہر میں گرچہ تلخ ہے باطن میں قند ہے
کیا عرصۂ مہیب شہادت میں شاد کام — جولانیوں پہ آلِ نبی کا سمند ہے

نورِ خدا ہے روحِ مصطفیٰ ہے اُن کی ذات — صدموں سے جسم کے نہ اُنھیں کچھ گزند ہے
ذکرِ زبان و لب پہ نہیں مجھ کو اکتفا — ذکرِ حسین اور مرا بند بند ہے

[منقبت غوث اعظم]

جمع شد خاطرم اے زلف پریشاں دریاب — طبع شد بے خلش اے جنبشِ مژگاں دریاب
خاطر آبلہ ام از نہ خلیدن تنگ است — غمخورے نیست تو اے خارِ بیاباں دریاب
می کشد تنگ در آغوش مرا جمعیت — می رود تفرقہ اے فتنۂ دوراں دریاب
خوف کفرست کہ بت می کشدم جانبِ دیر — از حریم حرم اے کعبۂ ایماں دریاب
بردل عاشق خو کردۂ آلام و محن — شادی آوردہ ہجوم اے غمِ ہجراں دریاب
جائے ننگ است کہ دریوزہ کنم از دگراں — بندۂ خاص تو ام اے شہِ جیلاں دریاب
اے کہ مرگِ دل و جان است فراموشی تو — اے کہ یادِ تو بود حرزِ دل و جاں دریاب

ایک مولود شریف حضرت کا نظم فرمایا ہوا مطبوع و مقبول انام ہے۔ رنگ تصوف اور رنگ ردّ وہابیہ و رنگ عشق و محبت کا مجموعہ ہے۔☆

اولیاء اللہ شاعرئ مجاز میں بھی نیت اظہار حقیقت و معرفت رکھتے ہیں۔ خواجہ حافظؔ، مولانا جامیؔ وغیرہ بلکہ حضور غوثِ اعظم و خواجہ اکرم اور ان سے بھی متقدمین اس بنا پر حضرت نے بھی کلام مجاز کہا ہے، مگر بہت کم، اب وہ بھی نہیں ملتا۔ فن شعر میں حضرت کو کسی سے تلمذ نہیں، نہ اکابر کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، نہ وہ زائد تکلفات شاعری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس سبب سے بعض اوقات بعض محاورات اُن شعرا کے خلاف تحریر فرماتے ہیں جو صرف فن شاعری کو اپنا مایۂ افتخار سمجھ کر اُس میں رات دن مشغول رہ کر نام وری حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جاہل و ناقص آدمی ایسے مقامات پر اعتراض کو تیار ہو جاتے ہیں، مثنوئ مولانا روم پر بہت کچھ اعتراضات کیے گئے ہیں، مگر سب لغو و مہمل۔ قصیدہ خمریہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ پر جہال ہمیشہ سے اعتراضات کرتے ہیں علما نے جوابات دیے ہیں۔

☆☆☆

☆ یہ مولود شریف مع چند غزلیات و قصائد اردو و فارسی مطبع سرکار عالی حیدر آباد سے ۹۳-۱۲۹۲ھ میں شائع ہوا تھا۔ پھر مطبع قادری بدایوں سے ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوا۔ اسی نسخے کو بعنوان 'مولود منظوم مع انتخاب نعت و مناقب' راقم نے ایڈٹ کیا ہے جو راقم کے مقدمے کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۰۹ء/۱۴۳۰ھ میں شائع کیا ہے۔ (مرتب)

مکتوبات ☆

مکتوب اول ☆☆

عرض داشت بجناب ہدایت مآب برہان الواصلین سلطان الکاملین

حضرت [شاہ عین الحق عبدالمجید قادری] صاحب قبلہ

جناب قبلۃ العارفین، کعبۃ الطائفین، دیں پناہی، ظل الٰہی، عونی فی النوائب، غوثی فی المصائب حضرت ابی وربی، مرشدی ومولائی دام دوامہم۔

یہ گمراہ روسیاہ، ظلوم وجہول فضل رسول کیا عرض کرے؟ اور کیا گزارش کرے؟ اِس کا ظاہر تباہ ہے اور باطن سیاہ ہے، استغفر اللہ۔ نہ کوئی طاعت ہے نہ عبادت، نہ کچھ ذکر ہے نہ فکر۔ نفسانی خواہشات کا غلام ہوں، شیطانی وسوسوں کا شکار ہوں، مقصد کے حصول سے محروم ہوں۔ میرا آغاز بھی بے فائدہ ہے اور انجام بھی فاسد ہے۔

ظاہری اعمال نمود ونمائش میں منحصر ہو کر رہ گئے ہیں اور باطنی اشغال مالیخولیائی تخیلات میں گم ہو گئے ہیں۔ نامرادی کی سواری کا سوار ہوں، مبادیات کے حصول کے بغیر غایات کا طلب گار ہوں۔ قبلہ دو جہاں (حضور اکرم ﷺ) کی اتباع سے دامن خالی ہے، چھت پر بغیر زینے کے چڑھنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ نفس کے دھوکے اور شیطان کے فریب سے اللہ کی پناہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اے دیں پناہ اور ظل الٰہی! وہ معمولات جن کو ادا کرنے پر حضور والا کی طرف سے مامور کیا گیا تھا نفس کی شامت کے سبب تمام تر سہولت میسر ہونے کے باوجود ان کے بجالانے میں قصور وکمی

☆ مصنف نے یہاں مکتوبات کا اصل فارسی متن درج کیا تھا، ہم یہاں فارسی متن حذف کر کے صرف اردو ترجمے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ 'ابتدائیہ' میں بیان کر دی گئی ہے۔ دیکھیے: ص 22 (مرتب)

☆☆ یہ مکتوب آپ نے ابتدائے سلوک کے زمانے میں تحریر فرمایا تھا۔ (ضیا)

واقع ہوئی ہے، توفیق نے ساتھ نہ دیا اور قسمت مہربان نہ ہوئی۔ لہٰذا جب ایسے حالات ہوں تو نتائج وثمرات کا حصول محالات عادیہ میں سے ہے ؎

ہمہ شب بزاریم شد کہ صبا نداد بوئے ندمید صبح بختم چہ گنہ نہم صبا را

یہ تمام آفات ذوق وشوق کے نہ ہونے کے باعث ہیں اور وہ بوالہوسی جو سر میں سما گئی ہے ہلاک کیے دیتی ہے۔

بار ہا ارادہ کیا کہ حضرت قبلہ کی خدمت میں عرض حال کروں مگر جب اپنے اعمالِ بد اور افعال قبیحہ پر نظر گئی تو ایک حجاب، شرمندگی، خجالت اور ندامت پیدا ہوگئی اور ہر بار عرض حال کرنے میں رکاوٹ بن گئی۔ کہاں مَیں اور کہاں یہ بیاباں، کہاں ایک لنگڑا چیونٹا اور کہاں تخت سلیمان؟

جس حال میں مَیں ہوں شاید سگان آوارہ اس سے بہتر ہوں اور شاید چور ڈاکو بھی اس سے نفرت کریں۔

آہ! ندامت بھی کمال نہیں ہے۔ ہاں البتہ یہ مقصود تک پہنچانے والی اور حسن انجام کا موجب ہوتی ہے۔ بہرحال اب جو بھی شکل بصورت دوئی ظاہر ہوئی ہے اگرچہ وہ بھی حقیقت میں قبیح ہے، مگر کچھ وجوہ ترجیح کی بنیاد پر اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی کے وسیلے سے تمنا کے اظہار کی جسارت کر رہا ہوں ؎

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اے دستگیر! داستانِ آرزو بہت طویل ہے، مگر اختصار کے ساتھ چند کلمات حاضر ہیں، آپ کی وجاہت اور وسیلے سے مقصود کے حصول کی توفیق مرحمت ہوگی......ع

از کریماں کارہا دشوار نیست

دلائل عقلیہ سے کما حقہ یہ بات ثابت و متیقن ہو چکی ہے کہ صاحبان نظر کی نظر کے بغیر کام اپنے نہج پر نہیں آتا اور بابِ مقصود نہیں کھلتا ؎

بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

مواد میں صلاحیت اور اہلیت کی شرط جو اکثر فلاسفہ کے لیے ہدایت وارشاد کے باب میں سنگ راہ ثابت ہوئی یہ (شرط) محض بے حقیقت ہے، اس لیے کہ مفیض صور (اللہ رب العزت) کے لیے مادے میں بھی تصرف کر دینا بڑا آسان ہے، آیت کریمہ "یفعل ما یشاء" اس پر حجت ہے۔

اے دیں پناہ! اگر صرف راستہ دکھانا ہی کافی ہوتا تو یہ صرف آنکھ والوں کو فائدے مند ہے، بے چارہ نابینا جو ہاتھ پکڑ کر منزل تک پہنچا دینے کا محتاج ہے وہ تو ہدایت کے فائدے سے محروم رہتا۔ افسوس ہم جیسے نابینا اور شکستہ پا لوگوں پر جو مصیبتوں کی زنجیروں میں گرفتار ہیں، سرکشی اور گمراہی کے کنوئیں میں قید ہیں۔ ہاں! اگر کوئی عالی ہمت، صاحب قوت کریم و رحیم (جیسا کہ حضرت قبلہ گاہی کی ذات جامع الحسنات ہے) بغیر کسی سابقہ استحقاق کے محض مخلوق پر شفقت کرتے ہوئے دستگیری فرمائے، ہدایت کی مضبوط رسی اور عنایت کی عروۂ وثقیٰ ہاتھ اور کمر میں لپیٹ کر کنوئیں کی گہرائیوں سے کنارے پر لے آئے اور راستے سے منزل تک پہنچا دے تو کچھ بعید نہیں۔

کنویں سے کھینچنے کی اس کوشش میں اگر (میری جانب سے) ایسی حرکتیں سرزد ہوں جو بچے کڑوی دوا پینے میں کرتے ہیں تو ان کی طرف ہرگز التفات نہ کیا جائے......ع

من چہ گویم چوں تو می دانی عیاں

بزرگان سلسلہ کا نام لیوا ہوں لہٰذا محروم نہیں رہوں گا۔

اِس سفر میں ایک بزرگ سے حضرت سید آل حسن رسول نما قدس سرہٗ کے معمولات خاندانی میں سے ایک درود پاک اور قصیدۂ بردہ کا ایک شعر پڑھنے کی اجازت ملی، وہ شعر یہ ہے ۔

هو الحبيب الذي ترجى شفاعته　　　لكل هول من الأهوال مقتحم

ترجمہ: وہ ایسے حبیب ہیں کہ ہر ہول ناکی کے وقت ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔

آج جب اشراق کی نماز کے بعد تھوڑا سویا، تو حضرت ختم المرسلین امام المتقین شفیع المذنبین ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا اور قصیدۂ بردہ کا یہی شعر میں نے حضور کی خدمت میں پڑھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "کعب کے قصیدۂ بانت سعاد کا بھی ایک شعر بہت خوب ہے، اس کو بھی پڑھنا چاہیے"، چنانچہ وہ شعر بھی آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوا۔ جب میں نیند سے بیدار ہوا تو وہ شعر ذہن سے محو ہو گیا۔ لہٰذا عرض ہے کہ وہ شعر ارشاد فرمایا جائے اور اس مبارک قصیدے کی اجازت طریقہ معمولہ کے مطابق مرحمت کی جائے۔

اگرچہ یہ معاملہ (یعنی خواب میں حضور ﷺ کی زیارت) اُس درود پاک کی برکت سے جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا دو مرتبہ اِس سے پہلے بھی پیش آیا ہے۔ پہلی مرتبہ میں نے دیکھا کہ

آنحضرت ﷺ چاہ زمزم پر تشریف فرما ہیں اور مَیں بھی خدمت میں حاضر ہوں اور زمزم کے کنوئیں سے پانی جوش مار کر ابل رہا ہے اور ایک طرف بہہ کر جا رہا ہے اور مَیں دونوں ہاتھوں سے پانی کو بہانے اور جاری کرنے میں مشغول ہوں۔

ایک مرتبہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ایک جگہ تشریف فرما ہیں، لوگ آ رہے ہیں اور واپس جا رہے ہیں، مَیں بھی ایک بار گیا اور پھر واپس آیا اور جیسا کہ یاد پڑتا ہے مَیں نے واپسی کے وقت سات بار طواف کیا۔ پہلی بار جب مَیں نے حضور ﷺ کو چاہ زمزم پر دیکھا تھا تو آپ کے رخسار مبارک سے ایسا نور پھوٹ رہا تھا کہ ان پر نگاہ نہیں جم رہی تھی۔ یہ بھی غنیمت ہے، الحمدللہ، الحمدللہ، الحمدللہ۔

آپ کی توجہ سے مزید امید رکھتا ہوں:

دلا خوش باش کاں سلطان دیں را بدرویشاں و مسکیناں سری ہست

والادب

☆☆☆

مکتوب دوئم ☆

[بنام حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی]

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

وبہ نستعین و صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و آله و أصحابه اجمعین.

برخوردار، سعادت آثار، قرۃ العین، راحت جاں، نزہۃ الخاطر مولوی عبدالقادر (ظاہر و باطن میں اللہ ان کی حفاظت فرمائے)

بعد دعا معلوم ہو کہ تمہارا خط ملا، خوشی کا باعث ہوا۔ جو بات تم نے دریافت کی ہے جس وقت تم نے حج و زیارت کا قصد کیا تھا اُسی وقت سے مَیں وہ بات تم سے کہنا چاہتا تھا، لیکن تمہارے طلب کرنے کا منتظر تھا۔ اِس لیے کہ ان معاملات میں طالب کی رغبت اور شوق زیادہ کارآمد ہوتی ہے۔ الحمد للّٰہ کہ تم نے اس کی توفیق پائی، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ثمرات سے نوازے، آمین۔

جانِ من! اللہ تعالیٰ کے فضل سے جب جہاز پر سوار ہونا تو یہ دعا پڑھنا:

بسم اللّٰہ مجریها و مرسٰها ان ربی لغفور رحیم

صحیح بخاری شریف از اول تا آخر بطور ورد ختم کرنا اور کپڑوں اور جائے نماز کی طہارت اور وضو کا التزام کرنا۔ طبعی ضرورتوں جیسے کھانا اور سونا وغیرہ اور شرعی ضرورتوں جیسے نماز اور اوراد ونوافل کے علاوہ دن رات کے تمام اوقات میں صحیح بخاری شریف پڑھنے کا التزام کرنا گویا کہ پوری کتاب ایک ہی جلسے میں ختم کی ہے۔ اس لیے کہ تمام اشغال میں لگاتار پڑھنا یہ الگ الگ پڑھنے کے مقابلے میں فضیلت رکھتا ہے۔ اِس طریقے پر ختم کرنے کے بعد صحیح بخاری کی کتاب الحج وابواب زیارت اور جو ابواب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے متعلق ہیں اور وہ تمام ابواب جو سرور کائنات ﷺ کی عبادت و عادات اور ہجرت وغزوات (جو ان دونوں حرموں یعنی مکہ اور مدینہ میں واقع ہوئے ہیں) سے متعلق ہیں اور اِسی قسم کے دوسرے ابواب کو کتاب مذکور سے زبانی یاد کر لینا اور حج کی مکمل صورت احرام سے لے کر طواف رخصت تک ہر وقت ذہن میں حاضر رکھنا۔

☆ حضرت تاج الفحول نے حرمین شریفین کا پہلا سفر ۱۲۷۹ھ میں کیا تھا۔ یہ مکتوب سفر پر روانگی سے قبل بطور ہدایت نامہ تحریر فرمایا گیا ہے۔ (مرتب)

جس وقت میقات سے احرام باندھو تو یہ تصور کرنا کہ حضور ختم رسالت ﷺ نے اسی طرح ارشاد فرمایا تھا اور یہ تصور کرنا کہ میرا یہ احرام حضور کے احرام باندھنے کی طرح ہے اور اسی طرح تلبیہ اور حج کے تمام ارکان میں حضور ﷺ کا فعل اور طریقہ نصب العین رہے۔

جب مکہ معظّمہ پہنچو تو اُس شہر کی عظمت کو اس طرح تصور کرنا کہ یہ مسجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی ہے اور چوں کہ اس کو مظہریت حق کا اختصاص حاصل ہے اس لیے قبلہ بنایا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ کی جائے پیدائش بنایا گیا ہے۔ تمام خاص مقامات مثلاً طواف اور سعی کی جگہ، صفا و مروہ اور غارِ حرا وغیرہ میں حضور کے بیٹھنے اور گزرنے کا ذکر صحیح حدیث میں جس طرح آیا ہے ہر جگہ حضور کو اُسی طرح گمان کرنا گویا کہ تم حضور کی زیارت کر رہے ہو۔ تمام مساجد اور آثار میں جو عرفات کے راستے میں ہیں سب جگہ اسی تصور کو قائم رکھنا۔

جس وقت مدینہ منورہ پہنچو دل میں اِس بات کا پختہ اعتقاد کرنا کہ آنحضرت ﷺ باحیات ہیں، موجود ہیں اور مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ خصوصاً حضور ﷺ (کے مزار اقدس) کی حاضری کے وقت اِس تصور کو یقین تک پہنچا دینا۔ اس بحث سے متعلق باقی چیزیں طریقۂ مراقبۂ محمدیہ سے واضح ہو جائیں گی اور دیگر تراکیب معمولہ کتب و رسائل آداب سے ظاہر ہیں اور تم برخوردار کو معلوم بھی ہیں تقریر و تحریر کی حاجت نہیں ہے۔

اِس وقت یہ چند حروف بے اختیار لکھنے میں آ گئے ہیں اگر خدا نے چاہا تو اس کے بعد بھی لکھوں گا۔ برخوردار سعادت آثار مولوی سراج الحق سے کہہ دیا ہے کہ طریقہ مراقبہ کلمہ طیبہ اور طریقہ مراقبہ محمدیہ نقل کر کے تمہیں ارسال کر دیں۔ چاہیے کہ ان دونوں کو ایک رسالے میں قدرے شرح و بسط کے ساتھ جمع کر دیا جائے شاید کہ کسی طالب کے کام آئے۔

ان دو تحریروں میں جو کچھ مذکور ہے اُس کی تمہیں اجازت دیتا ہوں اور جملہ اوراد و اذکار اور اشغال و اعمال کی بھی اجازت دیتا ہوں جس کا مَیں حضور قبلۂ جاں و کعبۂ ایماں (شاہ عین الحق عبدالمجید قادری) قدسنا اللہ بسرہ المجید سے مجاز ہوں۔ نیز تمہیں تمام سلاسل عالیہ قادریہ و چشتیہ و نقشبندیہ و سہروردیہ و مداریہ میں ان کے شرائط و لوازم کے ساتھ بیعت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

اگر کوئی شخص اصرار کرے اور وہ واقعی طالب اور راغب ہو تو سبحان اللہ جو کچھ بھی معلوم ہو

اُس کی خدمت میں عرض کردینا چاہیے اور اُس کی تعظیم بجالانا چاہیے، اِس لیے کہ وہ طالب خدا ہے اور اگر وہ عوام میں سے ہو تب بھی محبان و محبوبان خدا کی محبت میں اس کو منسلک کرنا فائدے سے خالی نہیں ہے۔ المرء مع من احب (آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے)۔

جانِ من! اس قسم کی باتیں تحریر و تقریر کے قابل و لائق نہیں ہیں لیکن المامور معذور (جس کو حکم دیا جاتا ہے وہ معذور ہے) کے بموجب مَیں نے یہ جرأت کی ہے۔

اللّٰھم اغفرلی ولجمیع المؤمنین والمؤمنات

کتبہ الراقم الآثم

فضل رسول

۲۱/رجب ۱۲۷۹ھ

مکتوب سوم

[بنام حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برخوردار سعادت آثار لخت جگر مولوی عبدالقادر سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد دعا واضح ہو۔ جان من! اگر دنیاوی جاہ وحشمت پر نظر ہے تو اس کے اسباب کا اہتمام وقت اور زمانے کے اقتضا کے مطابق دین وایمان کو چھوڑ کر اور فاسقوں اور کافروں کی متابعت و ہم نشینی اختیار کر کے ہوگا۔ حفظنا اللّٰہ و ایاکم و جمیع المسلمین (اللہ ہماری اور تمہاری اور تمام مسلمانوں کی حفاظت کرے)

اگر تمہارا مقصود پاس دین، اتباع سنت سید المرسلین اور رضائے رب العالمین ہے تو فقر و فاقہ، صبر و توکل اور قناعت کو بطیّب خاطر کشادہ پیشانی کے ساتھ قبول کر کے یادِ الٰہی اور درس و تدریس میں مشغول ہونا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر صلاحیت کا جو جوہر پیدا کیا ہے اگر اس کی صحیح نشو ونما ہو جائے تو یہ تمہارے سراپا کے نکھار کا باعث ہوگا اور یہی مقصود و مراد ہے۔ لیکن یہ شدائد و مصائب اور متاعب کو بطیّب خاطر بغیر خوف اور بغیر جزع وفزع اور تنگ دلی کے برداشت کرنے پر موقوف ہے۔ اس لیے کہ یہ تمام امور (یعنی جزع وفزع اور تنگ دلی وغیرہ) اس جوہر کو ختم کرنے کا باعث ہوتے ہیں یحفظکم اللّٰہ تعالیٰ۔

والدعا

مکتوب چہارم

بنامِ نامی واسم گرامی مسند نشین شرع مبین

حضرت مولانا قاضی حمید الدین صاحب مرحوم قاضی مچھلی بندر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قاضی صاحب عالی مناصب فضیلت مآب اکمل الاخوان قاضی حمید الدین زاد اللہ محامدھم

بعد از سلام مسنون ودعائے ترقیات روز افزوں۔

واضح ہو کہ آپ کا گرامی نامہ عین انتظار کے عالم میں پہنچا اور آپ کا مزاج بخیر ہونے کی اطلاع دی، آپ کے بعافیت اور شادکام پہنچنے نے دل کو بہت مسرور کیا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے، اپنی یاد میں مشغول اور افکار معمولہ سے بہرہ مند فرمائے۔

بندے کا کام بندگی اور خدمت کرنا ہے چاہیے کہ اس میں ہرگز سستی اور کاہلی نہ کرے اور اس کو قبول کرنا اور اس کی جزا عطا فرمانا یہ مولیٰ کے ہاتھ میں ہے:

حافظ وظیفۂ تو دعا کردن است وبس　　　در بند آں مباش کہ نشنید و یا شنید

[ترجمہ: اے حافظ! تیرا کام تو صرف دعا کرنا ہے، اس فکر میں مت پڑ کہ وہ دعا سنتا ہے یا نہیں سنتا]

تم برادر دینی کی یاد اکثر اوقات میری رفیق رہتی ہے۔ محبت کی تاثیر محبوب کی فرقت میں دوری کی تکلیف کی وجہ سے وصل سے زیادہ ہوتی ہے۔ جو کچھ میں نے گزارش کیا ہے وہی تمام کوششوں اور مجاہدے کی غایت ہے اور اسی مجاہدے کو جو ذکر الٰہی میں فنا ہونے کا نام ہے غایت و مدعا سمجھنا چاہیے۔ فقیر کو بھی دعا میں یاد رکھیں۔

حدیث پاک من عرف نفسه فقد عرف ربه (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا) جس کے بارے میں آپ نے استفسار کیا ہے اُس کا حال یہ ہے☆ کہ یہ

☆ اکمل التاریخ میں عبارت یوں ہے: ''حالش ایں کہ حدیث مذکور مرفوعاً از رسول اللہ ﷺ روایت می کنند'' (اکمل التاریخ: ج۲/ص۱۸۲) یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ یہی مکتوب مولانا انوار الحق عثمانی نے طوالع الانوار میں درج کیا ہے اس میں عبارت یوں ہے ''حالش ایں کہ حدیث مذکور مرفوعاً از رسول اللہ ﷺ بائمہ محدثین رحمہم اللہ نرسیدہ ولہذا می نویسند کہ لا یعرف مرفوعاً وارباب کشف ویقین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین از رسول اللہ ﷺ روایت می کنند'' (طوالع الانوار: ص۶۵) مصنف اکمل التاریخ نے یہ مکتوب غالباً طوالع الانوار ہی سے نقل کیا ہوگا، کاتب کی غفلت سے ایک سطر چھوٹ گئی، ہم نے ترجمہ طوالع الانوار کے مطابق کیا ہے۔ (مرتب)

حدیث مرفوعاً حضور اکرم ﷺ سے ائمہ محدثین کو نہیں پہنچی، اسی لیے محدثین لکھتے ہیں لا یعرف مرفوعاً لیکن ارباب کشف و یقین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کا مضمون اِس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے وفی انفسکم افلا تبصرون (اور اللہ کی نشانیاں خود تمہارے اندر ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے) اِس کی شرح اس قدر طول رکھتی ہے کہ اس کا بیان ممکن نہیں۔ مختصر طور پر اسی پر اکتفا کیجیے کہ من عرف نفسہ بالحدوث عرف ربہ بالقدم (جس نے اپنے نفس کو حادث ہونے کے اعتبار سے پہچانا اس نے اپنے رب کو قدیم ہونے کے اعتبار سے پہچانا)

اِس شعر کے معانی کے بارے میں آپ نے استفسار کیا ہے:

زدریائے شہادت چوں نہنگ 'لا' برآرد رُو ‏ ‏ تیمّم فرض گردد نوح را درعینِ طوفانش

(ترجمہ: دریائے شہادت میں جب 'لا' کا مگرمچھ اپنا چہرہ نکالے تو عین طوفان میں بھی نوح پر تیمّم فرض ہوجاتا ہے۔)

محترم! یہ شعر حضرت امیر خسروؔ سے منسوب ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ دریائے شہادت سے مراد کلمہ اشھد ان لا الہ الا اللہ ہے، جب سالک نفی و اثبات کے شغل کو کمال تک پہنچادیتا ہے تو 'لا' کا مگرمچھ گوہر 'ھو' کو لے کر آتا ہے۔ 'لا' کے مگرمچھ سے مراد فنا ہے جو نفی ماسوا ہے اور گوہر 'ھو' سے مراد بقا اور تجلی ذات ہے۔ چونکہ تکمیل کمال یہ دوسرے سفر پر موقوف ہے (دوسرے سفر سے مراد مخلوق سے حق کی طرف سفر کرنے کے بعد حق سے مخلوق کی طرف سفر کرنا ہے) اور 'نوح' (جس سے مراد سالک ہے) کے لیے 'تیمم' (یعنی خاک کا قصد کرنا) مخلوق کی طرف توجہ کیے بغیر ضروری ہے۔ اِسی مقام پر رہ جانا اور اِس سے تنزل نہ کرنا نقصان کا باعث ہے جیسا کہ صوفیا کے یہاں بیان کردیا گیا ہے۔

والسلام خیر ختام

مکتوب پنجم

بنامِ نامی جناب نواب محمد ضیاء الدین خاں صاحب

اعزی واجبی رَوحی ورُوحی نواب ضیاء الدین خاں اعملہ اللہ تعالیٰ باسمہ الرحمٰن

بعد سلام مسنون ودعائے ترقیات روز افزوں وشوق بے حد

واضح ہو کہ تمہارا راحت نامہ پہنچا، اُس کے مضمون نے تمہارے اہتمام عبادات و ریاضات کے حال سے مطلع کیا، جس سے بہت مسرت ہوئی۔ اللّٰھم زد وبارك اللّٰھم زد وبارك، اللّٰھم زد وبارك (اے اللہ زیادہ کر اور برکت عطا فرما)۔

اِس راہ کے شرائط و واجبات میں سے یہ ہے کہ کھیل کود کی مجلسوں اور مروجہ رقص وسماع کی محفلوں سے مکمل طور پر اجتناب و احتراز کیا جائے۔ کسی بھی شخص کی مروّت، پاس خاطر اور اطاعت کو اِس باب میں ہرگز دخل نہ دیا جائے اور اقربا وامرا کی ناراضگی سے ہرگز نہ ڈرا جائے۔

'توبہ افاغنہ مہدویہ' کا عمل جو لکھا جا رہا ہے بہت مرغوب ہے، اس کو معمول کے مطابق عمل میں لایا جائے اور اس کی مَیں تمہیں اجازت دیتا ہوں بلکہ تمہیں عام مجاز بناتا ہوں۔ جو شخص بھی تمہاری طرف دست رجوع دراز کرے اس کو محروم نہ کرو اور داخل سلسلہ کرلو، جو کچھ تمہیں تعلیم کیا گیا ہے اُس کو تعلیم کرو۔

فقیر کا حال یہ ہے کہ اگر چہ صحت تام اور افاقۂ تمام حاصل نہیں ہے لیکن پہلے کے مقابلے میں اب بہت کمی ہے، الحمد للہ علی ذلك۔

والدعاء

☆☆☆

مکتوب ششم

بنامِ مبارک جناب نواب [محمد ضیاء الدین خاں] صاحب ممدوح مدظلہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رَوحی ورُوحی احبی ومحبی اعز از جاں نواب ضیاء الدین خاں اعملہ اللہ تعالیٰ باسمہ الرحمٰن

بعد سلام مسنون وشوق بے حدود عائے ترقیاتِ روز افزوں

واضح ہو کہ تمہارا راحت نامہ مورخہ ۱۴ رماہ مبارک پہنچا اور بے حد خوشی ومسرت کا باعث ہوا۔ ظاہراً تمہارے مجاہدات وریاضات اربابِ طریقت کے قاعدے کے مطابق برکت واجابت سے مقرون ہیں کہ اشغال واعمال سے فراغت کے بعد بھی پھر دوبارہ اشغال واعمال کا وہی شوق ہے اور تساہل واضمحلال کا نام نہیں ہے۔ الحمد للہ اللّٰهم زد وبارك وتمّم بالخير۔

جن اعتکاف کا تم نے ارادہ ظاہر کیا ہے ان کو ضرور عمل میں لاؤ، اگر اسمائے حسنیٰ کے ورد کی طاقت اُن اسما کے اعداد کے موافق نہیں ہے تو ہر اسم کو حرف ندا کے ساتھ ملا کر کم از کم ننانوے بار پڑھنا چاہیے۔ اعتکاف میں ہر نماز کے بعد گیارہ گیارہ مرتبہ اسمائے حسنیٰ کا ورد برکات کی ترقی اور آفات (کہ ان اوقات میں جن کا احتمال ہے) سے حفاظت کا موجب ہے اور اکتالیسواں اسم یعنی یا غیاثی عند کل کربة آٹھویں ہفتے میں پڑھنا چاہیے، یہی معمول ہے۔ جگہ کی تبدیلی مناسب ہے، فقیر اس باب میں کچھ تحریر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ الحمدللہ کہ تم خود ہی مہتدی ہو۔

اِس ماہ مبارک میں شب بیداری اور ذکر 'محافل انوار' بہت زیادہ خوشی اور مسرت کا باعث ہوگا، ہمیشہ اس کا التزام رکھنا چاہیے۔ فقیر کے نزدیک یہ سب اُس اعتکاف کی برکت کا اثر ہے جو حضرت اقدس ابی ومرشدی (شاہ عین الحق عبدالمجید) قدس اللہ سرہ العزیز کے مزار فائض الانوار کے قرب میں آپ نے کیا تھا۔ بارہ محفلوں کا یہ عمل حضرت اقدس [شاہ عین الحق عبدالمجید] کے مزاج کو بہت محبوب ومرغوب تھا۔

ایک اور چیز جو طریق اخلاص کو تمام وکمال بخشنے والی ہے مَیں لکھتا ہوں اگر اُس پر مداومت کرو گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اور زیادہ فائدہ ونفع پاؤ گے۔ وہ یہ ہے کہ کتاب 'فتوح الغیب' جو

حضرت جناب غوث الثقلین قطب الکونین مولانا شیخ عبدالقادر جیلانی قدسنا اللہ بسرہ الرحمانی کے ملفوظات مبارک ہیں اور جس کو آپ کے خلف صدق حضرت مولانا سید ابونصر موسیٰ قدس سرہٗ نے جمع فرمایا ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اس کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ حضرت محی الدولہ بہادر مرحوم ومغفور کے کتب خانے میں مَیں نے دیکھی تھی اور غالباً دوسروں کے پاس بھی ہوگی اُس کتاب کو تلاش کر کے اُس کا مطالعہ کرو اور ہمیشہ اس کو پیش نظر رکھو۔ اگر وہاں دستیاب نہ ہو تو لکھو کہ مَیں یہاں سے بھجوا دوں، اس لیے کہ حضورِ قلب کے ساتھ اس مبارک کتاب کے پڑھنے میں مشغول ہونا اعتکافوں سے کم نہیں ہے۔

ہر جمعہ کو اشراق کی نماز کے بعد چند لوگوں کے اجتماع کے ساتھ قرآن شریف ختم کر کے حضرت صاحب قبلہ کونین و کعبہ دارین [شاہ عین الحق عبدالمجید] قدس اللہ سرہٗ العزیز کی روح مقدس کو نذر کیا کرو۔

خط شروع کرتے وقت چند دوسری چیزیں بھی لکھنے کا ارادہ تھا مگر اِس جگہ پہنچ کر دل اختیار میں نہ رہا......ع

این زماں بگذار تا وقت دگر

تمام چھوٹوں بڑوں کو نام بنام سلام و دعا۔

راقم

فضل رسول

۲۷؍ربیع الاول شریف

مکتوب ہفتم

بنامِ نامی معظمی ومکرمی نواب محمد ضیاء الدین خاں صاحب دام فیضہم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اعزی واجبی رَوحی ورُوحی اعزاز جاں نواب محمد ضیاء الدین خاں اعملہ اللّٰہ تعالیٰ باسمہ الرحمٰن

بعد از سلام مسنون ودعائے ترقیات روز افزوں

واضح ہو کہ راحت نامہ پہنچا، بے انتہا خوشی ومسرت کا باعث ہوا۔

الحمد للّٰہ کہ درود پاک کے ورد کے اثر نے ظہور فرمایا یعنی زیارت حرمین شریفین کا شوق تمہارے دل میں پیدا ہوا۔ اللّٰہ تعالیٰ جلد از جلد اور خیر وخوبی کے ساتھ تمہیں زیارت میسر فرمائے، سفر آسان کرے اور قبول فرمائے......ع

در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

اللّٰہ تعالیٰ تمہیں حسنات اور سعادتوں سے مالامال فرمائے، خیر اور کامیابی کے ساتھ دوبارہ مشتاقان ووابستگان سے ملاقات نصیب فرمائے، آمین آمین آمین۔

حیدرآباد سے روانگی کے مہینے کی اطلاع دینا تا کہ اُس سے پہلے کچھ اوراد اور حرمین شریفین اور متبرک مقامات کے آداب زیارت تمہیں لکھ کر بھیجے جائیں۔ اگر چہ تم فریضے کی ادائے گی کے لیے جا رہے ہو مگر والدۂ ماجدہ کی رضا کو مقدم جانو اور ان کو راضی کر کے رخصت ہونا۔ دوسرے اہل و عیال کے لیے صرف ان کے مصارف واخراجات کا انتظام کافی ہے مگر والدہ کا معاملہ دوسرا ہے۔

اے عزیز! سفر سے پہلے تمام جاننے والوں سے معافی طلب کرنا، بفضلہٖ تعالیٰ تم تو اپنے دل میں کسی کے لیے کدورت نہیں رکھتے لیکن جو لوگ تم سے بسبب یا بلا سبب کدورت رکھتے ہوں ایسے لوگوں سے معافی طلب کرنا چاہیے۔ اگر تمہارے علم میں ہو کہ تمہاری زبان یا ہاتھ سے کسی کو رنج پہنچا ہو یا کسی کا حق تلف ہو گیا ہو تو ایسے لوگوں سے معافی طلب کرنا واجب ہے۔ ایسے معاملات میں شرم و عار نہیں کرنا چاہیے یعنی اپنے خدمت گاروں سے بھی منت سماجت کر کے طلب عفو کرنا چاہیے اور انہیں راضی کرنا چاہیے۔

سفر کے وقت کسی بھی شخص سے جدال اور تکرار نہیں کرنا چاہیے اور وہ رفیق جو سفر میں ہمراہ ہو اس کی حفاظت ہمیشہ پیشِ نظر رہے۔ خادم کے ساتھ تحکم و جبر کا معاملہ نہ کرنا چاہیے۔ ہندوستان کی تکبر کی عادت کو ترک کرو اور نشست و برخاست اور تمام معاملات میں بڑائی اور تفوق نہ دکھاؤ۔ بحر و بر کے ہر قافلے میں خود کو تمام حجاج سے کم تر گمان کرنا اور اپنے خادم کو مخدوم کی طرح رکھنا۔ جتنا بھی ممکن ہو ضعفا اور مساکین کی خدمت اپنے ہاتھ سے کرنا، یہ عمل ایسا عجیب اثر رکھتا ہے کہ خلوات و اعتکاف اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے ......ع

ذوق ایں مئے نشناسی بخدا تا نچشی

اگر خادم وغیرہ سے کوئی غلطی ہو جائے تو نظر انداز کرنا اور ہرگز ان سے مطالبہ نہ کرنا۔

بمبئی پہنچنے کے وقت برادرم شیخ چاند محمد صاحب سے ملاقات کرنا جو مرد باخدا ہیں، صدق و صفا اور اخلاص و وفا میں یگانہ ہیں۔ سواری وغیرہ کا انتظام اور کوئی بھی کام جس کی تمہیں حاجت ہو وہ اس کو بخوبی انجام دیں گے۔

سواری پر بیٹھنے سے لے کر خانۂ کعبہ پہنچنے تک ہر وقت کعبہ شریف کو پیشِ نظر رکھنا اور یہ تصور کرنا کہ اللہ کے گھر کی زیارت کو جا رہا ہوں۔ جس وقت حرم محترم میں پہنچو تو خانۂ کعبہ کے خیال کو دل سے نکال کر صاحبِ خانہ کی طرف متوجہ ہو جانا اور خیال کرنا کہ ہر گھر کا ایک مالک ہوتا ہے وہ گھر جو سب سے عظیم ترین گھر ہے اس کا مالک حقیقی عظمت و جلالت کا مالک ہے۔ دل کی پوری توجہ اسی کی جانب منحصر کر لینا چاہیے۔

پاس انفاس میں نفی و اثبات کا عمل جتنا تمہاری عادت ہے اس سے زیادہ کرنا۔ لوگوں کی صحبت میں زیادہ بیٹھنے سے پرہیز کرنا اور اگر میسر ہو تو بے ضرورت کلام نہ کرنا۔ غارِ حرا شریف اور غارِ ثور شریف میں حاضر ہو کر جتنی مدت میسر آئے وہاں اعتکاف کی نیت سے بیٹھنا اور شب و روز کے تمام اوراد اِن دونوں مبارک مقامات میں یکبارگی ختم کرنا۔

جس وقت مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ کا قصد کرنا ہر وقت خود کو حرم محترم مدینہ طیبہ کی جانب متوجہ رکھنا اور جس وقت کہ حرم محترم میں داخل ہونا روح احمدیہ اور حقیقت محمدیہ کی طرف متوجہ ہونا اور اللّٰھم صل علی محمد و آلہ کا ورد کثرت سے کرنا جس طرح کہ معلوم و معمول

ہے۔

حرمین محترمین کے حصول برکات کے اسباب میں سے بہترین سبب ان کی تعظیم وتکریم اور ہر اس چیز کی تعظیم وتکریم ہے جو اِن حرمین محترمین سے نسبت رکھتی ہے مثلاً انسان، حیوان، پیڑ پودے اور پتھر وغیرہ۔ لوگوں سے کلام کم کرنا چاہیے خصوصاً دنیاوی کلام اور حکایات وشکایات سے کلی اجتناب کرنا چاہیے اور پوری توجہ خدا اور رسول کی طرف رکھنا چاہیے۔ ضروری دنیاوی کلام اور اہل دین کے ساتھ دینی باتیں ممنوع نہیں ہیں مگر وہ بھی بقدر حاجت کرنا چاہیے۔

آثار متبرکہ مثلاً قبا اور اُحد وغیرہ (جن کو وہاں کے لوگ جانتے ہیں ان) کی زیارت سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔ اگر (مکہ شریف سے مدینہ شریف) جاتے وقت یا (مدینے شریف سے مکہ کو) واپسی کے وقت ممکن ہو تو قافلے کے رابغ کے مقام پر پہنچنے کے وقت کسی تیز رفتار سواری پر سوار ہو کر (جو وہاں بکثرت دستیاب ہیں) کسی جان کار کو ساتھ لے کر شہدائے بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت سے ضرور مشرف ہونا چاہیے۔

کتاب 'جذب القلوب الی دیار المحبوب' ہو یا 'تاریخ سمہودی' اس سفر میں ہمراہ رکھانا چاہیے اور گاہ گاہ اس کا مطالعہ کرتے رہیں تو بہت خوب ہے۔

والدعا

مکتوب ہشتم

بنام مستحکم جنگ بہادر☆

درتعزیت وفات شریف حضرت سید محمد حسن صاحب ابوالعلائی قدس سرہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اعزواکرم کریم الشیم ہمہ لطف وتمام کرم نواب مستحکم جنگ بہادر

بعد سلام مسنون ودعائے ترقیات روز افزوں

واضح ہو کہ عارف کامل، واصل اکمل، وحید عصر، حمید دہر، حضرت بابرکت سید محمد حسن صاحب قدس سرہٗ کی رحلت کی خبر معلوم ہوئی۔ مخلص احباب کے دلوں کو بہت رنج پہنچا۔ اگرچہ اِن حضرات کے حق میں موت ایک نعمت ہے، کیونکہ یہ حبیب سے حبیب کی ملاقات کی تکمیل ہے لیکن فیض وانوار حاصل کرنے والوں کے لیے البتہ افسوس کا مقام ہے اور یہ بھی ظاہر کے اعتبار سے ہے کیونکہ ارواح کاملہ کی قوت افاضہ بدن سے جدا ہونے کے بعد اور ترقی کرتی ہے اور اِس حالت میں طالبوں کی طلب وتوجہ صحبت سے زیادہ فائدہ پہنچاتی ہے۔

اس پورے شہر میں حضرت مغفور کی طرح کوئی شخص مَیں نے نہیں دیکھا۔ دوتین روز سے حضرت کی تاریخ وفات برآمد کرنے کی فکر میں تھا کہ کس آیت کریمہ سے برآمد کروں۔ کل رمضان المبارک کی دو تاریخ تھی، چاشت کے بعد مَیں نے حضرت کو خواب میں دیکھا کہ گنبد کے اندر بہترین فرش پر شاداں و فرحاں بیٹھے ہوئے ہیں، جیسے ہی مَیں قریب پہنچا حسب عادت استقبال کو دوڑے اور مصافحہ کیا، فرش پر بٹھایا اور کھانا طلب کیا۔ چند سینیاں کپڑے سے ڈھکی ہوئی سامنے آگئیں، جب ان کا کپڑا اٹھایا مَیں نے دیکھا کہ اُن میں نور تھا۔ مَیں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئیں؟ تو آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی اللّٰہ لطیف بعبادہ یرزق من یشاء وھو القوی العزیز (اللہ اپنے بندوں کے ساتھ مہربان ہے جس کو چاہتا ہے رزق عطا کرتا ہے اور وہ طاقت والا ہے۔ الشوریٰ: آیت ۱۹)

جب مَیں بیدار ہوا دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر اِس آیت کریمہ کے اعداد حضرت ممدوح کی سال وفات کے موافق ہیں تو یہ حضرت کی کرامت ہوگی۔ جب مَیں نے حساب لگایا تو اس کے اعداد بالکل موافق آئے۔ مَیں نے اس حال کی اطلاع آپ کو دینا مناسب جانا جو اُن مقبول بارگاہ ذوالجلال کے محبوبوں میں سے ہیں۔ والسلام خیر الختام

☆ آپ سید صاحب موصوف کے مریدوں میں تھے۔ حسن اخلاق اور محبت دین سے موصوف تھے۔ (ضیا)

مکتوب نہم

بنام حکیم ولایت علی خاں صاحب مقیم گوالیار

بعد القاب وخیریت

جو ہونا چاہیے حق تعالیٰ اس سے محظوظ کرے اور جو نہ ہونا چاہیے اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

درود شریف کا ورد دارین کے خزانوں کی کنجی ہے۔ جس قدر بھی ہو سکے اس کو خود پر لازم کر لو۔ درود شریف کے ورد کے وقت تمام خیالات سے دور ہو جاؤ، حتیٰ کہ پڑھنے والا خود کو اور خودی کو بھی اصلاً خیال میں نہ لائے۔ یہاں تک کہ فنا اور اپنے فانی ہونے کا بھی تصور نہ ہو۔

دعائے حزب البحر پہنچ رہی ہے، سات روز یا کم از کم تین روز روزہ رکھیں اور دودھ اور برنج سے افطار کریں۔ اشراق کی نماز کے بعد غسل کر کے ایک سفید چادر جو غیر مستعمل ہو بدن پر لپیٹ لیں۔ خلوت میں جا کر دوگانہ نماز اس نیت سے ادا کریں کہ اس کا ثواب حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی قدس سرہٗ، جملہ شیوخ طریقت تا حضرت جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام اولیائے امت محمدیہ علی سیدہا الصلاۃ والسلام کو پہنچے۔ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد ایک بار آیت الکرسی اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھیں۔ ان دو رکعات سے فراغت کے بعد مصلے پر بیٹھے بیٹھے اس طریقے سے حزب البحر پڑھیں کہ پہلی مرتبہ دعائے افتتاح سے آخر دعائے حزب البحر تک مع دعائے اختتام پڑھیں، اس کے بعد صرف دعائے حزب البحر بغیر دعائے افتتاح تیس مرتبہ پڑھیں۔ تیسویں مرتبہ آخر میں دعائے اختتام بھی پڑھیں۔ اس کے بعد دو رکعت نماز قضائے حاجت کی نیت سے ادا کریں، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد اکیس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھیں۔ اگر ممکن ہو تو وہ پورا دن اور دیگر ایام بھی خلوت میں گزاریں۔ اور اگر اس کی صورت نہ ہو .... ☆ اور سورۂ کافرون، سورۂ بقر، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس کی تلاوت کریں، ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیں۔ ختم پر بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم تین بار پڑھیں۔

☆ یہاں کچھ عبارت چھوٹی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ ان دونوں جملوں کا باہم ربط سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔

معمولی کپڑا پہنیں اور صرف ضرورت و حاجت کے مقامات پر ہی جائیں۔ جس قدر ممکن ہو مخلوق کی صحبت میں کمی اختیار کریں۔ اسی طریقے پر تین روز یا سات روز عمل کریں۔ باقی اوقات میں اللہ الصمد کا ورد تعداد اور طہارت کی قید کے بغیر جاری رکھیں۔ تین روز یا سات روز کے بعد دعائے مذکور قبل نماز فجر یا اگر یہ نہ ہو سکے تو بعد نماز فجر تین مرتبہ اور بعد نماز مغرب تین مرتبہ اُسی طریقہ مذکورہ کے مطابق پڑھیں یعنی پہلی مرتبہ دعائے افتتاح سے شروع کریں پھر تین مرتبہ نفس دعائے حزب البحر پڑھیں پھر آخری مرتبہ میں دعائے ختم بھی پڑھیں۔ ایک مرتبہ بعد نماز ظہر اور ایک مرتبہ بعد نماز عشا پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے دارین کا فضل عطا فرمائے گا۔☆

☆☆☆

☆ مکتوبات کے بعد مصنف نے حضرت سیف اللہ المسلول کا فارسی رسالہ "شغل مراقبہ حقیقت محمدیہ" نقل کیا تھا۔ ہم اس کو کتاب سے حذف کر رہے ہیں۔ یہ رسالہ ان شاء اللہ اصل فارسی متن، اردو ترجمہ اور ضروری حواشی کے ساتھ جلد ہی شائع کیا جائے گا۔ (مرتب)

اولاد

حضرت اقدس کی شادی جناب قاضی مولوی امام بخش صاحب مرحوم کی دختر سے ہوئی تھی۔ قاضی صاحب بدایوں کے شرفا میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے، نسباً صدیقی تھے، ہمیشہ عہدہ ہائے جلیلہ پر مامور رہے۔

ایک صاحبزادی جن کی شادی حضرت مولانا حکیم سراج الحق صاحب کے ساتھ ہوئی اور جن کے بطن سے جناب مولانا منیر الحق پیدا ہوئے اور دو صاحبزادے حضرت مولانا محی الدین مظہر محمود صاحب اور حضرت مولانا عبدالقادر مظہر حق صاحب حضرت اقدس کی اولاد امجاد سے آپ کی یادگار رہے۔

☆

[مولانا محی الدین عثمانی بدایونی]

امام العلما، مقدام الفضلا حضرت مولانا شاہ مظہر محمود محمد محی الدین القادری قدس سرہٗ۔ صفر المظفر کی سترھویں تاریخ ۱۲۴۳ ہجری قدسی [ستمبر ۱۸۲۷ء] میں آپ پیدا ہوئے۔ 'مظہر محمود' تاریخی نام قرار پایا۔ بچپن سے کمال بزرگی کے آثار چہرے سے نمایاں تھے، تھوڑی سی عمر میں علمی خزائن کو حسن تحقیق کے ساتھ اپنے تصرف میں کرلیا۔ معقول ومنقول کو بزرگ والد نے پیار بھری نگاہوں کے ساتھ اس انداز سے پڑھایا کہ تمام امثال واقران پر فائق ہوگئے۔ بزرگ نام کی بزرگ نسبت نے بھی اپنا رنگ دکھایا، احیائے سنت پر کمر ہمت باندھی، طائفہ وہابیہ کی جان پر آپ کے قلم حق رقم نے چمک چمک کر بجلیاں گرانا شروع کیں۔ ایک طرف آپ کے دستِ شفا نے آب بقا کے جوہر دکھائے۔ فن طب کی طرف طبیعت کا زیادہ رجحان تھا، مریضوں کا ہجوم آپ کے باب کرم پر ہر وقت نظر آتا، آپ نہایت خندہ پیشانی اور شگفتہ مزاجی سے بکمال دل جوئی علاج فرماتے، جود وعطا، خلق وحیا نے آپ کے اوصاف حمیدہ میں اور بھی چار چاند لگادیے۔

خدائے پاک کو تھوڑے دن اس پاک ذات کو دنیا میں رکھنا تھا اس وجہ سے ہزاروں خوبیاں، ہزاروں اوصاف آپ کی ہستی میں جمع کر دیے تھے۔ جوانی میں مراتب باطنی اور مدارج روحانی بھی شباب پر پہنچے ہوئے تھے، بزرگ و مقدس دادا کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر شیخ کی خدا رس نگاہوں کے سہارے منزل قرب کا طواف ہر وقت میسر تھا۔ بیس برس تک جد امجد کی حضوری میں رہ کر حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس کی حضوری کے مزے اُڑائے۔ زہد و اتقا کی شان چہرے سے چمک چمک کر نمایاں ہونے لگی۔ غرض یہ کہ آپ کی ذات تھوڑی عمر میں متجمع صفات تھی، درس و تدریس کا شغل، تصنیف و تالیف کا شوق، عبادت و ریاضت کا کمال، طب و حکمت کا اشتیاق سب ہی کچھ تھا۔

طب میں قانون بوعلی سینا کا حاشیہ بکمال تحقیق متقدمین کی شرحوں سے ملخص کر کے اس خوبی سے لکھا کہ قانون کے تمام مشکل مسائل حل کر دیے۔ اسی طرح 'میر زاہد رسالہ' کا حاشیہ لکھ کر اپنی معقولی شان کا اظہار فرمایا ہے۔ مولوی سراج احمد سہسوانی جو آپ کے ہی گھرانے کے خوشہ چیں تھے اور بعد کو وہابی غیر مقلد ہو کر مناظرے کے میدان میں آئے اور 'سراج الایمان' رسالہ لکھ کر نجدیت کی تائید کی آپ نے رسالہ 'شمس الایمان' میں ساری قلعی کھول دی اور یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ 'شمس الایمان' کی حق نما شعاعوں سے بالکل بے نور ہو کر رہ گیا۔☆

اگر اجل کچھ اور مہلت دیتی تو خدا معلوم کیا کیا علمی نشو و نما آپ سے ہوتی، مگر بمصداق

لا یستأخرون ساعة و لا یستقدمون

[ترجمہ: (جب ان کا وقت آجاتا ہے تو) وہ نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ النحل: آیت ۶۱]

وعدہ کم نہ زیادہ۔ ابھی عالم شباب ہی تھا کہ عین موسم بہار میں صرصر خزاں کا جھونکا آیا۔ یعنی آپ نے بڑے ماموں مولوی غلام حیدر صاحب کی ملاقات کا قصد فرمایا، جو اُن دنوں سہارنپور میں تحصیل دار تھے۔ وہاں جا کر یک بیک آپ سخت بیمار ہو گئے، پیغام قضا و قدر نے اتنی مہلت نہ دی

☆ رسالہ 'شمس الایمان' اردو زبان میں متوسط سائز کے ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے، ذی الحجہ ۱۲۶۶ھ/ اکتوبر ۱۸۵۰ء میں مطبع دہلی اردو اخبار، دہلی سے شائع ہوا۔ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے مولوی عبد العلیم قادری مجیدی (متعلم مدرسہ قادریہ) کی ترتیب و تصحیح کے ساتھ جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ/ مئی ۲۰۱۲ء میں جدید آب و تاب کے ساتھ دوبارہ شائع کیا ہے۔ (مرتب)

کہ مکان واپس تشریف لاتے۔ سہارنپور ہی میں ۶ ذیقعدہ ۱۲۷۰ھ [اگست ۱۸۵۴ء] راہی خلد بریں ہوئے۔ ستائیس سال آٹھ ماہ بائیس روز تک اس فانی گلشن عالم کی سیر فرمائی۔ مزار مبارک آپ کا روضۂ مقدسہ حضرت سیدنا شاہ نور قدس سرہٗ قادری (جو حضرت محی الدین عالمگیر خلد مکانی کے زمانے کے بزرگ اور حضور غوث پاک کی اولاد امجاد سے ہیں) میں جانب شمال واقع ہے۔ یہ آستانہ آبادی سہارنپور سے جانب غرب ہے، اندرون احاطہ دو مزار ہیں ایک قبر جو جانب شرق ہے وہ آپ کے جد مادری قاضی امام بخش صاحب مرحوم کی ہے، دوسری قبر شریف آپ کی ہے۔ احاطہ مذکور کی شرقی دیوار کے نیچے بدایوں کے ایک اور شخص مولوی ابومحمد صاحب مرحوم تحصیل دار کی قبر ہے۔ مقبرۂ متبرکہ کے دروازے پر یہ فقرۂ تاریخی کندہ ہے:

مدفن المولی الاجل محی الدین الحنفی القادری المجیدی

البدایونی اسکنہ الالہ الجنۃ (۱۲۷۰ھ)

آپ کے تلامذہ میں منجملہ شرفائے شہر کے قاضی محمد نذر اللہ ولد قاضی محمد مظہر اللہ مرحوم و قاضی محمد حسین مرحوم اور رؤسائے قاضی محلّہ میر صفدر علی ولد میر حیدر علی مرحوم ساکن محلّہ چاہ میر و قاضی قمر الاسلام ولد قاضی عبدالسلام مرحوم محلّہ کوچہ عباسیان و مولوی سراج الحق ولد قاضی صفی اللہ مرحوم و شاہ احسان اللہ عیاں مرحوم وغیرہ ہیں۔

☆

[مولانا حافظ مرید جیلانی]

مولانا الحاج جناب مولوی حافظ مرید جیلانی صاحب مرحوم۔ آپ صاجزادے حضرت مولانا محی الدین قدس سرہٗ کے ہیں۔ ۱۹ شعبان ۱۲۶۴ھ [جولائی ۱۸۴۸ء] میں پیدا ہوئے۔ 'مظہر احسن' نام تاریخی رکھا گیا۔ صرف چھ برس کی عمر ہوئی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، لیکن بزرگ دادا کی سراپا شفقت آغوش میں رہ کر والد ماجد کی یاد کو بھول گئے۔ ناز و نعم میں پرورش پائی، پیار و محبت کے ساتھ تعلیم دی گئی، حضرت استاذ الاساتذہ مولانا نور احمد صاحب قدس سرہٗ اور حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کی تربیت میں تحصیل و تکمیل علوم کی، فن طب کی طرف زیادہ طبیعت مائل رہی۔

آپ کے حسن اخلاق اور وسعت ہمت نے آپ کے حلقۂ احباب کو وسیع کر دیا تھا۔

روپے پیسے کی آپ کی نظر میں کوئی حقیقت نہ تھی۔ شرف بیعت اپنے مقدس دادا سے حاصل تھا۔ حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ اپنے والد کی طرح آپ بھی عین عالم شباب میں ۸؍ربیع الثانی ۱۲۹۷ھ [مارچ ۱۸۸۰ء] راہیٔ عالم بقا ہوئے۔

ایک فرزند اور ایک دختر اپنی یادگار چھوڑے۔ ایک شادی خاندان میں دوسری شادی محلہ شیخ پٹی بدایوں میں قاضی جمیل الدین صاحب وکیل ایٹہ کی ہمشیر کے ساتھ ہوئی جو ہنوز بقید حیات ہیں۔ آپ کے صاحبزادے حضرت شہید مرحوم مولانا حکیم عبدالقیوم نوراللہ مرقدہٗ تھے۔ لڑکی کی شادی قاضی مبشر الاسلام صاحب عباسی قاضی ریاست رامپور کے ساتھ ہوئی۔

☆

[مولانا حکیم عبدالقیوم قادری عثمانی]

قاسم نورِ ہدایت، قاصم ظہر ضلالت، مجمع العلوم والفہوم حضرت مولانا الحاج الحکیم شاہ محمد عبدالقیوم الشہید مرحوم قدس سرہٗ۔ آپ صاحبزادے جناب مولوی حافظ مرید جیلانی صاحب کے ہیں۔ ولادت با سعادت ماہ عید الفطر ۱۲۸۳ھ [فروری ۱۸۶۷ء] میں ہوئی۔ آپ کے فرجد امجد حضرت سیف اللہ المسلول نے آپ کا نام 'محمد عبدالقیوم' تجویز فرمایا اور 'ذاکر رسول اللہ' نام تاریخی قرار پایا۔ سچ فرمایا گیا ہے الاسماء تنزل من السماء [ترجمہ: نام آسمان سے اتارے جاتے ہیں] ذکر حضرت رسالت شفیع امت نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نام پاک کی برکت سے آپ کا خمیر طینت اور جزو روح بن گیا تھا۔

والد ماجد کی رحلت کے بعد بچپن ہی سے حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کے آغوش شفقت میں تربیت پائی۔ پیار و محبت کے انداز، رحمت و رافت کی نگاہوں نے علم و فضل کا برقی اثر رگ و پے میں ساری کر دیا۔ تھوڑی سی عمر میں بالاستیعاب بکمال تحقیق و تدقیق جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ صرف و نحو، معانی و ادب، فقہ، اصول، تفسیر، حدیث، عقائد، کلام، منطق، فلسفہ، ریاضی وغیرہ حضرت تاج الفحول سے حاصل کر لیے۔ اُس کے بعد طب کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ اولاً حضرت مولانا حکیم سراج الحق صاحب قدس سرہٗ سے علماً و عملاً اس فن شریف کو حاصل کیا، پھر دہلی جا کر جناب حاذق الملک ابو سعید حکیم عبدالمجید خاں صاحب سے بہ نہایت غور و تأمل تحقیق و تدقیق فرمائی۔ جناب حکیم محمود خاں صاحب نے آپ کی ذکاوت و ذہانت دیکھ کر اور یہ سن کر کہ

جناب مولانا حکیم سراج الحق صاحب کے تعلیم یافتہ حاذق الملک سے سند طب حاصل کرنے کو آئے ہیں نہایت فرحت وانبساط کے ساتھ سند تکمیل پر دستخط فرمائے۔

تھوڑی سی عمر میں رب العزت نے وہ دستِ شفا اور ذہن صحیح التشخیص اور فکر رسا عطا فرمائی تھی کہ امراض مزمنہ عسیرۃ العلاج ذرا سی توجہ سے قلیل مدت میں یکلخت زائل ہو جاتے تھے۔ بڑے بڑے اطبا آپ کی خداداد طبی قابلیت پر رشک کرتے تھے، محض خدا کی قدرت ہی قدرت تھی کہ اس درجہ شہرت اس فن خاص میں آپ کو حاصل ہوئی کہ ہندوستان بھر کے مایوس العلاج بیماروں کی تمنائیں آپ کے دولت سرا کا طواف کرنے لگیں۔

علم کلام میں توغل خاص تو میراث خاندانی تھا۔ بالخصوص فرقہ وہابیہ کے ردّ کی طرف پوری توجہ مبذول تھی۔ تحریر اس درجہ پُر زور اور مؤثر کہ مخالف ہیبت کلام سے دم بہ خود ہو جائیں۔ لطافت، فصاحت، نزاکت، بلاغت اور رسلاست عبارت، اس پر شان ارتفاع کلام وحسن نظام ہر ہر فقرے سے آشکار تھی، اس کے ساتھ ہی شوخی و رنگینی 'سونے پر سہاگہ' کا مصداق تھی۔ سیر و مغازی حضرات اصحاب کرام کے بعض حصص کا وہ نفیس اور پُر لطف ترجمہ کیا کہ جان فصاحت قربان ہونے لگی۔ 'تحفہ حنفیہ' جو صرف آپ کی تحریک سے زیر انتظام مولوی قاضی عبد الوحید صاحب مرحوم رئیس پٹنہ جاری ہو کر کئی سال تک نکلتا رہا اُس میں آپ کے علمی مضامین دیکھیے، شان استدلال اور شوخی عبارت دیکھ کر بے ساختہ دل تڑپ جاتا ہے۔

آپ کی تصنیف سے:

[۱] رسالہ بیان شفاعت

[۲] رسالہ فضائل الشہور☆

[۳] رسالہ بیان علم عروض

[۴] رسالہ بیان غربت اسلام☆☆

☆ برادر عزیز مولانا عطیف قادری نے حکیم صاحب کے متفرق رسائل اور مضامین کو 'مضامین شہید' کے نام سے ترتیب دیا ہے، رسالہ 'بیان شفاعت' اور رسالہ 'فضائل الشہور' اس مجموعے میں شامل ہیں۔ یہ کتاب تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ/ نومبر ۲۰۰۸ء میں شائع کی ہے۔ (مرتب)

☆☆ یہ رسالہ ''ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل'' کے نام سے تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء میں شائع کر دیا ہے۔ (مرتب)

[۵] سطوۃ فی رد ھفوات ارباب دار الندوہ [مطبوعہ مطبع شیم سحر بدایوں ۱۳۱۳ھ]

[۶] رسالہ سماع موتی ☆

[۷] رسالہ مبسوط احکام و اسرار صلوات (جو بہ فرمائش امام مسجد جامع سکندر آباد ایام سفر حیدر آباد میں لکھا گیا) آپ کی یادگار ہیں۔

[۸] طب میں رسالہ 'تدابیر معالجات مرضیٰ' اس خوبی سے تحریر فرمایا کہ فہرست ہی میں کل علم طب کے اسرار دقیقہ و رموز خفیہ حل کر دیے۔ یہ رسالہ صرف مسودہ ہی کی حالت میں تھا کہ پیغام اجل آ گیا۔

[۹] اسی طرح سیر و مغازی کا آغاز بطرز ناول اسلامی شروع کیا تھا، صرف چند اوراق مطبوع ہو پائے تھے کہ پیمانہ حیات لبریز ہو گیا۔ ☆☆

[۱۰] 'امہات الامت' کا نہایت مبسوط تحقیقی و الزامی جواب لکھنا شروع کیا تھا جو نا تمام رہا۔

[۱۱] ادب میں 'سبعہ معلقہ' کی شرح تحریر فرمائی، جو پانچ قصیدہ تک صاف ہو کر رہ گئی۔

اس کے سوا بہ کثرت مضامین نافعہ تحفہ حنفیہ میں شائع ہوئے، اگر عمر وفا کرتی تو خدا معلوم کیا کیا کارنمایاں ظہور میں آتے۔ نظم میں بھی ماشاء اللہ عجب لطیف و نازک طبیعت پائی تھی۔ اُردو فارسی کے علاوہ عربی قصائد بھی ارشاد فرماتے مگر کم اتفاق ہوتا۔ ☆☆☆

علوم ظاہریہ و پابندیٔ ظاہر شریعت و تقویٰ کے ساتھ علوم باطن و سلوک طریقت سے بھی خبر دار تھے۔ اجازت و خلافت طریقہ عالیہ قادریہ و دیگر سلاسل چشتیہ و نقشبندیہ و سہروردیہ کی آپ کو

☆ اس رسالے کا نام 'سماع الاموات ثابت بالاحادیث والآیات' ہے، پہلے دو قسطوں میں ماہنامہ 'تحفہ حنفیہ' پٹنہ میں شائع ہوا (تحفہ حنفیہ جلد ۴/ شمارہ ۱ر۲ محرم/صفر ۱۳۱۸ھ) پھر قاضی عبد الوحید فردوسی کے زیر اہتمام مطبع حنفیہ پٹنہ سے ۱۳۱۸ھ میں شائع کیا گیا۔ اب تخریج، تسہیل اور جدید ترتیب کے ساتھ 'مردے سنتے ہیں' کے عرفی نام سے تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء میں شائع کیا ہے۔ (مرتب)

☆☆ یہ سلسلہ 'اسلامی ناول' کے عنوان سے ماہنامہ 'تحفہ حنفیہ' پٹنہ میں قسط وار شائع ہوا تھا، مختلف شماروں میں اس کی آٹھ قسطیں ہماری نظر سے گزری ہیں، پہلی قسط جلد ۱ر شمارہ ۲ر بابت جمادی الاخریٰ ۱۳۱۵ھ اور آٹھویں قسط جلد ۲ر شمارہ ۸ر بابت ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں شائع ہوئی۔ (مرتب)

☆☆☆ حضرت سیف اللہ المسلول کے عرس منعقدہ جمادی الاخریٰ ۱۲۹۸ھ کی روداد 'بہار بے خزان ہدایت' (مطبع آثار سعادت بلند شہر ۱۲۹۸ھ) کے نام سے شائع ہوئی تھی، اس میں حکیم شہید کا عربی اور اردو کلام موجود ہے۔ (مرتب)

حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ اور حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ ☆ اور حضرت مولانا الحاج شاہ حکیم عبدالعزیز مکی قدس سرہٗ سے حاصل تھی۔ دماغ جان خوشبوئے معرفت سے معطر، دل جلوۂ برق جمال سے منور حضور پیران پیر دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شان فنائیت ومحویت جلوہ گر تھی آپ کے ذکر جمیل کے عاشق زار تھے۔

سولہ برس کی عمر میں بہ ہمرکابی حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ فریضہ حج سے فارغ ہوکر حاضر دربار سراپا انوار حضور سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔

دن خدمت ونفع رسانی خلق اللہ میں وقف تھا یا درس کتب طب ہوتا یا مریضوں کے معالجے میں وقت گزرتا۔ غربا کو مفت دوائیں دی جاتیں، بلا کہے غریب مریضوں کے (جو زیر علاج ہوتے) گھر پر تشریف لے جاتے، دامے درمے مدد فرماتے، امیر وغریب کسی سے کبھی بسلسلۂ طب وحکمت ایک پیسہ نہیں لیا۔ سیکڑوں آنکھیں آپ کو یاد کر کر کے اور آج کل کے اطبا کا طرز عمل دیکھ دیکھ کر محو اشک ریزی ہوجاتی ہیں۔ کبھی انجاح حاجات غربا ومساکین میں دوادوش ہوتی، کبھی ہدایت ونفع رسانی مسلمین کے لیے تصنیف رسائل مفید ومضامین نافعہ کا شغل رہتا، شب کو ذکر وفکر یادالٰہی میں استغراق کامل رہتا۔ غرض عجب لیل ونہار تھے۔

آپ نے اپنے حسن تدبیر وفکر صائب سے اِحیائے سنت و اِماتت بدعت کے متعلق ایسے ایسے اہم اور عمدہ ودشوار امور بہ احسن وجوہ انجام دیے جو قیامت تک بطور باقیات صالحات کام دیں گے۔ خاص بدایوں میں بہ سبب اختلاط قرب وقرابت وکثرت مرافقت ومووادت فرقہ شیعہ بعض قلوب میں اس قدر مداہنت نے اثر کرلیا تھا کہ ملاطفت ظاہری کے علاوہ یہ اختلاط ضعف ایمانی کا سبب ہوچلا تھا۔ ماہ محرم الحرام کے عشرۂ اولیٰ میں مجالس ذکر شہادت حضرات سبطین نیرین علیہما السلام میں مراثی شعرائے شیعہ (جن کے شعر شعر کی رگ وپے میں بوئے سبّ وتبرا اور اتہام و افترا سازی ہوتی ہے) خود انہیں کے سوز خوانوں سے یا کتاب خوانوں سے پڑھوائے جاتے تھے۔ اس محیِ سنتِ بیضا نے ان عزاداران اہل سنت کو خواب غفلت سے چونکا دیا۔ اثر تقریر تو وہ خداداد تھا کہ جس سے دو باتیں کرلیں اپنا بنالیا۔ فدائیت حضرت محبوب اکرم دستگیر عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆ مصنف نے حضرت عبدالقیوم شہید کی بیعت کا ذکر نہیں کیا۔ آپ کو نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ سے شرف بیعت وخلافت حاصل تھا۔ (دیکھیے: اکمل التاریخ پر ایک تنقیدی تبصرہ: ص۴)

نے وہ پرتوِ محبوبیت ڈالا تھا کہ سارا شہر ثنا خواں اور فدائی تھا۔

آپ نے ایک مجمع عام اہل سنت میں یہ رائے پیش کی کہ مجالس شہادت کا یہ نامہذب طریقہ بدلنا چاہیے اور طرز مرغوب جو عند اللہ اور عند الرسول مستحسن و محبوب ہو قائم کرنا چاہیے، اگرچہ بادی النظر میں بہ سبب اختلاط و شدت ارتباط یہ طریقہ بدلنا دشوار معلوم ہوتا تھا، مگر آپ کے خلوص قلبی نے رنگ دکھایا، تمام اہل سنت نے متفقہ طور پر آپ کی اصابت رائے کو پسند کیا۔ تین سال تک آپ نے خود اہتمام کیا، ایک ایک دن تین تین چار چار مقام پر ذکر شہادت و فضائل اہل بیت اس خوبی و خوش اسلوبی سے بیان فرماتے کہ عرصۂ مجلس نمونۂ میدان کربلا بن جاتا، در و دیوار گریہ کناں معلوم ہوتے، بعض وقت خود بھی روتے روتے بے ہوش ہو جاتے۔ واقعات شہادت کا بیان کرنا دراصل آپ کا حصہ ہو گیا تھا، التزام صحت روایات اس قدر تھا کہ کیا ممکن کبھی ایک لفظ خلاف طریقۂ حقہ اہل سنت نکل جاتا۔ واقعات شہادت کے متعلق ایک رسالہ بھی صحت روایات کے ساتھ آپ نے ترتیب دینا شروع کیا تھا جو پورا نہ ہو سکا۔

تحفظ عقائد کے لیے آپ نے جامع مسجد شمسی کے قدیم مدرسے کو جو غرقِ نمکدانِ فنا ہو چکا تھا از سر نو حیات تازہ بخشی۔ اپنے پُر زور مواعظ سے شہر والوں کے قلوب کو ہلا ڈالا۔ ۱۱ر صفر ۱۳۱۷ھ [جون ۱۸۹۹ء] کو مدرسے کا افتتاحی جلسہ نہایت عظیم الشان پیمانے پر منعقد کیا گیا، علما و مشائخ شرکت کے لیے تشریف لائے۔ الحمد للہ کہ وہ مدرسہ اب تک جاری ہے اور آپ کے صاحبزادے مولانا محمد عبد الماجد صاحب کے زیر اہتمام جو ترقی کر رہا ہے وہ کوئی پوشیدہ راز نہیں ہے، ہر سال کے عظیم الشان جلسے مدرسے کی ترقی کی شہادت دیتے ہیں۔

شہید مرحوم کے احسانات بدایوں اور اہل بدایوں کبھی فراموش نہیں کر سکتے، باوجود کثرت مشاغل حفظ کلام مجید کا شوق یک بارگی پیدا ہوا۔ رمضان المبارک میں دن کو تھوڑا تھوڑا یاد کر کے شب کو محراب میں سناتے، لیکن نوبت اتمام نہ پہنچی۔ اس طرح آپ نے زمرۂ حفاظ کلام ربانی میں بھی اپنا چہرہ لکھا لیا۔ جہاں آپ کا حسن اخلاق، حسن سیرت مرادات ایک عالم کو گرویدہ بنائے ہوئے تھا وہاں آپ کے حسن صورت میں بھی شان محبوبیت حضور محبوب اکرم دستگیر عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پورا جلوہ تھا۔

والدِ بزرگوار اور جد امجد کی طرح قسام ازل کی بارگاہ سے تھوڑی عمر لکھا کر لائے تھے،

جمادی الاخریٰ ایام عرس شریف حضرت سیف اللہ المسلول میں حسب معمول قسم جمادی الاخریٰ کو فضائل اہل بیت اطہار وائمہ کبار اور ذکر شہادت بیان کیا جاتا تھا۔ ۱۳۱۸ھ [۱۹۰۰ء] ماہ مبارک کو مزار فائز الانوار کے مواجہ میں بیٹھ کر آپ نے بیان شہادت کچھ اس رنگ اور جوشیلے انداز سے پڑھا کہ ساری محفل نمونہ محشر بن گئی، درودیوار سے برکات وانوار کربلائے معلیٰ کی بارش ہوتی معلوم ہوتی تھی۔ ہزار ہا اہل اسلام، سادات کرام، مشائخ عظام، علمائے اعلام (جو بہ تقریب عرس سراپا قدس شریک محفل تھے) بیخودانہ اضطراب کے ساتھ اشک بار تھے۔ ختم بیان کے وقت جب دعا کو ہاتھ اُٹھائے عروس قبول باب اجابت کے جھروکوں سے لبیک گویاں برآمد ہوئی۔ حضار محفل ہر دعائیہ فقرے پر پکار پکار آمین کہتے جاتے تھے، دفعتاً بکمال جذبۂ حقانی وکشش غیبی یہ دعا بھی مانگی کہ ''الٰہی بہ برکت شہادت اہل بیت رسالت وعزت خاندان نبوت اپنے اس بندۂ گناہ گار کو بھی خمخانۂ شہادت سے ایک جام عطا ہو''۔ اگرچہ آپ کا بکمال الحاح وتضرع حضرت رب العزت میں یہ عرض کرنا سب احباب کے دل میں ایک عجب طرح کا ولولہ انگیز اثر کر گیا، مگر چونکہ حجاب غفلت درمیان تھا اس وقت کوئی یہ نہ سمجھا کہ یہ دعا تیر بہ ہدف بن چکی اور اس سچے خلوص والے کے پاک قلب سے نکل کر سیدھی دربار قبول تک پہنچی اور اجابت کے گہوارے میں اپنا بستر استراحت سجا لیا۔ لواقسم علی اللہ لأ برہٗ ☆ کی شان تجلی ریز ہوئی، اُس وقت اس مشتاق قلب کی مچلی ہوئی تمناؤں کا سچے جذبے کے ساتھ دعا کرنا اور ہزاروں اہل اسلام کا آمین کہنا ایسا مؤثر ہوا کہ چالیس روز کے اندر ہی اندر عروس شہادت سے خلوت قرب واتصال میں ہم کنار ہوئے:

من طلب الشهادة صادقا اعطيها ولو بمرضه

یعنی جو شخص خدا سے درجۂ شہادت مانگے گا اور صدق وخلوص سے یہ دعا کرے گا وہ اگرچہ ظاہر میں شہید نہ ہو لیکن اس مرتبے کی سرفرازی اُس کو حاصل ہوگی۔

اِس دردانگیز سانحۂ ہوشربا اور حادثۂ جاں گزا کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ پٹنہ میں قاضی عبد الوحید صاحب مرحوم کے مدرسۂ اہل سنت کا شش ماہی جلسہ امتحان تھا، قاضی صاحب مرحوم کو آپ کے ساتھ ایک خاص عقیدت آمیز محبت تھی، اِس وجہ سے جلسے کا سارا دارومدار آپ پر موقوف کر دیا

☆ یہ حدیث پاک کا ایک جز ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر اللہ کا نام لے کر کسی بات کی قسم اٹھالیں تو اللہ ضرور اس بات کو پورا کرتا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (مرتب)

تھا۔ پیشتر سے آپ نے تمام علمائے اہل سنت کو شرکت کے لیے مدعو کیا، اطراف و جوانب میں خود چل پھر کر مشائخ کو آمادۂ شرکت کیا، یہاں تک کہ آپ کی سعی اور شان اثر کی بدولت تمام مشاہیر اہل سنت پٹنہ پہنچ گئے۔ ٹھیک وقت پر خود بھی بہ ہمراہی حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ ایک پُر رونق قافلے کی برات کے دولہا بن کر بدایوں سے روانہ ہوئے۔

ریل کے سفر میں اوقات مستحبہ صلوٰۃ خمسہ کا انتظام جس قدر دشوار ہے وہ ظاہر ہے، لیکن آپ کی ہمت قویہ کے سامنے رب العزت نے اس کو بھی آسان کر دیا تھا۔ اثنائے راہ میں ایک اسٹیشن پر نماز فجر کے اہتمام کے واسطے بہ قصد طہارت اُترے، جب پھر چڑھنے کا قصد کیا تقدیر ازلی نے اپنی طرف ہاتھ کھینچا، پاؤں پھسلا، ریل چل نکلی، گر کر ریل کے نیچے قریب پہیے کے پہنچ گئے، حتیٰ کہ دامن اُس کے ساتھ اُلجھ کر گردش کھانے لگا، جس کے باعث کئی مرتبہ یہ نوبت آئی کہ خود بھی پہیے کے نیچے آکر دب جائیں اور طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے لیکن خود فرماتے تھے کہ ''اس حالت میں میرے ہوش وحواس بالکل بجا تھے اور ذرا بھی ہراس و وسواس پاس نہ تھا توجہ کامل اور اخلاص دل روح پرفتوح حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مائل اور مستمند ومتوسل تھا، ہر گردش میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص بار بار اُس جانب سے ہٹا کر باہر کی طرف کر دیتا ہے''۔

اس حالت میں اگر جسم نازک گرنے کے باعث زخموں سے چور تھا، لیکن کرامت قویہ کا کس قدر کھلا ہوا ظہور تھا کہ جس وقت ریل روکی گئی ہے یہ مرد خدا اپنی قوت ہمت سے اسم اعظم پڑھتا ہوا ریل کے نیچے سے خود نکل آیا۔ تمام دیکھنے والے متحیر تھے سب کو موت کا یقین تھا، یہ تحیر اور بھی ترقی پذیر ہوا جب بغور دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کوئی زخم کاری نہیں ہے نہ کسی مقام پر کوئی ضرب شدید آئی ہے، ہاتھ پیر ٹوٹنا تو درکنار۔ مسافرین میں اس خرق عادت کا غلغلہ بلند ہوگیا۔ ہم راہیانِ پریشاں خاطر نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

جب ذرا آپ کی طبیعت کو افاقہ معلوم ہوا تو مکان واپسی کا اصرار کیا، لیکن آپ نے یہی فرمایا کہ ''اب مکان پلٹنا منظور نہیں، جس نیت سے گھر چھوڑا ہے وہ کام دینی ہے اور امر اہم ہے، اُس کی شرکت جان سے مقدم ہے''۔ اللہ اکبر خاصانِ حق ایسے ہوتے ہیں، کن کن تکالیف کا سامنا اور کیسی ہمت؟ بے شک اہل اللہ میدانِ محبت کے سچے ثابت قدم جان کو جان بوجھ کر

رضائے جاناں میں مٹانے والے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ [ترجمہ: اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے] کے کامل مصداق اللّٰھم اجعلنا منھم

آپ کے اصرار سے آپ کو عظیم آباد لے گئے، راہ میں 'چوسہ' اسٹیشن پر ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا کہ وہاں پلیگ ڈیوٹی کے ڈاکٹر نے قرنطینہ میں روک لیا، بدقت تمام یہاں سے نجات حاصل ہوئی، پٹنہ پہنچے۔ وہاں آپ آٹھ روز تک صاحب فراش رہے، پھر عارضۂ اسہال شروع ہوا، پھر اُسی میں درد ذات الجنب [پسلی کا درد] کے دورے کی شدت ہوئی، لیکن ان سب مصائب میں جن کو سن کر کلیجہ منھ کو آتا ہے اس جاں فروش اسلام نے کبھی زبان سے اُف نہ کیا، کبھی کوئی کلمہ شکایت یا محبت دنیا یا یادِ وطن کا لب تک نہ آیا، ہر وقت ذکر و فکر و یاد خدا اور رسول کا وظیفہ تھا۔ 'ذاکر رسول اللہ' جو کہ تاریخ ولادت تھی اسی کا کرشمہ وقت وفات تک اظہار ہوتا رہا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اشرار ندوہ کی خلاف انسانیت شرمناک سازش بذریعہ کسی دوائے مہلک کے آپ کی شہادت کا باعث ہوئی، کیوں کہ 'ندوہ' کو اس فاضل نوجوان کی ذات والا صفات سے بڑی بڑی مذہبی خفتیں اُٹھانا پڑی تھیں اور اُس وقت دونوں جلسے عظیم الشان پیمانوں پر وہاں ہو رہے تھے۔

اِدھر تیرھویں تاریخ ماہ رجب المرجب کو جلسۂ اہل سنت کا اختتام ہوا علمائے کرام اور مشائخ عظام نے جو اُس روز بھی حسب معمول بعد ختم جلسہ آپ کی عیادت کو تشریف لائے اور ختم جلسہ کی خبر آپ کو پہنچائی اُدھر آپ نے شکریہ الٰہی ادا فرمایا اور نہایت مردانہ وار نماز عشا مع وتر ادا فرمائی۔ اُس کے بعد قریب آدھ گھنٹہ یاد الٰہی میں مصروف و مستغرق رہ کر شب پنجشنبہ میں (جس کی صبح کو چودھویں تاریخ ہونے کو تھی) نہایت سرور و انبساط کے ساتھ ۳۵ سال کی عمر میں واصل بہ حضرت ذوالجلال ہو گئے:

صورت از بے صورتی آمد بروں　　　عاقبت انا الیہ راجعون

جہان اسلام میں کہرام مچ گیا، اہل سنت کی سجی سجائی برات کا دولہا غربت و بے کسی میں عروس شہادت سے ہم کنار ہوا، باغ قادری کا نوشگفتہ پھول یکا یک مرجھا گیا، چمنستان علم کا تازہ و شاداب گل نو بہار یک بیک کمھلایا۔ ہندوستان بھر میں اس سانحہ عظیم سے قلق و ملال کی ایک لہر دوڑ گئی، بکثرت اکابر علما و مشائخ، صلحا و اتقیائے اہل ہند کا اجتماع اُس وقت بہ سبب جلسہ اہل سنت و ندوۃ العلما پٹنہ میں ہو رہا تھا تھوڑی دیر میں سارے شہر میں آپ کی خبر رحلت مشہور ہو گئی۔

حضرت سیدی تاج الفحول نے حضرت مولانا حافظ شاہ عبدالصمد صاحب مودودی چشتی سہسوانی کو یہ فرما کر کہ ''سید صاحب! آپ شہید مرحوم کے بہت زیادہ ناز بردار اور اُن کی آرائش کا ہر وقت خیال رکھنے والے تھے آج آپ ہی ان کو غسل میت بھی دیجیے''، غسل کے لیے منتخب کیا۔ چنانچہ حضرت سید صاحب اور حضرت اقدس مولانا شاہ مطیع الرسول قبلہ مدظلہم العالی [نے] بشراکت مولانا فضل مجید صاحب مرحوم اور مولوی مفتی کرم احمد صاحب، مولانا عبدالواحد خاں صاحب رامپوری غسل دیا۔ مولوی ستّار بخش صاحب قادری جوز رادیر کو بھی جدا نہ ہوتے تھے بانکی پور سول سرجن کے بنگلے پر بھیجے گئے تاکہ شب ہی میں جنازے کی روانگی کا سارٹیفکٹ لکھوالیا جائے۔

بعد تجہیز و تکفین نماز جنازہ شب ہی میں ادا ہوئی۔ تمام علما و مشائخ، موافق مخالف بجز قاضی علی احمد بدایونی جو باوجود اطلاع یابی اور موجودگی نہ نماز میں شریک ہوئے نہ جنازے کی معیت میں حصہ لیا اور باقی اکثر شریک تھے۔ بفرمائش حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ حضرت مولانا شاہ امین احمد صاحب بہاری سجادہ نشین آستانہ حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھائی۔ شاہ صاحب صوبہ بہار کے جلیل القدر مشائخ اور اپنے وقت کے فرد الافراد تھے، جلسہ اہل سنت میں حضرت تاج الفحول نے آپ کو ہی صدر بنایا تھا۔

نماز جنازہ کے بعد حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ حضرت قبلہ مولانا [شاہ عبدالمقتدر] صاحب مدظلہ سے یہ فرما کر کہ ''مَیں دہلی جاتا ہوں اور وہاں سے شہید مرحوم کی اہلیہ محترمہ کو ہمراہ لا کر غالباً آنولہ ریلوے اسٹیشن پر شامل جنازہ ہو جاؤں گا''، چار گھنٹہ قبل فرودگاہ سے رخصت ہو کر اسٹیشن تشریف لائے۔ ٹکٹ لے لیے، لیکن اسی اثنا میں مولوی محمد فاروق صاحب چریا کوٹی اسٹیشن پر آگئے۔ بجائے اس کے کہ آپ کے لخت جگر کی تعزیت کرتے، سلسلۂ کلام اس طرح شروع کر دیا کہ ''مَیں مولانا عنایت رسول صاحب چریا کوٹی کا چھوٹا بھائی اور شاگرد ہوں، جو آپ کے والد ماجد کے تلامذہ میں سے تھے، اِس اعتبار سے آپ میرے استاذ زادے اور واجب التعظیم بزرگ ہیں، مَیں ندوہ میں بغرض اصلاح شریک ہوا ہوں اور مدرسی کو بھی اسی نیت سے قبول کیا ہے''۔ اس کے بعد ندوہ کی خرافات کا اقرار کرتے ہوئے اُس کی اصلاح کے متعلق مکالمہ شروع کر دیا۔ جس کا مجمل تذکرہ 'دربارِ حق و ہدایت' میں موجود ہے۔

یہاں صرف حضرت تاج الفحول کی حقانیت و حق گوئی قابل دید ہے کہ باوجود اس شدید صدمے اور اس سخت پریشانی کے اظہار حقانیت میں کسی بات کی پروانہیں ہے، یہاں تک کہ دو ٹرینیں دہلی جانے والی روانہ ہوگئیں اور جنازہ بھی اسٹیشن پر آ گیا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے جب یہ سنا کہ حضرت تاج الفحول ہنوز اسٹیشن پر موجود ہیں اور ایک بے موقع اور فضول گو سے مکالمہ فرما رہے ہیں فوراً حضرت تاج الفحول کے قریب حاضر ہوئے، مولوی فاروق صاحب کی اس حرکت پر سخت غضبناک ہوئے، آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں۔ حضرت فاضل بریلوی کا یہ غصہ اگر چہ صرف اس اظہار افسوس کے لیے تھا کہ باوجود علم کے مولوی فاروق صاحب نے ایک پاک دکھے ہوئے دل پر بے کار نمک فشانی کی ہے اور ایسے سخت ضروری وقت میں بے کار بحث چھیڑ کر وقت ضائع کیا ہے۔ تاہم حضرت تاج الفحول نے فاضل بریلوی کے غصے کو یہ کہہ کر فرو فرمایا کہ:

> ''مولانا! اگر چہ مولوی عبد القیوم میرے ایک بچے کا انتقال ہو چکا، اب میرا دوسرا حقیقی بیٹا مولوی عبد المقتدر (صاحب) (خدانخواستہ) بھی اگر فوت ہو جائے تو بھی مجھے کچھ پروانہ ہو اور میں مولوی فاروق ہوں یا اور کوئی مولوی صاحب ہوں اظہار حق میں ذرا دریغ نہ کروں''۔

حضرت فاضل بریلوی فرط ادب سے ''حضور بجا و درست'' کہہ کر خاموش تو ہو گئے مگر مولوی فاروق صاحب کی اس بے محل گفتگو اور بے وقت وعدۂ وعید سے سخت ناراض تھے اور بار بار سورۂ منافقون کی بلند آواز سے تلاوت فرماتے تھے۔

غرض حضرت تاج الفحول دہلی روانہ ہوئے اور جنازہ اسپیشل گاڑی میں بدایوں کو براہ آنولہ روانہ ہوا۔ جس وقت سے شہر میں اس نوشاہ قادری کی شہادت کی خبر متعدد تاروں سے معلوم ہوئی اُسی وقت سے سارا شہر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ وقت وقت اور منٹ منٹ کا انتظار ہو رہا تھا۔ بریلی، شاہ جہاں پور، لکھنؤ تک لوگ پہنچ چکے تھے آنولہ پر تو صدہا متوسلین کا ایک روز قبل سے ہجوم تھا۔ ۱۶؍رجب المرجب شب کے وقت گاڑی آنولہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچی اور سترھویں رجب کو علی الصباح آنولہ سے چل کر حوالی بدایوں میں جنازہ آ گیا۔ سارا شہر گریہ کناں معیت میں تھا، در و دیوار سے گریہ و بکا کی آوازیں آتی تھیں۔ اُسی دن اس نونہال گلشن قادری کو آستانہ قادریہ میں

اپنے فرجد امجد کے پاس مزار کچوا استراحت کردیا گیا۔

یہاں یہ بات بھی قابل تذکرہ ہے کہ حضرت تاج الفحول نے جب قصیدۂ مبارک:

مہرباں مجھ پہ ہے اللہ تعالیٰ میرا　　غوث اعظم کو کیا فضل سے آقا میرا

تحریر فرمایا تو حضرت شہید مرحوم نے عرض کیا کہ حضور یہ شعر:

نام والا جو لکھا جائے کفن پر میرے
دھوم پڑ جائے جدھر نکلے جنازہ میرا

مجھے مرحمت فرمایا جائے۔ حضرت اقدس نے ''بہ تو بخشیدم'' [ترجمہ: مَیں نے یہ تم کو دیا] کہہ کر سکوت فرمایا۔ نتیجہ و مآل شعر رونما ہو کر رہا۔

شہید مرحوم نے دو صاحبزادے ایک مولانا عبدالماجد صاحب اور ایک عبدالحامد صاحب اور ایک صاحبزادی جو مولوی ظہور الحق (نواسۂ حضرت مولانا سراج الحق صاحب قدس سرہٗ) کے عقد میں ہیں اپنی یادگار چھوڑیں۔

اس سانحۂ جانکاہ پر بے حد تاریخیں عربی و فارسی [و] اردو میں اہل فن نے لکھیں۔ تعزیت کے خطوط نثر و نظم، قطعے، مسدس، مثنویاں سب ہی کچھ موصول ہوئے، جن میں سے چند یہاں بھی تحریر کی جاتی ہیں باقی بخوف طوالت آئندہ کسی موقع کے لیے ملتوی کی جاتی ہیں۔

قطعہ

[از مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی]

عالم کامل طبیب نامدار　　عبد قیوم آں وحید روزگار
از شہادت منصب اعلیٰ گرفت　　روح پاکش رفت در دارالقرار
ماتمی از فوت او اہل جہاں　　نوحہ خواں اندر فراقش روزگار
تا بہ کے ایں گریہ نالہ تا بہ کے　　تا بہ کے باشی حسنؔ تو اشکبار
صبر کن تاریخ رحلت خوش نویس　　شد بجنت عالم عالی وقار
١٣١٨ھ

☆☆☆

[مولانا حکیم عبدالماجد قادری بدایونی]

مخدومی ومطاعی جناب مولانا شاہ حکیم محمد عبدالماجد صاحب قادری دامت برکاتہم۔آپ کی ولادت ۱۳۰۴ھ[۸۷-۱۸۸۶ء] میں ہوئی،'منظورِحق' تاریخی نام ہے۔تحصیل وتکمیل مدرسہ قادریہ میں ہی کی،حضرت شہید مرحوم اور حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ سے بھی علمی فیض وبرکت حاصل کی۔ابتدائی تعلیم مولانا محبّ احمد صاحب قبلہ سے پائی،تکمیل حضرت[مولانا شاہ عبدالمقتدر] قبلہ مدظلہم الاقدس سے کی۔فن طب کی سند تکمیل حکیم غلام رضا خاں صاحب دہلوی سے حاصل کی۔دہلی سے سند طب حاصل کرنے کے بعد بدایوں آکر جو علمی خدمات انجام دیں وہ عالم آشکار ہیں۔مدرسہ شمس العلوم کو زندگی تازہ بخشی،شہر میں چہل پہل کو از سرنو فروغ دیا۔

وعظ کی ابتدا حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کے سامنے ہی ہو چکی تھی،لیکن اب تو زورتقریر کے اعتبار سے ملک میں فرد و یکتا مانے جاتے ہیں۔ہندوستان کے مشاہیر واعظین میں شمار ہوتا ہے،آپ کی شہرت منت کشِ تحریر ہونے سے بے نیاز ہے۔بڑی بڑی انجمنیں،بڑی بڑی تحریکیں آپ کی شرکت سے فروغ پاتی ہیں۔جس کام میں ہاتھ ڈالا اُس کو معراج ترقی پر پہنچا کر چھوڑا۔

زورتقریر کے علاوہ زورتحریر بھی ایک نئی شان کے ساتھ موجود ہے،نظم ونثر بےتکلف قلم برداشتہ لکھنا ایک معمولی سی بات ہے۔باوجود اس عظمت ووقار کے(جو تمام ملک میں کیا جاتا ہے) مزاج میں خودی وخودنمائی نہیں۔ہر شخص سے بےتکلفی،ہر بات میں سادگی،آن والوں کے ساتھ آن،محبت والوں کے ساتھ محبت جز و اخلاق ہے،تمام شہر گرویدہ ہے۔مدرسہ شمس العلوم کے سالانہ جلسوں میں آپ کی سعی مشکور ہوتی ہے،وعظ کا ملکہ چھوٹے چھوٹے بچوں میں پیدا کر دیا ہے،ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں چھوٹے چھوٹے بچے نہایت بےباکی کے ساتھ تقریر کرتے ہیں،جو ہر سال ہزاروں لوگ دیکھتے ہیں۔

عزیزم مولوی جمیل احمد صاحب قادری اور مولوی عبدالواحد صاحب (مولوی فاضل) مولانا سید عیسیٰ علی صاحب ومولوی حکیم حبیب الرحمٰن صاحب مارہروی (جو اپنی خوش بیانی اور زوردار تقریروں کے باعث واعظین کے زمرے میں آچکے ہیں) صرف آپ کی ہی کوشش کے ثمرات ہیں۔

تصنیف کا شغل بھی ہے:

[۱] خلاصۃ العقائد

[۲] خلاصۃ المنطق

[۳] خلاصۂ فلسفہ

[۴] دربار علم

[۵] جواز عرس

[٦] القول السدید وغیرہ تصنیفات مقبول ومشہور ہیں۔

شادی جناب مولوی ابرار الحق صاحب کیفؔ مرحوم کی دختر سے ہوئی ہے۔ دو لڑکے عبدالواجد اور عبدالواحد صغیر سن موجود ہیں۔ خداوندکریم عمرودرجات میں ترقی عطا فرمائے۔☆

[مولانا عبدالحامد قادری بدایونی]

صاحبزادہ مولوی عبدالحامد صاحب سلمہ۔ یہ چھوٹے صاحبزادے حضرت شہید مرحوم کے ہیں۔ منجانب والدہ آپ کا سلسلۂ نسب حضور غوث اعظم تک پہنچتا ہے۔ حکیم صاحب کے سامنے ہی بتاریخ ۱۳۱۸ھ [۱۹۰۰-۰۱ء] دہلی میں پیدا ہوئے، چونکہ ایام حمل پورے ہونے سے پہلے ساتویں مہینے پیدا ہوئے اس لیے بالکل مضغہ گوشت تھے۔ بڑی اللہ آمین سے پالے گئے، خدا نے زندگی عطا کی، ایام رضاعت ہی میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، والدہ نے پالا پرورش کیا۔

اس وقت خدا کے فضل سے پندرھویں سال میں ہیں۔ حضرت صاحبزادۂ گرامی قدر مولانا عبدالقدیر صاحب سے تعلیم پاتے ہیں، 'محمد ذوالفقار حق' تاریخی نام ہے۔ خداوندکریم علم وعمر میں برکت دے۔☆☆

[تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی]

قبلۂ ارباب قبول، حضرت تاج الفحول 'شیخ الاسلام فی الہند' شاہ مظہر حق عبدالقادر محبّ الرسول قدس سرہٗ۔ آپ حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ کے صاحبزادۂ اصغر ہیں۔ ولادت باسعادت ۱۷رجب المرجب ۱۲۵۳ھ [اکتوبر ۱۸۳۷ء] کو ہوئی۔ بہ الہام باطن 'شیخ الاسلام فی الہند' یوم ولادت سے بطور اسم تاریخی آپ کا لقب قرار دیا گیا۔ جدامجد حضرت سیدی عین الحق قدس سرہٗ نے 'مظہر حق' تاریخی نام مقرر فرمایا اور بروز عقیقہ باشارۂ حضور غوثیت مآب دستگیر عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا اسم شریف

☆ مولانا عبدالماجد بدایونی کے مزید حالات کے لیے دیکھیے ضمیمہ صفحہ 392

☆☆ مولانا عبدالحامد بدایونی کے مزید حالات کے لیے دیکھیے ضمیمہ صفحہ 397

عبدالقادر رکھا گیا۔ والد بزرگوار نے محبّ الرسول جزونام قرار دیا۔

آپ کے ایام طفولیت کے دیکھنے والے متواتر بیان کرتے ہیں کہ اُس زمانے میں جب کہ عام بچوں کو بات کرنے تک کا ہوش نہیں ہوتا سوائے لہوولعب کچھ سمجھ بھی نہیں سکتے آپ کو ایسا احیائے دین متین اور اتباع شرع مبین ملحوظ خاطر تھا کہ بلا کسی کی تعلیم کے بدعات مروجہ زمانۂ حال یعنی تعزیہ وغیرہ دیکھنے تک کے روادار نہ ہوتے تھے، نہ کسی امر خلاف شریعت کی طرف کبھی طبع اقدس متوجہ ہوتی تھی۔ تقریب بسم اللہ خوانی آپ کے جد امجد حضرت [مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید] قدس سرہٗ المجید نے ادا فرمائی۔ اُس کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت اُستاذ الاساتذہ مولانا نوراحمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے (جو آپ کے عم مکرم تھے) کمالات علمیہ میں آپ کو معراج کمال تک پہنچایا۔

اُس کے بعد آپ نے معقول کو حضرت استاذ مطلق علامۂ عصر جناب مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ سے بکمال تحقیق اخذ فرمایا۔ حضرت استاذ مطلق اپنے تلامذہ میں سے آپ پر ناز کرتے، آپ کی تعلیم مایۂ اعزاز جانتے اور آپ پر ہمیشہ فخر کرتے۔ اکثر فرمایا کرتے کہ:

> صاحبِ قوت قدسیہ ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے وقتاً بعد وقتٍ اور عصراً بعد عصرٍ پیدا ہوتے ہیں اگر اِس زمانے میں کسی کا وجود مانا جائے تو (آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ) یہ ہیں۔

یہ بھی بار بار کہا کرتے کہ:

> ان کے ذہن کی جودت وسلاست ابوالفضل وفیضی کے اذہان ثاقبہ کی جودت کو مات کرتی ہے۔

اسی طرح آپ کے والد ماجد آپ کے ذہن خداداد کی شان میں ارشاد فرماتے کہ:

> مجھ سے مولانا فیض احمد صاحب قدس سرہٗ کی ذہانت و ذکاوت زیادہ ہے، مگر برخوردار عبدالقادر کی ذہانت مجھ سے اور مولوی فیض احمد صاحب دونوں سے زیادہ ہے۔

مولانا فضل حق علیہ الرحمۃ کے صدہا شاگردوں میں چار بزرگ عناصر اربعہ سمجھے جاتے ہیں۔ ایک مولانا کے صاحبزادے مولانا عبدالحق صاحب، دوسرے مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری،

تیسرے مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب رامپوری، چوتھے حضرت تاج الفحول رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین، لیکن بقول حضرت مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی:

> ہر سہ اصحاب کسی خاص فن میں یکتائے عصر اور وحید روزگار ہیں، مگر حضرت تاج الفحول کا تبحر اور جامعیت جملہ علوم وفنون میں ہے۔

اس بات کے آنکھوں سے دیکھنے والے صدہا موجود ہیں کہ جس زمانے میں حضور اقدس تاج الفحول 'کافیہ' پڑھتے تھے، 'فوائد ضیائیہ' کا اپنے طلبہ کو بلا تکلف خوب سمجھا کر درس دیا کرتے تھے۔

بعد فراغ علوم عقلیہ ونقلیہ سند اجازت حدیث اپنے والد ماجد سے لی اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۱۲۷۹ھ قدسی [۶۳-۱۸۶۲ء] میں جب پہلی بار حرمین شریفین کی حاضری کا قصد کیا بذریعہ والا نامہ خلافت عامہ وو راثت تامہ سے سرفرازی بخشی گئی۔ وہ ودائع جو سینہ بہ سینہ مفوض ہوتے چلے آتے تھے اپنے مقر پر آٹھہرے۔☆

اسی سفر میں حرم محترم میں حاضر ہو کر بہ ارشاد والد بزرگوار امام المحدثین، مقدام المفسرین حضرت سیدنا مولانا شیخ جمال عمر حنفی المکی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت سند حدیث حاصل فرمائی۔ علم حدیث میں امام بخاری، فقہ میں حضرت امام اعظم امام الائمہ ابوحنیفہ کوفی، اصول میں امام علی بزدوی فخر الاسلام، تصوف وسلوک میں امام غزالی، تصوف وحقائق میں حضرت شیخ ابن عربی سے اگر آپ کو تشبیہ دی جائے تو اہل حق تسلیم کرنے کے لیے گردن جھکا دیں۔

اسی طرح نسبت قویہ قادریہ کے اعتبار پر اگر آپ کو مظہر اتم حضور غوث اعظم قرار دیا جائے تو اہل بصیرت عبدالقادر ثانی آپ کو سمجھنے کے لیے آمادہ نظر آئیں۔ معقولات باوجود بے تعلقی کے اور قصداً اور عمداً بعد اختیار فقر کے یک لخت چھوڑ دینے کے جب آپ کے سامنے معمولی دماغ والے طلبہ کوئی مسئلہ پیش کرتے تو کیسا ہی مشکل سے مشکل مقام ہوتا ادنیٰ سے ادنیٰ توجہ میں اس فصاحت ووضاحت سے سمجھا دیا جاتا کہ بڑے بڑے مناظرین وفلاسفہ منھ دیکھتے رہ جاتے۔ عرفانی فلسفے کی چمک اور حقائق تصوف کی جھلک نے وہ جلوہ ریزی کی کہ فلسفہ یونانیان بالکل نگاہوں سے گر گیا۔ روحانیات کا عالم تجلیات ہر وقت پیش نظر تھا، پھر ظلمت سائنس کی کیا وقعت آپ کے نزدیک ہو

☆ حضرت تاج الفحول کو نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ نے بھی بعض اوراد واشغال کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ دیکھیے: اکمل التاریخ پر ایک تنقیدی تبصرہ: ص ۳ (مرتب)

سکتی تھی، ایک مقام پر خود ارشاد فرماتے ہیں:

پڑھا تھا یا لکھا تھا علم دنیا جس قدر مَیں نے
گیا وہ شکر حق سب بھول یا محبوب سبحانی

باطن بینی کی لذت آشنا نگاہیں جب عرفان الٰہی کی پر فضا مناظر کی سیریں کرنے لگتی ہیں تو ظاہری علوم سے اسی طرح اظہار بے زاری کیا جاتا ہے، جیسا کہ ارباب بصیرت و اصحاب طریقت کے اقوال سے ظاہر ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

آنکہ جانش ذوق عرفاں یافتہ — نور غیبی در درونش تافتہ
سوئے قیل و قالہا کے روکند — کے نظر جز نور حق ہر سو کند
او ز اسرارِ قدم آگاہ شد — باقی باللہ و فنا فی اللہ شد
علم ظاہر پیش او یک ذرۂ — جوش طوفانِ خرد یک قطرۂ
بق بق پس خوردۂ یونانیاں — ہیچ باشد پیش علم روح شاں
صد نکات و صد رموز فلسفہ — بدتر از صد جہل پیش معرفہ
عارف دانندۂ اسرار کن — نوحہ خوانِ محفل علم لدن
شغل دل در علم یوناں کے کند — دل سوئے ایں ہرزہ گویاں کے نہند

بایں ہمہ اگر طلبہ کا اشتیاق و اصرار حد سے گزرتا تو سرسری طور سے 'قاضی'، 'صدرا' وغیرہ (جو عام علما کی نظر غائر سے کہیں اعلیٰ ہے) پڑھا دیا کرتے ورنہ اکثر تو جید تلامذہ کے سپرد معقول کے اسباق کر دیے گئے تھے۔

سفر حرمین شریفین جو متعدد بار آپ نے فرمائے جہاز میں متواتر ایام قیام میں بحکم مرشد ذی جاہ بخاری شریف کے بکثرت دور علی الانصاب بطور وظیفہ آپ فرمایا کرتے تھے، سوائے حاجات ضروریہ بشریہ کے اکثر اوقات بخاری شریف کے دور میں مشغول رہتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ پاک سفروں کی برکت اور قوت حافظہ کی جودت سے بخاری شریف حرفاً حرفاً آپ کو قریب حفظ تھی اور آپ کی یہ فضیلت سب سے اعلیٰ و بالا تھی کہ جس طرح آپ کلام الٰہی کے حافظ تھے اسی طرح احادیث نبوی کے بھی حافظ تھے۔

آپ کے تلامذہ میں آپ کی صحبت سراپا برکت کے اثر سے یہ خصوصی شرف مولانا حافظ شاہ

عبدالصمد صاحب چشتی مودودی سہسوانی کو بھی حاصل تھا کہ وہ بھی اکثر پارہائے بخاری شریف کے حافظ تھے اور 'حافظ بخاری شریف' کہے جاتے تھے۔

اکثر مفتیان زمانہ حال میں یہ مرض عام ہو گیا ہے کہ فتویٰ بغیر دیکھے بھالے بے سند لکھ دیتے ہیں یا اگر سند لکھتے بھی ہیں تو جواب سے بے گانہ ہوتی ہے، لیکن آپ کا خاص ارشاد اور حکم محکم ہے کہ فتویٰ لکھتے وقت نہایت احتیاط بجا لاؤ، جب تک مخصوص جزئیہ نہ ملے قلم نہ اُٹھاؤ، محض یادداشت سے کام نہ لو، مستند کتب سے حوالہ ضروری سمجھو۔ کچھ مدت تک طلبہ نے بالالتزام فتاویٰ جمع کرنے کا انتظام کیا، تین مجلدات ضخیمہ مرتب کیے گئے۔ اُس کے بعد کثرت فتاویٰ اور قلت وقت کے باعث یہ التزام ترک ہو گیا۔ اگر ترتیب وجمع کا خیال اور کوشش رہتی تو آج اہل سنت کو فتاویٰ نویسوں کا منت کش احسان نہ ہونا پڑتا۔ کاش موجودہ ذخیرہ ہی اگر طبع ہو جائے تو لمبے لمبے دعوے والے ساری لن ترانیاں بھول جائیں۔

یہ خاص شان آپ کے ہی دارالافتا کی ہے کہ فتاویٰ میں مطلب سے زیادہ طویل تمہیدیں اور مقدمے کاغذ سیاہ کرنے اور نمائشی خانہ پری کرنے کے لیے نہیں بنائے جاتے بلکہ فقط نفس جواب اور صریح سند ایسی واضح طور سے کہ مفید عامہ اہل اسلام ہو لکھ دی جاتی ہے۔ اگر علمائے زمانہ کی طرح نام آوری ملحوظ ہوتی تو خدا معلوم کتنے حواشی کتب درسیہ اور دفاتر مطولہ واسفار مبسوطہ تصنیف ہو جاتے، مگر نہیں یہاں تو ہمیشہ سے نور عرفاں کے جلوے اور فقر وفنا کے سراپا عجز وانکسار پرتوے نے علم جیسے بلند بالا مرتبے اور آپے سے چل نکلنے والی اور غرور وناز وانداز والی چیز کو اتنا دبایا کہ برائے نام بھی حرف تفاخر زبان تک نہ آیا۔ جب تک شرعی ضرورت شدید نے مجبور نہ کیا قلم نہ اُٹھایا۔

فتنۂ نجد کی دہکتی آگ، بھڑکتے شعلے جب حد سے زیادہ آتش فشانیاں دکھانے لگے قلم حق رقم نے گردش کی وہابیہ اسماعیلیہ واسحاقیہ وقاسمیہ اور فرق روافض وتفضیلیہ کے الحاد پرور خیالات کی بیخ کنی فرمائی، مگر تصانیف میں وہی حقانیت کا رنگ، وہی تہذیب ومتانت کی شان جو علمائے اہل حق کے شایانِ شان ہے رونما رہی۔ آج کل کے خودنما مولویوں کی طرح طومار بے کار کا انبار نہ لگایا، نہ دوسرے نامہذب مصنفوں کا طریقہ لیا کہ ہر ہر حرف، ہر ہر لفظ سے ضلع وجگت کے ایجادی واختراعی اصطلاحات نے زنان بازاری کی زبان درازیوں کو شرما دیا ہے۔

حضرت تاج الفحول رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ایک انوکھا انداز اور نرالا پہلو لیے ہوئے ہیں، تحقیق کا گویا اختتام کردیا ہے۔ آپ کو تصنیف کا بے حد شوق تھا، لیکن زیادہ تر تصانیف تلامذہ کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔ مدرسہ عالیہ قادریہ کے عظیم الشان کتب خانے میں صدہا مسودات مختلف علوم وفنون، علم کلام ومناظرے میں دست اقدس کے لکھے ہوئے خود اس ضیائے بے ریا کی آنکھوں نے دیکھے۔ ہزارہا کتب کا ذخیرہ الحمدللہ کہ کتب خانہ میں موجود ہے، مگر آپ کے زمانے کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے کہ جس کے حاشیے پر آپ کے قلم کی تحریرات موجود نہ ہوں۔ ۱۳۳۰ھ[۱۲-۱۹۱۱ء] میں جب حضرت صاحبزادۂ گرامی قدر مولانا عاشق الرسول محمد عبدالقدیر صاحب قبلہ مدظلہم العالی نے ترتیب کتب خانہ کا قصد فرمایا اِس خادم کو بھی حکم ہوا کہ ایام تعطیل اور فرصت کے وقت ترتیب وتحریر اسمائے کتب کی خدمت انجام دے۔ اُس وقت حضرت تاج الفحول کی وسعتِ نظر کا اندازہ ہوتا تھا کہ جس کتاب کو اٹھا کر دیکھیے سرورق پر کتاب کا لب لباب اور اُس کے ضروری مسائل کا اندراج آپ کے قلم کا لکھا موجود ملتا تھا۔

حق تو یہ ہے کہ آپ فارق حق وباطل تھے۔ جملہ فرق مبتدعہ وباطلہ کی آپ نے اورآپ کے تلامذہ نے اور تلامذہ کے تلامذہ نے اِس قدر خبر لی کہ انتہا ہوگئی۔ اعلیٰ حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ راد اول تھے حضرت تاج الفحول خاتم، وہ موجد تھے یہ مکمل، اُنہوں نے ایک پودا لگایا اِنہوں نے سینچ کر اور پرورش کر کے یہ نوبت پہنچائی کہ برگ وبار لایا، تمام جہان نے فیض پایا۔

واعظین شیریں گفتار، مقررین تیز وطرار ان نگاہوں نے ہزاروں دیکھے اور مَیں تو دعویٰ کرتا ہوں کہ موجودہ واعظین ومقررین ہند میں شاید ہی کوئی ذات ایسی ہوگی جس کی لذتِ تقریر سے ضیائے بے نوا کے کان نا آشنا ہوں، مگر وہ سادگی، وہ سلاست، وہ زورتقریر، وہ قوتِ استدلال جب یاد آتی ہے بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے......ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

احادیث صحیحہ کا نفس ترجمہ، سلسلہ وار مع حوالہ کتب اس پُر اثر انداز سے بیان کیا جاتا تھا کہ اہل نظر یہ سمجھتے تھے کہ مسند حرم پر حضرت امام مالک جلوہ افروز ہوکر درس حدیث دے رہے ہیں۔ خدا جانتا ہے وہ مقدس صورت، وہ نورانی چہرہ، وہ سفید چادر، وہ چھوٹی سی تاج کرامت دستار کس قیامت کی دلکش ادائیں، نظرفریب سج دھج رکھتی تھیں کہ مظہر حق کو دیکھ کر:

مَنْ رَاٰنِی فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ

[ترجمہ: جس نے مجھے دیکھا اس نے مشاہدہ حق کیا۔ الحدیث]

کا جلوہ پیش نظر ہو جاتا تھا۔ مجلس آراستہ ہے، تخت پر سفید چادر کا دو مالہ مارے حضور رونق افروز ہیں، نگاہیں حیا کی پتلیاں نیچے سے اوپر نہیں اٹھتی ہیں، زبان مبارک سے آیہ شریفہ:

محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم

[ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت، آپس میں رحم کرنے والے ہیں۔ الفتح: آیت ۲۹]

کی ایک عجیب سادگی بھرے انداز کے ساتھ تلاوت فرما کر سلسلۂ بیان شروع فرما دیا ہے۔ اس وقت دیکھیے تقریر کی وضاحت، فصاحت، صفائی، شستگی، تاثیر روزمرہ، سادہ سادہ بلا تکلف معمولی الفاظ ادا ہوتے ہیں جن میں رنگ آمیزی کا ذرا بھی نام نہیں، لیکن سامعین کے قلوب کھنچے جاتے ہیں، سننے والوں کے سینے نورِ ایمان سے چمکے جا رہے ہیں، دل خود بخود بے خود ہو جاتے ہیں، ہائے:

دل میں اک درد اُٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے مجھے کیا جانیے کیا یاد آیا

اب تو ہزاروں وعظ سنے، ہزاروں تقریریں کانوں میں پڑیں، مگر کوئی نظر میں نہیں جمتی۔

فقر و فنا کی شان، تصوف و عرفاں کا رنگ اگرچہ صبغۃ اللہ کی چوکھی رنگت میں آپ کو رنگ چکا تھا۔ منزل قرب میں اس درجہ اتصال اور ذوق وصال آپ کو حاصل تھا کہ نظروں سے حجابات اُٹھا کر بے پردہ جلوہ گری کا خمار آنکھوں میں ہر لحظہ کیف انگیز تھا۔ اس رویت بے حجابی کا تذکرہ مولانا الحاج احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اپنے قصیدہ 'چراغ اُنس' کے ایک شعر میں کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

مَیں بھی دیکھوں جو تو نے دیکھا ہے — روز سعی صفا محبّ رسول
صفا مروہ پہ تو نے جو دیکھا — وہ مجھے بھی دکھا محبّ رسول
ہاں یہ سچ ہے کہ یاں وہ آنکھ کہاں — آنکھ پہلے دلا محبّ رسول

باوجود اس فروغ منزلت اور اوج اتصال کے کیا مجال ہے کہ اپنے فضل و کمال کا کچھ تذکرہ

بھی بھی زبان تک آ جاتا؟ یہ تو بڑی بات تھی ایسی باتوں کا سننا تک نا گوار خاطر تھا۔ چنانچہ یہی قصیدہ 'چراغ انس' جب فاضل بریلوی نے نیاز مندانہ حسن عقیدت کے ساتھ لکھ کر خدمت اقدس میں پیش کیا آپ نے بکمال تواضع وانکسار اپنی زندگی میں اس کی اشاعت کی حضرت مولانا بریلوی کو ممانعت فرمائی، اگر چہ مولوی قاضی عبدالوحید صاحب مرحوم نے کسی صورت سے قصیدہ حاصل کر کے 'تحفہ حنفیہ' پٹنہ میں شائع کر کے اپنی کمال عقیدت کا (جو حضرت تاج الفحول کے ساتھ قاضی صاحب مرحوم کو تھی) ثبوت دے دیا۔

کمال فقر کی پردہ داری اس درجہ ملحوظ خاطر تھی اور اس قدر اخفائے راز منظور تھا کہ باوجودے کہ ہزاروں کرامتیں انجام حاجات، تحصیل مرادات، اخبار مغیبات وغیرہ رات دن ظاہر ہوتی تھیں، مگر اُن کو اس پیرائے میں ادا کیا جاتا تھا کہ سوائے واقفانِ حال کے کوئی کچھ نہ سمجھ سکتا تھا۔ اگر شمائل و عادات پر نظر دوڑانا منظور ہے تو 'شمائل ترمذی' وغیرہ کتب صحاح حدیث کھول کر بیٹھ جائیے اور حدیث کی مطابقت کرتے چلے جائیے۔ 'قوت القلوب' 'احیاء العلوم' لائیے اور ورق ورق لوٹیے اور ربط دیکھیے ان شاء اللہ ایک ملکہ، ایک عادت بھی سنت سنیہ اور طریقہ صوفیہ علیہ سے مخالف اور احاطہ شریعت سے باہر نہ ملے گی۔ اتنی پابندی شریعت و اتباع سنت حرکات وسکنات، اقوال، افعال، عادات میں بالکل سلف صالحین کا ظہور تھا۔ اتباع سنت اختیاری واضطراری کا خاتمہ خداوند عالم نے آپ کی ذات پر کر دیا، یہاں تک کہ جس طرح حضور سید عالم (روحی له الفدا) کے دنیا سے پردہ فرمانے کے وقت کاشانۂ نبوت میں روغن چراغ موجود نہ تھا اور ردائے مبارک رہن ہو کر روغن فراہم کیا گیا تھا، اس سنت سنیہ حضور سید عالم ﷺ کا اتباع اضطراری حیثیت سے اس طرح ظہور پذیر ہو کر رہا کہ جس وقت آپ کا جسدِ اطہر روح سے مفارقت اختیار کر چکا اور جنازہ مقدسہ مدرسہ عالیہ سے دولت خانے کے اندر پہنچایا گیا تو مکان میں چراغ گل ہو چکا تھا اور اُس وقت روغن موجود نہ تھا، یہاں تک کہ اُدھار منگایا گیا۔

عام مخلوق پر رافت و رحمت خاص تھی، لیکن مذہبی امور میں پوری حمیت (جو جوہر ایمان ہے) اور الحب للّٰہ و البغض للّٰہ کی شان ہے ہر وقت مثل آفتاب آپ میں نمایاں تھا۔ حقانیت کا کمال شان جلال کا پہلو لیے ہوئے ہر وقت آپ کی جبینِ روشن سے آشکار تھا، جس کا اظہار ندوۃ العلما کی مخالفت میں علی الاعلان ہو گیا۔ ایک جہان اسلام نے بخوبی دیکھ لیا کہ اہل حق اس آن

بان کے ہوتے ہیں۔صرف آپ کی ایک ذات تھی جس نے جماعت حقہ اہل سنت کو اس تقیہ ساز معجون مرکب کے فساد سے بچالیا۔ مخالفین نے انتہائی قوتیں صرف کر دیں کہ آپ کے دشمنوں کو نقصان پہنچے اور آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے ندوۂ مخذولہ کے معائب ومکائد کا اظہار نہ ہو، لیکن یہ زورِ حقانیت تھا کہ جہاں ندوہ کے سالانہ اجلاس ہوئے ڈنکے کی چوٹ پر علمائے ندوہ کو مخاطب بنا بنا کر دینی نقائص جو ندوہ کے اعتزال آمیز اثر سے عقائد پر پہنچنے کا اندیشہ تھا ظاہر کیے، مگر علما میں تو اس جرأت کا کوئی تھا ہی نہیں جو علمی مردِ میدان بن کر آپ کے سامنے آتا یا مذہبی حیثیت سے ندوہ کا استحسان بدلائل علمی ثابت کر سکتا۔ البتہ ناحق کوش یہ شرم ناک حرکات کرنے کی ہر جگہ کوشش کرتے کہ کچھ وکیل، کچھ بیرسٹر، کچھ زردار، کچھ تونگر، کچھ عمال، کچھ ڈپٹی کلکٹر اپنے مساعی امکانی سے درپئے ایذا رسانی ہو جاتے، مگر لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون کی شان جلوہ نما ہو کر دنیا داروں کی امیدوں پر بھی پانی پھیر دیتی۔ وہی مخالف جس وقت آپ کے سامنے آتے اور آپ کے ارشادات طیبات سنتے بندۂ حق ہو کر گرویدۂ اخلاق ہو جاتے۔

بریلی کے جلسے میں تو ایک جمعے میں علمائے ندوہ کی جماعت کی جماعت بالخصوص جناب مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی وغیرہ سب ہی موجود تھے اور جس وقت ان بزرگواروں کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت تاج الفحول بھی تشریف فرما ہیں اور اظہارِ حقانیت پر آمادہ ہیں تو فرض جمعہ پڑھنے کے بعد ہی ایک ایک دو دو آنکھ بچا کر چلتے بنے۔ خود مفتی صاحب کا ایک بے سروپا انداز سے مسجد سے تشریف لے جانا مشہور واقعات ہیں۔ یہ سب مذکور حضور کے علم وفضل واخلاق کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا۔

برکات باطنیہ اور فیوض روحیہ کا ذکر ایک مشکل کام ہے، اُس کی کنہ کا ادراک محال عادی ہے، ہم کیا جانیں؟ جاننے والوں سے سنا ہے اور اہل بصیرت وباطن شناس اکابر کا کہا ہوا معلوم ہے کہ آپ کا وجودِ محمود دنیائے اسلام کے لیے باعث فخر ومباہات تھا۔ بغداد کی تجلی نے بدایوں میں جلوہ ریز ہو کر دنیا کو نورِ باطن وظاہر سے جگمگا دیا۔ مدرسہ قادریہ کی فیض بخش چہار دیواری کے اندر چاروں طرف سے متلاشی حق آ کر شاہد مرام ہوتے اپنی نگاہوں نے دیکھے ہیں۔ کوئی ایسا ہی منحوس دن ہوتا ہوگا کہ دو چار مسافر علما، فضلا، مشائخ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر درم، دینار، علم، فضل، برکات، انوار سے مشرف نہ ہوتے ہوں۔ اس ابرِ کرم وسحاب رحمت کی بارش انوار وبرکات سے

عالم فیض یاب ہوا۔ اگرچہ مرشد برحق سے سلاسل قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، مداریہ وغیرہ میں اجازت مطلقہ حاصل تھی اور ہر سلسلے کے نکات، رموز، منازل، مواقع، اسرار، انوار وغیرہ سے وقفیت کاملہ حاصل تھی مگر نسبت قادری کا ایسا غلبہ تھا کہ جب تک کوئی دوسرے سلسلے میں داخل ہونے کا اصرار نہیں کرتا اُس میں داخل نہ فرماتے۔ چنانچہ یہی طریقہ حضرات مارہرہ مقدسہ کا تھا۔ مشائخ زمانہ کی طرح ہمارے حضرات میں یہ عموم کبھی نہیں ہوا کہ اِدھر کوئی مرید ہوا اُدھر خلیفہ بنا دیا گیا، بلکہ مخصوص و مستحق حضرات کو یہ امانت سپرد کی جاتی ہے۔ حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کے خلفا میں بجز حضرت اقدس [مولانا شاہ عبدالمقتدر] صاحب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ دامت برکاتہم اس نواح میں کوئی مستقل صاحب مجاز بھی راقم کے علم میں نہیں ☆۔

حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہ خاص جو آپ پر تھی اس کا کہنا سننا اظہر من الشّمس ہے۔ اسی طرح حضور غریب نواز کی کرم آمیز نگاہوں نے سنجری رنگ میں آپ کو ایسا رنگا کہ حاضری بغداد شریف کے بعد ہر سال بلا کسی مانع خاص کے اجمیر شریف میں حاضر ہونا ایک معمول ہو گیا۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے ساتھ بالخصوص علاقہ باطنیہ تھا، جس کا اظہار ایک سرِّ غیبی کا افشا ہے۔ متعدد بار حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے، دیگر اماکن متبرکہ عراق و شام بالخصوص نجف اشرف، کربلائے معلی، کاظمین معظمین، بغداد اشرف البلاد، بیت المقدس وغیرہ کے فیوض و برکات بھی حاصل فرمائے۔ ہندوستان کی سیاحت دس بارہ برس تک برابر بعد وصال مرشد برحق اس طرح فرمائی کہ شاید ہی کوئی مزار ہندوستان میں ایسا ہوگا جہاں آپ رونق افروز نہ ہوئے ہوں اور جہاں آپ کا وعظ نہ ہوا ہو۔ خصوصاً مزارات حضرات سلسلہ عالیہ قادریہ ہند و عرب و شام و عراق میں کوئی ایسا نہیں جہاں آپ تشریف نہ لے گئے ہوں۔ اس سیاحت کا مفصل ذکر آپ کی مفصل سوانح عمری میں (جس کا نام 'گلستانِ قبول در احوال محبّ الرسول ہے) مذکور ہے، جو عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ یہ مختصر حالات گویا 'مشتے نمونہ از خروارے' تحریر کر دیے گئے، اصل سوانح عمری سے آپ کی شان کمال، آپ کے مراتب رفیعہ، آپ کے بحر علم کا اظہار ہوگا۔

☆ بروایت والد گرامی حضرت صاحب سجادہ مدظلہ ''مولانا حافظ سید عبدالکریم قادری بریلوی حضرت تاج الفحول کے مرید و شاگرد تھے، تاج الفحول نے آپ کو اجازت و خلافت بھی مرحمت فرمائی تھی۔ بریلی و نواح میں آپ کے مریدین بھی تھے''۔ (مرتب)

فی الحقیقت آپ اپنے زمانے میں امام الانام اور شیخ الاسلام تھے۔ عرب وعجم، شام، عراق، ہندوسند جمیع بلاد اسلامیہ میں آپ کی بزرگی وفضل وکمال مسلّم ہے۔ علما ومشائخ عصر نے متفقہ طور پر اپنی اپنی جماعت میں آپ کو ’تاج الفحول‘ کے مبارک خطاب سے سراہا۔ آپ کے مناقب نظم ونثر میں تحریر کیے گئے۔ رسالوں میں، کتابوں میں آپ کے محامد ومحاسن کے نغمے گائے گئے، آج کوئی علمی درسگاہ، کوئی باطنی خانقاہ ایسی نہیں جہاں آپ کا احترام کے ساتھ نام نہ لیا جاتا ہو۔

چھیاسٹھ (۶۶) سال تک جہان اسلام پر آپ کے دامان حیات کا سایہ رہا۔ ۷ اجمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ ہجری [ستمبر ۱۹۰۱ء] کو اتوار کا دن گزار کر شب دوشنبہ میں بعد ادائے نماز مغرب ایک ہفتے کی علالت کے بعد اس آفتاب فضل وکمال نے ہمیشہ کے لیے آنکھوں سے پردہ فرمایا۔ (اِنَّـا لِـلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن)۔ جہاں تاریک ہوگیا، سارا شہر ماتم کدہ بن گیا، ہزار ہا مخلوق الٰہی مجتمع ہونا شروع ہوئی، بعد نماز فجر تجہیز وتکفین کی گئی، عیدگاہ شمسی میں کثرت اجتماع کی وجہ سے اور معمولات خاندانی کے موافق نماز جنازہ ادا ہوئی۔ حضرت قبلۃ الاولیا مولانا شاہ مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر صاحب قبلہ مدظلہم الاقدس نے امامت فرمائی۔ مرشد برحق اور والد بزرگوار کے پہلو میں سمت قبلہ جسد اطہر کو سپرد خاک کیا گیا۔

صدہا تواریخ وصال علما ومشائخ، مریدین ومتوسلین نے تحریر کیں، جو ایک مجلد میں قلم بند کر لی گئیں ہیں۔ صرف جناب اسیر مدظلہ کی تاریخیں جو مختلف صنائع وبدائع میں ہیں ’خلوت گاہِ انوار‘ میں مطبوع ہوچکی ہیں۔ ہزاروں مادہ ہائے تاریخ مؤرخ بے عدیل قاضی شمس الدین قادری نے تحریر کی ہیں، جن کا مشاہدہ عرس شریف میں ہزاروں نگاہیں کرتی ہیں، ’گلستان قبول‘ کے ایک حدیقے میں یہ گلہائے تاریخ بھی شگفتہ نظر آئیں گے۔

پہلی شادی آپ کی خاندان میں مولانا ظہور احمد صاحب مرحوم کی لڑکی سے ہوئی، جو مرید و داماد حضرت سیدی شاہ عین الحق قدس سرہٗ المجید کے تھے۔ ان کے بطن سے حضرت مرشدی و ملجائی حضرت مولانا شاہ مطیع الرسول [عبدالمقتدر] محبوب حق قبلہ دامت برکاتہم اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ صاحبزادی صاحبہ کی شادی مولوی خواجہ عبداللہ صاحب دہلوی کے ساتھ ہوئی۔ اُن سے دو صاحبزادے خواجہ رضی الدین اور خواجہ نظام الدین موجود ہیں۔ ان دونوں لڑکوں میں خواجہ نظام الدین وہ بچے ہیں جو ایک عالم میں روشناس ہوچکے ہیں، اس وقت مولوی

فاضل کی خواندگی پڑھتے ہیں، لیکن مولانا حکیم عبدالماجد صاحب کے حسن تربیت سے وعظ و تقریر میں وہ ملکہ حاصل کیا ہے کہ ہزارہا اشخاص کے مجمع میں اس آزادی کے ساتھ تقریر ہوتی ہے کہ سننے والے محوحیرت ہوجاتے ہیں۔ علاوہ بدایوں کے بیرون جات میں مولانا ماجد میاں کی ہمراہی میں رہ کر پوری شہرت حاصل کرلی ہے۔ خدا نظر بد سے بچائے، تھوڑی سی عمر میں سیکڑوں دلوں میں گھر کرلیا ہے۔ حضرت صاحبزادہ مولانا عبدالقدیر صاحب کے حلقۂ درس میں زیر تعلیم ہیں۔ خداوند کریم علم و فضل عطا فرمائے ☆۔

بڑے لڑکے خواجہ رضی الدین علوم دنیویہ کی تعلیم پاتے ہیں۔ حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کی یہ صاحبزادی صاحبہ نہایت عابدہ و صالحہ تھیں، اپنے والد بزرگوار سے دینیات کی تعلیم بھی بخوبی پائی تھی، خصوصاً فقہ نہایت اہتمام سے پڑھائی گئی تھی۔ اپنے والد سے بے انتہا محبت تھی اور ہر وقت والد کی یاد وظیفہ تھی۔ چنانچہ جب حضرت تاج الفحول کا وصال ہوا صدمہٗ مفارقت برداشت نہ ہوسکا، جنازۂ مقدسہ سے شب بھر جدا نہ ہوئیں اور حالت غشی کی طاری رہی۔ اسی صدمے میں دو ہفتے کے بعد ہی خود بھی راہیٔ ملک بقا ہوئیں۔

دوسری شادی آپ کی دہلی میں خواجہ ضیاء الدین صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی۔ خواجہ صاحب کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے حضرت شہاب الاولیا شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اور والدہ کی طرف سے حضرت سلطان نقشبند خواجہ خواجگان خواجہ بہاء الدین نقشبندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ خواجہ صاحب بفضلہٖ ابھی تک بقید حیات ہیں۔ ضیاؔ تخلص کرتے ہیں، غالبؔ و ذوقؔ و مومنؔ کے زمانے کی شاعرانہ مجلسیں دیکھے ہوئے ہیں۔ کلام میں ایک عجیب کشش اور شستگی ہوتی ہے۔ حضرت مولانا شرف الدین شہید دہلوی قدس سرہٗ

☆ خواجہ غلام نظام الدین قادری بدایونی حضرت تاج الفحول کے نواسے، حضرت شاہ عبدالمقتدر قادری کے مرید، حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری کے شاگرد وخلیفہ اور مولانا عبدالماجد بدایونی کے تربیت یافتہ تھے۔ بے باک اور نڈر قومی رہنما، مجاہد آزادی، شعلہ بیان مقرر اور شیخ طریقت تھے۔ مدرسہ قادریہ اور خانقاہ قادریہ کی تعمیر و ترقی کے لیے خصوصاً اور بدایوں ضلع کے مسلمانوں کے لیے عموماً ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ ۱۳۱۶ھ/ ۹۹-۱۸۹۸ء میں ولادت ہوئی، ۱۹؍ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ/ ۵؍ستمبر ۱۹۸۵ء کو دہلی میں وفات پائی، آپ کے مریدین کی خواہش پر جسد خاکی سنجان (گجرات) لے جایا گیا وہیں مدفون ہیں۔ حضرت الحاج خواجہ احتشام الدین قادری آپ کے بڑے صاحبزادے اور جانشین ہیں، آپ عید گاہ شمسی بدایوں کے خطیب و امام بھی ہیں۔ (مرتب)

کی صحبت سراپا برکت میں رہ کر تربیت و تلمذ حاصل کیا ہے۔ حضرت سیف اللہ المسلول کے مریدوں میں ہیں۔ عجیب خوش قسمت ہیں، پوتے اور نواسے کو اپنی آنکھوں دیکھ کر پرنواسے کی صورت تک دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ان بی بی صاحبہ کے بطن سے حضرت صاحبزادہ مولانا عبدالقدیر صاحب اور دو صاحبزادیاں موجود ہیں، جو الحمد للہ صاحب اولاد ہیں۔

حضرت تاج الفحول کی تصانیف ردِّ وہابیہ میں اکثر مطبوع اکثر غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ منجملہ اُن کے:

[۱] حقيقة الشفاعة على طريق اهل السنة و الجماعة: مولوی نذیر حسین دہلوی کے ردّ میں ہے۔☆

[۲] شفاء السائل بتحقيق المسائل ہے جس میں ایک سو مسائل فقہیہ و اعتقادیہ کی تحقیق و تصریح کی گئی ہے۔

[۳] رسالہ **سیف الاسلام** ہے، جو مولوی بشیر قنوجی کے رسالے 'تائید الکلام' کا رد ہے۔ جس کو قنوجی صاحب نے مولانا سلامت اللہ صاحب کشفی بدایونی کے رسالے 'اشباع الکلام' کے رد میں لکھ کر دربار نبوت سے کمال گستاخی کا اظہار کیا تھا۔ 'سیف الاسلام' میں مولود شریف اور قیام کے متعلق بسیط تحقیق کی گئی ہے اور ہمیشہ کے لیے مخالفین محافل میلاد شریف کو ساکت کر دیا ہے۔

[۴] ایک رسالہ **ہدایت الاسلام** ردِ روافض میں ہے۔

[۵] ایک رسالہ احسن الكلام فی تحقيق عقائد الاسلام عربی میں عقائد میں ہے، جس کی شرح مولانا عبدالماجد صاحب کا اُردو رسالہ 'خلاصۃ العقائد' ہے۔☆☆

[۶] ایک رسالہ تقویۃ الایمان کا کامل رد ہے، جو غیر مطبوعہ ہے۔

[۷] ایک رسالہ عربی میں مصافحہ کی تحقیق میں مطبوعہ ہے۔☆☆☆

☆ یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے، غالباً یہ طبع نہیں ہوا تھا، اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ میں موجود ہے۔ تاج الفحول اکیڈمی کے اشاعتی منصوبے میں شامل ہے، ان شاء اللہ جلد ہی ترجمہ اور ضروری حواشی کے ساتھ منظر عام پر آئے گا۔

☆☆ رسالہ احسن الکلام مدرسہ قادریہ کے نصاب تعلیم میں شامل ہے۔ اس کا سلیس اردو ترجمہ عزیزی مولانا دلشاد احمد قادری نے کیا ہے، جس کو تاج الفحول اکیڈمی نے ۲۰۱۲ء/۱۴۳۳ھ میں شائع کیا ہے۔

☆☆☆ رسالے کا پورا نام 'مناصحة في تحقيق مسائل المصافحة' ہے۔ اس سے سنہ تالیف ۱۲۹۸ھ برآمد ہوتا ہے۔ ۱۳۰۸ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ راقم الحروف کے اردو ترجمے اور تخریج و تحقیق کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی نے ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء میں شائع کر دیا ہے۔

اسی طرح بہت سے رسائل غیر مطبوعہ مختلف علوم وفنون میں ہیں جن کا مفصل تذکرہ 'گلستان قبول' میں ہے۔ علاوہ کتب دینیہ کے شاعرانہ دماغ کے ثمرات چار دیوان ہیں جو نعت و مناقب میں ہیں۔

[۸] ایک عربی کا دیوان ہے۔

[۹] ایک فارسی کا [دیوان ہے۔]

[۱۰] دو اُردو کے [دیوان] مناقبِ حضور غوث پاک میں ہیں۔☆

[۱۱] ایک مجلد ضخیم **تاریخ بدایوں** ہے جو ۱۲۸۴ ہجری [۶۸-۱۸۶۷ء] میں تاریخی نام کے اعتبار سے لکھی تھی۔ اِس تاریخ میں بظاہر بدایوں کے اولیاء اللہ کے حالات ہیں، لیکن دراصل یہ مرقع ہندوستان کے اکثر مشاہیر، مشائخ، علما، فضلا کے حالات زندگی کا ہے۔ اس میں ابتدائی زمانے سے لے کر اپنے وقت تک بدایوں کے اولیا، علما، شعرا، اطبا، حفاظ، شرفا کا جدا جدا طبقات میں ذکر کیا گیا ہے اور اُسی ضمن میں کہیں علما کے طبقے میں شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی تصانیف پر تنقید کی گئی ہے، کہیں شعرا کے ذکر میں غالبؔ کا اُن کے معاصرین کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہے۔ غرض ایک عجیب وغریب مجموعہ ہے، دراصل سب سے زیادہ مدد راقم الحروف کو اسی 'تاریخ بدایوں' سے ملی ہے۔

اس تاریخ کے بعض حصوں کا ترجمہ ڈپٹی عبدالکریم خاں نے قلم بند کیا تھا، جو سرکاری دفتر میں موجود ہے۔ یہ تاریخ آپ نے فارسی میں تحریر فرمائی تھی اور اصل مسودہ صاف ہونے کی نوبت نہ آئی جس کی وجہ سے اوراق بالکل منتشر حالت میں ہیں۔ اس کا حرف بہ حرف ترجمہ مولانا انوار الحق صاحب عثمانی مرحوم نے اُسی ترتیب کے ساتھ اُردو میں کیا ہے۔ یہ دونوں مسودات راقم ہیچ مداں کی ہمت افزائی کا باعث ہو رہے ہیں اگر چہ بدایوں میں بہت سے لوگ اس تاریخ نویسی کی خدمت کر رہے ہیں اور اکثر تاریخیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن جی چاہتا ہے کہ اگر وقت ملا اور ضرورت باقی رہی تو اس نیاز مند ضیاؔ کے قلم سے بھی شاید کچھ اوراق رنگے جائیں۔ خیر.....ع

زندہ ہے اگر یار تو صحبت باقی

☆ ایک دیوان نعت (اردو)، دو دیوان منقبت (اردو) اور ایک دیوان منقبت فارسی کا مجموعہ 'دیوانِ تاج الفحول' کے نام سے تاج الفحول اکیڈمی نے ۱۹۹۸ء میں شائع کیا تھا۔

آئندہ کا علم خدا کو ہے۔

حضرت تاج الفحول کے کثیر التعداد طلبہ میں بعض کے نام بہ غرض آگاہی ناظرین قلم بند کیے جاتے ہیں۔

تلامذہ اہل بدایوں:

منجملہ تلامذۂ شہر کے اصحاب ذیل شرفا و معززین سے ہیں:

[۱] مولوی محبّ احمد صاحب

[۲] مولانا فضل احمد صاحب

[۳] مولانا فضل مجید صاحب مرحوم

[۴] مولانا فصیح الدین صاحب مرحوم عباسی

[۵] مولوی حافظ اعجاز احمد صاحب مرحوم

[۶] مولوی غلام غوث صاحب وجد عباسی مرحوم

[۷] مولوی سید مطیع احمد صاحب نقوی مرحوم

[۸] مولوی حکیم ولی احمد صاحب مرحوم

[۹] مولوی ضیاء الحسن صاحب مرحوم

[۱۰] مولوی امتیاز احمد صاحب تاثیر مرحوم

[۱۱] مولوی علی احمد خاں صاحب اسیر مدظلہ عربی پروفیسر آگرہ سینٹ جانس کالج

[۱۲] مولوی امتیاز الدین مرحوم غزنوی

[۱۳] مولوی منصب علی مرحوم نادر شاہی

[۱۴] مولوی رضا احمد وکیل مرحوم

[۱۵] مولوی غفور بخش صاحب قادری وکیل

[۱۶] قاضی عبد العلام صاحب

[۱۷] قاضی ظہور الاسلام مرحوم عباسی

[۱۸] مولوی سید عرفان علی صاحب مرحوم

[۱۹] مولوی محمد عظیم الدین صاحب مرحوم وکیل اعظم گڑھ

[۲۰] منشی حمید الدین احمد صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر

[۲۱] مولوی سدید الدین صاحب مرحوم شائق عباسی

[۲۲] مولوی جمیل الدین صاحب خطیب جامع

[۲۳] مولوی خان بہادر رضی الدین صاحب وکیل

[۲۴] مولوی خورشید حسین مرحوم صدیقین

[۲۵] مولوی حکیم نثار احمد صاحب مرحوم

[۲۶] قاضی شمس الدین صاحب قادری

[۲۷] مولوی مفتی کرم احمد صاحب

[۲۸] مولوی غلام شبر صاحب

[۲۹] حافظ علی احمد محمود اللہ شاہ مذاقی

[۳۰] مولوی ابرار الحق صاحب کیف مرحوم۔

تلامذہ بیرون جات:

[۱] مولانا عبد الرزاق مکی

[۲] مولانا پیر سید مصطفیٰ صاحب قدس سرہٗ، تاجدار مسند غوثیہ پیر حضرت بغداد

[۳] حضرت سیدی شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ قدس سرہٗ

[۴] حضرت حافظ سید شاہ اسمٰعیل حسن صاحب

[۵] جناب سید شاہ حسین حیدر صاحب صاحبزادگان مارہرہ شریف

[۶] مولانا سید شاہ عبد الصمد صاحب مودودی چشتی

[۷] مولوی امیر احمد صاحب غیر مقلد

[۸] مولوی سلطان بخش صاحب

[۹] مولوی سید پرورش علی صاحب ساکنان سہسوان

[۱۰] مولانا محمد حسن صاحب مرحوم اسرائیلی

[۱۱] مولانا نجم الدین صاحب

[۱۲] مولوی حکیم غلام حسنین صاحب ساکنان سنبھل

[۱۳] مولوی حلیم مبارک حسن خاں صاحب اکبرآبادی

[۱۴] مولوی قاضی معین الدین صاحب کیفی میرٹھی

[۱۵] مولوی عبدالاحد ساکن الدن ضلع میرٹھ

[۱٦] مولوی مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی

[۱۷] مولوی فضل احمد صاحب جلیسری

[۱۸] مولوی راحت حسین صاحب عظیم آبادی

[۱۹] مولوی نیاز احمد خاں صاحب دہلوی

[۲۰] مولوی تفضّل حسین صاحب میدنی پوری

[۲۱] مولوی حافظ بخش صاحب ساکن آنولہ

[۲۲] اخوند عبدالرزاق صاحب قندھاری

[۲۳] مولانا شاہ محمد عمر صاحب حنبلی قادری حیدرآبادی

[۲۴] مولوی فقیر اللہ صاحب پنجابی

[۲۵] ملا محمد عارف ولایتی

[۲٦] مولوی محمد نعمان صاحب ولایتی

[۲۷] مولانا احمد الدین صاحب ولایتی

[۲۸] مولانا عبدالقیوم صاحب بادشاہ وغیرہم ضلع پشاور۔

☆

[حضرت مولانا شاہ مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی]

خاتم مہر ولایت خاتم اہل معرفت تاجدار مسند ارشاد آئینہ کمال سلطان بغداد غوث زماں قطب دوراں سیدی وسندی شیخی ومرشدی سلطان مشائخ آفاق حضرت مولانا شاہ غلام پیر محبوب حق مطیع رسول محمد عبدالمقتدر صاحب قبلہ مدظلہم الاقدس صاحب سجادۂ عالیہ قادریہ۔

صحابۂ کرام، اولیائے عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاک حالات، اُن کی طیب وطاہر زندگی کے واقعات بزرگوں سے سنے، کتابوں میں دیکھے، جان ایمان میں تازگی آئی، جذبات اسلامی نے شگفتگی پائی، لیکن وہ صورت نظر نہ آئی کہ ان خوبان جہاں کی یکجا جلوہ فرمائی

دیدۂ مشتاق کی عینک بینائی ہوئی۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ دورِ آخر میں قرن اول کے جلوے ایک ذات جامع کمالات میں بے پردہ و بے حجاب دیکھے۔ تاجدار بغداد [و] سلطان چشت کی عظمت وشوکت ایک آئینہ نے آئینہ کر دی، شیخ سہروردی کا تقدس اُن مقدس آنکھوں کے شہابی سرخ ڈوروں نے رشتہ جان وایمان بنایا، شہنشاہِ نقشبند کا جاہ ووقار نقاش ازل کے ایک محبوب سراپا ناز کے نقش عارض نے دل پر نقش کالحجر کر دیا۔

وہ ذات سراپا برکات مدینۃ الاولیا بدایوں شریف کی زیب وزینت حضرت تاج الفحول فقیر قادری فقیر نواز کے نورِ نظر کا وجود سراپا جود ہے جس نے یازدہم جمادی الاخریٰ وقت صبح روز دوشنبہ ۱۲۸۳ ہجری قدسی [اکتوبر ۱۸۶۶ء] میں پردۂ غیب سے عالم شہود میں جلوہ افروزی فرمائی۔ چونکہ ایک روز اِس بزرگ و برتر ذات کو 'سلطان المشائخ آفاق' (۱۲۸۳ھ) ہونا تھا، اس لیے سال ولادت کی تاریخ بھی اِسی فقرے سے اخذ ہوئی۔ 'غلامِ پیر' (۱۲۸۳ھ) تاریخی نام میں شان قادریت کی جلوہ نمائی کا اہتمام ہے، کیوں نہ ہو کہ گیارھویں شریف کے دن پیدا ہوئے۔ وقت اور دن ولادت رحمت عالم کا وقت اور دن تھا۔ اسی لیے ہر وقت شان رحمت کا ظہور ہے۔ حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ نے 'مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر' آپ کا اسم گرامی تجویز فرمایا اور ساتھ ہی حضرت تاج الفحول کو دوسرے نورِ نظر کی خوش خبری دے کر ارشاد فرمایا کہ ''اُن کا نام عبدالقدیر رکھنا''۔

پیدائش کے وقت سے شان ولایت آپ پر محیط تھی، چھ برس تک بزرگ دادا کی پاک نگاہوں نے ولایت ومعرفت کے گہوارے میں پالا پرورش کیا۔ تسمیہ خوانی کی تقریب میں حضرت مولانا حکیم سراج الحق صاحب علیہ الرحمۃ نے بسم اللہ شروع کرائی۔ حضرت تاج الفحول نے اکیاون (۵۱) روپے نذر کیے۔ سلسلۂ تعلیم شروع ہوا، حضرت استاذ الاساتذہ مولانا نور احمد صاحب اور حضرت تاج الفحول کے مکمل کن فیض درس نے تھوڑی سی عمر میں جملہ علوم وفنون میں کامل و مکمل کر دیا۔

ابھی صدہا نفوس آپ کا بچپن وشباب دیکھنے والے موجود ہیں، جو شان تقدس اب ہے یہی جلوہ یہی رنگ پیشتر بھی تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی عبادت وریاضت کا شغل شروع کیا وہ آج تک قائم ہے۔ زمانۂ حیات حضرت تاج الفحول تک جلال علم جز وطبیعت تھا۔ تقریر وتحریر میں شان

استدلال کا زبردست رنگ ہوتا تھا، ایک ایک مسئلے پر دو دو چار چار روز تک بحث رہتی تھی، اکثر مسائل میں خلاف پہلو اختیار فرما کر زور تقریر پر طبع آزمائی کی جاتی تھی، جناب شہید مرحوم ومولانا منیر الحق مرحوم ہم عمر وہم درس تھے، لیکن مباحث علمی میں آپ سے عہدہ برآ نہ ہوسکتے تھے۔

سلسلۂ درس شروع کیا، کتنے آئے، کتنے فارغ ہوکر چلے گئے اس کا کوئی پاس وخیال ہی نہیں ہے۔ والد ماجد کا اس درجہ ادب واحترام کہ دوسروں سے کبھی ممکن ہی نہیں۔ کبھی اپنی زبان سے ایک لفظ نہ فرمایا، جیسا کھلایا وہ کھایا، جیسا پہنایا وہ پہنا۔ آپ کی اس شان اتقا کی حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ جو عظمت فرماتے تھے وہ دیکھنے والوں سے چھپی دبی نہیں ہے۔ بعد وصال حضرت تاج الفحول طبع اقدس بالکل راغب الی اللہ ہوگئی۔ تمام علائق سے بے تعلقی شروع ہوئی، ہر لمحہ، ہر ساعت یادِ الٰہی میں صرف ہوتا ہے۔

حضرت تاج الفحول نے جب سند اجازت تحریری عطا فرمائی آپ نے نہایت شان تواضع و انکسار کے ساتھ تحریری عذرات کیے، مگر والد ماجد کے حکم قطعی کے سامنے کوئی عذر پیش نہ گیا۔ سب سے پیشتر مولانا حکیم عبد الماجد صاحب بمواجہہ حضرت تاج الفحول آپ کے مرید ہوئے۔ اُس کے بعد اجرائے سلسلہ شروع ہوا۔ ایام عرس شریف حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ میں بعد وصال حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ ماہ جمادی الثانی ۱۳۱۹ھجری [ستمبر ۱۹۰۱ء] آستانہ قادریہ میں بموجودگی علمائے کرام ومشائخ عظام رسم سجادہ نشینی ادا کی گئی۔ ☆ حضرت شیخ الاولیا مولانا سید شاہ ابو الحسین احمد نوری قدس سرہٗ نے خرقہ پہنایا اور خود بہ نفس نفیس سب سے پیشتر تبرک عطا کیا۔ مولوی سدید الدین صاحب شائق عباسی مرحوم نے اس تقریب میں ایک قصیدہ پڑھا جس کا اقتباس خالی از لطف نہیں ہے۔

قصیدہ

بادۂ عرفاں سے کیا لبریز ہے پیمانہ آج — مے کشی سے مست ہے خود ساقیٔ میخانہ آج
جس کو دیکھو کر رہا ہے شورش مستانہ آج — زور پر ہے حضرت بغداد کا میخانہ آج
مست آنکھوں نے کیا کس کی یہ سرمستِ الست — ہوش سے باہر ہوا ہے کیوں دل دیوانہ آج

☆ حضرت صاحب الاقتدار قدس سرہٗ کو حضرت سید شاہ ابو القاسم حاجی اسماعیل حسن قادری مارہروی قدس سرہٗ نے بھی بعض اوراد واشغال کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ دیکھیے اکمل التاریخ پر ایک تنقیدی تبصرہ: ص:۳۰۔

کیف میں مستی کے کیا پڑتے ہیں بڑھ بڑھ کر قدم
دیکھیں لے جائے کدھر کو لغزش مستانہ آج

ہیں غنی شاہان عالم سے فقیر قادری
ہے عیاں شان و عروج ہمت مردانہ آج

عین حق کا لال ہے مسند نشین قادری
دم قدم سے جس کے ہے پرنور یہ کاشانہ آج

درۃ التاج سعادت شاہ عبدالمقتدر
زیب سجادہ ہوا وہ گوہر یک دانہ آج

اچھے اچھوں نے پہنایا ہے فقیرانہ لباس
کیا رفیع المرتبت ہے صولت شاہانہ آج

ہے یداللہی ضیا آل رسولی ہے جھلک
آل احمد نے دیا ہے خلعت شاہانہ آج

بوالحسینی ہاتھ سے رنگت دوبالا ہو گئی
احمد نوری سے ہے پرنور یہ کاشانہ آج

آل احمد شاہ حمزہ حضرت آل رسول
خود بدولت دے رہے ہیں ہاتھ سے نذرانہ آج

عین حق اور مظہر حق حضرت فضل رسول
سب کا مظہر ہو گئی یہ صورت جانانہ آج

ہاتھ میں شیشہ بغل میں جام سر پر ہے سبو
کیجیے ساقی کی شائق خدمت مستانہ آج

بعد سجادہ نشینی اس مجمع البحرین کا بحر فیض تلاطم انگیز ہوا، ایک جہان سیراب ہو رہا ہے۔ آج دنیائے اسلام میں یہی ایک آفتاب علم وعرفاں ہے جس کی تجلی خیز شعاعیں دین وایمان اور دل و جان کو منور کر رہی ہیں۔ ہزار ہا بندگان خدا آتے ہیں اور راہ ہدایت پاتے ہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس نیچی قبا والے سرکار کرم کے دامن میں پناہ لی ہے۔ مبارک ہیں وہ اشخاص جو اپنا ہاتھ اُس پاک ہاتھ میں دے کر یداللہ فوق ایدیھم کے جلوے دیکھنا چاہتے ہیں۔ دوست، دشمن، یگانے، بے گانے سب اُس صاحب کمالات کے مدح سراپائے جاتے ہیں۔ نگاہوں نے خدا جانے کتنوں کو دیکھا، کتنی صورتیں نظر سے گزریں، لیکن خدا جانتا ہے کہ جو شان اس نورانی صورت میں دیکھی آج تک دیکھنے میں نہ آئی۔ متقدمین کے مجاہدہ و ریاض، تصرفات و کرامات و خوارق عادات کانوں سے سنے تھے یہاں روزمرہ اشاروں کنایوں میں اُن تصرفات و خوارق عادات کی جلوہ نمائی دیکھتے ہیں۔ اوقات شبانہ روز کو دیکھ کر نگاہیں چشم سخن گو میں تکبیر کہتی ہیں کہ اللہ اکبر اس گئے گزرے زمانے میں بھی ایسے باخدا موجود ہیں جن کی زندگی کا کوئی لمحہ، کوئی ساعت، کوئی آن یاد الٰہی سے خالی نہیں۔ اس عظمت و منزلت خداداد پر شان تواضع اور رنگ انکساری دیکھنے والے دیکھتے ہیں، جاننے والے جانتے ہیں۔

دو مرتبہ حرمین طیبین اور ایک مرتبہ اماکن مقدسہ بغداد و کاظمین و نجف و کربلائے معلیٰ کی زیارت سے وہاں کے انوار و برکات حاصل کیے۔ خصوصاً دربار بغداد سے جو دولت لازوال پائی ہے وہ نیچی نیچی خدا بیں نگاہیں صاف کہے دیتی ہیں۔ باوجود کمال استغراق و محویت تامہ درس و تدریس کا سلسلہ بھی ہے، اگرچہ کم توجہی ضرور ہے، مگر تکلف اور آن بالکل نہیں۔ الف بے سے لے کر معقول و منقول کی انتہائی کتب تک جو چاہیے پڑھیے۔ عربی ادب میں اب بھی باوجود بے تعلقی آپ کا نظیر و عدیل نواح ہند میں نہ ملے گا۔ بیان میں ایک خداداد روحانی اثر ہے جس سے قلوب خود بہ خود کھنچتے ہیں، روزمرہ کے سادہ سادہ الفاظ تصنع اور رنگینی سے بالکل معرا، آج کل کی واعظی سے بالکل جداگانہ دلوں میں نقش ہو ہو جاتے ہیں۔ کوئی دن خالی جاتا ہوگا کہ کہیں نہ کہیں شہر میں آپ کا وعظ نہ ہو، مگر جب سنیے دل کو ہمہ تن گوش پائیے۔ قبض و بسط کا عالم بیان و وعظ میں بھی پایا جاتا ہے۔ کبھی یہ انداز بھی ہوتا ہے کہ علمائے کرام کے مجمع میں بلا تکلف سادہ تقریر فرما دی، کبھی یہ رنگ بھی دیکھا کہ عامیوں کی محفل میں شان علم کی جلوہ نمائی کے ساتھ بیان ہو رہا ہے، جس وقت کیف استغراق اور خمار محویت سے جدا ہو کر بیان کر دیا مجلس کی مجلس درہم برہم ہو گئی، کمال علم کے جوہر آشکار ہو گئے، ورنہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ زبان محو تقریر ہے اور دل کسی دوسری دھن میں ہے۔

دنیا کی دولت و ثروت اگرچہ قدموں سے لگی ہے، مگر کبھی روپے پیسے کو ہاتھ میں رکھنا تو بڑی بات نظر اُٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں۔ ہاں غربا و مساکین فقرا و مسافرین کے لیے جب تک اپنے ہاتھ سے کچھ دے نہیں دیا جاتا جب تک ایک خاص بے چینی و اضطراب رہتا ہے۔ دنیا میں اگر کوئی مسرت کا موقع ملتا ہے تو بس سائلین کی خدمت سے۔ غنی ابن غنی ہیں، فقیر نواز کے بے کس نواز نور نظر ہیں، سائلین بھی خوب لڑ جھگڑ دامن مراد بھرتے ہیں، چونکہ 'سراپا شان رحمت ودود' (۱۲۸۳ھ) آپ کی پیدائش کی تاریخ مسعود ہے ہر وقت رحمت و جمال کی شان آشکار رہے۔

اس وقت عمر شریف پچاس کے قریب ہے، لیکن قطع نظر روحانی قوت کے قوائے ظاہری بہ وجہ کثرت ریاض ضعف و نقاہت کی طرف مائل ہیں، حتیٰ کہ جمعے کے دن حسب معمول جب آستانۂ معلیٰ کو تشریف لے جاتے ہیں تو راہ میں حضرت سیدنا علی شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱۹) کی فاتحہ

---

(۱۹) حضرت علی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے لیے صفحہ 375 حاشیہ ۱۹ ملاحظہ فرمائیں۔

کے لیے رک کر ایک آدھ جگہ اور قدرے قیام فرماتے ہیں، آج مخلوق الٰہی کی جانوں کا سہارا، ایمانوں کی تازگی آپ کی ذات قدسی صفات سے ہے۔ جی چاہتا ہے کہ آپ کے قلزم محامد و مناقب کو کوزے میں بند کروں مگر محال ہے۔ خداوند کریم آپ کا سایۂ رحمت، آپ کا ظل عاطفت مسلمانوں کے سروں پر تا بہ ابد قائم رکھے اور آستانۂ قادریہ کی رفعت و عظمت میں روز افزوں ترقی کرے۔ خداوندا! ہم قادریوں کی آئندہ نسلوں کی حفاظت دین و ایمان کے لیے اس نائب غوث اعظم، ابدال یقینی کو ایک فرزند نرینہ عطا فرمائے، ہم بے کسوں کی دعاؤں کو سن لے اور شرف اجابت سے سرفراز کر۔ آمین آمین آمین۔☆

مدرسہ قادریہ میں رہ کر آپ کے قلزم فیض علم سے جو لوگ سیراب ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

[۱] مولوی سید ارتضا حسین صاحب
[۲] مولوی سید محمد عالم صاحب [تاج العلما حضرت سید اولاد رسول مارہروی]
[۳] مولوی حبیب الٰہی صاحب ساکنان مارہرہ شریف
[۴] مولوی حکیم عبد الشکور صاحب ساکن پٹنہ
[۵] مولوی عبد الحمید صاحب ساکن انگپور بنگال
[۶] مولوی سید رشید احمد صاحب بہاری
[۷] مولوی حافظ حکیم عبد المجید صاحب قادری واعظ ساکن آنولہ
[۸] مولوی سید حسین احمد صاحب بیباکؔ شاہجہاں پوری
[۹] مولوی حکیم فضل احمد صاحب گجراتی
[۱۰] مولوی بہاء الحق صاحب ہزاروی
[۱۱] مولوی حافظ محمد موسیٰ صاحب قادری بمبئی

☆ مولانا فیض احمد قادری بدایونی کی کتاب 'المقامة البغدادية' اور 'الهدية القادرية' پر آپ نے فارسی زبان میں حاشیہ تحریر فرمایا جو مطبوعہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے 'تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس' کا اردو ترجمہ کیا، جو پہلے پاکستان سے مفتی عزیز احمد قادری بدایونی کے ترجمہ قرآن کے ساتھ شائع ہوا تھا پھر ۱۹۸۶ء میں ادارہ مظہر حق بدایوں نے شائع کیا۔
۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ/ ۴ دسمبر ۱۹۱۵ء سنیچر کی صبح نماز فجر کی دوسری رکعت کے آخری سجدے میں آپ نے وصال فرمایا۔ مزار درگاہ قادری میں حضرت تاج الفحول کے پہلو میں واقع ہے۔

[۱۲]مولوی منیر الدین صاحب حیدر آبادی

[۱۳]مولوی سید غلام عباس صاحب کاٹھیاواڑی

[۱۴]مولوی سید عبد الوہاب صاحب حیدر آباد دکن

[۱۵]مولوی رفاقت اللہ صاحب

[۱۶]مولوی قاضی محمد ابراہیم صاحب[بدایونی]

[۱۷]مولوی حسین احمد صاحب[مفتی ریاست پہاسو]

[۱۸]مولوی عبد الحیٔ صاحب مرحوم

[۱۹]حکیم فضیل احمد صاحب

[۲۰]حکیم فضل الرحمٰن صاحب

[۲۱]مولوی جمیل احمد صاحب سوختہؔ قادری[بدایونی]

[۲۲]مولوی حبیب الرحمٰن صاحب قادری[بدایونی]

[۲۳]مولوی عبد الستار صاحب قادری

[۲۴]مولوی روشن علی صاحب

[۲۵]مولوی سراج الدین صاحب

[۲۶]مولوی عبد الحمید صاحب بریلوی

[۲۷]مولانا سید عیسیٰ علی صاحب قادری آنولہ ☆

☆

[حضرت عاشق الرسول مولانا شاہ عبد القدیر بدایونی]

نوشاہ حجلۂ ارشاد نونہال گلشن بغداد حضرت صاحبزادۂ گرامی قدر مولانا عاشق الرسول محمد عبد القدیر صاحب قبلہ دامت برکاتہم۔ حضرت تاج الفحول فقیر قادری فقیر نواز قدس سرہٗ کی چلتی پھرتی تصویر کا نظارہ آپ کے آئینۂ جمال میں بے پردہ ہوتا ہے۔ آپ کی ولادت سے تیس سال

☆ محدث اعظم حضرت سید محمد اشرفی کچھوچھوی قدس سرہٗ نے بھی مدرسہ قادریہ میں رہ کر حضرت سرکار مقتدر سے حدیث کی تحصیل فرمائی ہے۔

پیشتر جب کہ شاید آپ کی والدۂ ماجدہ بھی پیدا نہ ہوئی ہوں آپ کے مقدس دادا نے آپ کے پیدا ہونے کی بشارت دی تھی۔ آپ سے پیشتر آپ کے ایک اور بھائی پیدا ہوئے، ان کا نام عبدالعزیز رکھا گیا، مگر وہ تھوڑے ہی دنوں بعد انتقال کر گئے۔ جب آپ بماہ شوال بہ تاریخ ۱۱/ ۱۳۱۱ ہجری [اپریل ۱۸۹۴ء] میں پیدا ہوئے حضرت اقدس تاج الفحول قدس سرہٗ بمبئی رونق افروز تھے، مکان سے اس مضمون کا خط پہنچا کہ ''مولوی عبدالقدیر پیدا ہوئے''، بشارت کا ظہور رہوا 'محمد ظہور حق' تو تاریخی نام تھا ہی، مگر جب حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ نے پورا نام 'عاشق الرسول محمد عبدالقدیر' تجویز فرمایا تو اُس سے بھی تاریخ ولادت کا اظہار رہوا۔ نہایت ناز و نعم سے پرورش پائی، بزرگ بھائی اور مقدس والد کی نگاہوں سے کبھی جدا نہ ہوئے۔ آٹھ برس کی عمر تھی جب حضرت تاج الفحول نے وصال فرمایا، سوئم کے روز جب کہ مدرسہ قادریہ میں ہزار ہا اشخاص کا مجمع تھا ہر شخص گریہ کناں اور محو اضطراب تھا آپ آیات شریفہ کل نفس ذائقة الموت اور کل من علیها فان پڑھ پڑھ کر لوگوں کی تسلی و تشفی فرماتے تھے۔

اُس کے بعد سے حضرت اقدس مولانا [شاہ عبدالمقتدر] صاحب قبلہ مدظلہم العالی کی محبت آمیز آغوش میں تعلیم و تربیت پائی، درسیات سے فارغ ہو کر ۱۳۳۱ھ [۱۳-۱۹۱۲ء] میں جب آپ کو متواتر کابوس کے دورے پڑنا شروع ہوئے اور تندرستی پر اثر پڑنے لگا حضرت [شاہ عبدالمقتدر] قبلہ مدظلہم الاقدس نے تبدیل آب و ہوا کے خیال سے اور آپ کے معقول و منطق کے شوق کو پیش نظر رکھ کر بمقام ٹونک مولانا برکات احمد صاحب کے پاس روانہ فرما دیا، وہاں تین ماہ تک کتب معقول کا مطالعہ فرمایا۔ اُس کے بعد مولانا سید عبدالعزیز صاحب سے (جو حضرت مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی کی یادگار ہیں) بعض کتب معقول اخذ فرمائیں۔ سید صاحب نے نہایت فخر و مباہات کے ساتھ آپ کو تعلیم دی اور چند ماہ بعد ہی اجازت درس عطا فرمائی۔ الحمد للہ کہ آپ آج کل درس و تدریس کی طرف متوجہ ہیں، بہت سے طلبہ روزانہ آپ سے سبق پڑھتے ہیں، ایک جماعت پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل کا کورس پڑھتی ہے۔ وعظ میں معقولی استدلال کا خاص رنگ ہے۔ ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ [اپریل ۱۹۱۳ء] کو (جو حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کی تاریخ وصال ہے) حضرت مولانا سید شاہ اسمٰعیل حسن صاحب قبلہ مارہروی کی

فرمائش سے آپ کو اور مولانا حلیم عبد الماجد صاحب کو اجازت و خلافت حضرت [مولانا شاہ عبد المقتدر] قبلہ مدظلہم الاقدس نے زبانی و تحریری عطا فرما دی ہے۔☆

آپ کی شادی مولوی غلام شبر صاحب صدیقی کی دختر سے رجب ۱۳۲۶ھ [اگست ۱۹۰۸ء] میں ہوئی۔ علمائے کرام و مشائخ عظام اور تمام عمائد و رؤسائے شہر و متوسلین شریک شادی تھے، خاکسار راقم الحروف نے قصیدہ 'عروس نظم' (جس کو مولوی ستار بخش صاحب قادری نے فوراً چھپوا کر تقسیم کرایا) پیش کیا۔ دیگر برادرانِ طریقت نے سہرے تحریر کیے۔

۱۴ رجب شب پنجشنبہ ۱۳۳۱ھ [جون ۱۹۱۳ء] کو حضرت صاحبزادہ محمد میاں پیدا ہوئے۔ نیاز مند ضیاؔ نے تاریخی نام 'شہزادۂ دستگیر قادری' عرض کیا۔ بروز عقیقہ حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار مقدس کے غلاف شریف کا کرتہ، ٹوپی خدام کرام آستانہ غریب نواز نے اپنے ہاتھوں سے پہنایا۔ صرف محمد نام رکھا گیا، اس کے بعد عبد الہادی کا اضافہ ہوا، نام تاریخی کے اعتبار سے پورا نام 'فضل رب محمد عبد الہادی' مقرر رہوا۔ خداوند کریم حضرت صاحبزادہ صاحب کو اپنے اسلاف کا سچا جانشین کرے، عزت و عظمت روز افزوں ہوں، عمر خضر عطا ہو۔ آمین۔☆☆

☆☆☆

☆ کتب خانہ قادریہ میں جو تحریری اجازت نامہ موجود ہے اس پر تاریخ ۱۸ جمادی الاولی ۱۳۳۳ھ درج ہے، ممکن ہے ۱۳۳۱ھ میں زبانی اجازت مرحمت فرمائی ہو اور ۲ رسال بعد تحریری اجازت نامہ لکھ کر دیا ہو۔ یہ اجازت و خلافت نامہ سرکار مقتدر کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے، ہم اس کو ضمیمے میں نقل کر رہے ہیں تا کہ محفوظ ہو جائے۔ دیکھیے ضمیمہ صفحہ 410

☆☆ حضرت عاشق الرسول کے مزید حالات اور آپ کے سلسلہ اولاد کی تفصیل کے لیے ضمیمہ صفحہ 401 ملاحظہ فرمائیں۔

تواریخ وصال

تواریخ عربی از تالیف شریف اعلیٰ حضرت تاج الفحول سیدی ومولائی قبلۃ الاولیا شیخ الاسلام فی الہند مولانا شاہ مظہر حق عبدالقادر الثانی العثمانی فقیر قادری فقیر نواز رحمۃ اللہ علیہ☆

ام التواریخ ☆ یسلو بھا کل حائر و صریخ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم القادر المجید الماجد☆ونصلی علیٰ حبیبہٖ نبینا و سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ الاکابر والأماجد ☆

أما بعد فقد سافرالی فردوس قطب الأقطاب☆وادخلہ فی جوار کمال عزہ العزیز الوھاب☆ھو امام الأنام شیخ الاسلام☆وقطب الدھر بین الخاص و العام☆الا انہ کاشف لحقایق الفروع والاصول ☆وھو علی أعداء الرسول الوجیہ الطیب المقبول لسیف اللّٰہ المسلول☆ھو و اللہ فضل رسول☆وانہ لفاضل حمید ولی مقبول☆وجھہ بحلّی فضلہ شاھد☆لا یجحد بفضلہ الاحاسد بلید معاند☆الملقب بـ معین الحق القادری قدس سرہ☆وعم لنا دائما ابدا خیرہ وبرہ☆

انہ ھو معین الحق والشرع صدقا وعدلاً☆ان اللہ ما فطر فی زمانہ لہ مثلاً و بدلا☆الا ان کراماتہ لا تحصی☆ووجوہ کمال احوالہ لا تخفی☆اقر اھل الکمال بوقارہ و جلالہ کأنھم عبیدہ وھو من الملوک☆وکان حنفیا فی فنون الفقہ و قادریا فی ابواب السلوک☆ان مرشدہ و أباہ عین الحق عبدالمجید ھو امجد الکاملین☆الا ان شان الا مجد ارفع من مدیح الواصفین☆اظھر الحق بجد و کدہ☆وورث احقاق سبیل الحق

☆ اس عربی عبارت میں ۶۲ مسجع مقفی فقرے ہیں، جن میں سیف اللہ المسلول کی پوری سوانح بیان کردی گئی ہے، اس کے ہر فقرے سے حضرت کا سنہ وصال ۱۲۸۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ اردو داں قارئین کے لیے ہم نے ان کا اردو ترجمہ بھی درج کردیا ہے۔

من ابيه و جده☆اما تصانيفه فهى بحار انوا ع العلوم ☆فيما بين الكتب كالشمس بين النجوم☆

أما محد نسبه فكان ابوه من اولاد سيدنا عثمان☆وهو ختن حبيب الجليل الديان☆كانت امه من بنى سيدنا العباس المكرم☆وهو عم لحبيب الله المجيب صلى الله تعالىٰ عليه وسلم☆

انه هو والله اكمل العارفين فى المعارف والحكم☆وان وصف كماله لعرف فى بلاد العرب والعجم☆كم راح الحرمين الشريفين☆وكم تشرف بسيد الكونين☆وهو قد وصل البغداد☆ففاز هنا لك من جناب محبوب رب الارباب بجميع ما اراد☆

هو عابد حياً وفنى عمره فى عبادات المعبود☆وشرفه رسوله السعيد الحميد المحمود☆رزق حباً فضلاً و طولاً☆ان عمره المكرم لقد كان هو سبعا وسبعين حولا☆فى حد تسع و ثمانين☆بعد الف و مأتين امسى هو بالله الوكيل من الواصلين☆فات هو يوم الخميس☆ودفن فى مرقد فى ليل هو لجميع ليالى لرئيس☆كيف لا فانه والله ليل العلوق للرسول عليه السلام☆ومن اجله لقد رجح جاهه على جاه ليالى القدر لدى جم الاعلام☆لقد كان اخير قوله الله الله☆وبنور قبره طاب ثراه☆ان قبره الاقدس الا نور هو مطلع نور☆وهو ليكفى كل زاير فى مهمات الامور☆وروحه الاشرف الاطيب لزايره يقول☆انا فضل الرسول☆بفضل الرسول الاوحد☆قدس سرهٗ الشريف اللطيف الامجد☆ان هم عد مناقبه لكل الكاتب والمقرى ☆ولا يستطيع بحد وصفه الواصف المطرى☆

وعلى هذا فوقف القلم☆وبالخير تم☆المؤرخ عبدالقادر☆نور الله الولى روحه و قلبه بالنور الباهر☆

[ترجمہ: ام التواریخ۔اس کے ذریعے ہر پریشان اور فریادی تسلی پاتا ہے۔

اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن ورحیم، قادر اور نہایت بزرگی والا ہے۔ ہم درود بھیجتے ہیں اس کے حبیب، ہمارے نبی ﷺ پر، ان کی آل اور اصحاب پر جو بڑی بزرگی والے ہیں۔

(حمد و صلاۃ کے بعد) قطب الاقطاب نے جنت کا سفر کیا۔ اللہ رب العزت نے

انہیں اپنے کمال درجہ عزت کے جوار میں داخل کر دیا۔ وہ مخلوق کے امام اور شیخ الاسلام ہیں۔ ہر عام و خاص کے مابین قطب زمانہ ہیں۔ اصول و فروع کے حقائق کا انکشاف کرنے والے ہیں۔ وہ حضور ﷺ کے دشمنوں کے لیے ننگی تلوار ہیں۔ بخدا وہ 'فضل رسول' ہیں۔ بلا شک وشبہ وہ فضیلت والے، تعریف کے لائق، بزرگ اور معروف ومقبول ہیں۔ ان کا چہرہ تجلی خیز ہے، جس پر ان کی فضیلت شاہد ہے۔ ان کے فضل کا انکار محض حاسدین، بے وقوف اور اہل عناد ہی کرتے ہیں۔ آپ 'معین الحق قادری' کے لقب سے مشہور ہیں۔ پروردگار! ہمارے لیے ان کی بھلائیاں اور احسانات ہمیشہ ہمیشہ عام فرما۔ اگر حقیقت پسندی اور انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ یقیناً مسلک حق اور شریعت کے پاس دار ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے زمانے میں آپ کا مثیل و بدل پیدا ہی نہیں فرمایا۔ آپ کی کرامتیں شمار سے باہر ہیں۔ آپ کے احوالِ کمالات کے مظاہر کسی سے مخفی نہیں۔ ذی مرتبت لوگوں نے آپ کے وقار اور جلال کا اس طرح اقرار کیا گویا وہ آپ کے غلام ہیں اور آپ ان کے بادشاہ۔ آپ مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری ہیں۔ آپ کے مرشد گرامی اور والد محترم کا نام عین الحق عبد المجید ہے، جو ذی کمال حضرات میں بڑی بزرگی والے ہیں۔ آپ کی شان بزرگی مداحین کی مدح سے بھی ارفع واعلیٰ ہے۔ آپ نے اپنی محنت اور لگن سے حق کا اظہار فرمایا۔ آپ نے احقاق حق کا جذبہ اپنے والد اور جد بزرگوار سے ورثہ میں پایا ہے۔

رہیں آپ کی تصانیف تو وہ تو گویا انواع واقسام کے علوم کا سمندر ہیں۔ دیگر کتب کے درمیان آپ کی تصانیف کا مرتبہ ایسا ہی ہے جیسا سورج کا مرتبہ ستاروں کے درمیان۔

آپ کے نسب کی بزرگی کا یہ عالم ہے کہ آپ کے والد محترم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اولا د امجاد سے ہیں، جو اللہ کے حبیب ﷺ کے داماد ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد سے ہیں، جو اللہ کے حبیب ﷺ کے چچا ہیں۔

خدا کی قسم! آپ معارف وحکمت جاننے والوں میں کامل ترین ہیں۔ آپ کی ذات کے کمالات سے عرب وعجم سب واقف ہیں۔ کتنی ہی بار آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے اور کتنی مرتبہ آپ سید الکونین ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ بغداد شریف بھی پہنچے۔ وہاں محبوب سبحانی حضرت غوث اعظم کی بارگاہ سے آپ کو وہ سب عطا کیا گیا جو آپ نے چاہا۔ آپ ایسے عبادت گزار ہیں کہ آپ نے اپنی ساری عمر پروردگار عالم کی عبادت میں گزار دی۔ اور

رسول اکرم ﷺ نے آپ کو (اپنی زیارت سے) مشرف فرمایا۔ آپ کو محبت، فضیلت اور بخشش کی توفیق دی گئی۔

آپ کی عمر شریف ستتر (۷۷) برس کی ہوئی۔ ۱۲۸۹ھ میں آپ واصل بہ حق ہو گئے۔ آپ نے جمعرات کے دن وصال فرمایا۔ اور آپ کو اپنی آخری آرام گاہ میں ایسی رات میں لٹایا گیا جو تمام راتوں کی سردار ہے۔ یہ رات ایسی کیوں نہ ہو؟ یہی رات تو حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کی رات ہے۔ اسی سبب سے علمائے اعلام نے شب وصال کو شب قدر پر ترجیح دی ہے۔ آپ کے آخری کلمات ''اللہ اللہ'' تھے۔ آپ کی قبر انور کے نور کے سبب آپ کا ٹھکانا معطر ہو۔ آپ کی قبر اقدس مطلع نور ہے۔ جو ہر زائر کے لیے امور مہمہ میں مطلب برآری کے لیے کافی ہے۔ آپ کی اشرف واطیب روح اپنی زیارت کرنے والے سے کہتی ہے کہ ''میں فضل رسول ہوں''۔ رسول بے نظیر کے فضل وکرم سے اللہ تعالیٰ آپ کے اسرار کو مقدس فرمائے۔ اگر کوئی کاتب یا ذی علم آپ کے اوصاف شمار کرنا چاہے تو درماندہ ہو جائے۔ کوئی مبالغہ کرنے والا ثنا خواں بھی ان کے اوصاف کی حد قائم نہیں کر سکتا۔

بس اسی پر قلم نے اکتفا کر لیا۔ خیر سے یہ (ام التواریخ) مکمل ہوئی۔ ان تواریخ کو نکالنے والا عبد القادر ہے۔ اللہ ذوالجلال اس کی روح وقلب کو نور باہر کے ذریعے منور فرما دے۔]

ایضاً از تالیف حضرت مولانا [تاج الفحول] صاحب قبلہ

مالي سهرت وفي ليلي أرى طولا — والقلب صار بقيد الهم مكبولا
فكرت فيه ثرا ناع نعى و دعا — ويلاً لقد صار قلبي منه مبتولا
إني بليت بما لو جاء ذرته — فوق البعير كخيط صار مهزولا
هيهات قدمات رأس العارفين و من — في العلم قد حاز معقولا و منقولاً
يا قلب اصغ ويا لساني استمع — في مدح أوصافه ماشئتما قولا
فضل الرسول هو الذي قد كان في — إحياء دين رسول الله مشغولا
و الفضل كلا يراه العاقل الفطن — في جنب فضل رسول الله مفضولا
بالفضل قد عم أهل العصر نعمته — في جوده كل مرء كان مشمولا
كم حج بيت الهنا من بينه — كم زار من للكل كان رسولا

كـالبحر في فيض أهل الحق كان وفي	تبـكيت أعدائه كالسيف مسلولا
إذ هـزَّ سيف الـمـقـال في مقابلته	مـا عـاد عـاده إلاعـاد مـقتولا
الـلـه نـاصـره فـي كـل معـركة	أعـدى الأعادي لديه صار مخذولا
كـم فاسق غايص في بحر معصية	قـد زاره فـغـدا الـلـه مـقبـولا
بـالـزهـد قد طلق الدنيا و زخرفها	كـان بـالـورع والتـقـوىٰ لمقبولا
أرخـت عـامـا تـوفـى فيـه سيدنا	بالزهد قد راح في خلد لموصولا

۱۲۸۹ھ

☆

از جناب مستطاب

مجمع البرکات منبع الحسنات مولانا سید شاہ ابوالحسین عرف میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ

فضل رسول طيب حميد	۱۲۸۹ھ	رضى عنه الله المجيد	۱۲۸۹ھ
عاش هو عبدلربه ومات وهو المحمود	۱۲۸۹ھ	عليه رضوان الله الودود	۱۲۸۹ھ
دخل جنات النعيم	۱۲۸۹ھ	انه لفاز بفوز عظيم	۱۲۸۹ھ
نور الله الحي مضجعه	۱۲۸۹ھ	وجعل لحاق جنات شرعه	۱۲۸۹ھ
خلده الله الحي بحبوحة جنانه	۱۲۸۹ھ	وروحه برضوان	۱۲۸۹ھ

☆

از حضرت اقدس

غوثی وغیاثی مرشدی وملجائی امام المسلمین سید العلما تاج الاولیا سلطان مشائخ آفاق مولانا الحاج شاہ غلام پیر محبوب حق عبد المقتدر مطیع الرسول القادری رضی اللہ عنہ

إنه أدخل بجنات و عيون	۱۲۸۹ھ	كريم وحيد لم ير مثله عيون	۱۲۸۹ھ
فضل الرسول الطيب	۱۲۸۹ھ	هو فياض لقد زادجوده من الصيب	۱۲۸۹ھ
بل جوده علا فيوض البحار	۱۲۸۹ھ	ونور هدايته لساطع في الأقطار	۱۲۸۹ھ
نورالله قبره الكريم بجلال أنواره	۱۲۸۹ھ	وإن نزول الأنوار ليتوالى على مزاره	۱۲۸۹ھ
إنه لفاز فوزاً عظيماً	۱۲۸۹ھ	فانه معين الحق وأعان ديناً مستقيماً	۱۲۸۹ھ

حل هو محل صدق عند مليك مقتدر ۱۲۸۹ھ	إنه للحق والدين أبدا معين و منتصر ۱۲۸۹ھ
شرفني الله الوهاب بعنايته ۱۲۸۹ھ	و أدام الله الأحد آثار هدايته ۱۲۸۹ھ

☆

از جناب

مولوی منیر الحق صاحب خلف الرشید جناب مولانا حکیم سراج الحق صاحب

إن شيخ الإسلام وأبجل الأنام ۱۲۸۹ھ	أدخله الإله العزيز في دار السلام ۱۲۸۹ھ
طاب ياله بفضل الرسول ۱۲۸۹ھ	و تشرف حاله بأحسن قبول ۱۲۸۹ھ
إنه صاحب الفضل العميم ۱۲۸۹ھ	و إنه لصاحب القدر الفخيم ۱۲۸۹ھ
إنه هو معاذ لفقراء ۱۲۸۹ھ	و محب لغرباء ۱۲۸۹ھ
نعت جلاله لدى الكل أبين وأشهر ۱۲۸۹ھ	ووصف كمله هو أكبر وأرفع من أن يسطر ۱۲۸۹ھ
لقد جعله الله الواحد بجوده للحق معيناً و سراجاً منيراً ۱۲۸۹ھ	
ووهب الله الوهاب له فيضاً كبيراً ۱۲۸۹ھ	
رزقني الله الواحد المجيد من بركاته ۱۲۸۹ھ	وأدام الله القادر الوهاب أبداً أنوار حسناته ۱۲۸۹ھ

☆

از جناب

مولانا سید عماد الدین صاحب رفاعی متوطن بندر بمبئی

توفي سيدي فضل الرسول　　حباه ربه حسن القبول

لعام و صاله قل يا عماد　　اهل بجاهه فضل الرسول

☆

از جناب

مولوی ابرار الحق نذر الرسول صاحب بدایونی

قد مات ولي هو جامع الكمال منبع الأنوار ۱۲۸۹ھ

مزين الخلد إمام الأبرار ۱۲۸۹ھ

إنـــه سيـدنـــا و مـــولانـــا مـــلاذ لــكــل الأنــام ۱۲۸۹ھ

أسـكـنـه الـلـه الحميد المتعال بأوليائه في دارالسلام ۱۲۸۹ھ

جـــواد كـــمـــالـــه أزيـد جـدا مــن أن يـذكـر و يبيـن ۱۲۸۹ھ

ونـور الـلـــه الـصـمـد قبره بـأنوار جمـالـه الأحسن ۱۲۸۹ھ

☆

از جناب
مولانا محمد حسن صاحب سنبھلی اسرائیلی

كان فضل الله في فضل الرسول — نـال حظا من فدا فضل الرسول

ارتـقى علما إلـى أعلى الكمال — واصلاً جهداً إلـى أوج الـقبول

بـعـد مـا أحي رسوم المصطفى — اصـطـفـاه الـلـه في دارالوصول

غـاب عـنـا بـعـد تـقويم الأمور — قـد أجاب الغم جمهور العقول

رحـلتـه قـد شـت فها ستملهم — بـعد ما انجاز و ابا حياز شمول

إذ كـمـال الـجاه كان الاتصال — غـابه الاكمال جا محب فى الحصول

قـــلـــت فـــي نـــفـــســـي لـتـــاريـخ الـــرحـيـــل

حـــــازوا بـــجـــــاهـــــه فـــضـــل الـــرســـول

۱۲ ھ ۸۹

☆

چند تواریخ فارسی و اُردو

از جناب مولانا مرید جیلانی صاحب قادری بدایونی

امام جہاں شاہِ فضل رسول — بخلد بریں نزد خلاق رفت

چو خواہی سن رحلت پاک او — بگو رونق دیں ز آفاق رفت

۹ ۸ ۲ ۱ھ

☆

☆

از جناب مولانا محبّ احمد عبد الرسول صاحب قبلہ بدایونی

قبلۂ اہل طریقت کعبۂ دنیا و دیں
واقف سر حقیقت بادشاہ عارفیں

مرشد ما قطب عالم حضرت فضل رسول
کرد رحلت چوں ز دنیا جانب خلد بریں

سال وصلش آمدہ صرف از حروف معجمہ
زبدۂ اخیار وقت و عمدۂ اہل یقیں

در حروف غیر منقوطہ فقط اے دل بخواں
اکرم احرار و اورع ناصر دین متیں

رازدار سر سرمد بحر ہمت اہل فضل
شد دو تاریخ از حروف ہر دو قسمش اے ذہیں

اکرم و سردار اہل دل امام عصر ہم
سال وصلش در حروف غیر منقوطہ ببیں

☆

از جناب حافظ غلام جیلانی صاحب قادری بدایونی

معین الحق آں شاہ فضل رسول
شد از آب کوثر دلش پر سرور

چو شد رحلتش گفت ہاتف بسال
زہے مست جام شراب طہور

۹ ۸ ھ ۲ ۱

☆

از جناب مولوی دلدار علی صاحب مذاقؔ بدایونی

واصل مولیٰ شد مولانا
فضل رسول ان للہ

گفت مذاقؔ سنین وصالش
بودہ فضل رسول اللہ

۱۲۸۹ھ

دیگر

اعلم و افضل جناب حضرت فضل رسول
جامع فضل و ہنر صاحب فخر جلیل

صورت و سیرت میں وہ بے مثل و بے مثال
خلق میں وہ بے مثل خلق میں وہ بے مثیل

خلد میں رضواں مذاقؔ دیکھ کے اُن کا جمال
کہتا ہے سال وصال فضل رسول جمیل

۱۲۸۹ھ

☆

از جناب مولوی محمد عظیم اللہ خاں صاحب بدایونی متخلص مسکین

علامہ دیں فضل رسول آں شہہ والا — گشتند ازیں دارِ فنا چوں ارم آرا
از رحلت خود سرور دیں بے سرو پا کرد — فضل وکرم و لطف و خرد علم و ہنر را
۸۰۰ ۲۰۰ ۹ ۲۰۰ ۳۰ ۵۰

۱۲۸۹=۵۰+۳۰+۲۰۰+۹+۲۰۰+۸۰۰

☆

از جناب مولوی محمد انوار حسین صاحب سہسوانی متخلص تسلیم

فضل رسول اکرم مقبول رب عزت — دریائے علم وتقوی سر دار دین و ملت
درخلد چوں قدم زد آں پیشوائے امت — برطرز نو رقم زد تسلیم سال رحلت
شد جاہ از حقیقت ہم حال از طریقت — از فیض شد بلندی ہم وصف از کرامت
۹ ۶۱۸ ۳۹ ۷۱۹ — ۸۹۰ ۹۶ ۱۷۶ ۶۶۱

☆

از جناب سید فیاض علی صاحب ساکن گلاوٹھی مرحوم فیاضی تخلص

عالم دیں جناب فضل رسول — بود از اہل کشف و اہل یقیں
سال وصلش نوشت فیاضی — قطب اقطاب شیخ کامل دیں
۱ ۲ ھ ۸ ۹

☆

از جناب شیخ محمد صادق علی صاحب گڑھ مکتیسور مداح تخلص زید مجدہٗ

یکتائے عصر فضل رسول آں شہ زماں — از جاں گذشت ورخت سفر بست زیں جہاں
مداح سال وصل بطرز دعا نوشت — با احمد نبی خدا باد حشر آں
۱ ۲ ھ ۸ ۹

☆

از جناب مولانا عبد السلام صاحب سنبھلی

معدن فضل الٰہی حضرت فضل رسول — پیشوائے اہل عرفاں سرور اہل قبول
واقف اسرار شرع و کاشف استار دیں — ماہر کامل بہر فن از فروعش تا اصول

سطوت تقریر او بگداخت جان منکراں | ہیبت تحریر او انداخت در تج حمول
جامع علم و ولایت دافع آثار جہل | قامع بنیاد کفر و رافع اوج قبول
رفت از دنیا و دنیا از غم او تیرہ شد | کرد روشن منزل اول بانوار نزول
ایں جہاں را سنگ ماتم بر جبین مدعا است | آں جہاں را گوہر مقصود در دست وصول

خواستم تاریخ وصل وے نویسم ناگہاں
شد بمن الہام از روحش انا فضل الرسول

☆

از جناب مولانا عبد الرحیم صاحب رزاقی متوطن دریاباد ردولی شریف

آہ گذرے مولوی فضل رسول | سیر جنت کی اُنہیں آئی پسند
ہے یہ مصرع سال تاریخ وفات | یافت در قصر جناں جائے بلند

۱۲ ھ ۸۹

☆

از جناب مولانا سید شمس الضحٰی صاحب بخاری حیدر آبادی

چوں جناب شاہ دیں فضل رسول | پشت دنیا را شب آدینہ داد
جملہ عالم یک بیک از رحلتش | تیرۂ و تاریک در چشمم فتاد

گفت ہاتف سال وصل آنجناب
گل شدہ وے شمع عرفاں حیف باد

۱۲ ھ ۸۹

☆

از جناب مولانا علی احمد خاں صاحب اسیرؔ مدظلہم بدایونی

رباعی در صنعت اظہار المضمر ☆ مشتمل بر سہ تاریخ کہ از مصرع اول تخرجہ دہ عدد کہ حد عقول است نزد حکما تاریخے پیدا است و ہم بہ صنعت توشیح از سر بر چہار مصرع رباعی ہویدا و نیز از مصرع چہارم

☆ اس صنعت کے موجد حضرت جامی علیہ الرحمہ ہیں۔ دیارِ ہند میں فائق لکھنوی کے بعد یہ رباعی نقش ثانی ہے۔ بقیہ بکثرت تواریخ وصال ہدیہ طیبہ مطبوعہ بدایوں میں ہیں۔ (ضیا)

تخرجہ مذکورہ رباعی از لفظ بگذشت رونما است

زحد عقل رنج و غم گذشتہ

(۱۲۹۹-۱۰=۱۲۸۹ھ)

غریب دار بقا از جہان سر برگشت — ریاضِ داغ و بدل حیف ذرہ ذرہ بدشت
فرا گذشتہ بعقلم خیال سال اسیر — طبیب من بہ غم جست و گفتہ کہ بگذشت
۱۲ ھ ۸۹

ایضاً قصیدہ منقبت

بہار باغ جناں نو بہار فضل رسول — گل ریاض علی گلعذار فضل رسول
چراغ بزم حقیقت ضیائے نور یقیں — تجلی رخ شمع مزار فضل رسول
بہار آئینۂ حسن کعبہ و بغداد — نقاب روئے غبار مزار فضل رسول
بیاض صبح تجلی دیدۂ خورشید — سواد سرمہ غبار مزار فضل رسول
شمیم گیسوئے شام وصال شاہد قدس — نسیم صبح بہار مزار فضل رسول
سواد خال لب شاہدان حسن قبول — خیال بوسۂ سنگ مزار فضل رسول
سحاب عین حق و ابر دامن برکات — غلاف کعبہ ردائے مزار فضل رسول
گل سر سبد مہر و ماہ و غنچۂ نور — کلاہ قبۂ قصر مزار فضل رسول
نشان رفعت قصر مبارک بغداد — لوائے شاہی باب مزار فضل رسول
حباب آب بقا میر فرش بزم حضور — نجوم نور فیوض مزار فضل رسول
قمر گہر در و انجم گل و شگوفہ ہزار — متاع نقد دل و جاں نثار فضل رسول
حساب حصر گہر ہائے سلک لا احصی — شمار سبحہ عز و وقار فضل رسول
بہ چہرہ رنگ اجابت بفرق تاج وقار — بدیدہ کحل جواہر غبار فضل رسول
نہ کیوں ہو دور مئے جام ساقی کوثر — ہے آج بزم میں دار و مدار فضل رسول
سمی حضرت محبوب پاک سبحانی — وصی و وارث ذوالاقتدار فضل رسول
دعا کو ہاتھ اُٹھاؤ در قبول کھلا — اُٹھا وہ پردۂ نور مزار فضل رسول

الٰہی دونوں جہاں میں ہمیشہ پھولے پھلے ‌‌‌‌‌‌‌‌ ہر ایک گلبن باغ و بہار فضل رسول
غم و الم کے سلاسل سے جلد ہو آزاد ‌‌‌‌‌‌‌‌ اسیر سلسلہ تابدار فضل رسول

☆

از جناب حافظ ذاکر احمد حکیم مجاہد الدین صاحب متولی بدایونی مرحوم☆

قطب کونین شاہ فضل رسول ‌‌‌‌‌‌‌‌ از مئے وصل حق تعالیٰ مست
شد چو واصل بہ رب بگو ذاکر ‌‌‌‌‌‌‌‌ در ازل بود مست جام الست
۱۲۸۹ھ

☆☆☆

☆ آپ بانی و مہتمم نبی خانۂ ذاکر و عاشق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرید و خلیفہ سیدی مولانا شاہ آل رسول قدس سرہٗ حاجی و زائر و طبیب کامل تھے۔ بزمانہ علالت حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ معالج رہے۔ ۲۹ر صفر ۱۳۳۴ھ میں راہی خلد ہوئے، "طبیب باصفا حافظ مجاہد الدین" فقرہ سال انتقال ہے۔ (ضیا)

حواشی حصہ دوم

(۱)

مولانا عبدالواسع صاحب لکھنوی آپ علوم عقلیہ کے جید فاضل، اپنے زمانے کے نامور اساتذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ دراصل سیدن پور کے رہنے والے تھے، لیکن لکھنؤ میں سلسلۂ درس جاری رکھا تھا۔ مولانا بحر العلوم سے استفاضہ کر کے علوم ظاہری کے خزانے میں سے مشاہیر علما کو مالا مال کیا۔ سلسلۂ خاندان برکاتیہ میں حضرت سیدی شاہ آل رسول صاحب قادری مارہروی علیہ الرحمۃ نے بھی آپ سے استفاضۂ علمیہ کیا ہے۔

(۲)

مولانا عبدالواجد صاحب خیرآبادی آپ مولوی محمد اعلم فاروقی سندیلوی کے (جو ملا حمد اللہ سندیلوی سردفتر علمائے معقول کے ارشد تلامذہ میں ہیں) ہمشیرزادہ یعنی بھانجے ہیں اور استاذِ امام مولانا فضل امام خیرآبادی کے استاذ ہیں۔ یہ بھی اپنے زمانے میں فرد یکتا تھے، مولوی امام العالم خیرآبادی جنھوں نے قصیدۂ بردہ شریف کی شرح لکھی ہے آپ اُنہیں کی اولاد سے تھے۔ [نزہۃ الخواطر میں آپ کا سنہ وفات ۱۲۱۶ھ درج ہے، پروفیسر ایوب قادری نے تذکرۂ علمائے ہند کے حاشیے میں ۱۲۱۸ھ/ ۴-۱۸۰۳ء لکھا ہے۔ اسید]

(۳)

مولانا ظہور اللہ صاحب لکھنوی آپ مولوی محمد ولی ابن مفتی غلام مصطفےٰ کے فرزند اور ملا محمد حسن لکھنوی کے بھتیجے ہیں۔ ۱۱۷۴ھ [۶۱-۱۷۶۰ء] میں پیدا ہوئے، والد بزرگوار اور عم ذی وقار سے اکتساب علوم کیا۔ نواب سعادت علی خاں والی لکھنؤ کے عہد میں عہدۂ افتا پر فائز ہوئے، لیکن بچند وجوہ کچھ دنوں کے لیے معزول کر دیے گئے، مگر پھر نواب غازی الدین حیدر کے عہد میں اسی عہدے پر بحال کیے گئے۔ اکثر کتب معقول پر حواشی تحریر فرمائے، درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رکھا، بہت سے مشاہیر علما آپ کے شاگرد ہوئے۔ [۱۲۵۶ھ/ ۴۱-۱۸۴۰ء میں وفات ہوئی۔ نزہۃ الخواطر]

(۴)

ملک العلما مولانا قطب الدین شہید سہالوی آپ علمائے فرنگی محل کے مورث اعلیٰ ہیں۔ یہ عطائے الٰہی آپ کے خاندان کے ساتھ مخصوص ہے کہ آپ کی اولاد میں اِس وقت تک نسلاً بعد نسلٍ علم و فضل چلا آتا ہے۔ سلسلۂ تلمذ اکثر علمائے ہند کا آپ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے اجداد میں شیخ علاء الدین انصاری ہرات سے نواحِ دہلی میں آ کر سکونت پذیر ہوئے۔ وہاں سے ملا نظام الدین نے قصبہ سہالی میں آ کر اقامت کی۔ آپ نے ملا دانیال شاگرد عبدالسلام ساکن دیوہ اور شیخ گھاسی شاگرد شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادی

سے انتساب ختم فرمایا۔ قصبہ سہالی میں آپ کے خاندان اور شیوخ عثمانی کے درمیان شرکت زمینداری کے باعث رنجش تھی، جس کا اثر یہ ہوا کہ ایک شب شیوخ عثمانی نے موقع پا کر آپ کے مکان پر چڑھائی کی اور آپ کو قتل کر کے مکان کو جلا دیا۔ آپ نے چار فرزند ملا اسعد، ملا محمد سعید، ملا محمد رضا، ملا نظام الدین صاحب فضل و کمال اپنی یادگار چھوڑے۔ جن کی اولاد اب تک وارث علم و دانش موجود ہے۔ آپ کی شہادت ۱۹ رجب روز دوشنبہ ۱۱۱۱ھ [جنوری ۱۷۰۰ء] میں ہوئی۔ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے تاریخ وصال یہ فرمائی ہے:

علامہ بحر ذاخر فضل و ہنر	در دامن ارباب طلب ریخت گہر
دل خوں شدہ تاریخ وفاتش فرمود	قطب عالم شدہ شہید اکبر

(۵)

ملا محمد سعید لکھنوی آپ نے اپنے والد ماجد کی شہادت کے بعد ایک محضر تیار کیا اور دکن پہنچ کر حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر خلد مکانی کے حضور بطور استغاثہ پیش کیا۔ دربار سلطانی سے فرمان معافی فرنگی محل عطا ہوا۔ بعد واپسی فرنگی محل پر قابض و دخیل ہو کر جملہ فرزندانِ شہید مرحوم کو وہیں بلا کر رکھا۔ دوسری مرتبہ پھر حضور بادشاہ میں حاضر ہو کر اسنادِ عطیات شہنشاہی سے سرفرازی حاصل کی، جملہ اسناد کو وطن روانہ کیا، خود مکہ معظّمہ روانہ ہوئے۔ وہیں انتقال فرمایا۔

(۶)

ملا شاہ احمد انوار الحق ابن ملا احمد عبد الحق لکھنوی آپ کم سنی سے ہی ورع و تقویٰ کے لذت آشنا تھے۔ والد کی صحبت سراپا برکت کے اثر سے فقر کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ یہی سبب ہوا کہ مولوی احمد حسین و ملا محمد حسن سے پڑھ کر اور مولانا بحر العلوم سے تکمیل علوم کرنے کے بعد معقولات سے بالکل احتراز کر لیا، البتہ دینیات مقبول و محبوب رہی۔ درس و تدریس سے زیادہ رغبت نہ تھی۔ تمام عمر ذکر و شغل اور یادِ الٰہی میں بسر فرمائی۔ چھ شعبان ۱۲۳۶ھ [مئی ۱۸۲۱ء] روز سہ شنبہ آپ کا وصال ہوا۔
رحمت حق بروح انور باد مصرع تاریخ ہے۔

(۷)

ملا احمد عبد الحق لکھنوی آپ نے تکمیل علوم اپنے عم مکرم ملا نظام الدین بن قطب الدین شہید سہالوی سے کی۔ تمام عمر درس و تدریس میں بسر فرمائی، تمام ارباب لکھنؤ آپ پر اعتماد کلی رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف سے 'شرح سلم' و 'حواشی زواہد' یادگار ہیں۔ [۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء میں وفات ہوئی۔ 'تذکرہ علمائے ہند' از رحمان علی]

(۸)

بحر العلوم حضرت مولانا عبد العلی لکھنوی آپ ملا نظام الدین کے آخر عمر کی یادگار ہیں۔ سترہ سال کی

عمر میں والد ماجد سے جملہ علوم کی تکمیل فرمائی، اسی سال والد کا انتقال ہو گیا۔ بعض کتب معقول و منقول کے مسائل دقیقہ ملا کمال الدین سہالوی سے (جو پدر بزرگوار کے ارشد تلامذہ میں سے تھے) اخذ کیے۔ بچند وجوہ لکھنؤ سے جدا ہو کر حافظ الملک نواب رحمت خاں کی کمال قدر دانی کے باعث شاہجہاں پور میں مدرس رہے۔ اُس کے بعد نواب فیض اللہ خاں والیٔ رامپور آپ کو رامپور لے آئے۔ یہاں سے قلت معاش کے باعث بہار میں منشی صدر الدین کے یہاں سلسلۂ درس جاری فرمایا۔ یہاں جب کچھ ان بن ہو گئی تو نواب علی محمد خاں والیٔ کرناٹک نے آپ کو نہایت عزت و تکریم سے مدراس بلا لیا اور مدرسہ جاری کیا، 'بحر العلوم' کا خطاب دیا۔ تمام عمر مولانا نے یہیں بسر فرمائی، تمام ہند میں کوئی ذی علم نہیں جو آپ کے فضائل علمیہ کا قائل نہ ہو۔ ۱۲؍رجب ۱۲۳۵ھ [اپریل ۱۸۲۰ء] میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی مشہور تصانیف کثیرہ آپ کی یادگار ہیں۔

(۹)

حضرت مولانا سید علاء الدین اصولی رحمۃ اللہ علیہ آپ حضرت شرف الدین اعلیٰ علیہ الرحمۃ کے فرزند، مولانا جلال الدین تبریزی کے مرید، حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُستاذ بدایوں کے متقدمین اولیاء اللہ سے ہیں۔ آپ کے حالات 'فوائد الفواد' شریف میں حضرت محبوب الٰہی کی زبان مبارک سے بیان ہوئے ہیں، اس کے سوا اور کتب سیر بھی آپ کی شاہد حال ہیں۔ علامہ قاسم نے 'تاریخ فرشتہ' میں بزمانہ کبرسنی آپ کا دہلی پہنچ کر حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کرنا اور خرقہ حاصل کرنا بھی لکھا ہے۔ مزار شریف بدایوں میں متصل آستانہ حضرت سلطان جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جانب شرق و جنوب بَن میں ہے۔

(۱۰)

حضرت شاہ اُجیالے صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ بدایوں کے متاخرین اولیاء اللہ سے ہیں۔ فیض باطنی شیخ عبد الجلیل الہ آبادی سے اور اُن کے خلیفہ حضرت جان جاناں سے آپ کو حاصل تھا۔ آپ محلّہ قبول پورہ بدایوں کے پٹھانوں میں سے تھے۔ آپ کے رنگ کی سیاہی نے آپ کے روشن ضمیر شیخ کی زبان مبارک سے کالے کی بجائے 'اجیالے' کا لقب دلوایا۔ شیخ کے وصال کے بعد آپ الہ آباد سے بدایوں آ گئے اور حضرت شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ باطنی کے مشتاق ہوئے، سرائے فقیر میں سجادۂ مشیخت آراستہ کیا اور یہیں وصال فرمایا۔ آپ کے حالات 'روضۃ الصفا' میں مفصل درج ہیں۔ آپ کے وصال کے بعد حسب بشارت آپ کے سجادہ نشین شاہ ولی اللہ صاحب دانشمند بدایونی ہوئے۔

(۱۱)

حضرت سید آل حسن رسول نما علیہ الرحمۃ دہلوی آپ ہندوستان کے دورِ آخر میں نہایت صاحب کشف و کرامات بزرگ گزرے ہیں۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت شاہ محمد مقیم حجرہ والے سے شرف بیعت و

خلافت حاصل تھا۔ آپ کی نسبت دربارِ نبوت میں اس درجہ قوی تھی کہ جو شخص آپ سے بیعت ہوتا تھا پہلی ہی شب میں حضور سید العالمین ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتا تھا۔ ۱۱۰۳ھ [۹۲-۱۶۹۱ء] میں آپ کا وصال ہوا۔ اویس ثانی و محبوبِ ابرار مصرع تاریخ وصال ہے۔ 'خزینۃ الاصفیا' میں جو قطعہ تاریخ لکھا ہے وہ یہ ہے:

ز دنیائے دوں چوں بجنت رسید	حسن پیر لخت دلِ پنجتن
بگو پیر فیاض تاریخ او	رقم کن دگر تاج اشرف حسن

(۱۲)

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ آپ کی مفصل سوانح عمری ضیائے بے نوا کے ابی و مربی جناب خالو صاحب قبلہ ادیب والاتحریر مولوی علی احمد خاں صاحب اسیرؔ مدظلہ نے نہایت تحقیق کے ساتھ 'حیات شیخ' (۱۳۲۹ھ) میں تحریر فرمائی ہے۔ آپ کا اسم گرامی آفتاب سے زیادہ روشن ہے، آپ کو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زبردست روحی نسبت ہے، بلکہ آپ کا وجود باجود حضور ہی کی دعا کی برکت کا اثر ہے۔ مسئلہ وحدت وجود کی تجلیات کا ظہور آپ کے نورانی وجود کے باعث دنیائے اسلام میں ہوا۔ ۵۶۰ھ [۶۵-۱۱۶۴ء] میں دوشنبہ کی شب سترھویں رمضان المبارک کو بمقام فرنیسہ اندلس میں پیدا ہوئے۔ ۶۰۱ھ [۵-۱۲۰۴ء] میں حضرت ابوالحسن علی بن عبداللہ موصلی سے سرکار غوثیت کا عطیہ خرقہ پایا۔ حضرت خضر علیہ السلام سے بھی خرقہ حاصل ہوا۔ آپ نہایت زبردست صاحب تصانیف ہیں۔ حضرت شیخ مجدالدین فیروزآبادی کہتے ہیں کہ "میں نے شیخ کا ایک دستخطی اجازت نامہ بچشم خود دیکھا ہے، جس میں آپ نے اپنی تصانیف کی روایت کی اجازت شاہ حلب کو لکھی تھی اُس میں چار سو کتب کے نام درج تھے"۔ غرض یہ کہ آپ کے مناقب ظاہری عقل کے احاطے سے باہر ہیں۔ آپ اُناسی برس چھ یوم زندہ رہ کر شب جمعہ ۲۲؍ربیع الآخر ۶۳۸ھ [نومبر ۱۲۴۰ء] میں بہ مقام دمشق واصل الی اللہ ہوئے۔ مزار شریف جبل قاسون کے دامن میں ہے۔

(۱۳)

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ آپ حضرت شیخ محمد عبداللہ قریشی سہروردی کے فرزند اور حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی قدس سرہٗ (اپنے عم حقیقی) کے صاحب مجاز مسند نشین ہیں۔ آپ کے والد محض لاولد تھے، والدہ کی بے چین تمناؤں نے دربار غوثیت میں دعا طلبی کے لیے حاضر کیا، حضور غوث پاک نے دعا فرمائی، مژدۂ ولادت فرزند سنایا، اسی شب آپ کی والدہ حاملہ ہوئیں۔ بعد انقضائے مدت حمل دختر پیدا ہوئی، اگرچہ والدین نے یہی غنیمت سمجھا، لیکن حضور غوث الثقلین کی جناب میں اطلاع دہی کے لیے آپ کے والد آپ کو گود میں لے کر حاضر ہوئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا دختر نہیں پسر ہے اور خود شہاب الدین نام مقرر فرمایا اور آپ کے مدارج اعلیٰ کی بشارت دی۔

چنانچہ آپ کے موئے ابرو اور پستان دراز تھے، آپ کے حالات ومحامد اظہر من الشمس ہیں۔ آپ ۵۴۲ھ [۴۸-۱۱۴۷ء] میں پیدا ہوئے۔ ۶۳۲ھ [۳۵-۱۲۳۴ء] میں بغداد شریف میں وصال فرمایا۔

قطعۂ سال وصال از 'خزینۃ الاصفیا':

رہبر اکبر شہاب الدیں ولی دو جہاں   مقتدائے دین و دنیا شیخ عالم دستگیر
کاشف عالم بگو مصباح عرفاں کن رقم   تا ترا حاصل شود تولید آں روشن ضمیر
۵۴۲ھ   ۵۴۲ھ
بہر ترحیلش بخواں سرور شہاب الدیں بزرگ   ہم بداں تفضیل او زاہد شہاب الدین میر
۶۳۲ھ   ۶۳۲ھ

(۱۴)

حضرت برہان الکاملین سلطان العارفین شیخ شاہی موئے تاب قدس سرہٗ اسم شریف خواجہ سید حسن ہے، شیخ شاہی روشن ضمیر موئے تاب مبارک القاب ہیں۔ سلطان جی صاحب کے پیارے خطاب سے ہر شخص آپ کو یاد کرتا ہے۔ مدینۃ الاولیا بدایوں شریف کو آپ ہی کے دم قدم سے چار چاند لگے ہیں۔ سلطان شمس الدین التمش کے عہد برکت مہد میں آپ کے والد بزرگوار یمن سے تشریف لاکر بدایوں میں اقامت پذیر ہوئے۔ نسباً حسینی سید ہیں۔ آپ کے آئینۂ قلب کی صفائی نے آپ کو روشن ضمیر مشہور کیا، کسب حلال سے قوت لایموت کے لیے معاش پیدا کرنے کا یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا کہ بانوں کی رسیاں بٹ کر فروخت فرماتے تھے، اسی وجہ سے موئے تاب کہے جاتے تھے۔ سلسلۂ عالیہ سہروردیہ میں حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے محبوب ومقبول خلیفہ تھے۔ قاضی صاحب حضرت شہاب الدین شیخ الشیوخ کے مخصوص خلفا میں ہیں، حضرت قطب الاقطاب چشتی دہلوی کے مجلس عرفان کے رکن رکین تھے، ہندوستان کے مشاہیر اولیاء اللہ میں شمار ہوتے ہیں، دہلی میں ۲۹ر رمضان ۶۴۳ھ [فروری ۱۲۴۶ء] میں انتقال فرمایا۔ قطب صاحب کی درگاہ معلیٰ میں مزار پرانوار ہے۔ زندگی بھر میں صرف تین حضرات کو خلافت عطا فرمائی، جن میں سے حضرت احمد نہروالی اور حضرت شیخ شاہی بدایوں میں استراحت فرما ہیں۔ تیسرے بزرگ خواجہ عین الدین قصاب لاہور میں آسودہ ہیں۔ 'فوائد الفواد' میں حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت سلطان جی صاحب کے مناقب بہت کچھ مذکور ہیں۔ چنانچہ حضرت سلطان جی صاحب کا یہ مقولہ بھی مرقوم ہے کہ "اگر میری وفات کے بعد کسی شخص کو کوئی مہم پیش آئے تو اُس سے کہہ دینا چاہیے کہ وہ میرے مزار پر تین روز آئے، اگر تین دن گزر جائیں تو چوتھے روز آئے، اگر حاجت برآری نہ ہو تو پانچویں دن میری قبر کی اینٹیں کھود کر پھینک دے"۔ ایک خدا والے کی زبان سے یہ مبارک ارشاد کس ناز دل بری کے ساتھ نکلا ہے، عبد کا اپنے معبود کی شان بندہ نوازی پر اس درجہ نازاں ہونا کمال عبدیت کی دلیل ہے۔ آج صدیاں گزر گئیں لیکن ایک جہان ہے کہ آپ کے مزار پاک پر اُمڈا چلا آتا ہے، اطراف ہند سے لوگ

ہمیشہ بہ کثرت آتے رہتے ہیں اور بعطائے الٰہی آپ کے وسیلے سے مرادیں پاتے ہیں۔ آپ کی روشن کرامات روزانہ ہزاروں نگاہیں دیکھتی رہتی ہیں۔ شاہانِ سلف نے کثیر جائداد و مصارف درگاہ کے لیے وقف کر کے اپنی الوالعز مانہ عقیدت کا ثبوت دیا ہے۔ ایک گاؤں مسلم اور تین مواضعات نصف نصف وقف ہیں، جن کی کثیر آمدنی خدام کے تصرف میں صرف ہوجاتی ہے۔ اکثر کتب سیر آپ کے حالات کی آئینہ ہیں۔ عرس شریف یوم الوصال ۲۴ رمضان المبارک کو صرف ایک روز ہوتا ہے، جس میں شہر کے تمام مسلمان اور بہ کثرت اہل ہنود شریک ہوتے ہیں۔ ہر جمعرات کو ایک میلہ لگ جاتا ہے۔ مزار مبارک سوت ندی کے پار آبادی سے ایک میل کے قریب زیارت گاہ خلائق ہے۔ ۱۸۹۸ء [۱۶-۱۳۱۵ھ] میں سید فیصل علی ڈپٹی کلکٹر نے اہل شہر کے چندے سے یہ پختہ سڑک زیارت تک تعمیر کرائی۔ اُس کے بعد بہ صرف و تحریک مولوی قاسم علی صاحب وکیل شیعی روسائے شیخوپور کی امداد سے ڈاکٹر عطا علی صاحب نے (جو اس فقیر کے برادر طریقت اور حضرت مرشدی و مولائی حضور اقدس مولانا عبدالمقتدر تاجدار مسند قادری کے خصوصی خادم ہیں) حریم مزار کے اندر ایک احاطہ جو مستورات کے لیے مخصوص کر دیا گیا اور ایک دروازہ کلاں (جہاں سے ایک دوسری راہ اُس زنانہ احاطے کے دروازے تک نکالی گئی ہے) تعمیر کرایا، جس کی تکمیل ۱۳۳۰ھ [۱۲-۱۹۱۱ء] میں ہوئی۔ دروازۂ گلشن بہشت (۱۳۳۰ھ) فقیر راقم الحروف نے اس دروازے کی تاریخ عرض کی تھی۔ اُس کے بعد مہمانوں کے آرام و آسائش کے لیے منشی احمد حسین الٰہ آبادی تحصیل دار بدایوں نے ۱۳۳۱ھ [۱۳-۱۹۱۲ء] میں چند حجرے روسائے شہر کو اُبھار کر تعمیر کرا لیے۔ تاریخ وصال حضرت سلطان جی صاحب 'طبقات الاولیا' میں شب بست پنجم ماہ رمضان المبارک ۶۳۲ھ [جون ۱۲۳۵ء] تحریر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

دریغا کہ اُمید گاہِ انام — حسن شیخ شاہی ذوی الاحتشام
بفردوس در لیل آدینہ رفت — شب بست و پنجم ز ماہ صیام
چو تاریخ جستم ز سال رحیل — بگفتہ خرد اہل توفیق عام

۶۳۲ھ

'عظمت الاولیا' میں خواجہ علی اصغر مشہور بہ علاء الدین موج دریا ابن حضرت بدرالدین سلیمان ابن حضرت فرید الملۃ والدین شکر گنج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

شیخ شاہی جناب پیر کبیر — مقتدائے جہاں خدا آگاہ
رفت چوں از جہاں بخلد بریں — سال وصلش بداں خدا آگاہ

۶۳۲ھ

(۱۵)

حضرت شیخ اولیا امام العارفین شاہ ولایت صاحب بدرالدین موئے تاب قدس سرہٗ آپ حضرت

قطب الاقطاب دہلوی کے فرمان کے مطابق بدایوں کے صاحبِ ولایت اور حضرت سلطان جی صاحب کے برادر اصغر ہیں۔ بعد وصال حضرت سلطان جی صاحب آپ کو اور آپ کے حقیقی بھائی خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کو جانشینی کا خیال پیدا ہوا، دونوں صاحب بہ اشارۂ باطنی حضرت سلطان جی صاحب حضرت قطب صاحب کی جناب میں دہلی حاضر ہوئے۔ جس وقت قطب صاحب کی نظر ان دونوں حضرات پر پڑی آپ نے حضرت خواجہ بدرالدین کو مخاطب کر کے فرمایا ''بیابدرالدین صاحب ولایت بدایوں'' اور خواجہ عثمان سے فرمایا ''تمہارے لیے تمہارے بڑے بھائی حضرت سلطان العارفین کا قرب کافی ہے''۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد عثمان علیہ الرحمۃ قریب مزار حضرت سلطان جی صاحب محو استراحت ہیں۔ حضرت شاہ ولایت صاحب کو سلسلۂ سہروردیہ میں حضرت سلطان جی صاحب سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ سلسلۂ چشتیہ میں بھی حضرت قطب صاحب کے خلفائے کرام میں آپ کا نام نامی نظر آتا ہے، آپ بھی نہایت جلیل القدر اولیاء اللہ میں ہیں۔ حضور محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ نے 'فوائد الفواد' شریف میں اظہار فرمایا کہ ''در بدایوں دو برادر بودند یک شیخ شاہی روشن ضمیر و دویمی ابوبکر موئے تاب، پس ابوبکر موئے تاب را دیدہ ام و شیخ شاہی را ندیدہ ام۔ [ترجمہ: بدایوں کی سرزمین میں دو بھائی تھے۔ ایک کا نام شیخ شاہی روشن ضمیر اور دوسرے کا نام ابوبکر موئے تاب، جن میں سے مَیں نے ابوبکر موئے تاب کو دیکھا ہے اور شیخ شاہی کو نہیں دیکھا۔] آپ بھی مثل اپنے بھائی کے بانوں کی رسّیاں بٹ کر کسب حلال سے گزر فرماتے تھے۔ آپ کا لقب 'موئے تاب شاہ ولایت' اور کنیت ابوبکر ہے۔ آپ کا مزار اقدس روحانی فیوض کا سرچشمہ ہے۔ بدایوں کے اکابر اولیاء اللہ ہمیشہ اِس وقت تک آپ کے بابِ فیض سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں، نہ صرف بدایوں بلکہ دور دراز سے مشائخ کرام آپ کے آستانے پر حصول فیض کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ صاحبِ 'گلزار ابرار' سید غوثی حسن قادری نے سید عبداللہ شطاری علیہ الرحمۃ کے تذکرے میں ان کا بدایوں آکر آپ سے فیض یاب ہونا لکھا ہے۔ فقیر نے ضمناً اس تذکرے کو اس لیے لکھ دیا کہ ابھی تک مورّخین بدایوں کی نگاہیں اس واقعے تک نہیں پہنچی تھیں۔ اس آستانے میں بھی روزانہ اہل حاجت کا ہجوم رہتا ہے۔ آستانۂ قادریہ کے روزانہ کے حاضر باش بلا ناغہ دربار صاحب ولایت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کے تصرفات و کرامات کا اظہار عالم آشکار ہے۔ حضرت سیدی تاج الفحول علیہ الرحمۃ جب ایک مقدمے میں اشرار کی بدولت بلا سبب کچہری میں طلب کیے گئے تو ایک خاص انداز کے ساتھ حاضر ہوئے اور ایک خاص فقرہ کسی قدر بلند آواز سے فرمایا جس کا اثر یہ ہوا کہ فوراً حکم امتناعی اسی وقت آ گیا اور آپ کشمکش سے محفوظ رہے۔ اسی طرح راقم الحروف کے خالو صاحب جناب اسیر مدظلہم جو برادران وطن کی سازش سے ایک مقدمے میں مبتلا ہو کر سخت پریشان ہو گئے تھے، آپ کی گردش چشم کرم کی بدولت نہ صرف اُس بلا سے محفوظ ہوئے بلکہ جمال باکمال حضور غوثیت مآب سے سرفراز کیے گئے۔ غرض آپ کا فیض عام ہے۔ دوموضع مسلّم اور دو نصف آپ کے آستانے کے لیے بھی

وقف ہیں، آمدنی خدام کی ملکیت ہی جاتی ہے۔ جواہر فریدی میں ۲۱ر رمضان المبارک تاریخ وصال تحریر ہے، سنہ کوئی نہیں ہے، لیکن 'عظمت الاولیا' سے ۶۹۰ھ [۱۲۹۱ء] میں آپ کا وصال ہونا پایا جاتا ہے، جیسا کہ قطعہ تاریخ وصال سے ظاہر ہے۔

عظمت الاولیا:

کرد از دنیا چو بدر الدیں سفر	سال وصل او بگو بے قال و قیل
بدر دیں مہدئ دیں بدر کمال	شہ ولایت شاہ بدر الدیں جمیل
۶۹۰ھ	۶۹۰ھ

طبقات الاولیا:

شیخ بو بکر موئے تاب ولی	بدر دیں صاحب ولایت بود
حیف در بست و دو ز ماہ صیام	روز آدینہ انتقال نمود
ہاتف غیب سال ترحیلش	شیر مسعود بر محل فرمود

۶۹۰ھ

مزار مبارک آستانہ قادریہ سے قریب دو فرلانگ جانب غرب عقب عیدگاہ شمسی ہے، راستہ خام ہے، جس کے پختہ ہونے کی تحریک کی جا رہی ہے۔

(۱۶)

حضرت میراں ملہم شہید رحمۃ اللہ علیہ آپ کے وجود باجود کی برکت نے سنہ ہجری کی پانچویں صدی میں بدایوں کو اسلامی برکتوں کا مخزن بنایا۔ آپ سیادت، ولایت، علوم شریعت، شہادت کے عطر مجموعہ ہیں۔ مدینۃ الاولیا بدایوں شریف کی مجلس اولیاء اللہ میں نوشاہی و سرداری کا سہرا آپ کی نورآسا جبین پر عروس قدرت نے سجایا ہے۔ تمام اولیائے بدایوں اپنے اپنے وقت میں آپ کے آستانہ فیض سے مستفیض ہوئے ہیں، حضرت سیدنا شاہ ولایت بدرالدین موئے تاب بکمال تکریم برہنہ پا آپ کی درگاہ میں تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔ حضرت سید سالار مسعود غازی سلطان الشہداء ئے ہند اپنی والدہ کو بحکم محمود غزنوی غزنی سے لے کر اجمیر میں تشریف لائے تھے، ۴۰۸ھ [۱۸-۱۰۱۷ء] میں جب محمود غزنوی کے وجود محمود کی بدولت ہندوستان میں رایات اسلام کے پرچم نور افروز ہوئے جوار قنوج میں بدایوں بھی راجگان ہند کی چھوٹی سی حکومت کا دارالامارت تھا۔ اسی زمانے میں مسلمانوں کی آمد ادھر بھی ہونا شروع ہوگئی تھی، اکثر شہدائے بدایوں نے اسی زمانے میں اپنے مقدس خون کو بدایوں کی روئے زمین کا گلگونہ بنایا ہے۔ سلطان الشہداء کی ولادت ۴۰۴ھ [۱۴-۱۰۱۳ء] اور شہادت ۴۲۴ ہجری قدسی [۱۰۳۳ء] میں ہوئی ہے۔ سولہ برس کی عمر میں آپ امیر لشکر اسلام ہو چکے تھے اور ہندوستان میں حقانیت اسلام کی شعاعیں آپ کی جبین مبین سے طالع ہو ہو کر دور دور تک پہنچ چکی تھیں۔ حضرت میر ملہم شہید اجمیر شریف

میں روک لیے گئے۔ حضرت مسعود غازی پیدا بھی ہوئے اور قرآن شریف بھی آپ سے پڑھا۔ محمود غزنوی کی نواح قنوج میں تشریف آوری نور باطن سے آپ کو معلوم ہوئی، فوراً اجمیر شریف سے چل کر تھوڑی سی فوج کے ہمراہ بدایوں تک تشریف لائے۔ راجہ بدایوں کی کثیر فوج سے لڑ کر شہید ہوئے۔ اصل نام آپ کا سید عبداللہ ہے۔ آپ میرانجی صاحب کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ آپ کے حریم مزار میں بہت سے شہدائے کرام محو استراحت ہیں۔ پیشتر احاطۂ درگاہ پرانے زمانے کا تھا، جس کی خستہ و شکست حالت زبان حال سے زائرین کو اپنی طرف متوجہ کرکے اپنی درستی کی خواہاں تھی۔ اس پاک خدمت کو ڈاکٹر عطا علی قادری محبّ رسولی نے نہایت سرگرمی سے اپنے ذمے لیا اور اپنے آپ کو ہمہ تن وقف کردیا۔ چنانچہ اب نہایت شاندار خوشنما دلکش عمارت تیار ہوگئی ہے۔

قاضی شمس الدین قادری نے جو آستانۂ قادریہ کے مخصوص ارادت مندوں میں ہیں اور جن کا دماغ مادّہ ہائے تاریخ کا بحر بے کراں ہے اس جدید روضے کی لاجواب تاریخ تکمیل کے لحاظ سے '<u>روضۂ شہید</u>' (۱۳۳۰ھ) نکالی ہے۔

حاجی افتخار الدین قادری محبّ رسولی نے نئی بات یہ کی ہے کہ مزار اقدس کے اُن آثار قدیمہ کو جو متقدمین و متاخرین اولیا و مشائخ بدایوں کی پاک نگاہوں کا بوسہ گاہ تھے ایک جدید قبے سے ڈھانک دیا ہے۔

'طبقات الاولیا' میں 'تاریخ احمدی' مولفہ علامہ حمیدی نیشاپوری سے آپ کی تاریخ وصال نقل کی گئی ہے جو بجنسہٖ درج ہے:

ندا از آسماں آمد بہ پیہم — دریغا شہسوارِ ذی مکرم
ز تیغ کافراں شد مرد و اظلم — شہادت شد لبیب میر ملہم

(۱۷)

آپ کے دوسرے بھائی حکیم عبدالصمد صاحب بھی مشاہیر عرب سے ہوئے۔ آپ کے تیسرے بھائی عبدالشکور صاحب نے علوم زبان ترکی حاصل کیے، حکومت ترکی کے معزز عہدے پائے اور لقب 'شکری آفندی' کا حاصل کیا۔ حکیم عبدالصمد صاحب کے صاحبزادوں میں ایک عبدالوہاب تھے جن کے دکان عین باب الصفا پر تھی۔ عرصہ دو تین سال کا ہوا کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔ دوسرے صاحبزادے حاجی حکیم مولوی عبدالرزاق صاحب تھے، جو ۱۲۹۸ھ [۸۱-۱۸۸۰ء] میں حضرتِ اقدس تاج الفحول کے ہمراہ بدایوں تشریف لائے اور مدرسہ عالیہ قادریہ میں تکمیل علوم کی اور سند اجازت (باوجودے کہ اپنے چچا مولانا عبدالعزیز صاحب سے رکھتے تھے) حضرت تاج الفحول سے بھی حاصل کی۔ حیدرآباد میں محلّہ مغل پورہ کے ایک شریف خاندان میں شادی کی، جس سے ایک لڑکا عبدالخلاق نامی اپنی یادگار چھوڑا ہے، جو مدرسہ قادریہ میں زیر تعلیم ہے۔ چھوٹی سی عمر میں وعظ خوب کہتا ہے، جو محض مخدومی حضرت مولانا حکیم عبدالماجد صاحب قادری مہتمم مدرسہ شمس العلوم کی خاص توجہ کا اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بزرگان دین

کا سچا جانشین بنادے۔ حاجی عبدالرزاق صاحب مرحوم نے فتاویٰ حرمین کی تبلیغ میں (جو رد خیالات ندوۃ العلما میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کی طرف سے شائع ہوا ہے) خاص کوشش فرمائی ہے۔ عرب شریف میں انتقال فرمایا، تاریخ وفات صحیح طور پر معلوم نہ ہوسکی۔

تیسرے صاحبزادے عبدالفتاح صاحب ہیں، جوجدہ میں پیشہ خیاطی سے بسر اوقات فرماتے ہیں۔ جوان صالح متشرع ومتقی ہیں، اپنے چچا حکیم عبدالصمد صاحب سے مشرف بیعت ہیں۔ زیادہ حال آپ کی اولاد کا معلوم نہیں۔

(۱۸)

حضرت مولانا سید ابراہیم قدس سرہٗ آپ اجلّہ مشائخ عرب سے ہیں۔ نسباً سید، مذہباً شافعی ہیں۔ بانی مسجد جامع بمبئی سیٹھ محمد علی ناخدا عرب شریف سے باصرار تمام آپ کو مسجد جامع کی امامت کے لیے بمبئی ہمراہ لائے تھے۔ ہندوستان میں آپ کے فضل وکمال کی شہرت علمی طبقے کے ہر گوشے میں مسلم ہے۔ بمبئی میں آپ شیخ المشائخ اور قطب وقت سمجھے جاتے تھے۔ آپ کے حلقۂ درس میں جلیل القدر علما استفاضۂ علمیہ کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ چنانچہ مفتی عبداللطیف، سید عماد الدین رفاعی، مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی وغیرہ نے آپ سے ہی اکتساب علم کیا ہے۔ حضرت اقدس سے مراسم خلوص و اتحاد بدرجۂ کامل مضبوط تھے۔ باوجود اس کے کہ آپ صاحب ارشاد مشائخ میں تھے، لیکن زمانۂ قیام بمبئی میں اپنے متوسلین کو ہدایت کر کے حضرت اقدس کے سلسلۂ بیعت میں داخل کراتے تھے۔ شیخ چاند اور سیٹھ محمد علی ناخدا کے دونوں لڑکوں کو نیز بہت سے اہل عقیدت باوجاہت تجار کو حضرت اقدس سے بیعت کرایا۔ جس زمانے میں مولوی اسمٰعیل دہلوی وارد بمبئی ہوئے، ناخدا اندکور (جو ایک علم دوست قلب اپنے پہلو میں رکھتے تھے) مولوی اسمٰعیل صاحب کو اپنے مکان پر بطور مہمان لے آئے۔ جمعے کے دن جامع مسجد میں نماز کے لیے مولوی صاحب بھی پہنچے، جس وقت مؤذن نے اذان خطبہ میں اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ کہا معلم صاحب نے حسب معمول حضور کے اسم شریف پر اپنی اُنگلیاں بعد مس لب آنکھوں پر ملیں جیسا کہ اہل سنت کا شعار ہے، مولوی اسمٰعیل صاحب عاشقانِ رسول کی اس محبت بھری ادا کو بھلا ٹھنڈے دل سے کب دیکھ سکتے تھے۔ نماز تو پڑھی، لیکن مسجد سے واپس آکر ناخدا سے شکایت کی کہ مسجد میں جو یہ فعل ہوتا ہے، قطعاً شرک ہے، خطیب کو اس سے ممانعت کر دینا چاہیے۔ ناخدا نے کہا کہ میری کیا مجال ہے کہ مَیں حضرت خطیب صاحب کو منع کروں البتہ اگر آپ بروقت ملاقات مکالمہ اور مناظرہ کر کے معلم صاحب کو عاجز کردیں گے۔ اُس کے بعد مَیں ممانعت کرنے کی جرأت کر سکوں، مولوی اسمٰعیل صاحب بظاہر راضی ہوگئے۔ دوسرے روز معلم صاحب برائے ملاقات مولوی صاحب ناخدا کے مکان پر آئے۔ ناخدا نے سلسلۂ کلام شروع کیا، عرض کیا ''حضور! یہ فعل جو بروقت اذان دیکھنے میں آتا ہے شرک و بدعت ہے یا مستحب ومستحسن؟، اگر جائز ہے تو کیا دلیل ہے؟''، خطیب

صاحب نے ارشاد فرمایا کہ "تمہارے لیے صرف یہی دلیل کافی ہے کہ صد ہا علما و اولیا دیار و امصار عرب و عجم اس مستحب و مستحسن فعل کو کرتے ہیں، اگر کوئی ذی علم تمہارے پردے میں تمہیں وسیلہ و واسطہ بنا کر دلیل چاہتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ بے واسطہ سامنے آکر شرک و ضلالت ہونا اس پاک طریقے کا ثابت کرے، مَیں استحباب و استحسان ثابت کرتا ہوں اور ابھی ابھی اہل علم پر امر صواب واضح ہوا جاتا ہے"۔ ناخدا نے بار بار مولوی اسمٰعیل کی طرف دیکھا بھی اور اشارتاً کنایتاً جواب کے لیے بھی کہا، لیکن وہاں انی بچائے بیڑا پار صدائے برنخاست پر اکتفا کیا گیا۔ ناخدا کی نگاہوں سے گر کر مولوی صاحب تو فوراً چلتے بنے، لیکن معلم صاحب نفس قدسی صفات کی عام شہرت ہوگئی۔ معلم صاحب کا وصال ۲۷؍رجب ۱۲۸۲ھ [دسمبر ۱۸۶۵ء] کو ہوا۔ بمقام بندر سورت مدفون ہوئے۔

(۱۹)

حضرت سیدنا میر ناصر الدین علی شہید رحمۃ اللہ علیہ آپ پانچویں صدی ہجری کے ابتدا میں تشریف لائے۔ حضرت میر ملہم میراں جی صاحب کے ہمراہیان میں قیاس کیے جاتے ہیں۔ سادات کرام اور شہدائے جلیل القدر سے ہیں۔ آپ کا فیض جاری و ساری ہے۔ زیر فصیل قلعہ شہید ہوئے۔ قریب مزار چند تعویذ اور ہیں، جن پر ان کے ہمراہیان شہدا کا گمان ہوتا ہے۔ آستانہ قادریہ کے جانے والے شہر سے نکل کر اول آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں، مزار شریف ایک مختصر سے احاطے کے اندر ہے۔ صاحب 'طبقات الاولیا' نے 'تاریخ احمدی' مولفہ علامہ حمیدی نیشاپوری سے آپ کی تاریخ شہادت کا جو قطعہ درج کیا ہے وہ یہ ہے:

قطعہ

ناصر دیں علی عالی جاہ — پئے میراں برفت زیں خرگاہ
سال ترحیل آں خجستہ صفات — غازی و زاہد و خدا آگاہ
می شود گر شمرد احیا را — از علی شہید و گلشن جاہ
۲۰ — ۴۲۹ھ ۴۰۹

۴۲۹ھ=۴۰۹+۲۰

☆☆☆

ضمیمہ اکمل التاریخ

مرتبہ

اسید الحق قادری

تعارف تصانیف سیف اللہ المسلول

صاحب اکمل التاریخ نے حضرت سیف اللہ المسلول کی بعض تصانیف کا تفصیلی اور بعض کا مختصر تعارف کروایا ہے۔ حضرت کی تصانیف میں بعض مطبوعہ ہیں بعض کے قلمی نسخے کتب خانہ قادریہ میں موجود ہیں اور بعض دست برد زمانہ کا شکار ہو کر مفقود ہو گئیں۔ یہاں ہم حضرت کی بعض تصانیف کا قدرے تفصیلی تعارف پیش کر رہے ہیں۔

(۱) المعتقد المنتقد: یہ عربی زبان میں علم کلام وعقائد کی معرکہ آرا کتاب ہے، مکہ مکرمہ کے کسی بزرگ کی فرمائش پر ۱۲۷۰ھ/ ۵۴-۱۸۵۳ء میں تصنیف کی گئی۔ کتاب ایک مقدمہ چار ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقدمہ: حکم عقلی، عادی اور شرعی کا بیان۔ پھر حکم عقلی کی تقسیم واجب، جائز اور ممتنع کی جانب۔ علم کلام کی تعریف، موضوع اور مسائل کا بیان۔

پہلا باب: الٰہیات کے بیان میں۔ اس میں تین مسائل خصوصیت سے زیر بحث آئے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے لیے امور واجبہ کی تفصیل۔

(۲) ان امور کی بحث جو اس کے حق میں محال ہیں۔

(۳) ان امور کی بحث جو اس کے حق میں جائز ہیں۔

اس کے علاوہ قدیم وحادث کی اصطلاحات کی بحث، کفر لزومی و التزامی کی بحث، بدعتی کا حکم، تقدیر کی بحث، رویت باری، خلق افعال عباد اور حسن وقبح شرعی وعقلی جیسے مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں۔

دوسرا باب: نبوات کے بیان میں ہے۔ اس میں اولاً نبوت کے معنی ومفہوم سے بحث کی ہے، پھر ان امور کا بیان ہے جن کا پایا جانا نبی میں ضروری ہے مثلاً عصمت، صدق، امانت، فطانت وغیرہ۔ اس کے بعد ان امور پر بحث ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے حق میں جن کا ایمان رکھنا ضروری ہے مثلاً آپ کی عموم بعثت، ختم نبوت، اسریٰ ومعراج، شفاعت اور اس کے اقسام وغیرہ۔

امت پر آپ کے کیا حقوق ہیں اس کو مصنف نے دو فصلوں میں بیان کیا ہے۔ پہلی فصل میں آپ کی اطاعت ومحبت کے وجوب کی بحث ہے۔ دوسری فصل میں آپ کی تنقیص واہانت کی حرمت اور معاذ اللہ تنقیص واہانت کرنے والے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

تیسرا باب: سمعیات کے بیان میں ہے۔ اس میں حشر ونشر، منکر نکیر، عذاب قبر، سماع موتی، میزان وصراط، جنت ودوزخ اور علامات قیامت وغیرہ کے مباحث ومسائل زیر قلم آئے ہیں۔

چوتھا باب: امامت کی بحث میں۔

خاتمہ: ایمان کی بحث میں۔ اس میں ایمان کی تفسیر، اس کے ارکان وشرائط، ایمان میں زیادتی و نقصان اور ایمان واسلام کے معنی کی بحث کی گئی ہے۔

کتاب پر ممتاز معاصر علما کی تقاریظ ہیں جن کا خلاصہ اکمل التاریخ میں موجود ہے (دیکھیے: از ص 276 تا ص 279) المعتقد المنتقد کا جو قدیم ترین نسخہ اب تک ہماری دسترس میں آیا ہے وہ ۱۲۷۰ھ کا مطبوعہ ہے، مطبع کا نام نہیں پڑھا جاسکا۔

کتاب پر مولانا حکیم سراج الحق عثمانی (ابن مولانا فیض احمد بدایونی) نے حاشیہ لکھا تھا، جو اب مفقود ہے۔ فقیہ اسلام مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا بھی المعتقد پر 'المعتمد المستند بناء نجاة الابد' (۱۳۲۰ھ) کے تاریخی نام سے حاشیہ ہے جو عام طور پر دستیاب ہے۔

(۲) البوارق المحمدیہ: یہ کتاب فارسی زبان میں ہے، اس کے دو نام ہیں:

(۱) البوارق المحمدیة لرجم الشیاطین النجدیة

(۲) سوط الرحمٰن علی قرن الشیطان

یہ دونوں تاریخی نام ہیں جن سے کتاب کا سنہ تالیف ۱۲۶۵ھ (۴۹-۱۸۴۸ء) برآمد ہوتا ہے۔ کتاب کی وجہ تالیف اکمل التاریخ میں درج ہے۔ (دیکھیے: کتاب ہذا ص: 283)

مصنف نے کتاب کو ایک مقدمہ اور دو باب پر ترتیب دیا ہے۔ مقدمے میں عرب اور ہندوستان میں وہابی تحریک کے آغاز وارتقا کی تفصیل درج کی گئی ہے، پہلے باب میں وہابی عقائد اور دوسرے باب میں ان کے بعض اہل قلم کے مکائد (فریب) ذکر کیے گئے ہیں۔

مقدمے میں مندرجہ ذیل مباحث زیر قلم آئے ہیں:

جزیرۂ عرب میں وہابیت کا آغاز اور کتاب التوحید کی تصنیف، وہابیوں کا مکہ مکرمہ پر حملہ، وہابیوں کا

مدینہ منورہ پر حملہ، ابراہیم پاشا اور وہابیوں کے درمیان معرکہ، یمن اور مسقط میں فرقہ وہابیہ کا ظہور، ہندوستان میں وہابیت کا آغاز، سید احمد رائے بریلوی کے مراتب وکمالات کتاب صراط مستقیم کی روشنی میں، تقویت الایمان کی تصنیف، علمائے دہلی کی جانب سے شاہ اسماعیل دہلوی کا رد، شاہ اسماعیل اور سید احمد رائے بریلوی کی تحریک جہاد، فرقۂ ظاہریہ اور داؤد ظاہری، ابن حزم ظاہری کے احوال، شیخ ابن تیمیہ کے احوال، فرقۂ ظاہریہ کے بعض عقیدے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعض افکار، شاہ اسماعیل دہلوی اور انکار تقلید، شاہ اسماعیل دہلوی کے بعد وہابیوں کے مختلف فرقے وغیرہ۔

باب اول کے مندرجات: شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کے بعض ہم خیال علما کی تحریروں کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد مصنف اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان حضرات کے ذریعے بیان کیے گئے اکثر جزئی مسائل پانچ بنیادی اصول یا کلیات سے متفرع ہیں، یعنی ان کے پانچ بنیادی اصول ہیں باقی تمام مسائل جزیہ انہیں سے نکلے ہیں، لہٰذا اگر ان کلیات ہی کو باطل کر دیا جائے تو ان کا پورا مذہب اپنے آپ باطل ہو جائے گا، باب اول میں انہیں پانچ کلیات کا رد وابطال کیا گیا ہے۔

وہ پانچ کلیات یا بنیادی اصول یہ ہیں:

(۱) اعمال وافعال حقیقت ایمان میں داخل ہیں۔

(۲) ہر بدعت (عام ازیں کہ شرعی ہو یا لغوی) حرام وکفر ہے۔

(۳) فعل مباح بلکہ حسن اور تمام امور خیر مداومت اور زمان ومکان کی تخصیص سے حرام ہو جاتے ہیں۔

(۴) اشیا میں اصل اباحت نہیں بلکہ حرمت ہے۔

(۵) تشبہ (کسی بھی غیر قوم سے) مطلقاً مستلزم مساوات ہے۔

ان کلیات میں سے بعض کے بارے میں مصنف نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ ان وہابی علما کے ایجاد کردہ نہیں ہیں بلکہ یہ ماضی کے چند گمراہ فرقوں مثلاً معتزلہ اور خوارج وغیرہ کے عقائد ونظریات کا معجون مرکب ہیں۔ ان کو رد کرنے کے لیے مصنف نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ پہلے تو مصنف معتزلہ وغیرہ کی کتابوں سے یہ دکھاتے ہیں کہ ان عقائد ونظریات کے بارے میں ماضی کے ان گمراہ فرقوں کا کیا نقطہ نظر تھا، جب یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ یہی عقائد ان فرقوں کے بھی تھے اس کے بعد ان عقائد کے رد میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کے متقدمین علما اور متکلمین کے اقوال لاتے ہیں۔ پھر ان باطل کردہ کلیات کو تقویت الایمان اور مأۃ مسائل وغیرہ کتابوں میں بیان کیے گئے

جزئی مسائل پر منطبق کر کے دکھاتے ہیں۔ آخر میں شاہ اسماعیل دہلوی کے بیان کردہ ان جزئیات کے خلاف خود ان کے خاندان کے علما مثلاً ان کے جد محترم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور عم محترم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتابوں سے عبارتیں پیش کرتے ہیں۔

باب اول میں ان پانچ بنیادی اصولوں پر کلام کرنے کے بعد مصنف نے ''تکملہ در بعض امور ضروریہ'' کے تحت وہابیہ کے پانچ ایسے مسائل بیان کر کے ان کا رد وابطال کیا ہے جن پر ان حضرات کو بہت اصرار ہے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ یہ وہ مسائل ہیں جو اہل سنت اور وہابیہ کے درمیان خط امتیاز کھینچتے ہیں، اس لیے ان کا رد ضروری ہے، وہ پانچ مسائل درج ذیل ہیں:

(۱) مسئلہ استعانت واستمداد بغیر اللہ۔ اس بحث میں مصنف نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تفسیر عزیزی سے نو عبارتیں پیش کر کے استعانت بغیر اللہ کے جواز کو ثابت کیا ہے۔

(۲) مسئلہ سماع اموات۔ اس بحث میں بھی مصنف نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارتوں سے ارواح کے سماع اور ادراک کو ثابت کیا ہے۔

(۳) مسئلہ شفاعت۔

(۴) آثار صالحین سے تبرک کا انکار۔ اس مسئلے میں بھی مصنف نے شاہ عبدالعزیز کا ایک فتویٰ اور ان کی دیگر کئی عبارتوں سے دلائل پیش کیے ہیں۔

(۵) مسئلہ ما اہل لغیر اللہ۔ اس سلسلے میں مصنف نے اپنے معاصر کسی وہابی عالم کا ایک قدرے طویل فتویٰ نقل کر کے اس کا رد بلیغ فرمایا ہے۔ ساتھ ہی اس مسئلے میں مولانا عبدالحکیم پنجابی ثم لکھنوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے درمیان ہونے والے ایک مباحثے کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

باب دوم کے مندرجات: باب دوم میں مصنف بوارق نے وہابیہ کے مکائد (فریب) کا ذکر کیا ہے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ وہابیہ کے مکائد دو طرح کے ہیں ایک مکائد اسماعیلیہ یعنی وہ فریب جو شاہ اسماعیل دہلوی کی تحریروں میں موجود ہیں۔ دوسرے مکائد اسحاقیہ یعنی وہ فریب اور علمی خیانتیں جو مولانا شاہ اسحاق دہلوی سے منسوب کتابوں 'مأۃ مسائل' اور 'اربعین مسائل' میں موجود ہیں۔

مکائد اسماعیلیہ کے بارے میں مصنف نے فرمایا ہے کہ شاہ اسماعیل صاحب اپنی ہر بات کے ثبوت میں کوئی نہ کوئی آیت یا حدیث لکھ دیتے ہیں، حالانکہ جب آیت کا سیاق وسباق، شان نزول، متقدم اور معتبر مفسرین کی کتب اور حدیث پاک کے معتبر شارحین کی کتابوں کو دیکھا جاتا

ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ یا اس حدیث پاک کو شاہ صاحب کے دعوے سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔

مکائد اسحاقیہ کے بارے میں مصنف فرماتے ہیں کہ مأۃ مسائل اور اربعین مسائل میں ہر مسئلے کے ثبوت میں آیت، حدیث یا فقہ کے کسی جزیے کا حوالہ ضرور دیتے ہیں، مگر ان حوالوں میں مصنف نے طرح طرح کی خیانتیں کیں ہیں، مثلاً کہیں سیاق وسباق سے کاٹ کر عبارت نقل کردی ہے، کہیں کسی مصنف کی ردکردہ بات کو اسی کی جانب منسوب کر کے لکھ دیا ہے، کہیں علمی دیانت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عبارت ہی غلط نقل کردی ہے وغیرہ وغیرہ۔ مصنف نے اس قسم کے مکائد کی سات مثالیں پیش کی ہیں۔

ہماری معلومات کی حد تک بوارق محمدیہ پہلی مرتبہ ذی الحجہ ۱۲۶۶ھ/ اکتوبر ۱۸۵۰ء میں مطبع دارالسلام دہلی سے شائع ہوئی۔ یہ چھوٹی تقطیع پر ۲۲۷ر صفحات پر مشتمل ہے۔

پنجاب کے جلیل القدر عالم اور صوفی حضرت مولانا غلام قادر چشتی بھیروی (ولادت: ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء- وفات: ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء) نے بوارق محمدیہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کا اردو ترجمہ کیا، یہ ترجمہ 'شوارق صمدیہ' کے نام سے ۳۲ر صفحات پر مشتمل ہے جو مطبع گلزار محمدی لاہور سے سنہ ۱۳۰۰ھ/ ۸۳-۱۸۸۲ء میں شائع ہوا۔ شوارق صمدیہ مکمل کتاب کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ صرف کتاب کے مقدمے اور باب اول کی ابتدائی بحث کو اردو کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ سرورق پر ''قسط اول'' لکھا ہے اور جہاں ترجمہ ختم ہوا ہے وہاں ''باقی آئندہ'' درج ہے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ مترجم پوری کتاب کا ترجمہ دو یا اس سے زیادہ حصوں میں شائع کرنا چاہتے تھے، پہلی قسط مکمل ہوئی تو اس کو شائع کر دیا گیا۔ ممکن ہے بعد میں دوسری یا تیسری قسط بھی شائع ہوئی ہو، لیکن اس سلسلے میں راقم سطور کو معلومات دستیاب نہیں ہو سکیں۔

یہ ترجمہ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ/ مئی ۲۰۱۲ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے 'وہابی تحریک: تاریخ وعقائد' کے نام سے شائع کیا ہے۔

(۳) سیف الجبار: یہ سیف اللہ المسلول کی مشہور تصنیف ہے۔ کتاب کا پورا نام 'سیف الجبار المسلول علی الاعداء للابرار' ہے، اس سے کتاب کا سنہ تالیف برآمد ہوتا ہے۔

بعض محققین کے مطابق یہ پہلی کتاب ہے جس میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور شاہ

اسماعیل دہلوی کے درمیان فکری و نظریاتی اتحاد و یکسانیت کو اجاگر کیا گیا۔

کتاب ایک مقدمہ دو باب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ مقدمے میں صراط مستقیم کا بیان ہے۔ اس میں مصنف نے صراط مستقیم کی تعریف، اس پر مضبوطی سے قیام اور اس سے انحراف وغیرہ کے بارے میں گفتگو کی ہے۔

پہلے باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں عرب میں جماعت وہابیہ کا ظہور، اس کا آغاز و ارتقا، جنگ و قتال اور حرمین شریفین پر حملہ وغیرہ کا بیان ہے۔ دوسرے حصے میں ہندوستان میں وہابیت کا آغاز و ارتقا اور سید احمد رائے بریلوی و شاہ اسماعیل دہلوی کی تحریک جہاد کی تاریخ بیان کی ہے۔

دوسرا باب عقائد وہابیہ کے بیان پر مشتمل ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے کتاب التوحید تصنیف کی تھی، پھر اس کتاب کو مختصر کیا جس کا نام 'کتاب التوحید صغیر' رکھا گیا۔ یہی کتاب التوحید صغیر ۷ر محرم ۱۲۲۱ھ بروز جمعہ صبح مکہ مکرمہ میں علما کی خدمت میں پیش کی گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب وہابی لشکر طائف میں قتل و غارت کرنے کے بعد مکہ مکرمہ کی جانب پیش قدمی کا ارادہ کر رہا تھا۔ علمائے مکہ جمعہ کی نماز کے بعد جمع ہوئے اور کتاب التوحید صغیر کا رد کرنا شروع کیا۔ شیخ احمد بن یونس باعلوی علمائے مکہ کے ان ردود کو تحریر کرتے گئے۔ نماز عصر تک اس کے ایک باب کا رد مکمل ہوا تھا۔ اسی اثنا میں طائف سے کچھ لوگ مکہ مکرمہ پہنچے، انہوں نے بتایا کہ وہابی لشکر طائف سے روانہ ہو چکا ہے اور اب مکہ مکرمہ پہنچنے والا ہے۔ اس خبر کے پھیلتے ہی افراتفری اور اضطراب پھیل ہو گیا، جس کی وجہ سے یہ نقد و نظر پہلے باب تک ہی محدود رہا دوسرے باب کا رد لکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ علمائے مکہ کے اس رد کا نام 'ہدایت مکیہ' ہے۔

سیف الجبار کے دوسرے باب میں مصنف پہلے کتاب التوحید صغیر سے شیخ ابن عبدالوہاب کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں، اس کے بعد اس کے رد میں علمائے مکہ کی 'ہدایت مکیہ' سے ایک عبارت لاتے ہیں۔ اس کے بعد 'فائدہ' کا عنوان دے کر تقویت الایمان سے شاہ اسماعیل دہلوی کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں، جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ جو بات عربی میں شیخ ابن عبدالوہاب نجدی لکھ رہے ہیں وہی بات اردو میں شاہ اسماعیل دہلوی نے لکھی ہے۔ اس کے بعد اس عقیدے کی تردید میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ رفیع الدین

دہلوی اور خاندان ولی اللہی کے دیگر افراد اور ان کے تلامذہ کے اقوال نقل فرماتے ہیں۔ اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے کے افراد کے عقائد ونظریات شیخ ابن عبدالوہاب نجدی اور شاہ اسماعیل دہلوی دونوں کے عقائد ونظریات سے مختلف ہیں۔ یہی دوسرا باب کتاب کی روح ہے۔

اس کے بعد خاتمے میں بعض وہابی علما کی علمی خیانتیں دکھائی گئی ہیں۔

سیف الجبار پہلی مرتبہ کس سنہ میں اور کس مطبع میں شائع ہوئی یہ مسئلہ ہنوز تحقیق طلب ہے۔ اس کا جوقدیم ترین نسخہ اب تک میری نظر سے گذرا ہے وہ انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ سے ۱۲۸۷ھ میں شائع ہوا ہے۔ حضرت تاج الفحول کی فرمائش پر مطبع صبح صادق سیتاپور سے ۱۲۹۲ھ میں شائع ہوئی۔ اسی اشاعت کا عکس ادارہ مظہر حق بدایوں نے ۱۹۸۵ء میں شائع کیا۔

اس بے بضاعت راقم الحروف نے اس کی تخریج، ترتیب اور تحقیق کا کام کیا ہے، ان شاءاللہ جلد ہی جدید ترتیب اور مبسوط مقدمے کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی شائع کرنے والی ہے۔

(۴) فوز المؤمنین: کتاب کا پورا نام 'فوز المؤمنين بشفاعة الشافعين' ہے، یہ کتاب ۱۲۶۸ھ میں تالیف کی گی تھی۔

شاہ اسمٰعیل دہلوی نے 'تقویت الایمان' میں دوسرے مسائل کے ساتھ ساتھ شفاعت کے مسئلے پر بھی بحث کی ہے۔ انہوں نے شفاعت کی تین قسمیں کی ہیں: شفاعت بالوجاہت، شفاعت بالمحبت اور شفاعت بالاذن۔ ان میں شاہ صاحب نے اول الذکر دوقسموں کا انکار کیا ہے اور صرف تیسری قسم کو جائز مانا ہے۔ فوز المؤمنین میں مصنف نے پہلے شفاعت کے سلسلے میں اہل سنت کے موقف کو کتاب وسنت سے ثابت کیا ہے اور اس کے بعد شفاعت کے متعلق 'تقویت الایمان' کی پوری بحث کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ شاہ صاحب کے بعض حامیوں نے شفاعت کے مسئلے میں ان کا دفاع کرتے ہوئے 'تنبیہ الغافلین' کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی، حضرت نے آخر میں اس کا بھی تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

ہماری معلومات کی حد تک یہ رسالہ سب سے پہلی مرتبہ ۱۲۶۸ھ میں مطبع مفید الخلائق، دہلی سے شائع ہوا۔ پھر اس کے بعد ۱۳۱۰ھ میں مطبع احمدی سے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ پھر مفتی عبدالحکیم نوری مصباحی نے ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء میں اس کی تسہیل کی جو ماہنامہ مظہر حق بدایوں

میں (اپریل ۱۹۹۸ء تا اکتوبر ۱۹۹۸ء) قسط وار شائع ہوئی۔ پھر راقم الحروف کی تسہیل، ترتیب اور تخریج کے ساتھ یہ رسالہ چوتھی مرتبہ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔

(۵) احقاق الحق: مسئلہ توسل واستعانت پر سیف اللہ المسلول کی فارسی زبان میں تحقیقی کتاب ہے، اس کتاب کا سنہ تالیف معلوم نہیں ہوسکا، ہمارے اندازے کے مطابق یہ ۱۲۶۵ھ/ ۴۹-۱۸۴۸ء یا اس سے کچھ پہلے کی تصنیف ہے۔ اس کی وجہ تالیف اکمل التاریخ میں مذکور ہے۔ (دیکھیے ص:284)

احقاق حق کے مباحث کو حضرت نے دو فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی فصل میں قرآن کریم، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ وتابعین، اقوال مجتہدین ومحدثین اور ائمہ ومشائخ کے اوراد وشغال کی روشنی میں توسل واستعانت کے جواز پر بحث کی ہے اور انصاف کی بات ہے کہ بہت خوب کی ہے۔ دوسری فصل میں شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان کی بعض عبارتوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، کتاب کا یہ حصہ بھی مصنف کی تحقیقی گہرائی اور تنقیدی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔

احقاق حق کی اشاعت اول کے بارے میں معلومات دستیاب نہیں ہوسکیں، ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے وہ 'البوارق المحمدیہ' کے حاشیے پر شائع ہوا ہے، اس پر سنہ طبع درج نہیں ہے، قیاس ہے کہ یہ ۱۲۸۹ھ اور ۱۳۱۹ھ کے درمیان کی اشاعت ہے۔ اس بے بضاعت راقم سطور نے اس کتاب کا اردو ترجمہ ضروری تحقیق وتخریج کے ساتھ کیا ہے جو تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا ہے۔

احقاق حق کے جواب میں سہسوان (ضلع بدایوں) کے ایک غیر مقلد عالم سید سراج احمد سہسوانی نے رسالہ 'سراج الایمان' تصنیف کیا، اس کے جواب میں مصنف کے صاحبزادے حضرت مولانا محی الدین عثمانی بدایونی نے رسالہ 'شمس الایمان' تصنیف کیا۔ یہ متوسط سائز کے ۲۶؍ صفحات کا رسالہ ہے جو مطبع دہلی اردو اخبار دہلی سے ذی الحجہ ۱۲۶۶ھ/ اکتوبر ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا۔ ۲۰۱۲ء میں تاج الفحول اکیڈمی نے عبد العلیم مجیدی کی ترتیب وتصحیح کے ساتھ شائع کیا ہے۔

(۶) حرز معظم: اس رسالے کا نام 'حرز معظم' ہے، اگر یہ تاریخی نام ہے تو اس سے رسالے کا سنہ تالیف ۱۲۶۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس رسالے میں انبیا واولیا (علیہم السلام وعلیہم الرحمۃ) کے تبرکات وآثار سے توسل اور برکت حاصل کرنے پر بحث کی گئی ہے۔ تبرکات وآثار کے بارے میں علما نے فرمایا ہے کہ ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جن کو اصلیہ کہا جاتا ہے اور دوسری وہ جو مثالیہ

کے نام سے موسوم ہیں، تبرکات اصلیہ میں وہ چیزیں شامل ہیں جن کو براہ راست کسی محترم شخصیت سے نسبت حاصل ہو، جیسے موئے مبارک یا لباس وغیرہ۔ تبرکات مثالیہ وہ چیزیں ہیں جو کسی محترم شخصیت یا ان کے اصلی تبرکات میں سے کسی کے مشابہ اور مثل ہوں۔ پھر علما نے تبرکات مثالیہ کی دو قسمیں کی ہیں مثالیہ صناعیہ اور غیر صناعیہ۔ مثالیہ غیر صناعیہ ایسی چیزیں جو خلقی طور پر تبرکات اصلیہ کے مشابہ ہوں اور مثالیہ صناعیہ وہ چیزیں جن کو تبرکات اصلیہ کی مثل و مشابہ بنایا گیا ہو جیسے حضور پاک ﷺ کی نعلین پاک کا نقش وغیرہ۔

رسالے کو مصنف نے تین فصلوں پر مرتب کیا ہے۔ پہلی فصل میں تبرکات اصلیہ سے خیر و برکت حاصل کرنے کا بیان ہے، جس کے لیے مصنف نے قرآنی آیات، معتبر تفاسیر، صحیح احادیث اور علما کے اقوال سے استدلال کیا ہے۔ رسالے کے زمانۂ تالیف میں جو لوگ تبرکات و آثار کی تعظیم و تکریم اور ان سے خیر و برکت حاصل کرنے کے منکر تھے وہ خاندانی طور پر بھی اور علمی طور پر بھی اپنا شجرہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے مدرسے سے جوڑتے تھے، اسی لیے مصنف نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تفسیر فتح العزیز اور ان کے والد مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ملفوظات و مکتوبات سے خاص طور پر حوالے نقل کیے ہیں۔

دوسری فصل میں تبرکات مثالیہ غیر مصنوعہ کے سلسلے میں بحث کی گئی ہے اور تیسری فصل میں تبرکات مثالیہ مصنوعہ کو معرض بحث میں لایا گیا ہے۔

یہ رسالہ اولاً اردو میں تصنیف کیا گیا تھا۔ ندوۃ العلما لکھنؤ کی لائبریری میں اس کا ایک قدیم نسخہ نظر سے گزرا، جو سید محبوب علی کے زیر اہتمام مطبع محبوبی دہلی سے ۱۲۶۸ھ میں شائع ہوا ہے۔

حاجی محمد خاں صاحب بہادر کی فرمائش پر حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا، جو 'مجموعہ رسائل و فرائد' نامی ایک مجموعہ رسائل میں شائع ہوا۔ اس مجموعے میں حرز معظم کے علاوہ تین رسائل اور ہیں، یہ مجموعہ مطبع کوہ نور لاہور سے ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۶۰ء میں شائع ہوا۔ ۲۰۰۹ء/ ۱۴۳۰ھ میں راقم الحروف کے ترجمے اور تخریج وغیرہ کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے جدید آب و تاب کے ساتھ شائع کیا ہے۔

(۷) تبکیت النجدی: یہ کتاب سید حیدر علی ٹونکی کے ایک رسالے کی تردید اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے دفاع میں تصنیف کی گئی تھی۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی کی تقویت الایمان سے جہاں اور بہت سارے مسائل معرض بحث میں آئے وہیں حضور خاتم النبیین ﷺ کی نظیر کے ممکن یا ممتنع ہونے کی بحث بھی چھڑ گئی۔ اس پر استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی نے 'تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ' (سنہ تالیف ۱۲۴۰ھ) میں داد تحقیق دی، اس کے ایک عرصے بعد سید حیدر علی ٹونکی شاہ اسماعیل کی حمایت اور علامہ کی تردید میں میدان میں آئے اور علامہ کے رد میں رسالہ تصنیف کیا۔ اس زمانے میں کوئی مولوی عبدالستار صاحب تھے، انہوں نے سید حیدر علی ٹونکی کے اس رسالے کی چند عبارتیں جمع کیں اور یہ عبارتیں ایک استفتا کی شکل میں اہل علم کی خدمت میں پیش کیں، کسی عالم نے اس کا جواب دیا جس پر مشاہیر علما نے تائیدی دستخط کیے۔ اس میں ۱۵/سوالات تھے جو امکان کذب و امتناع نظیر سے متعلق ہیں، یہ فتویٰ مطبع الہدایہ دہلی سے سنہ ۱۲۶۹ھ/ ۵۳-۱۸۵۲ء میں شائع ہوا۔

اس فتوے کے جواب میں سید حیدر علی ٹونکی نے پھر قلم اٹھایا اور 'کلام الفاضل الکبیر علیٰ اہل التکفیر' کے نام سے اس کا جواب دیا، ۹۴/صفحات کا یہ رسالہ فارسی میں ہے، رسالے پر سنہ اشاعت درج نہیں ہے، قیاس ہے کہ یہ ۱۲۶۹ھ یا ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوا ہوگا۔

'تبکیت النجدی' سید حیدر علی ٹونکی کے اسی رسالے کے جواب میں تصنیف کی گئی ہے۔ زبان فارسی ہے۔ اس کی اشاعت کے سلسلے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ زیور طبع سے آراستہ ہوئی تھی یا نہیں، غالب گمان یہی ہے کہ یہ اُس وقت شائع نہیں ہوئی تھی۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ میں موجود ہے، اسی نسخے کا عکس راقم الحروف کے مقدمے کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی نے ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء میں شائع کیا ہے۔

(۸) تاریخی فتویٰ: یہ وہ فتویٰ ہے جو بعض اختلافی مسائل کے تصفیے کے لیے بہادر شاہ ظفر کے استفتا کے جواب میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس کا مختصر تعارف اکمل التاریخ میں موجود ہے۔ (دیکھیے ص :286)

بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا استفتا درج ذیل ہے:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس شخص کے متعلق جو مندرجہ ذیل باتیں کہتا ہے:

۱- دن مقرر کر کے محفل میلاد شریف کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

۲- محفل مولود شریف میں قیام کرنا شرک ہے۔

۳-کھانے اور شیرینی پر فاتحہ کرنا حرام ہے۔
۴-اولیاء اللہ سے مدد طلب کرنا شرک ہے۔
۵-قدیم رواج کے مطابق پنج آیات ختم کرنا بدعت سیئہ (بری بدعت) ہے۔
۶-حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا معجزہ حق نہیں ہے۔
۷-قصداً تعزیہ کو دیکھنا یا بلا ارادہ دیکھنا کفر ہے۔
۸-ہولی کو دیکھنے اور دسہرہ کو جانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اگرچہ بغیر ارادے کے ہو اور اس سے اس کی بیوی پر طلاق ہو جاتی ہے۔
۹-کعبہ شریف اور مدینہ منورہ کے خطے کو کوئی بزرگی حاصل نہیں ہے کیونکہ اس سرزمین پر ظلم ہوا ہے اور سننے میں آیا ہے کہ وہاں کے رہنے والے ظالم ہیں اس لیے کہ انھوں نے مدینہ منورہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا اور مکہ معظّمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا اور حضرت امام حسین کو مکہ شریف سے نکال دیا، اس وقت دین محمدی (علی صاحبھا الصلوۃ و السلام) کے علما جو حقیقتاً مہاجرین تھے انھیں نکال کر ہندوستان بھیج دیا حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو قتل کرنے والے نیز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو جلا وطن کرنے والے اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔لہذا ایسی صورت میں قائل مذکور کی اقتدا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مسلمانوں کا اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ از روئے شریعت مطہرہ ایسے شخص کا کیا حکم ہے نیز اس کے متبعین کا کیا حکم ہے۔

بینوا توجروا

نقل مہر حضرت ظل سبحانی خلیفہ الرحمانی بادشاہ دیں پناہ

وفقہ اللہ لما یحبہ ویرضاہ

المستفتی

ابوظفر سراج الدین

محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی

حضرت نے ان سوالات کا تفصیلی جواب قلم بند فرمایا۔ یہ تاریخی فتویٰ مطبع مفید الخلائق دہلی سے ۱۲۶۸ھ/۵۲-۱۸۵۱ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۷۰ء - ۱۹۸۰ء کے درمیانی برسوں میں حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی کے مرید و خادم ڈاکٹر شیخ علیم الدین قادری قدیری نے اس فتوے کا اردو ترجمہ کر کے اپنے قائم کردہ ادارہ مدینۃ العلم کلکتہ سے شائع کیا اور بعد میں یہی ترجمہ ماہنامہ مظہر حق بدایوں اور پاکستان کے کچھ رسائل میں شائع ہوا۔ ۲۰۰۹ء/ ۱۴۳۰ھ میں تاج الفحول اکیڈمی نے راقم الحروف کے اردو ترجمے اور تخریج و ترتیب کے ساتھ 'اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ' کے عنوان سے شائع کیا۔

(۹) فصل الخطاب: اس کا پورا نام 'فصل الخطاب بین السنی و بین احزاب عدو الوہاب' ہے، اس نام سے رسالے کا سنہ تالیف ۱۲۶۸ھ برآمد ہوتا ہے۔

رسالے کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ آپ نے شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم سے ۱۰ اقوال کا انتخاب کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ یہ اقوال اہل سنت کے مخالف ہیں اور معتزلہ، خوارج یا شیعہ وغیرہ کے عقائد و نظریات کے موافق ہیں۔ پھر ان عقائد و نظریات کی تردید میں آپ نے علمائے اہل سنت اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتب سے استدلال کیا ہے، پھر آپ نے اس پوری بحث کو استفتا کی شکل دے کر علما سے رائے طلب کی۔ اس وقت کے ۱۸ جلیل القدر علما (جن میں اکثر خانوادۂ ولی اللّٰہی کے فیض یافتہ ہیں) نے متفقہ طور پر اس بات کی تائید و تصدیق کی کہ ''قائل کی دسوں باتیں باطل ہیں، حق کے مخالف ہیں ان اقوال کا قائل اور جو شخص ان اقوال کو حق سمجھے سب اہل سنت سے خارج ہیں''۔

اس کی تصدیق کرنے والوں میں مندرجہ ذیل علما شامل ہیں:

(۱) حضرت شاہ احمد سعید نقشبندی دہلوی (۲) مولانا عبدالرشید دہلوی (۳) مولانا محمد عمر دہلوی (۴) مولانا محمد مظہر (۵) مولانا سید محمد دہلوی (۶) حکیم امام الدین خاں (۷) مولانا دلدار بخش (۸) مولانا کریم اللہ دہلوی (۹) قاضی احمد الدین (۱۰) مولانا تفضّل حسین خاں (۱۱) مولانا فرید الدین (۱۲) مولانا سید بشیر علی (۱۳) مولانا عزیز الدین (۱۴) مولانا ابراہیم (۱۵) مولانا حیدر علی فیض آبادی (مصنف منتہی الکلام) (۱۶) مولانا محمد ہاشم علی (۱۷) حکیم محمد یوسف خاں (۱۸) مولانا سید رحمت علی صاحب مفتی عدالت سلطانیہ دہلی۔

فصل الخطاب پہلی مرتبہ مطبع مفید الخلائق دہلی سے ۱۲۶۸ھ/۵۲-۱۸۵۱ء میں شائع ہوئی تھی، پھر راقم الحروف نے متن کی تسہیل، متن میں وارد عربی فارسی عبارات کے ترجمے اور عبارتوں کی تخریج کا کام کیا، جس کو تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۰۹ء/۱۴۳۰ھ میں شائع کیا۔

(۱۳) تلخیص الحق: سابق الذکر کتاب 'فصل الخطاب' کے جواب میں سید حیدر علی رامپوری ثم ٹونکی (وفات: ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۶۵ء) نے ایک رسالہ 'صیانۃ الاناس من وسوسۃ الخناس' (فخر المطابع دہلی، ۱۲۷۰ھ) کے نام سے تصنیف کیا تھا۔ اس کے جواب میں سیف اللہ المسلول نے 'تلخیص الحق' تصنیف فرمائی جو ۱۲۷۰ھ/ ۵۴-۱۸۵۳ء میں مطبع حسنی دہلی سے شائع ہوئی۔ صیانۃ الاناس میں سید حیدر علی ٹونکی نے نہایت غیر علمی اور غیر سنجیدہ لب ولہجہ اور دشنام طرازی کا اسلوب اختیار کیا ہے، اس کے کچھ نمونے ہم نے اپنی کتاب 'خیرآبادیات' میں پیش کیے ہیں۔ (دیکھیے: خیرآبادیات: ص ۲۳۶ تا ص ۲۴۱) یہ کتاب اردو زبان میں ہے، اس کی اشاعت جدید تاج الفحول اکیڈمی کے منصوبے میں شامل ہے۔

(۱۰) اکمال فی بحث شد الرحال: مفتی صدر الدین آزردہ صدر الصدور دہلوی (م: ۱۲۸۵ھ) نے ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء میں روضۂ رسول کی زیارت کے مسئلے پر 'منتہی المقال فی شرح حدیث لا تشد الرحال' نامی رسالہ تالیف کیا، جو اسی سال شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔ رسالے پر استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی اور مفتی سعد اللہ مرادآبادی نے تقریظات تحریر فرمائیں۔ منتہی المقال کی اشاعت کے بعد کسی صاحب نے اس کے مباحث کے سلسلے میں سات سوالات لکھ کر سیف اللہ المسلول کی خدمت میں بھیجے۔ رسالہ 'اکمال فی بحث شد الرحال' دراصل انہیں سات سوالات کے جواب پر مشتمل ہے۔ رسالے کا یہ نام تاریخی ہے جس سے اس کا سنہ تالیف ۱۲۶۶ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ رسالہ فارسی میں ہے، اور پہلی بار ۱۲۶۶ھ ہی میں مطبع الٰہی سے شائع ہوا۔ ۱۶۴ر سال بعد رسالے کا اردو ترجمہ اور تخریج وتحقیق اس کم علم راقم الحروف کے حصے میں آئی۔ تاج الفحول اکیڈمی کے زیر اہتمام 'زیارت روضۂ رسول' کے نام سے ۲۰۰۹ء/ ۱۴۳۰ھ میں اس کی اشاعت جدید عمل میں آئی۔

(۱۱) تصحیح المسائل: یہ کتاب شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نواسے اور شاگرد شاہ محمد اسحاق دہلوی (وفات: ۱۲۶۲ھ/ ۴۶-۱۸۴۵ء) کی جانب منسوب کتاب 'مأۃ مسائل' کے رد میں ۱۲۶۶ھ/ ۵۰-

۱۸۴۹ء میں تالیف کی گئی۔

مصنف کے شاگرد اور بھانجے مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی نے کتاب کے مقدمے میں اس کی وجہ تالیف بیان کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۲۶۶ھ میں بدایوں کے دو شخصوں کے درمیان کسی مسئلے پر بحث ہوگئی ان میں ایک سنی تھا اور ایک وہابی۔ جب گفتگو کافی طویل ہوئی تو دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ حضرت سیف اللہ المسلول کو حکم مان لیتے ہیں جو وہ کہیں گے اس کو دونوں تسلیم کرلیں گے۔ دونوں مدرسہ قادریہ میں حاضر ہوئے، حضرت نے دونوں کی بات سن کر مسئلے کی وضاحت کی اور حوالے میں ملاعلی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کی ایک عبارت پیش کی، وہابی نے کہا کہ ''مرقاۃ میں اس کے برخلاف لکھا ہے''، اور مأۃ مسائل نکال کر دکھائی کہ اس میں مرقاۃ کی عبارت اس طرح درج ہے، حضرت کو یہ دیکھ کر قدرے تأمل ہوا اور فوراً کتب خانے سے مرقاۃ نکال کر دیکھی گئی، معلوم ہوا کہ مأۃ مسائل میں مرقاۃ کی عبارت میں سرقہ کیا گیا ہے، اس ایک خطا کے واضح ہونے کے بعد حاضرین مدرسہ نے بعض دیگر کتابیں نکال کر مأۃ مسائل میں نقل کردہ ان کی عبارتوں کو ملایا تو منکشف ہوا کہ اس قسم کا سرقہ اور بھی متعدد مقامات پر موجود ہے۔ حاضرین مدرسہ نے حضرت سے عرض کیا کہ 'مأۃ مسائل' میں موجود ان مغالطّوں اور غلطیوں کی تصحیح ہونا چاہیے تا کہ عوام الناس اس کے دھوکے میں نہ آئیں، چنانچہ لوگوں کے اصرار پر حضرت نے 'تصحیح المسائل' تصنیف فرمائی۔ (تصحیح المسائل: ص۲،۳، مطبع گلزار حسنی، بمبئی، سنہ ندارد)

اس کے دو نسخے کتب خانہ قادریہ میں موجود ہیں:

(۱) مطبع اسعد الاخبار اکبر آباد (آگرہ) شوال ۱۲۶۶ھ، صفحات ۳۰۹

(۲) مطبع گلزار حسنی، بمبئی، سنہ ندارد، تعداد صفحات ۳۲۰۔

تصحیح المسائل کے جواب میں مولانا بشیر الدین قنوجی نے فارسی میں رسالہ 'تفہیم المسائل' لکھا، اس کے جواب میں مصنف کے بھانجے اور عزیز ترین شاگرد مجاہد انقلاب آزادی مولانا فیض احمد بدایونی نے رسالہ 'تعلیم الجاہل' تصنیف کیا۔ حضرت کے ایک اور شاگرد مولانا عماد الدین سنبھلی نے بھی 'تفہیم المسائل' کے رد میں ایک رسالہ 'افہام الغافل' تصنیف کیا۔

☆☆☆

حضرت مولانا حکیم عبدالماجد قادری بدایونی☆

مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کی شخصیت اپنے اندر بڑی جامعیت رکھتی ہے۔ علم وفضل، حال ومقام، تصنیف وتالیف، شعروسخن، قومی وملی قیادت، سیاسی تدبر، تحریک وتنظیم اور شعلہ بیانی ان سب اوصاف کو جمع کر کے جو شخصی خاکہ تیار کیا جائے گا وہ مولانا عبدالماجد بدایونی کے مرقع حیات سے بہت مشابہ ہوگا۔ آپ نے صرف ۴۶؍سال کی عمر میں جو عظیم دینی وملی خدمات انجام دیں وہ آج ہماری تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔

مولانا نے اپنے زمانے کی تمام اہم قومی، ملی اور سیاسی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا اور قائدانہ کردار ادا کیا۔ مجلس خدام کعبہ (۱۹۱۲ء) خلافت کمیٹی (۱۹۱۹ء) جمعیۃ العلما (۱۹۱۹ء) تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) تحریک تبلیغ (۱۹۲۲ء) تحریک تنظیم (۱۹۲۴ء) مسلم کانفرنس (۱۹۲۹ء) ہر تحریک میں ایک فعال کارکن، مشیر خصوصی، مخلص کارگزار اور اس تحریک کے مبلغ و واعظ کے طور پر شریک رہے۔ مدتوں صوبائی خلافت کمیٹی کے صدر رہے۔ انڈین نیشنل کانگریس کے رکن رہے۔ (۱)

سید سلیمان ندوی مولانا کے قائدانہ کردار کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> خدام کعبہ، طرابلس، بلقان، کانپور، خلافت، کانگریس، تبلیغ، مسلم کانفرنس یہ وہ تمام مجالس ہیں جو ان کی خدمات سے گراں بار ہیں۔ (۲)

مولانا عبدالماجد بدایونی نے خلافت کمیٹی کے اجلاس ممبئی، اجلاس ناگپور اور اجلاس کلکتہ سمیت کئی جلسوں کی صدارت کی۔ مجلس خلافت نے شریف حسین اور ابن سعود کے تنازع کا جائزہ لینے اور ان کے درمیان تصفیے کا ماحول پیدا کرنے کے لیے ایک وفد حجاز بھیجا جس میں مولانا عبدالماجد بدایونی بھی ایک اہم رکن کی حیثیت سے شریک ہوئے اور حجاز ومصر کا دورہ فرمایا۔

☆ مولانا عبدالماجد بدایونی کی ولادت، تعلیم وتربیت اور ابتدائی حالات کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا کا صفحہ 328-327

(۱) ڈاکٹر شمس بدایونی: مضمون ''مولانا عبدالماجد بدایونی'' مطبوعہ معارف اعظم گڑھ، اکتوبر ۲۰۰۷ء، ص: ۲۹۳

(۲) معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۳۲ء

مولانا ایک ہمہ جہت اور سیماب صفت شخصیت کے مالک قائد و رہنما تھے۔ ہر وقت کسی نہ کسی مسلکی، قومی یا سیاسی کام کی دھن میں رہتے تھے۔ آپ نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور اوقات خدمت دین کے لیے وقف کر دیں تھیں۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

> جماعت علما میں یہی ایک ہستی تھی جس کی زندگی کے ایک لمحے کو بھی کسی وقت چین نصیب نہ ہوا۔ ہر وقت اور ہر نفس ان کو کام کی ایک دھن لگی ہوئی تھی، جس کے پیچھے ان کا آرام و چین، اہل و عیال اور جان و مال ہر چیز قربان تھی۔ یہ سماں بھی گزرا ہے کہ ان کے گھر میں کفن و دفن کا سامان ہو رہا ہے اور وہ مردہ قوم کی مسیحائی کے لیے کانپور و لکھنؤ کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ (۳)

مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر 'سچ' اپنے تعزیتی مضمون میں لکھتے ہیں:

> جس تحریک میں شریک ہوئے دل و جان، شغف و انہماک، مستعدی و سرگرمی سے شریک ہوئے، جس کام کو ہاتھ لگایا اس میں جان ڈال دی۔ زندگی کے آخری ۱۱-۱۲/سال کا ہر گھنٹہ بلکہ کہنا چاہیے ہر منٹ قومیات کے لیے وقف تھا، سکون و راحت کا کوئی زمانہ نہ تھا۔ مسلسل علالتوں اور پیہم خانگی صدمات کے باوجود کام کے پیچھے دیوانے تھے اور ایک جگہ بیٹھنا تو جانتے ہی نہ تھے۔ تیز بخار چڑھا ہوا ہے اور حجاز کانفرنس کے اہتمام میں مصروف، سینہ میں درد ہو رہا ہے اور امین آباد پارک میں محفل میلاد میں ڈھائی ڈھائی تین تین گھنٹہ تک بیان ہو رہا ہے۔ شانے میں ورم، ہاتھ جھولے میں پڑا ہوا ہے لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ مجلس تنظیم کی مجلس عاملہ میں شرکت نہ ہو؟ والدہ ماجدہ نزع میں اور مولانا کانپور میں تقریر کر رہے ہیں۔ بیوی کی آخری سانسوں کی اطلاع آ رہی ہے اور آپ ہیں کہ دہلی کی جامع مسجد میں خود رو رو کر دوسروں کو رلا رہے ہیں۔ کل لکھنؤ تھے، آج کلکتہ پہنچ گئے، عید کا چاند لاہور میں دیکھا تھا نماز آ کر میرٹھ میں پڑھی، صبح پٹنہ میں تھے شام کو معلوم ہوا کہ دکن کے راستہ میں ہیں۔ عجیب و غریب مستعدی تھی عجیب تر ہمت مردانگی۔ (۴)

---

(۳) معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۳۲ء

(۴) سچ ۲۵/دسمبر ۱۹۳۱ء

پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

> مولانا عبدالماجد نہایت ذہین عالم اور بے مثل مقرر تھے، انہوں نے تحریکِ خدام کعبہ، خلافت کمیٹی، مسلم کانفرنس اور جمعیۃ العلما سب میں حصہ لیا۔ وہ علی برادران کے دست راست تھے، انہوں نے تمام ملک کو چھان مارا اور ملک کی سیاسی بیداری میں نمایاں کردار ادا کیا۔ برصغیر کی سیاست میں ان کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ انہوں نے شدھی اور سنگٹھن کے زمانے میں آگرہ اور بھرت پور کے علاقے میں ایک جماعت بھیجی، ان کے بعض متوسلین نے آگرہ میں ڈیرے جما دیے اور ایک رسالہ نکالا۔ (۵)

اسی مقالے میں آگے لکھتے ہیں:

> مولانا عبدالماجد کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے میں کام کرنے والوں کی ایک جماعت پیدا کر دی، جس نے ان کے بعد مذہبی اور سیاسی میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ (۶)

مولانا عبدالماجد بدایونی جس تحریک میں شریک ہوئے قائدانہ حیثیت سے شریک ہوئے۔ بے شمار اجلاسوں اور کانفرنسوں کی صدارت کی۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر وغیرہ کی موجودگی میں کسی اجلاس کی صدارت صدر اجلاس کی عظمت و رفعت مقام کی دلیل ہے۔ ایک سرسری تلاش کے بعد مولانا عبدالماجد بدایونی کی صدارت میں منعقد ہونے والے جن اجلاس یا کانفرنسوں کا پتہ لگا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ خلافت کانفرنس ناگپور ۱۹۲۰ء
۲۔ خلافت کانفرنس بمبئی ۱۹۲۱ء
۳۔ خلافت کانفرنس کلکتہ
۴۔ بہار ڈویژنل خلافت کانفرنس پٹنہ ۱۳۳۹ھ
۵۔ خلافت کانفرنس ضلع بیلگام کرناٹک ۱۳۳۹ھ
۶۔ اجلاس جمعیۃ علما صوبہ راجستھان ۱۳۴۲ھ

---

(۵) مضمون 'عہد برطانیہ میں علمائے بدایوں کے سیاسی رجحانات' ماہنامہ مجلّہ بدایوں کراچی، شمارہ جنوری ۱۹۹۴ء
(۶) مرجع سابق

۷۔ اجلاس خلافت کمیٹی بسلسلۂ افتتاح شعبۂ تبلیغ، میرٹھ ۱۳۴۸ھ

مولانا بدایونی کی عملی اور تحریکی زندگی اور مذہبی و قومی جد و جہد کا اندازہ ان عہدوں اور مناصب سے بھی لگایا جا سکتا ہے جن کو مولانا نے مختلف اوقات میں زینت بخشی۔ یہاں ہم ایک سرسری خاکہ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں جس سے مولانا کی وسیع تر خدمات اور قائدانہ حیثیت کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

۱۔ مہتمم مدرسہ شمس العلوم بدایوں
۲۔ مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ شمس العلوم بدایوں
۳۔ ناظم جمعیۃ علمائے ہند صوبہ متحدہ
۴۔ رکن مرکزی مجلسِ خلافت
۵۔ صدر مجلس خلافت صوبہ متحدہ
۶۔ صدر خلافت تحقیقاتی کمیشن
۷۔ رکن وفد خلافت برائے حجاز
۸۔ رکن مجلس عاملہ مسلم کانفرنس
۹۔ رکن انجمن خدّام کعبہ
۱۰۔ رکن انڈین نیشنل کانگریس
۱۱۔ صدر جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ آگرہ و اودھ
۱۲۔ بانی رکن مجلس تنظیم
۱۳۔ بانی رکن جمعیۃ علمائے ہند کانپور
۱۴۔ بانی و مہتمم مطبع قادری بدایوں
۱۵۔ بانی و سرپرست عثمانی پریس بدایوں
۱۶۔ بانی دار التصنیف بدایوں۔

حضرت مولانا عبد الماجد بدایونی ان تمام گونا گوں خوبیوں کے ساتھ ایک شعلہ بیان خطیب بھی تھے۔ محفل میلاد ہو یا مجلس محرم، عرس کی محفل ہو یا بزم مناظرہ، سیاسی جلسہ ہو یا قومی کانفرنس ہر جگہ مولانا کی خطابت کی گونج سنائی دیتی تھی۔ شعلہ بیانی اور ولولہ انگیزی آپ پر ختم تھی مولانا کا یہ

ایسا وصف تھا کہ اس کا اعتراف ان کے تمام معاصرین نے بیک زبان کیا ہے۔

اپنی ان گونا گوں سیاسی، قومی اور تحریکی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی شغف رکھتے تھے۔ مولانا نے مذہبیات، درسیات اور سیاسیات ہر موضوع پر قلم اُٹھایا اور تصنیفات کا ایک قابل قدر ذخیرہ چھوڑا۔ مولانا کا اسلوب شگفتہ اور مزاج محققانہ ہے، قلم رواں دواں اور شستہ ہے، تحریر پر خطابت کا رنگ غالب ہے۔ مولانا کی زیر ادارت ماہنامہ شمس العلوم نکلتا تھا جس میں بحیثیت مدیر آپ ہر ماہ کچھ نہ کچھ تحریر کیا کرتے تھے، اس کے علاوہ ۲۰ سے زائد کتب و رسائل مولانا کی علمی و قلمی یادگار کے طور پر آج ہمارے سامنے موجود ہیں، یہاں ہم صرف کتابوں کے نام پر اکتفا کرتے ہیں: (۱) خلاصۃ المنطق (۲) خلاصۃ العقائد (۳) خلاصۃ الفلسفہ (۴) فلاح دارین (۵) دربارِ علم (۶) فتویٰ جواز عرس (۷) القول السدید (۸) عورت اور قرآن (۹) خلافت نبویہ (۱۰) الاظہار (۱۱) فصل الخطاب (۱۲) قسطنطنیہ (۱۳) المکتوب (۱۴) درس خلافت (۱۵) تنظیمی مقالات (۱۶) جذبات الصداقت (۱۷) الاستشہاد (۱۸) کشف حقیقت مالابار (۱۹) الخطبۃ الدعائیہ للخلافۃ الاسلامیہ (۲۰) اعلان حق (۲۱) سمرنا کی خونی داستان (۲۲) خلافت الٰہیہ۔

فتویٰ جواز عرس اور القول السدید دونوں رسائل کو 'عرس کی شرعی حیثیت' کے عنوان سے تاج الفحول اکیڈمی ۲۰۰۸ء میں شائع کر چکی ہے۔ مولانا کی کتاب فلاح دارین تقریباً ۲۵۰/احادیث کا خوبصورت انتخاب ہے جو زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ہیں۔ کتاب اردو زبان میں ہے، تاج الفحول اکیڈمی اس کو اردو (۲۰۰۸ء) ہندی (۲۰۰۹ء) اور انگلش (۲۰۱۲ء) تینوں زبانوں میں شائع کر چکی ہے۔

مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے ایک جلسے کے سلسلے میں لکھنؤ تشریف لے گئے تھے، وہیں شب دو شنبہ ۳/شعبان ۱۳۵۰ھ/ ۱۳-۱۴/دسمبر ۱۹۳۱ء کی درمیانی رات میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ لکھنؤ سے بدایوں لایا گیا حضرت عاشق الرسول مولانا شاہ عبدالقدیر قادری قدس سرہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی، ۱۵/دسمبر ۱۹۳۱ء کو درگاہ قادری کے جنوبی دالان میں اپنے پیر و مرشد کے پائنتی دفن کیے گئے۔ (۷)

☆☆☆

(۷) مزید حالات کے لیے دیکھیے راقم الحروف کی کتاب 'تذکرۂ ماجد' تاج الفحول اکیڈمی ۲۰۰۷ء

حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی

حضرت مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی (ولادت: ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء) ابن مولانا حکیم عبدالقیوم قادری جید عالم، شعلہ بیان خطیب، ملی قائد، مصنف اور صاحب طرز شاعر تھے۔ آپ کی تعلیم مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں، مدرسہ شمس العلوم بدایوں اور مدرسہ الٰہیات کانپور میں ہوئی۔ اساتذہ میں استاذ العلما مولانا محبّ احمد قادری بدایونی، مولانا حافظ بخش قادری آنولوی، مولانا مفتی ابراہیم قادری بدایونی، مولانا مشتاق احمد کانپوری، مولانا عبدالسلام فلسفی اور حضرت عاشق الرسول مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی کے نام قابل ذکر ہیں۔

سرکار صاحب الاقتدار حضرت شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری قدس سرہٗ سے اجازت وخلافت حاصل کی۔

آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز مدرسہ شمس العلوم کے نائب مہتمم کی حیثیت سے کیا، پھر اپنے بڑے بھائی مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کے ساتھ ملی اور قومی تحریکات سے وابستہ ہوگئے۔ تحریک خلافت وترک موالات کے سرگرم اراکین میں شامل رہے، بعد میں مسلم لیگ سے وابستہ ہوگئے اور قیام پاکستان کی جدوجہد میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شریک ہوئے اور ناظم نشرواشاعت کی حیثیت سے اس تحریک کو مضبوط کیا۔ تقسیم کے بعد پاکستان ہجرت کر گئے، وہاں مہاجرین کی بازآبادکاری کے لیے مخلصانہ جدوجہد کی۔ ۱۹۴۸ء میں مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کی قیادت میں پاکستان کے لیے اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کیا اور اس کے نفاذ کا مطالبہ لے کر بانئ پاکستان محمد علی جناح صاحب سے ملاقات کی۔ قوم پاکستان کی دینی رہنمائی کے لیے جمعیۃ علمائے پاکستان کا قیام عمل میں آیا، آپ ابتدا سے جمعیۃ کے سرگرم رکن رہے، بعد میں جمعیۃ علمائے پاکستان کے صدر منتخب کیے گئے اور اپنی وفات تک اس

عہدے پر فائز رہے۔ سعودی عرب، مصر، ایران، عراق، لبنان، شام، بیت المقدس، روس، چین، برطانیہ، امریکہ اور سوئزرلینڈ سمیت دنیا کے بے شمار ملکوں کا دورہ کیا اور تبلیغ اسلام کا عظیم فریضہ انجام دیا۔

۱۹۶۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں ناموس رسالت کے ایک محافظ و مجاہد کی حیثیت سے قائدانہ کردار ادا کیا، جس کے نتیجے میں کراچی اور سکھر جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ قادیانیت کے فتنے سے عالم اسلام کو روشناس کرانے کے لیے عرب ممالک کے علما و زعما سے ملاقاتیں کیں اور ان سے ختم نبوت کے سلسلے میں فتاویٰ حاصل کیے۔

۱۹۵۲ء میں سعودی حکومت کی جانب سے مسجد نبوی کی توسیع کے بہانے گنبد خضریٰ کو منہدم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا، اس وقت حضرت مولانا عبد الحامد بدایونی نے جمعیۃ علمائے پاکستان کے پلیٹ فارم سے تحفظ گنبد خضرا اور صیانت آثار مبارکہ کی ایک عالمگیر مہم چلائی، جس کے تحت پاکستان میں مختلف اجلاس کیے گئے۔ پھر حج (۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۲ء) کے موقع پر مولانا عبد الحامد بدایونی کی زیر قیادت جمعیۃ علمائے پاکستان کا ایک نمائندہ وفد حجاز روانہ ہوا، وہاں وفد نے متعلقہ اہم افراد کے علاوہ اس زمانے کے ولی عہد مملکت (بعد میں سعودی بادشاہ) امیر سعود بن عبد العزیز سے ملاقات کر کے اپنے مطالبات پیش کیے۔ جس کے نتیجے میں سعودی حکومت انہدام گنبد خضریٰ کے ارادے سے باز رہی۔

۱۹۵۲ء کی اس کامیاب تحریک کے بعد ۱۹۶۱ء میں پھر مولانا نے صحابہ و اہل بیت کے منہدم شدہ مزارات کی تعمیر نو اور گنبد خضرا کے تحفظ وصیانت کے لیے عالم گیر مہم چلائی۔ پہلے آپ نے قبور و مزارات پر قبوں کے شرعی جواز پر ایک فتویٰ مرتب کیا، پھر ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش (جو اس وقت مشرقی پاکستان تھا) کا دورہ کر کے وہاں کے معتبر علما و مشائخ سے اس فتوے پر تصدیق و تائید حاصل کی، ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے ۲۵۹؍ اکابر علما نے اس فتوے پر دستخط کیے۔

پھر آپ نے عالم عرب اور ایران کا دورہ کیا اور وہاں کے سرکردہ علما سے اس فتوے پر تصدیقیں اور تقریظات حاصل کیں، آپ نے سعودی حکومت سے مطالبہ کیا کہ قبوں اور مزارات کے انہدام پر روک لگائی جائے اور جو مزارات منہدم کر دیے گئے ہیں ان کو از سر نو تعمیر کر کے ان کے اوپر کتبے لگائے جائیں۔ مولانا کا فتویٰ، ہند و پاک کے علما کی تصدیقات اور سعودی حکومت سے مطالبات کو

یکجا کر کے بنام ''جامع فتویٰ'' کراچی سے شایع کیا گیا۔ پھر اس فتوے کا عربی ترجمہ کیا گیا اور اس پر علمائے عرب کی تقاریظ اور تصدیقات حاصل کی گئیں۔ مولانا بدایونی نے شاہ سعود کے نام ایک خط لکھا جس میں ان کو عالم اسلام کے علما کے جذبات سے آگاہ کرتے ہوئے اپنے مطالبات پیش کیے۔ اس تمام مواد کو یکجا کر کے عربی زبان میں ''الجواب المشکور علی اسئلة القبور'' کے نام سے شایع کیا گیا۔

مزارات صحابہ واہل بیت کی حفاظت وصیانت کی اس تحریک کو عالمگیر بنانے اور عالم اسلام کی رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے آپ نے عالم اسلام کا دورہ کیا۔ یہ سفر ۱۷ر مئی ۱۹۶۱ء کو کراچی سے شروع ہو کر ۳۰ر جولائی ۱۹۶۱ء کو کراچی ہی میں ختم ہوا۔ کم وبیش ڈھائی ماہ کے سفر میں آپ نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ (سعودی عرب)، عمان (اردن) بیت المقدس، بیروت (لبنان) دمشق (شام) قاہرہ، اسکندریہ (مصر) بغداد، نجف کربلا (عراق) اور طہران، قم، مشہد، اصفہان، خراسان (ایران) کا دورہ کیا، ان بلاد کے علما ومشائخ اور عمائدین مملکت سے ملاقاتیں کیں اور اپنی تحریک کے حق میں ان کی حمایت حاصل کی۔ اس سفر کی روداد 'ممالک عربیہ اور ایران کا سفر نامہ' کے نام سے ۱۹۶۱ء میں کراچی سے شائع ہوئی ہے۔ سفر نامے کے مطالعے سے عالم اسلام کے علما وزعما کے درمیان مولانا عبد الحامد بدایونی کی اہمیت ووقعت اور ان کی اس تحریک کی عالم گیریت کا اندازہ ہوتا ہے۔

میدان سیاست اور میدان خطابت کے ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کے نقوش چھوڑے، جو مختلف دینی اور سیاسی موضوعات پر آج بھی قوم وملت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ جو تصانیف اب تک ہمارے علم ومطالعے میں آئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) فلسفۂ عباداتِ اسلامی (مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی مئی ۲۰۱۲ء)

(۲) تصحیح العقائد (تاج الفحول اکیڈمی اس کو 'عقائد اہل اسنت' کے نام سے اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں شائع کر چکی ہے۔)

(۳) نظامِ عمل (یہ کتاب ترتیب وتخریج کے مراحل میں ہے۔ ان شاء اللہ بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے)

(۴) کتاب وسنت غیروں کی نظر میں

(۵) اسلام کا زراعتی نظام

(۶) اسلام کا معاشی نظام

(۷) مرقعِ کانگریس (مطبوعہ ۱۹۳۸ء)

(۸) مشرقی کا ماضی و حال

(۹) انتخابات کے ضروری پہلو

(۱۰) الجواب المشکور (مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی ۲۰۱۳ء)

(۱۱) اسلامک پریئرز (انگریزی)

(۱۲) حرمتِ سود

(۱۳) تاثراتِ دورۂ روس

(۱۴) تاثراتِ دورۂ چین

(۱۵) مشیر الحجاج

(۱۶) بالشیزم اور اسلام

(۱۷) دعوت عمل (یہ کتاب اردو میں ہے۔ تاج الفحول اکیڈمی نے اس کو اردو کے علاوہ انگلش، ہندی، گجراتی اور مراٹھی میں بھی شائع کر دیا ہے۔)

(۱۸) جذبات حامد حصہ اول و دوم (مجموعہ کلام نعت و مناقب)

(۱۹) سفر نامہ ممالک عربیہ و ایران

مولانا نے علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے ایک عظیم منصوبے کے تحت کراچی میں ''جامعہ تعلیمات اسلامیہ'' قائم فرمایا۔

۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں وفات پائی، آپ کی نماز جنازہ شیخ المشائخ سید شاہ مختار اشرف اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحبِ سجادہ سرکار کلاں کچھوچھہ شریف نے پڑھائی، اور اپنے قائم کردہ ادارے جامعہ تعلیمات اسلامیہ میں سپرد خاک کیے گئے۔ قیام پاکستان کے لیے آپ کی جدو جہد کے اعتراف میں ۱۹۹۹ء میں حکومت پاکستان نے آپ کے نام کا ڈاک ٹکٹ جاری کیا ہے۔

☆☆☆

عاشق الرسول حضرت مولانا عبدالقدیر بدایونی ☆

سیف اللہ المسلول کے پوتے، حضرت تاج الفحول کے صاحبزادے، سرکار مطیع الرسول کے شاگرد، مرید، خلیفہ اور جانشین حضرت عاشق الرسول مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی قدس سرہٗ کی ذات متاخرین میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ نے کچھ سال تک پورے انہماک سے مدرسہ قادریہ کی مسند درس کو زینت بخشی اور منقول ومعقول میں مہارت کا ثبوت دیا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر مطیع الرسول قادری قدس سرہ کے وصال (محرم ۱۳۳۴ھ/ دسمبر ۱۹۱۵ء) کے بعد خانقاہ قادریہ بدایوں کے صاحب سجادہ ہوئے۔

جب ملک میں ملی اور قومی تحریکات کا آغاز ہوا تو حضرت عاشق الرسول نے تمام اہم تحریکات میں حصہ لیا۔ تحریک خلافت، ترک موالات، خدام کعبہ، مسئلہ فلسطین اور بزم صوفیہ جیسی تمام تحریکات میں آپ صف اول میں نظر آتے ہیں۔

آپ جمعیۃ علمائے ہند کے ابتدائی ارکان میں شامل ہیں، بعد میں بعض نظریاتی اختلافات کے باعث علی برادران سمیت علمائے اہل سنت نے جمعیۃ علمائے ہند سے علاحدگی اختیار کر کے مرکزی جمعیۃ علمائے ہند کانپور کی بنیاد رکھی، اس میں حضرت عاشق الرسول بھی شریک رہے اور کچھ عرصہ اس کی صدارت بھی فرمائی۔ اسی مرکزی جمعیۃ علمائے ہند کانپور کے زیر اہتمام کانپور میں آل انڈیا قضا کانفرنس (مؤتمر تحفظ حقوق شرعی) ۱۸ر نومبر ۱۹۳۳ء کو حضرت عاشق الرسول کی زیر صدارت منعقد ہوئی، آپ نے خطبۂ صدارت پیش کیا جو مطبوعہ ہے۔

☆ حضرت عاشق الرسول کی ولادت، تعلیم وتربیت اور ابتدائی حالات کے لیے کتاب ہذا کا صفحہ 350 تا 352 ملاحظہ فرمائیں۔

اکتوبر ۱۹۳۵ء میں بدایوں میں مرکزی جمعیۃ علمائے ہند کانپور کا سالانہ اجلاس حضرت عاشق الرسول کے زیر اہتمام منعقد ہوا، جس میں غیر منقسم ہندوستان کے بے شمار علما و مشائخ نے شرکت کی۔ اجلاس کی صدارت امیر ملت حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری نے فرمائی، حضرت عاشق الرسول نے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ اس اجلاس میں مسجد شہید گنج، اجارۂ حجاز، مسئلہ فلسطین، انڈیا بل اور محکمہ قضا جیسے اہم قومی اور ملی مسائل زیر بحث آئے۔

ہندوستانی ریاستوں بالخصوص ریاست حیدرآباد پر برٹش گورنمنٹ کے غیر منصفانہ رویے کے خلاف ۱۹۲۶ء میں لاہور کے بریڈلا ہال میں ''نظام کانفرنس'' منعقد ہوئی، جس کی صدارت حضرت عاشق الرسول نے فرمائی۔

جب فلسطینی مسلمانوں نے انگریزوں اور یہودیوں کے خلاف احتجاجی جدو جہد شروع کی تو ان کی حمایت میں عظیم الشان ''فلسطین کانفرنس'' منعقد کی گئی۔ حضرت عاشق الرسول نے اس کی صدارت فرمائی۔ ہندوستانی مسلم قائدین کا ایک وفد فلسطین کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے حضرت عاشق الرسول کی زیر قیادت فلسطین روانہ ہوا، جب یہ وفد بیت المقدس پہنچا تو مفتیٔ اعظم فلسطین حضرت امین الحسینی نے ایک بھاری جلوس کے ساتھ شہر سے باہر آکر اس کا استقبال کیا۔ اس استقبال کی رپورٹ قدس (فلسطین) کے ہفت روزہ اخبار 'الجامعۃ العربیۃ' (جلد ۸ شمارہ ۱۴۱۵، ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۰ اگست ۱۹۳۴ء) میں شائع ہوئی تھی۔ (اس کے کچھ اقتباسات ہم نے اپنی مرتب کردہ کتاب 'خطبات صدارت' کے مقدمے میں نقل کیے ہیں۔)

شریف حسین اور شاہ سعود کی کشمکش کے دوران مسئلہ حجاز کے سلسلے میں ہندوستانی زعما اور قائدین میں اختلاف رائے ہوا، بعض حضرات نے شاہ سعود کی حمایت کا اعلان کیا، مگر حضرت عاشق الرسول نے کھل کر شریف حسین کی حمایت کی، اس سلسلے میں بھی آپ کی خدمات قابل قدر رہیں۔

ریاست حیدرآباد کی عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) میں مفتی اعظم کے عہدے کے لیے نظام حیدرآباد میر عثمان علی خاں کی نگاہ انتخاب آپ پر پڑی، آپ نے یہ عہدہ قبول فرمایا اور ۱۹۳۶ء سے سقوط حیدرآباد تک ''مفتی اعظم ریاست حیدرآباد'' کے منصب پر فائز رہے۔

خانوادہ غوث اعظم (بغداد شریف) کے افراد سے آپ کے نہایت قریبی تعلقات تھے، ہر سال بغداد شریف حاضری کا معمول تھا، ۱۹۵۶ء میں علالت کے باعث بغداد شریف حاضری نہیں ہوسکی تو خود نقیب زادہ حضرت سید پیر طاہر علاء الدین گیلانی عراق سے آپ کی عیادت کو بدایوں تشریف لائے۔ آپ کے وصال پر شہزادگان خانوادۂ گیلانیہ بغداد شریف نے جو تعزیتی خطوط ارسال کیے ان سے خانوادۂ گیلانیہ میں آپ کی قدر ومنزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اپنے زمانے کے علما و مشائخ میں آپ کو حضرت تاج الفحول کی نسبت اور ذاتی فضائل و کمالات کی وجہ سے بے حد مقبولیت اور مرجعیت حاصل تھی۔ ہندو پاک کے علاوہ عالم عرب کے علماو مشائخ اور سیاسی قائدین وزعما کے ساتھ گہرے علمی وفکری روابط تھے۔

قومی وملی تحریکات کے سلسلے میں آپ نے ملک کے طول وعرض میں بے شمار کانفرنسوں اور اجلاسوں میں شرکت کی اور بہت سی اہم کانفرنسوں کی صدارت فرمائی۔☆

۶۸ رسالہ دینی خدمات کے بعد ۳ر شوال المکرّم ۱۳۷۹ھ/ ۳۱ مارچ ۱۹۶۰ء بروز جمعرات آپ نے وصال فرمایا۔ ۴ر شوال المکرّم بعد جمعہ عیدگاہ شمسی بدایوں میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ آپ کو آپ کے پیرومرشد سرکار صاحب الاقتدار کے پہلو میں درگاہ قادری بدایوں میں سپرد خاک کیا گیا۔

حضرت عاشق الرسول کی حیات وشخصیت پر اب تک جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ آپ کی قدآور شخصیت اور خدمات کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ آپ کی ایک مبسوط سوانح عمری کو میں اپنے اوپر قرض سمجھتا ہوں جس میں آپ کی حیات وشخصیت، قوم وملت کے لیے آپ کی گراں قدر خدمات اور عالم اسلام میں آپ کی عظمت ووقعت کے مختلف پہلو اجاگر کیے جائیں۔ ان شاء اللہ یہ قرض بھی باقی نہیں رہے گا۔

حضرت عاشق الرسول کا عقد قاضی غلام شبر قادری کی دختر (وفات: رجب ۱۳۳۷ھ/ اپریل ۱۹۱۹ء) سے ہوا، جن سے ایک صاحبزادے حضرت مولانا عبدالہادی القادری اور ایک صاحبزادی (زوجہ سعید احمد ہاشمی) پیدا ہوئیں۔ زوجہ اولیٰ کی وفات کے بعد ۱۹۲۴ء میں مولوی سید

☆ ان کانفرنسوں میں پیش کیے گئے آپ کے بعض خطبات کو راقم الحروف نے 'خطبات صدارت' کے نام سے ترتیب دیا ہے، یہ مجموعہ تاج الفحول اکیڈمی کے زیر اہتمام ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا ہے۔

عنایت احمد نقوی صاحب کی دختر کے ہمراہ عقد ثانی ہوا۔جن سے دو صاحبزادے حضرت عبد المجید محمد اقبال قادری اور حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری اور تین صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

مولانا محمد عبد الہادی قادری بدایونی

آپ حضرت عاشق الرسول کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔آپ کی ولادت ۱۳/اور۱۴/رجب المرجب ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء کی درمیانی رات میں بدایوں میں ہوئی۔اس سلسلے میں ایک واقعے کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

مارہرہ شریف میں پہلے عرس نوری ۹ تا ۱۳/رجب ہوا کرتا تھا۔مدرسہ قادریہ سے تمام خوردو کلاں اور کثیر تعداد میں اہل بدایوں عرس نوری میں شرکت کیا کرتے تھے۔۱۳۳۱ھ کے عرس نوری میں زبدۃ العارفین حضرت سرکار مطیع الرسول عبد المقتدر قادری قدس سرہٗ، حضرت عاشق الرسول مولانا محمد عبد القدیر قادری قدس سرہٗ اور دیگر اصحاب مدرسہ واحباب سلسلہ حاضر تھے۔۱۳/رجب کو قل کے بعد حضرت سرکار مقتدر قدس سرہٗ نے مفتی ابوالحسن قادری بریلوی کو اجازت وخلافت مرحمت فرمائی۔اورادواشغال کے ضمن میں آپ نے مفتی صاحب کو 'حصار قادری' کی بھی اجازت عطا فرمائی۔اس حصار میں یہ الفاظ بھی ہیں ''گرد من گرد خانہ من گرد زن وفرزندان من''۔حضرت عاشق الرسول بھی محفل میں موجود تھے،اُس وقت تک آپ کے کوئی فرزند نہیں تھا۔جب سرکار نے مفتی صاحب کو حصار قادری کی تعلیم فرما کر اجازت دی تو حضرت عاشق الرسول نے پوچھا کہ ''جس کے فرزندان نہ ہوں وہ کیا پڑھے''؟ سرکار مقتدر قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ کل سے پڑھنا شروع کردے''۔ اگلے دن صبح یعنی ۱۴/رجب کو جب بدایوں واپسی ہوئی تو معلوم ہوا کہ رات صاحبزادے کی ولادت ہوئی ہے۔محمد نام رکھا گیا،محمد میاں کے نام سے پکارے گئے۔بعد میں محمد کے ساتھ عبد الہادی کا اضافہ ہوا،ہادیؔ تخلص اختیار کیا پھر 'ہادی القادری' کے نام سے مشہور ہوئے۔

تعلیمی مراحل اپنے آبائی مدرسے مدرسہ قادریہ میں طے کیے۔اساتذہ میں والد ماجد کے علاوہ حضرت مفتی حبیب الرحمٰن قادری مقتدری بدایونی اور حضرت مولانا عزیز احمد قادری بدایونی کے نام قابل ذکر ہیں۔بچپن میں حضرت سرکار عبد المقتدر مطیع الرسول قادری بدایونی قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور والد ماجد کے وصال کے بعد ان کے جانشین اور اپنے چھوٹے بھائی حضرت

شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری زیب سجادۂ خانقاہ قادریہ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی۔ مدرسہ قادریہ، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد اور نظام کالج حیدرآباد سمیت مختلف اداروں میں ادب عربی کے استاذ رہے۔ ۱۹۷۸ء میں نظام کالج حیدرآباد کے شعبۂ عربی سے استاذ ادبیات عربی کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ جید اور وسیع المطالعہ عالم دین ہونے کے علاوہ عربی ادب ان کا خاص میدان تھا۔ عربی، فارسی، اُردو تینوں زبانوں کے قادرالکلام شاعر اور صاحب طرز انشا پرداز تھے۔

۱۳۹۱ھ/۲-۷-۱۹۷۱ء میں حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ عراق، شام اور فلسطین کا سفر حضرت عاشق الرسول قدس سرہٗ کے ساتھ سنہ ۱۹۳۴ء میں کیا۔

دولت فقر اور مشرب تصوف و سلوک خاندانی ورثے کے طور پر پایا تھا، ان کی اپنی قلندرانہ شان، طبیعت کے سوز و گداز اور عشق و مستی کی واردات نے ان کے سلوک کو مزید جلا بخشی تھی، اسی کا اثر تھا کہ ہر قسم کا آرام اور آسائش ترک کر کے زندگی کے آخری سات آٹھ سال شہر سے باہر ویرانے میں حضرت بابا بہاء الدین انصاری قدس سرہٗ کی درگاہ (دولت آباد ضلع اورنگ آباد مہاراشٹر) کی ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں چٹائی پر گزار دیے۔

وفات سے چند ماہ قبل حضرت صاحب سجادہ اصرار کر کے ان کو بدایوں لے آئے، یہیں ۱۱/ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ/۲۲ رجون ۱۹۹۴ء کو انتقال فرمایا اور درگاہ قادری میں آسودۂ خاک ہوئے۔

عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں انہوں نے خوب لکھا مگر طبیعت میں عجیب وغریب شان استغنا اور قلندری تھی، کبھی مضامین اور شاعری وغیرہ محفوظ کرنے یا باقاعدہ شائع کروانے کی طرف توجہ نہیں کی۔ بے شمار اردو عربی مضامین شاگردوں اور دوستوں کے نام سے شائع کروا دیے۔ ایک بہاریہ مجموعہ نذر آتش کر دیا اور جو کچھ باقی رہ گیا وہ زمانے کی دست برد کا شکار ہوا۔ اکابر خانقاہ قادری کی سیرت و سوانح پر ایک کتاب 'احوال و مقامات' تصنیف کی، جو ۱۹۹۱ء میں حیدرآباد سے شائع ہوئی، اس کا ایک حصہ راقم نے ترتیب جدید کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی سے ۲۰۰۸ء میں شایع کیا ہے۔ اس کے علاوہ نعت و مناقب کے دو مجموعے ''نغمہ قدسی اساس'' اور خرابات'' برادرم فرید اقبال قادری نے بالترتیب ۱۴۲۱ھ اور ۱۴۲۲ھ میں کراچی سے شائع کیے۔ بہاریہ شاعری کا ایک مجموعہ ''خمیازۂ حیات'' تاج الفحول اکیڈمی نے ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔ سیرت طیبہ پر ایک مختصر اور جامع رسالہ 'مختصر سیرت خیر البشر' تاج الفحول اکیڈمی نے ۲۰۰۸ء

میں شائع کیا ہے۔ عربی، فارسی اور اردو میں ان کی متفرق نثری اور شعری نگارشات راقم الحروف نے 'باقیات ہادی' کے نام سے ترتیب دیں جو تاج الفحول اکیڈمی نے ۲۰۰۸ء میں شائع کی۔ مسئلہ اذان ثانی پر ایک رسالہ 'اظہار حقیقت' ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔☆

اپنی پھوپھی زاد بہن دختر قاضی محمد احمد مظہر الاسلام ہاشمی سے عقد ہوا۔ سلسلہ اولاد کی تفصیل کے لیے کتاب کے آخر میں 'نسب نامہ خاندان عثمانی' (صفحہ 448) ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبدالمجید محمد اقبال قادری

آپ حضرت عاشق الرسول کے دوسرے صاحبزادے ہیں، ۲۱ر ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ/۲۳ر مئی ۱۹۲۷ء میں ولادت ہوئی ☆☆۔ محمد ثانی نام رکھا گیا، بعد میں عبدالمجید محمد اقبال قادری مکمل نام قرار پایا۔ ابتدائی تعلیم خود والد ماجد سے حاصل کی، جامعہ نظامیہ حیدرآباد میں بھی کچھ سال زیر تعلیم رہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے بی۔اے کیا۔ ریاست حیدرآباد کی فوج میں ایک معزز عہدے پر فائز رہے۔ پولس ایکشن کے بعد پاکستان ہجرت کی۔ بعد میں ایم۔اے (تاریخ) کی ڈگری بھی حاصل کی۔ خوارج کی تاریخ اور ان کے مختلف فرقوں کے تعارف پر ایم۔فل۔ کے لیے مقالہ لکھا، لیکن کسی وجہ سے ڈگری اوارڈ نہیں ہوسکی۔ اس مقالے کا عکس کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ ہے۔

حضرت پیر سید محمد علی فضل اللہ گیلانی حموی رحمۃ اللہ علیہ (حما شریف، شام) سے شرف بیعت حاصل ہے۔ حضرت پیر سید ابراہیم سیف الدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ (نقیب الاشراف، بغداد شریف) نے خلافت سے نوازا اور اپنا عبا مرحمت فرمایا۔

آپ پاکستان میں خانقاہ قادریہ اور مدرسہ قادریہ کے نمائندے ہیں۔ اعلیٰ ظرف، وسیع القلب، وضع دار، خوش اخلاق، خوش گفتار اور اپنی خاندانی تہذیب، روایات اور شرافت و سادگی کا نمونہ ہیں۔ عموماً احباب سلسلہ آپ کو 'بھائی صاحب' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

علمی ذوق اور مطالعہ کا شوق خاندانی ورثے میں پایا ہے۔ کراچی میں آپ کی ذاتی لائبریری

☆ تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے ان کی خودنوشت سوانح بعنوان 'تانک جھانک' مشمولہ خمیازۂ حیات، از صفحہ ۱۶ر تا صفحہ ۳۶ر تاج الفحول اکیڈمی بدایوں ۲۰۰۹ء

☆☆ اس سے قبل میں نے کسی جگہ آپ کی پیدائش کا سنہ ۱۳۴۶ھ لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔

بڑی وسیع اور نوادر سے مالا مال ہے۔شگفتہ اور معیاری نثر لکھتے ہیں۔آپ کا اصل موضوع تاریخ ہے، بے شمار مضامین و مقالات مطبوعہ اور غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ایم فل. کے مذکورہ مقالے علاوہ کوئی مستقل تصنیف راقم کے علم میں نہیں ہے۔ان شاء اللہ یہ مقالہ تاج الفحول اکیڈمی کتابی صورت میں شائع کرے گی۔

اِس وقت آپ خانوادۂ قادریہ عثمانیہ کے سب سے معمر بزرگ اور خاندان کے سرپرست ہیں۔سنہ ہجری کے اعتبار سے اس وقت ۸۹ ربرس کی عمر ہے۔رب قدیر و مقتدر صحت و عافیت کے ساتھ آپ کا سایہ سلامت رکھے۔

آپ کا عقد اپنی خالہ زاد بہن دختر مولوی مواحد الدین عباسی سے ہوا۔ برادرم فرید اقبال قادری اور مؤید اقبال قادری آپ کے فرزند ہیں۔اولاد و اخلاف کی مزید تفصیل کے لیے 'نسب نامہ خاندان عثمانی' (صفحہ 449) ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری

زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف

آپ حضرت عاشق الرسول کے سب سے چھوٹے صاحبزادے اور جانشین، خانقاہ قادریہ کے صاحب سجادہ، مدرسہ قادریہ کے سرپرست، لاکھوں قادری مجیدی وابستگان کی عقیدت ومحبت کا مرکز اور خانوادۂ قادریہ عثمانیہ کے موجودہ سربراہ ہیں۔

۲۶ شعبان ۱۳۵۸ھ/ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں حیدرآباد دکن میں ولادت ہوئی۔ حافظ عبدالوحید قادری مقتدری سے صرف آٹھ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔تحصیل علم مدرسہ قادریہ میں حضرت مفتی ابراہیم فریدی سمستی پوری اور حضرت مفتی اقبال حسن قادری وغیرہ سے کی ،حضرت عاشق الرسول نے بھی اپنے زیرنگرانی کچھ تعلیم دی۔

۱۳۷۷ھ میں عرس قادری کے موقع پر حضرت عاشق الرسول سے بیعت وخلافت حاصل ہوئی۔۶ رشوال ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۶۰ء میں حضرت عاشق الرسول کے فاتحہ سویم کے دن حضرت کی وصیت واعلان کے مطابق خانقاہ قادریہ کی مسند سجادگی پر متمکن ہوئے۔

اس وقت سے آج تک آپ اپنے اسلاف کے مسلک ومنہاج پر مضبوطی سے قائم رہ کر دین وسنیت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔اپنے بزرگوں کی روحانی وراثتوں کے امین و وارث ہیں۔

پابندیٔ شریعت، ذوقِ طریقت، عقیدے میں تصلب اور سوز و گداز اپنے بزرگوں سے ورثے میں پایا ہے۔ دور اندیشی، معاملہ فہمی، کشادہ قلبی، اعلیٰ ظرفی، توازن و اعتدال، صبر و تحمل اور عفو و درگذر آپ کے ذاتی اوصاف ہیں۔قوم وملت کی فلاح وترقی، مسلک اہل سنت کی نشر و اشاعت، مشرب قادریت کا فروغ اور احباب سلسلہ کی تعلیم وتربیت آپ کی زندگی کا مشن ہے۔آپ کی دعوتی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات کی تاریخ نصف صدی پر محیط ہے۔

آپ کے عہد سجادگی میں خانقاہ قادریہ نے تبلیغی، تعلیمی، اشاعتی اور تعمیری میدان میں نمایاں ترقی کی ہے۔مدرسہ قادریہ کی نشاۃ ثانیہ، کتب خانہ قادریہ کی جدید کاری، مدرسہ قادریہ اور خانقاہ قادریہ میں جدید عمارتوں کی تعمیر کا ایک طویل سلسلہ یہ سب ایسی نمایاں خدمات ہیں جو خانقاہ قادریہ کی تاریخ کا ایک روشن اور تابناک باب ہیں۔

تصوف سے متعلق ایک مصری عالم کی کتاب کا ترجمہ 'محبت، برکت اور زیارت' کے نام سے کیا، جو پہلی مرتبہ ادارہ مظہر حق بدایوں سے اور دوبارہ تاج الفحول اکیڈمی سے شائع ہوا۔

تین مجموعہ نعت و مناقب نوائے سروش (۱۹۹۲ء) معراج تخیل (۱۹۹۸ء) اور مدینے میں (۲۰۰۸ء) تاج الفحول اکیڈمی شائع کر چکی ہے۔ایک مجموعہ نعت ومناقب زیر ترتیب ہے۔

اِس بے بضاعت راقم الحروف کے والد، استاذ، مربی اور شیخ ہیں۔میرے دامن میں تعلیم و تربیت، تحریر وتقریر اور علم وعمل کے نام پر جو کچھ بھی ہے وہ سب آپ کے حسن تربیت کا فیض اور خصوصی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔رب قدیر و مقتدر آپ کو صحت و سلامتی کے ساتھ ہم تمام وابستگان خانقاہ اور خادمان مدرسہ قادریہ پر تادیر سایہ فگن رکھے اور آپ کے فیض صحبت وتربیت سے مستفیض فرمائے۔

آپ کا عقد قاضی حبیب الحسن بدایونی کی دختر سے ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء میں ہوا۔ان سے چار صاحبزادیاں ہیں۔زوجہ اولی کی وفات (۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۱ء) کے بعد ۱۹۷۲ء میں حضرت مولانا سید محمد اکبر چشتی رحمۃ اللہ علیہ (خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف) کی صاحبزادی سے عقد ثانی ہوا۔چار لڑکے دو لڑکیاں تولد ہوئیں۔

(۱) راقم الحروف اسید الحق محمد عاصم قادری: ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/ ۶ مئی ۱۹۷۵ء مولوی محلّہ بدایوں میں پیدائش ہوئی۔تعلیمی مراحل مدرسہ قادریہ، دارالعلوم نور الحق (چرہ محمد پور، ضلع فیض آباد) اور جامعہ ازہر (قاہرہ، مصر) میں مکمل کیے۔شوال ۱۴۲۵ھ/ نومبر ۲۰۰۴ء میں عملی زندگی کا

آغاز کیا۔ اپنے اسلاف کی روایت کے مطابق مدرسہ قادریہ میں درس نظامی و حیر آبادی کے ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ اپنی بے بضاعتی، کم علمی اور نااہلی کے احساس و اعتراف کے ساتھ تحریر و تقریر کے ذریعے دین متین کی جو کچھ بھی خدمت بن پڑتی ہے اس میں حتی الامکان کوتاہی نہیں ہوتی۔ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ/ اگست ۲۰۰۴ء میں الحاج سید محمد نصیر مرحوم (بریلی) کی بیٹی سے عقد ہوا۔

(۲) فضل قدیر قادری: ۳۰ر ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ/ ۸ر اپریل ۱۹۷۸ء میں ولادت ہوئی، پیدائش کے آٹھویں روز انتقال ہو گیا، درگاہ قادری میں دفن کیا گیا۔

(۳) عبدالغنی محمد عطیف قادری عشقی: ۸ر شعبان ۱۴۰۲ھ/ ۱ر جون ۱۹۸۲ء کو ولادت ہوئی۔ مدرسہ قادریہ اور دارالعلوم نورالحق (چرہ محمد پور، ضلع فیض آباد) میں تعلیمی مراحل مکمل کیے۔ محرم ۱۴۲۷ھ/ فروری ۲۰۰۶ء میں عرس قادری کے موقع پر رسم دستار فضیلت ادا کی گئی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے عربی زبان و ادب میں ایم. اے کیا۔ شروع میں تین سال مدرسہ قادریہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ رب مقتدر نے تقریر و خطابت کی صلاحیت سے نوازا ہے، اسی ذریعے سے مختلف دینی، قومی اور ملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ شوال ۱۴۳۰ھ/ اکتوبر ۲۰۰۹ء میں جناب سید عبدالحق قادری (حیدرآباد) کی دختر سے عقد ہوا۔

(۴) فضل رسول محمد عزام قادری قدسی: حضرت سیف اللہ المسلول کے عرس کے دن ۳ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۶ھ (۱۳ر فروری ۱۹۸۶ء) میں ولادت ہوئی۔ اسی مناسبت سے 'فضل رسول' نام رکھا گیا۔ راقم کے زیر نگرانی مدرسہ قادریہ میں درس نظامی کی تکمیل کی۔ محرم ۱۴۳۳ھ/ دسمبر ۲۰۱۱ء میں عرس قادری کے موقع پر دستار فضیلت و سند فراغت سے نوازا گیا۔ اب مدرسہ قادریہ میں تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ مدرسہ اور خانقاہ قادریہ کے انتظام و اہتمام کے نگرانی کر رہے ہیں۔ شوال ۱۴۳۳ھ/ اگست ۲۰۱۲ء میں حضرت سید شاہ محمد کامل کلیمی (زیب سجادہ خانقاہ کلیمیہ، میران پور کٹرہ، ضلع شاہجہانپور) کی دختر سے عقد ہوا۔

بفضلہ المقتدر، ہم تینوں بھائی اپنی اپنی صلاحیت و حیثیت کے مطابق علمی و دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، یہی دینی خدمت ہمارا خاندانی ورثہ، دنیاوی اثاثہ اور آخرت کے لیے سرمایہ ہے۔

☆☆☆

اجازت وخلافت نامہ

حضرت عاشق الرسول مولانا شاہ عبدالقدیر قادری

ازسرکار مطیع الرسول حضرت شاہ عبدالمقتدر قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی اشرق کائنات الامکان بنور الوجود وجعل مبدء سلسلتها ومنتهاها بحبیبه ونور ذاته محمد صاحب لواء الحمد والمقام المحمود صلی اللہ علیه وعلی آله وصحبه واولیاء امته وعلینا معهم بدوام الخلود.

اما بعد: قان الأخ الأعز الارشد فلذة الکبد سلوة الخاطر الکسیر ذا الفضل والمجد الغزیر المولوی محمد عاشق الرسول عبدالقدیر سلمه مولاه ورزقه من برکات الدارین الحظ الکبیر لما فرغ من تحصیل الکتب العقلیة والنقلیة والنظریة والعملیة وجمع المولیٰ له بفضله العظیم فی العلم والعمل والتقویٰ بحسب الشرع القویم ثم أخذ من ید هذا العبد الاثیم الطریقة الصوفیة القادریة التی فیضها فی الأمة الاسلامیة عمیم استحق عندی بفضل المولیٰ الصمد أن أکتب له ورق الاجازة والسند فکتبت هذا واحرف له بکل ما اجازنی به المولی الاعظم المرشد الافخم سیدی سندی حضرة والدنا قدوة الاکابر امام الباطن والظاهر اعلی حضرة مولانا تاج الفحول محب الرسول عبدالقادر قدس اللہ سره وقدسنا بسره الزاهر من العلوم العقلیة والنقلیة والاجازات الباطنیة الصوفیة والاعمال والاذکار والمراقبات وأخذ البیعة فی السلاسل المبارکة البرکاتیة رزقه المولی وایانا فیوضات المعرفة والرضوان وثبتنا علی السنة والجماعة بکمال الایمان اوصیه بتقوی اللہ فی السر والاعلان واتباع السنة واقامتها وخدمتها ونفع خلق اللہ والتوکل علیه والاخلاص فی کل زمان۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کتبه الاحقر المفتقر

مطیع الرسول محمدعبدالمقتدر القادری کان المولی له فی الدارین

۱۸ جمادی الاولی ۱۳۳۳ھ

☆☆☆

میں حمد و نعت و مناقب کا　　　چشمہ ہوں ابلتا رہتا ہوں

(ضیاء القادری)

مصنف اکمل التاریخ

مولانا ضیاء القادری

مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی ولد محمد یاد حسین بدایونی رجب المرجب ۱۳۰۰ھ/ جون ۱۸۸۳ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔صغر سنی میں والدین کے سائے سے محروم ہوگئے۔اپنی خالہ اور خالو مولانا علی احمد خاں اسیر بدایونی (تلمیذ تاج الفحول) کے زیر سایہ پرورش پائی،ابتدائی تعلیم مولانا اسیر اور مفتی امتیاز احمد تاثیر سے حاصل کی۔عربی درسیات استاذ العلما علامہ محب احمد قادری بدایونی (تلمیذ تاج الفحول) کی درسگاہ سے اخذ کی۔انگریزی تعلیم مڈل تک حاصل کرنے کے بعد حصول معاش کے لیے ملازمت سے وابستہ ہوگئے۔مختلف محکموں میں ملازمت کے بعد ایک طویل عرصے تک کلکٹری میں قانون گو کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، وہیں سے ۱۹۴۰ء میں سبکدوش ہوکر پنشن حاصل کی۔

۱۳-۱۹۱۲ء میں ایڈرنا نوپل (یورپ) میں ترکوں کو فتح حاصل ہوئی۔عالم اسلام میں ترکوں کی فتح کا جشن منایا گیا۔مولانا عبدالماجد بدایونی نے بھی 'فتح ایڈرنا نوپل' کی خوشی میں بدایوں میں جلوس نکالا،جلوس کے اختتام پر جامع مسجد شمسی بدایوں میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔اس فتح کی مناسبت سے مولانا ضیاء القادری نے فی البدیہ ایک مسدس نظم کیا اور جلسے میں پڑھا،اپنے خود نوشت حالات میں لکھتے ہیں:

> آخر میں نے وہ مسدس خود ہی پڑھا اور اس کا عام چرچہ دوسرے ہی دن سے تمام شہر میں ہوگیا۔صبح کو فوراً مولانا شوکت علی مرحوم نے وہ مسدس مجھ سے لے کر روزنامہ 'ہمدرد' میں اشاعت کے لیے بھیج دیا۔ہمدرد سے روزنامہ 'زمیندار' میں نقل کیا گیا اور بعض دیگر روزناموں اور ہفتہ وار اخبار میں بھی شائع ہوا۔اس کی پاداش میں مجھے کلکٹر نے تحصیل گنور تبدیل کر دیا اور سروس بک میں نوٹ لکھ دیا کہ ''اس شخص کو شہر میں کوئی جگہ نہ دی جائے''۔چنانچہ ۱۹۱۳ء سے لے کر

۱۹۴۷ء تک یعنی پنشن کے وقت تک میں شہر بدر رہا۔(۱)

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اگر ضیاء القادری ذرہ برابر بھی انگریزی حکومت سے خائف ہوتے یا حکومت کے خیر خواہ ہوتے تو اولاً تو اس قسم کے اشعار نہ پڑھتے اور اگر پڑھ ہی دیے تھے تو حکومت کے سامنے معافی نامے یا کسی اور خوشامدانہ طریقے سے خود کو حکومت برطانیہ کا خیر خواہ ثابت کر کے اِس 'سزائے شہر بدری' سے چھٹکارا حاصل کر سکتے تھے۔ انہوں نے ۲۷؍ برس تک شہر بدری کی سزا گوارا کی لیکن اپنے اس مسدس پر کسی قسم کا معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہیں کیا۔

مولانا ضیاء القادری کو ان کے خالو اور مربی مولانا علی احمد خاں اسیرؔ نے عنفوان شباب ہی میں حضرت تاج الفحول کا مرید کروادیا تھا۔ حضرت تاج الفحول کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے اور جانشین زبدۃ العارفین حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر مطیع الرسول قادری بدایونی قدس سرہٗ سے تجدید بیعت کی۔ اپنے خود نوشت حالات میں لکھتے ہیں:

> ۲؍ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ بعد ختم قرآن شریف آستانہ عالیہ قادریہ میں یہ فقیر حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت ہوا۔ اس نعمت روحانی کے بعد جو گوناگوں انعامات اِس فقیر پر ہوئے اُس کی تفصیلات دشوار ہیں۔ تمام علما و مشائخ میں روز افزوں وقار ہوا، شعرا و ادبا نے عزت افزائی کی، اکابر اولیاء اللہ کے آستانوں پر احترام کیا گیا۔(۲)

عشق رسول اور محبت اولیا ان کے رگ و ریشے میں بسی ہوئی تھی۔ جس پر ان کے نعت و مناقب کے ہزاروں اشعار شاہد ہیں۔ سرکار بغداد سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور اپنے مرشدان طریقت کی عقیدت و محبت میں سرشار تھے۔ اکابر خانقاہ قادریہ کی شان میں بھی سیکڑوں مناقب نظم کیے، بالخصوص اپنے مرشد سرکار مقتدر قدس سرہٗ کی ذات میں فنا تھے۔ ایک پورا دیوان 'تاج مضامین' اور ایک مجموعہ مناقب 'آثار بے خودی' سرکار مقتدر کی شان میں ترتیب دیا۔ سرکار مقتدر قدس سرہٗ بھی ضیاء القادری پر خاص نظر کرم فرماتے تھے اور ان کی نعت و مناقب کو ذوق و شوق سے سماعت فرماتے تھے۔ مولانا عبدالماجد بدایونی 'تاج مضامین' کی تقریظ میں لکھتے ہیں:

۱۔ تاریخ اولیائے حق: ضیاء القادری، ص:۱۰۶، کراچی، ۱۳۷۷ھ۔

۲۔ مرجع سابق: ص۱۰-۱۰۹۔

سرکار مفتدر کو بھی ضیا کا کلام پسند تھا اور حضور ضیا کے کلام مناقب کو پسند فرماتے
تھے۔ضیا کے لیے یہ سندوتمسک ہزار تقریظوں تعریفوں سے بلند تر ہے۔(۳)

آزادی کے بعد مولانا ضیاء القادری نے پاکستان ہجرت کی، کراچی میں مقیم ہوئے۔۶۸-۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ مولانا پاکستان کے سب سے پہلے حاجی ہیں۔۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء میں حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری قدس سرہٗ کی ہمرکابی میں عراق کا سفر کیا، بغداد معلی اور نجف و کربلا کی زیارات سے مشرف ہوئے۔

کراچی میں ۱۲/ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ/ ۱۵/ر اگست ۱۹۷۰ء کو وفات پائی، وہیں دفن کیے گئے۔

جن لوگوں نے ضیاء القادری کو قریب سے دیکھا، برتا اوران کی صحبت اٹھائی ان سب کا کہنا ہے کہ وہ ایک پابند شرع، خداترس، پرہیز گار، وضع دار، بامروت اور محبت وشفقت والے انسان تھے۔ان کے فرزند یوسف حسین قادری مرحوم لکھتے ہیں:

> وہ خاندان کے معاملے ہی میں نہیں زندگی کے ہر شعبے میں احکامات الٰہیہ اور سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے کی بدرجہ اتم کوشش کرتے تھے۔وہ نہایت حلیم الطبع، منکسر المزاج اور خوش اخلاق تھے۔(۴)

مولانا کے شاگرد مختار اجمیری جنھوں نے ایک عرصہ مولانا کی صحبت اٹھائی ہے ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> وہ مرد شب بیدار بزرگ تھے اور اپنے اندر ایک ایسی قلندرانہ شان بھی رکھتے تھے جو خال خال ہی نظر آتی ہے۔ پابند شرع، منزل سلوک سے آشنا، شریعت کے پیکر، طریقت کے خوگر، محبت کا مرقع، اخلاق سے مرصع شخصیت کا نام ضیاء القادری ہوکر رہ گیا۔(۵)

مولانا سید محمد فاروق احمد لکھتے ہیں:

۳۔ تاج مضامین: صفحہ ج، عثمانی پریس بدایوں، ۱۳۴۵ھ

۴۔مضمون 'کچھ یادیں کچھ باتیں': یوسف حسین قادری، ماہنامہ 'مجلّہ بدایوں': ص ۱۱، شمارہ ۳، جلد ۹، کراچی، اکتوبر ۱۹۹۳ء

۵۔مضمون بعنوان 'میرے استاذ گرامی': مختار اجمیری، مرجع سابق: ص ۵۱۔

ان کی طبیعت میں کمال درجہ سادگی ،منکسر المزاجی ،شفقت و دلنوازی تھی ۔غلبہ محبت رسول سے ہمیشہ سرشار رہتے تھے ، بزرگان دین سے بے پناہ عقیدت تھی ۔ بلا امتیاز تمام خانوادوں کے محبوب تھے ۔(۶)

علامہ عبدالحکیم شرف قادری (لاہور) لکھتے ہیں:

مولانا ضیاء القادری نہایت خلیق اور سراپا درد بزرگ تھے ۔ ایثار و خلوص کی جیتی جاگتی تصویر تھے ، انکسار پسند اور شگفتہ مزاج تھے ۔ ظاہری شان و شوکت سے آپ کو کوئی لگاؤ نہ تھا ،تقویٰ اور پرہیزگاری میں سلف صالحین کا بہترین نمونہ تھے ۔(۷)

مولانا ضیاء القادری کا شمار اردو کے ممتاز نعت گو شعرا میں ہوتا ہے، بلکہ کثرت اشعار کے اعتبار سے تو معروف محقق مالک رام نے ان کو سب سے بڑا نعت گو شاعر قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

اِس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں کہ بہ لحاظ کمیت ان سے بڑا نعت گو اردو تو درکنار کسی اور زبان میں بھی مشکل ہی سے ہوا ہوگا ۔(۸)

ایک زمانے تک ان کی نعتیں ، سلام ، مناجات ، شجرے اور مناقب ہر ماہ ماہنامہ آستانہ دہلی میں شائع ہوتے رہے ، جس سے انہیں بحیثیت نعت گو شاعر خاصی شہرت ملی ۔ اپنی نعت گوئی و نعت خوانی کے متعلق خود لکھتے ہیں:

۱۰ ر سال کی عمر سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے فقیر کو اپنے محبوب کی نعت اور دیگر محبوبان بارگاہ کی مناقب کی نعمت عطا فرمائی ہے اس لیے نعت و مناقب میری فطرت ثانیہ بن چکی ہے ۔(۹)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

۱۰ ر سال کی عمر سے نعت و مناقب کی محویت حاصل ذوق ادب رہی ،فنون لطیفہ

۶۔ مضمون بعنوان 'علامہ ضیاء القادری - مداح سرکار': سید محمد فاروق احمد، مرجع سابق: ص ۵۰۔

۷۔ تذکرہ اکابر اہل سنت: عبدالحکیم شرف قادری، ص ۵۷۳، کانپور غیر مؤرخ

۸۔ تذکرۂ معاصرین ج ۱/ص ۲۱۸، بحوالہ شعرائے بدایوں دربار رسول میں: شمس بدایونی، ص ۱۳۶، کراچی ۱۹۹۷ء

۹۔ مضمون 'آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں کی ایک یادگار محفل روحانی': ضیاء القادری، ماہنامہ 'مجلّہ بدایوں': ص ۶۳، شمارہ ۳، جلد ۹، کراچی، اکتوبر ۱۹۹۳ء

مذاق شعر و ادب جس کا مرجع و منبع رجوع الی اللہ یا ثنائے رسول اللہ یا مناقب اولیاء اللہ ہوا گر منجملہ انعام الٰہی ہے تو یقین جانیے کہ قدرت کے اس عطیے سے فقیر کا دامن فکر و خیال ہمیشہ جنت بداماں رہا۔ تمام اصناف سخن میں اس قدر کہا اور لکھا کہ اس کا حصر و حساب دشوار ہے۔ (۱۰)

ان کے مجموعہ ہائے نعت و مناقب پر اُس زمانے کے اہل علم او ر اصحاب نقد و نظر نے تقریظات اور مقدمے لکھے جن میں ان کے فکر و فن کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

مصور فطرت خواجہ حسن نظامی نے ان کے مجموعہ نعت 'تجلیات نعت' پر بعنوان 'عجوبہ روزگار کلام' تقریظ تحریر کی ہے، خواجہ صاحب اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں:

> مَیں نے نعتوں کے مجموعے بہت دیکھے ہیں، لیکن میری نظر سے 'تجلیات نعت' جیسا مجموعہ آج تک نہیں گزرا۔ تجلیات نعت کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا شاعرانہ انداز بڑا نرالا ہے، خیالات میں انوکھا پن ہے، ہر شعر میں زندگی اور سچی تڑپ ہے۔ اشعار میں مذہبیت کے گہرے رنگ کے ساتھ پوری شاعرانہ چاشنی بھی موجود ہے۔ (۱۱)

پروفیسر ضیا احمد صدیقی (سابق صدر شعبہ فارسی، علیگڑھ) مولانا کی نعتیہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ہمارے کرم فرما مولوی یعقوب حسین صاحب قادری بدایونی جو مداحان مصطفوی میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں ان دشوار مضائق سے عہدہ برآ ہونے اور نازک مراحل کے عبور کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ آپ کا کلام آداب شریعت کی رعایت اور طرز ادا کی لطافت دونوں کا جامع ہے۔ مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اِدھر آپ نے غزل کہی اُدھر شہر میں بچے بچے کی زبان پر اور ملک میں جرائد و رسائل کے اوراق میں پہنچ گئی۔ میری ناچیز رائے میں اس مقبولیت کا اصل راز جناب ضیا کے حسن عقیدت و صدق نیت میں مضمر ہے جس

۱۰۔ جوار غوث الوریٰ: ضیاء القادری، ص ۳، کراچی، ۱۳۷۳ھ

۱۱۔ تقریظ 'عجوبہ روزگار کلام' مطبوعہ ماہنامہ 'مجلّہ بدایوں'، ص ۹۳، شمارہ ۳، جلد ۹، کراچی، اکتوبر ۱۹۹۳ء

کی نسبت لکھنے والا کہہ گیا ہے......ع

وراۓ شاعری چیزے دگر ہست (۱۲)

برصغیر کے قد آور نعت گو شاعر اور نعتیہ ادب کے محقق و ناقد راجا رشید محمود (مدیر ماہنامہ نعت لاہور) لکھتے ہیں:

> مولانا رضا بریلوی کے بعد جس شاعر نے نعت کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھا اور سرکار کی مدح گوئی کو یوں شعار کیا کہ جن کے بغیر نعت کی تاریخ مرتب نہیں ہو سکتی وہ لسان الحسان مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی تھے۔ (۱۳)

اسی مضمون میں آگے لکھتے ہیں:

> علامہ ضیاء القادری کی قادر الکلامی، جدت مضامین اور ندرت بیان کی کیا تعریف کی جائے حیرت تو اس بات پر ہے کہ وہ جتنے پُر گو تھے اس کے بعد اتنے محاسن سخن کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا جس قدر محاسن وہ اپنے کلام میں لاتے ہیں۔ ان کا نعتیہ کلام حسن تغزل کا خوبصورت اظہار ہے۔ وہ عبادت سمجھ کر نعت کہتے ہیں۔ ندرت کلام اور جودت فکر کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں۔ وہ عام طور سے نئی نئی زمینوں اور خوبصورت ردیفوں اور قافیوں میں مدحت محبوب کبریا ﷺ کرتے ہیں۔ (۱۴)

ضیا صاحب کا قلم رواں دواں تھا، نظم و نثر دونوں میں ایک ذخیرہ ان کی یادگار رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس میں نظم کا حصہ زیادہ ہے۔ ان کی جو شعری اور نثری کاوشیں ہمارے علم میں آسکیں ان کا ایک مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) تاج مضامین: یہ مناقب کا دیوان ہے، جو زبدۃ العارفین حضرت مولانا شاہ عبد المقتدر بدایونی قدس سرہٗ کی شان میں نظم کیا گیا ہے۔ آپ کے علاوہ خلفائے راشدین، امام اعظم ابو حنیفہ، غوث اعظم، سلطان الہند غریب نواز، مخدوم صابر کلیری، حضرت سلطان العارفین بدایونی، حضرت شاہ

۱۲۔ مضمون 'مداح مصطفیٰ': ضیا احمد بدایونی، ماہنامہ 'مجلّہ بدایوں': ص ۲۸، شمارہ ۳، جلد ۹، کراچی، اکتوبر ۱۹۹۳ء

۱۳۔ مضمون 'ضیاء القادری ۔ لسان الحسان': راجا رشید محمود، مرجع سابق: ص ۴۱۔

۱۴۔ مرجع سابق

ولایت بدایونی، میراں ملہم شہید بدایونی، حضرت محبوب الٰہی، حضرت مس مارہرہ، حضرت سیف اللہ المسلول، حضرت نوری میاں مارہروی اور حضرت تاج الفحول وغیرہ کی شان میں بھی مناقب شامل ہیں۔ یہ ردیف وار مکمل دیوان ہے۔ غزلیات کے علاوہ ۸ر رباعیات، ۲ر قطعے اور ۴ر خمسے بھی شامل کتاب ہیں۔ کتاب پر مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا خواجہ غلام نظام الدین قادری، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا سید شاہ فاخر اجملی الہ آبادی اور مولوی ستار بخش قادری بدایونی کی تقاریظ ہیں۔ ابتدا میں ضیا صاحب نے نثر میں سرکار مقتدر کے حالات تحریر کیے ہیں جو ۱۷ر صفحات پر مشتمل ہیں۔ تاج مضامین ۱۳۴۵ھ میں بدایوں سے شائع ہوئی۔

(۲) آثار بے خودی: یہ اپنے پیر و مرشد سرکار مقتدر قدس سرہٗ کے وصال کے موقع پر کہے گئے مرثیہ اور مناقب وتواریخ وصال کا مجموعہ ہے۔ ۱۳۳۴ھ/ ۱۶-۱۹۱۵ء میں مطبع قادری بدایوں سے شائع ہوئی۔

(۳) جوار غوث الوریٰ: یہ منظوم سفر نامہ عراق ہے۔ مولانا ضیاء القادری نے ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۴ء میں حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری قدس سرہٗ کی معیت میں عراق کا سفر کیا تھا۔ کتاب کا تاریخی نام 'سفر حدود بغداد' (۱۳۷۳ھ) اور 'بے عدیل سفر نامہ ضیا' (۱۳۷۳ھ) بھی ہے۔ منظوم سفر نامے کے علاوہ جن جن اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری نصیب ہوئی ان کی شان میں مناقب اور ان کے مختصر حالات بھی ہیں۔ بزرگوں کے حالات 'تذکرۂ اولیا' (۱۳۷۳ھ) کے نام سے کتاب کے آخر میں ہیں۔ ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۴ء میں کراچی سے شائع ہوئی۔

(۴) تاریخ اولیائے حق: یہ حضرت خواجہ عبداللہ عارف باللہ چشتی سامانی بدایونی کی سوانح ہے جو مولانا ضیاء القادری کے جد اعلیٰ تھے۔ آخر میں ان کے سلسلہ اولاد کا ذکر بھی اختصار کے ساتھ درج کیا ہے جو مولانا ضیاء القادری اور ان کے صاحبزادوں تک دراز ہوتا ہے۔ آخر میں کچھ مناقب بھی درج ہیں۔ کراچی سے ۱۳۷۷ھ میں شائع ہوئی۔

(۵) مجموعہ کرامات ہفت احمد: بدایوں میں کچھ بزرگ ایسے آرام فرما ہیں جن کے نام میں لفظ 'احمد' شامل ہے، ان کو 'ہفت احمد' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ شب برأت میں عشا کے بعد سے فجر تک ان بزرگوں کے مزارات پر حاضری دینے کا طریقہ قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ اس کتاب میں ان بزرگوں کا تعارف اور حاضری کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۴۶ء میں اور

دوسری مرتبہ ۱۹۷۷ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئی۔

(۶) تذکرۂ طیبہ: یہ حضرت مولانا عبدالماجد عثمانی بدایونی کی وفات پر ترتیب دی گئی۔ پہلے نثر میں مولانا کی سوانح حیات ہے جو ۳۴؍صفحات پر مشتمل ہے۔ پھر مولانا کی منظوم سوانح عمری ہے۔ پہلی نظم 'روداد دل خراش' اور دوسری مثنوی 'مشق تقریر' کے تاریخی نام سے موسوم ہے۔ نظامی پریس بدایوں سے ۱۳۵۱ھ میں شائع ہوئی۔

(۷) دربار عرس شریف: یہ حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادری قادری بدایونی کے عرس کی روداد ہے، نظامی پریس بدایوں سے ۱۳۲۷ھ میں شائع ہوئی۔

(۸) اکمل التاریخ: یہ آپ کے پیش نظر ہے۔

مندرجہ بالا تصانیف کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ ہیں اور ہمارے پیش نظر ہیں۔

محترمہ شہناز کوثر (لاہور) نے اپنے ایک مضمون 'آستانہ اور شاعر آستانہ' (۱۵) میں مولانا ضیاء القادری کے دواوین، شعری مجموعوں اور نثری تصانیف کا تعارف کروایا ہے۔ ہم اُسی مضمون سے استفادہ کرتے ہوئے مطبوعہ شعری اور نثری کاوشوں کا تعارف پیش کر رہے ہیں۔

(۱) دیارِ نبی: حج وزیارت کا منظوم سفرنامہ ہے۔ یہ سفرحج ۶۸-۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں ہوا۔ ضیاء القادری اپنے خودنوشت حالات میں لکھتے ہیں:

> ۱۴؍جون ۴۸ء کو کراچی پہنچا، میری درخواست حج بدایوں سے آچکی تھی، یہ عجب حسن اتفاق ہے کہ پاکستان کا پہلے نمبر کا حاجی یہی فقیر نامزد ہوا۔ (۱۶)

اس کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول میں ایک حمد، ۸؍نعتیں، سفرنامے کے ۲۹۷؍اشعار اور ۲۰؍مناقب ہیں۔ دوسرے حصے میں ۲؍نعتیں، ۳؍مناجات، سفرنامے کے ۱۲۱۶؍اشعار اور ۸۴ نظمیں ہیں۔ مکتبہ ارباب اردو، لاہور سے ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی۔ ۳۲۸؍صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) مرقع شہادت: منظوم واقعات کربلا۔ ڈاکٹر شمس بدایونی لکھتے ہیں:

> واقعہ کربلا پر ان کی طویل مثنوی 'مرقع شہادت' (بدایوں ۱۹۴۲ء) معروف و مشہور ہے اور ایک شعری کارنامے کے طور پر بھی جانی جاتی ہے۔ جو شاعری،

۱۵۔ مطبوعہ مجلّہ 'نعت رنگ' کراچی، از صفحہ ۱۰۹ تا صفحہ ۱۳۲، شمارہ ۱۴، دسمبر ۲۰۰۲ء

۱۶۔ تاریخ اولیائے حق: ضیاء القادری، ص ۱۱۰/۱۱۱، کراچی، ۱۳۷۷ھ

ساحری، صداقت واقعات اور حقیقت روایات کا ایک ایسا مرقع ہے جس نے
ان کی شعری قوت کا لوہا منوایا۔(۱۷)

پہلی بار نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئی۔ باردوم انجمن امانت الاسلام، کراچی سے ۱۳۶۰ھ میں شائع ہوئی۔

(۳) حیات صدیق اکبر: یہ نثری تصنیف ہے، موضوع نام سے ظاہر ہے۔ مطبوعہ دارالفرقان ۱۳۷۶ھ۔

(۴) ستارۂ چشت: یہ مجموعہ مناقب اولیائے کرام بالخصوص اولیائے چشت کے مناقب پر مشتمل ہے۔ اس میں ۱ر حمد، ۲ر نعتیں اور ایک سو ایک مناقب شامل ہیں۔ صفحات: ۱۴۴۔ مطبوعہ تاج اردو کتاب گھر، کراچی ۱۹۵۱ء۔

(۵) خزینہ بہشت: اس میں ۲ر حمدیں، ۵۸ر مناقب، ۱۰ر نظمیں اور ۵ مناجات ہیں۔ صفحات ۴۷۹۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۹ء

(۶) نغمہ ربانی: یہ بیان ولادت پر مشتمل ۵۱۴ر اشعار کی مثنوی ہے۔ مطبوعہ آستانہ بک ڈپو، دہلی ۱۹۵۷ء۔

(۷) تجلیات نعت: اس کا ایک نام 'گنجینۂ اوصاف خیر الوریٰ' بھی ہے۔ اس میں حمد اور نعت و منقبت کی ۲۶۵ر منظومات ہیں۔ صفحات ۲۶۴۔ مطبوعہ آستانہ بک ڈپو، دہلی ۱۳۶۴ھ۔

(۸) نغمہ ہائے مبارک: یہ ۱۸ر سلاموں پر مشتمل ۴۸ر صفحات کا کتابچہ ہے۔ ادارہ ترویج المناقب، کراچی سے ۱۳۶۹ھ میں شائع ہوا۔

(۹) آئینہ انوار: یہ ۴۸ر صفحات پر مشتمل نعتوں کا مجموعہ ہے، جسے ساجد صدیقی اور والی آسی نے ترتیب دیا ہے۔ مطبوعہ مکتبہ دین و دنیا، لکھنؤ ۱۹۶۷ء۔(۱۸)

شہناز کوثر نے ماہنامہ آستانہ دہلی از ۱۹۴۸ء تا ۱۹۶۹ء کے ۱۴۳ر شماروں سے ضیا صاحب کے کلام کا تحقیقی مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے آستانہ میں شائع شدہ کلام ضیا کو مندرجہ ذیل موضوعات میں تقسیم کیا ہے: میلادیہ نعتیں، معراجیہ نعتیں، محمد ردیف کی نعتیں، مدینہ ردیف کی نعتیں، بارگاہ

۱۷۔ شعرائے بدایوں دربار رسول میں: شمس بدایونی، ص ۱۳۷، کراچی، ۱۹۹۷ء

۱۸۔ ملخصاً ماخوذ از مضمون 'آستانہ اور شاعر آستانہ': شہناز کوثر، مطبوعہ مجلہ نعت رنگ کراچی، از صفحہ ۱۰۹ تا صفحہ ۱۳۲، شمارہ ۱۴، دسمبر ۲۰۰۲ء

حبیب کبریا میں استغاثے، حضوری کی نعتیں، سلام ضیا، درود وسلام۔

ہمارے خیال سے اس موضوعاتی فہرست میں شجرے اور مناجات کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

مولانا ضیاء القادری ہماری اردو نعتیہ شاعری کا ایک بہت بڑا نام ہے۔ پاکستان میں ان پر کچھ کام ہوا ہے۔ ماہنامہ مجلّہ بدایوں (کراچی) نے ۱۲۵ صفحات پر مشتمل ایک شمارہ (شمارہ ۳، جلد ۹ بابت اکتوبر ۱۹۹۳ء) ضیاء القادری کے نام کیا تھا، جس میں بعض مضامین اور ضیا صاحب کے کچھ نظم ونثر پارے جمع کیے گئے ہیں۔ راجا رشید محمود نے اپنے ماہنامہ نعت (لاہور) کے دو شمارے (شمارہ ۷/ ۸، جلد ۲، بابت جولائی/ اگست ۱۹۸۹ء) ضیا صاحب کے کلام کے لیے خاص کیے جن میں کلام ضیا کا ایک اچھا ذخیرہ شائع کر دیا۔ لیکن غالباً ہندوستان میں اب تک ان پر کوئی کام نہیں ہوا ہے۔ مَیں ڈاکٹر شمس بدایونی کے اس خیال سے اتفاق کرتا ہوں کہ ''ضیاء القادری کا علمی اور ادبی کام ایک تحقیقی مقالے کا جائز مستحق ہے''۔

ضیا صاحب کے 'قادری اور بدایونی' ہونے کی وجہ سے خادمان مدرسہ قادریہ بدایوں کا فرض ہے کہ ان کی شخصیت وشاعری پر توجہ کریں تا کہ موجودہ نسل کو اِس عظیم نعت گو شاعر کی شخصیت اور اس کے ادبی وشعری مقام سے روشناس کرایا جا سکے۔ خادمان مدرسہ قادریہ اپنے اس فرض سے غافل نہیں ہیں ان شاء اللہ کام ہوگا اور شایان شان طریقے سے ہوگا۔

☆☆☆

اکمل التاریخ پر نقد و نظر

ایک جائزہ

اکمل التاریخ کی اشاعت کے فوراً بعد کچھ حلقوں کی جانب سے اس کے بعض مندرجات پر تنقیدات سامنے آئیں تھیں۔ ان تنقیدات میں کچھ وہ ہیں جن کا تعلق مؤلف کے بعض تاریخی تسامحات سے ہے اور کچھ تنقیدات محض جذبات عقیدت کی فراوانی اور نسبی تفاخر کا نتیجہ ہیں۔ ہم مصنف اکمل التاریخ کو معصوم نہیں سمجھتے اور نہ ہی ان کی لکھی ہوئی ہر بات کو خوامخواہ درست ثابت کرنے پر مصر ہیں۔ علمی و تاریخی غلطی کسی سے بھی ہو سکتی ہے اور مخلصانہ تنقید و استدراک کے ذریعے اس کی اصلاح بھی کی جاسکتی ہے۔ مگر اکمل التاریخ کی تنقید کے لیے جس قسم کا اسلوب اور رویہ اختیار کیا گیا اور اب بھی کبھی کبھی بعض مضامین و مقالات میں نظر سے گزرتا ہے وہ کم از کم راقم الحروف جیسے تاریخ و تنقید کے ایک ادنیٰ طالب علم کے لیے نا قابل فہم ہے۔

اس سلسلے میں کئی کتب و رسائل منظر عام پر آئے اور ایک اچھا خاصا محاذ بن گیا، تاہم اس سے یہ فائدہ ضرور رہا کہ بدایوں کے مختلف خاندانوں کو اپنی تاریخ محفوظ کرنے اور ترتیب دینے کا خیال پیدا ہوا، گو کہ یہ جذبہ پہلے بھی موجود تھا لیکن اکمل التاریخ نے اسے مزید مہمیز دی۔ مسعود علی نقوی لکھتے ہیں:

> کتاب میں چند مندرجات کی بنا پر بدایوں میں جو ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا کہ بقول مولوی انشاء اللہ مؤلف 'تاریخ بنی حمید' ''ہر چند کہ مؤلف اکمل التاریخ بادۂ عقیدت کے نشے میں مست الست ہو کر ایسے مدہوش ہو گئے کہ غوغائے بلند سے خفتگان خواب غفلت کو بیدار کر دیا''، وہاں اس کے نتیجے میں 'سیرۃ الحمید فی احوال السعید' بجواب اکمل التاریخ اور تاریخ بنی حمید سمیت متعدد کتب کی اشاعت سے بدایوں کی علمی سرگرمیوں کو مہمیز ملی، جس سے بدایوں میں تصنیف و تالیف کی سرگرمیوں میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ (۱)

اس محاذ آرائی میں بقول قاضی غلام شبر قادری ''نہ صرف مؤلف اکمل التاریخ بلکہ اُس خاندان

۱۔ کتاب کہانی: مسعود علی نقوی، مطبوعہ ماہنامہ 'مجلّہ بدایوں'، ص ۱۰، جلد ۷/ شمارہ ۱، بابت فروری ۱۹۹۷ء، کراچی

کے اکابر کو جن کا حال اکمل التاریخ میں درج ہے جو کچھ چاہا لکھ ڈالا" (۲)۔

گذشتہ سطور میں ہم نے ناقدین اکمل التاریخ کے نا قابل فہم رویے کا ذکر کیا تھا۔ یہ رویہ ہمارے لیے مندرجہ ذیل دعووں اور الزامات کی وجہ سے نا قابل فہم ہے:

☆ مؤلف اکمل التاریخ نے بنی امیہ کے گزشتہ کارناموں کو پیش نظر کر دیا۔

☆ ساتویں صدی میں بدایوں کا عہدۂ قضا خاندان عثمانی سے نکل کر خاندان صدیقی میں آ گیا تھا، جس کی وجہ سے عثمانی حضرات صدیقیوں سے بغض وحسد میں مبتلا تھے، اب چھ سو سال بعد اکمل التاریخ ایک حاسدانہ کاروائی کے طور پر تصنیف کروائی گئی ہے، جس میں خاندان صدیقی کے نسب پر طعن کیا گیا ہے۔

☆ حضرت عثمان غنی کی شہادت کے وقت بنو عثمان اور بنو ابو بکر میں جو رنجش پیدا ہو گئی تھی اکمل التاریخ اسی رنجش و عداوت کے زیر اثر تصنیف کی گئی ہے۔

☆ اکمل التاریخ میں تاجداران مارہرہ کی تنقیص کی گئی ہے۔

☆ اکابر خانوادۂ قادریہ کو خانقاہ مارہرہ سے جو رشتہ نیاز تھا اکمل التاریخ میں اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆ اکمل التاریخ انگریز پرست نواب حیدر آباد کے مالی تعاون سے ایک انگریز پرست مصنف کی تصنیف ہے جو انگریزی حکومت سے اتنا خائف تھا کہ اس نے مجاہدین آزادی کے بارے میں حقائق کا انکار کر دیا۔

غرض کہ ؎

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

میری معلومات کی حد تک اس قلمی پیکار کے جواب میں مولانا ضیاء القادری، مدرسہ قادریہ یا خاندان عثمانی کی جانب سے کسی جوابی یا دفاعی کاروائی کی ضرورت نہ اُس وقت محسوس کی گئی اور نہ اب اشاعت جدید کے وقت محسوس کی جا رہی ہے۔ یہاں اکمل التاریخ پر کیے جانے والے نقد و

۲۔ جامع انساب شرفائے نجیب الطرفین بدایوں: قاضی غلام شبر قادری، ص: ۳۴، قلمی مملوکہ ڈاکٹر مسعود صدیقی علیگڑھ، نسخہ مصورہ کتب خانہ قادریہ بدایوں۔

نظر کا جائزہ محض اس لیے پیش کیا جارہا ہے کہ کتاب سے متعلق تاریخ کا ایک ورق مکمل ہوجائے، ورنہ کسی پرانے قضیے کو تازہ کرنا یا کسی نئے تنازع کو جنم دینا، کسی کی دل آزاری کرنا یا کسی کو صفائی دینا مقصود نہیں ہے۔

بدایوں کے معزز خاندانوں میں صدیقی حمیدی خاندان علم وفضل اور خاندانی نجابت و شرافت کے اعتبار سے ایک مخصوص شان رکھتا ہے، اکمل التاریخ کی ایک عبارت سے اس خاندان کے بعض حضرات کو شکایت ہوگئی۔ ان کا کہنا تھا کہ مصنف اکمل التاریخ نے ان کو مجہول النسب لکھا ہے، ان کے جد اعلیٰ کو قاضی سعدالدین عثمانی کا نواسہ لکھا ہے جب کہ وہ ان کے نواسے نہیں ہیں، مزید یہ کہ خاندان بنی حمید کے مورث اعلیٰ قاضی صدرالدین صدیقی گنوری سبزواری کا تذکرہ شایان شان انداز میں نہیں کیا گیا بلکہ ان کے تذکرے میں ایسا انداز اختیار کیا گیا جس سے ان کی تخفیف شان کا پہلو نکلتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

اس کے جواب یا ردعمل میں (ہماری معلومات کی حد تک) دو کتابیں 'سیرۃ الحمید فی احوال السعید' اور 'تاریخ بنی حمید' منظر عام پر آئیں۔ یہاں ہم اختصار کے ساتھ ان دونوں کتابوں کا تعارف پیش کر رہے ہیں۔

سیرۃ الحمید فی احوال السعید:

یہ قاضی فدا حسنین جلیسی کا مصنفہ رسالہ ہے، جو ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے، مطبع نظامی بدایوں سے ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوا۔ آغاز میں مصنف نے اکمل التاریخ کی تین چار تاریخی غلطیاں دکھائیں ہیں، جن میں سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ:

> ایک جگہ ضیا صاحب نے بہت بڑا حملہ کیا ہے یعنی بنی حمید کو جو ایک بڑا اور معزز و سربرآوردہ گروہ ہے ضیا صاحب نے مجہول النسب اور بدایوں کے مدرسہ معزیہ کا فیضیاب لکھ دیا ہے۔ (۳)

اس کے بعد خاندان بنی حمید کے مورث اعلیٰ حضرت قاضی حمیدالدین گنوری اور ان کے صاحبزادے قاضی صدرالدین گنوری سبزواری رحمۃ اللہ علیہما کے فضل وکمال، جلالت شان اور نجابت وشرافت کے ثبوت میں قدیم تاریخی کتب سے متعدد عبارتیں نقل کی ہیں۔ آخر میں سنہ ۶۰۱ھ سے لے کر

۳۔ سیرۃ الحمید فی احوال السعید: قاضی فدا حسنین جلیسی، ص ۵، امیر الاقبال پریس بدایوں، ۱۳۳۴ھ

سنہ ۱۲۱۸ھ تک قاضیان بدایوں کی فہرست نقل کی ہے۔

کتاب کے آغاز ہی میں چھٹی سطر پر مصنف نے اعلان کیا ہے کہ ''ان شاء اللہ آئندہ جواب ترکی بہ ترکی ہوگا''، اسی سے کتاب کے آئندہ اسلوب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں ہمارے سامنے دو قسم کی رائے ہیں اور دونوں خاندان بنو حمید کے ہی افراد کی ہیں، ہم بلا تبصرہ دونوں نقل کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر اسد اریب (مقیم حال ملتان، پاکستان) اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اِس قضیہ نامرضیہ کی بابت جو کتابیں لکھیں گئیں ان میں ایک نہایت اہم کتاب 'سیرۃ حمید' قاضی فدا حسنین جلیسی کی ہے۔ سیرۃ حمید اکمل التاریخ کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اکمل التاریخ میں اولاد بنو حمید کا جو نازیبا انداز سے تذکرہ کیا گیا ہے مصنف 'سیرۃ حمید' نے اس کا جواب نہایت سلیقے سے لکھا ہے۔ (۴)

دوسری رائے قاضی غلام شبر قادری بدایونی کی ہے، وہ اپنا ایک ذاتی مشاہدہ تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> جس وقت وہ تحریر (سیرۃ الحمید) چھپ کر مشتہر ہوئی اور اِس نیازمند کے مطالعے سے گزری خیال ہوا کہ واقعی مصنف نے خوب محنت کی اور دلائل کافی پیش کر دیے، لیکن صرف اِس خیال سے کہ مصنف کے مایۂ معلومات اور موجودگی کتب پر نظر تھی کتابیں تلاش کیں اور بعض عبارات کا مقابلہ کیا، عجب گل کھلا کہ واقعی یہ نقل عبارات نہیں بلکہ صرف تصنیف ہے۔ مَیں ایک عبارت بجنسہٖ نقل کروں گا اور آپ حضرات سے دریافت کروں گا کہ اب کیا رائے ہے۔
>
> سفر کر کے وطن گیا اور مؤلف ممدوح سے نیاز حاصل کیا اور پوچھا کہ براہِ عنایت وہ کتابیں جن کی عبارات آپ نے نقل فرمائی ہے اِس عاجز کو بھی دکھا دیجیے۔
>
> محترم مؤلف نے صاف فرما دیا کہ ''نہ مَیں نے کتاب تصنیف کی، نہ میرے پاس کوئی کتاب ہے، یہ فلاں صاحب کی حرکت ہے''۔
>
> مؤلف فرضی کو ساتھ لے کر ان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہی مطالبہ

۴۔ مضمون 'ایک قضیہ نامرضیہ': اسد اریب، ماہنامہ مجلّہ بدایوں، ص ۳۰، شمارہ ستمبر ۱۹۹۵ء، کراچی

کیا، تصنیف سے اقبال فرمایا اور اُس وجہ کو جس کے سبب سے رسالہ اپنے نام سے شائع نہ فرما سکے چھپایا۔ تاہم جب عبارات کتب کے معائنے پر اصرار کیا گیا فرمایا "میرے پاس کوئی کتاب نہیں، مَیں فلاں حکیم صاحب کے پاس جاتا تھا، وہ کچھ عبارتیں پرچوں پر لکھ دیتے تھے میں نے اُن کے اطمنان پر لکھ دیا۔

اب ان حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض مدعیٰ کیا کہ آپ نے جو عبارات کتب مؤلف کتاب 'سیرت الحمید' کو مرحمت فرمائی ہیں اصل کتابوں میں مجھ کو دکھا دیجیے، فرمایا "مَیں نے صرف ایک عبارت کتاب 'باقیات الصالحات' مصنفہ مولوی عبد الوالی صاحب دی تھی، باقی مجھ کو معلوم نہیں کہاں سے درج کتاب ہوئیں"۔

افسوس کہ ایک حملے کے جواب کو اٹھے ہیں، پڑھے لکھے لوگوں سے مقابلہ ہے اور اس پائے کی تصنیف ہے کہ آپ کو خود اپنے بزرگوں کا حال معلوم نہیں، جن کتابوں کی عبارتیں نقل فرمائی ہیں وہ اکثر غیر معروف و معدوم ہیں۔ خیر انہیں سے ایک جو تھوڑی سے تلاش سے مجھ کو دستیاب ہوگئی اولاً وہ عبارت نقل کرتا ہوں جو سیرت الحمید میں نقل ہوئی پھر اصل عبارت کتاب حاضر خدمت کروں گا۔ (۵)

پھر قاضی صاحب نے سیرت الحمید میں نقل کردہ ایک فارسی عبارت پیش کی ہے، اس کے بعد اصل کتاب سے مکمل عبارت نقل کر کے لکھتے ہیں:

نہ اس میں شیخ حمید الدین صاحب کا تذکرہ ہے، نہ اشعار سعدی کا مذکور۔ مَیں حیران ہوں کہ ایسی جرأت کیسے کی جاتی ہے، اگرچہ اور کتابوں کی عبارت کا مقابلہ بوجہ نہ دستیاب ہونے کتابوں کے میسر نہ آیا، لیکن قیاس کیا جاتا ہے کہ غالباً یہی حال اُن عبارات کا ہوگا۔ (٦)

ضیا مرحوم نے لکھا تھا کہ قاضی صدر الدین گنوری کا نکاح قاضی سعد الدین عثمانی کی دختر سے ہوا تھا

۵۔ جامع انساب شرفائے نجیب الطرفین بدایوں: قاضی غلام شبر قادری، ص: ۴۴، قلمی مملوکہ ڈاکٹر مسعود صدیقی علیگڑھ، نسخہ مصورہ کتب خانہ قادریہ بدایوں

٦۔ مرجع سابق: ص ۴۵

اور موجودہ صدیقی حمیدی خاندان انہیں کی اولاد سے ہے۔ ناقدین کا کہنا تھا کہ یہ تو درست ہے کہ قاضی صدرالدین کی شادی قاضی سعدالدین عثمانی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی لیکن ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پھر قاضی صدرالدین گنوری کا دوسرا نکاح اپنی عم زاد بہن سے ہوا، ان سے قاضی عبداللطیف تولد ہوئے، موجودہ خاندان حمیدی انہیں قاضی عبداللطیف کی اولاد سے ہیں۔

مؤلف سیرۃ الحمید نے اس مسئلے پر بھی خامہ فرسائی کی ہے، گفتگو کے تیور کچھ ایسے ہیں کہ گویا قاضی سعدالدین عثمانی کی صاحبزادی کے بطن سے ہونے میں ان کی ہتک وتذلیل ہو۔

راقم الحروف کو اس قضیے سے کوئی دلچسپی نہیں کہ قاضی عبداللطیف کی والدہ عثمانیہ تھیں یا صدیقیہ؟ نہ مجھے ان کے عثمانیہ ہونے پر اصرار ہے اور نہ صدیقیہ ہونے کا ملال۔ محض بر سبیل تذکرہ اس قضیے کے بارے میں خاندان بنوحمید کے ایک مؤرخ اور ماہر انساب کا فیصلہ نذر قارئین ہے۔ قاضی غلام شبر قادری قاضی عبداللطیف کے حالات میں لکھتے ہیں:

> آپ کی اولاد میں بالفعل یہ اختلاف ہے کہ آپ کی والدہ صدیقیہ تھیں یا عثمانیہ؟ پرانی تحریریں اور معمرین واقفین نسب آپ کو قاضی سعدالدین عثمانی کا نواسہ لکھتے اور کہتے ہیں۔ حال میں بوجہ ایک حملے کے جو صاحب کتاب اکمل التاریخ نے بنوحمید پر کیا اور قاضی سعدالدین صاحب عثمانی کی صاحبزادی غیر کفو سے بتائیں (جس کی تصحیح خود مصنف نے کردی اور اپنی غلطی تحریر کا اعتراف کیا) بعض حضرات نے صاف انکار کردیا کہ دختر قاضی سعدالدین عثمانی سے کوئی اولاد ہی پیدا نہ ہوئی۔ اِس عاجز نے تمام عمائد بنی حمید سے تحقیق کیا جو ان واقعات حال سے بے خبر ہیں یا پچھلے اکابر سے سنے ہوئے ہیں فرماتے ہیں کہ قاضی عبداللطیف نواسہ قاضی سعدالدین عثمانی کے تھے اور متعصبین بے خبر کا دوسرا قول ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب چندیلہ، شیخ تہور علی صاحب، شیخ احمد رضا، غلام محمد صاحب مولوی محبّ احمد صاحب جلیسی، مولوی رضی الدین صاحب فرشوری قاضی عبداللطیف صاحب کو نواسہ قاضی سعدالدین صاحب عثمانی تسلیم کرتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ (۷)

۷۔ مرجع سابق: ص ۱۰۴

تاریخ بنی حمید:

یہ مولوی محمد انشاء اللہ صدیقی بدایونی کی تصنیف ہے۔۱۳۳۴ھ میں تالیف کی گئی اور ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں امیر الاقبال پریس بدایوں سے شائع ہوئی۔اس کو اکمل التاریخ کا باضابطہ جواب نہیں بلکہ ردعمل کہنا چاہیے۔

اس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر زمانہ تالیف تک بدایوں کے خانوادۂ صدیقی حمیدی کا شجرۂ نسب ذکر کیا گیا ہے۔شجرے کی بعض اہم شخصیات کے حالات بھی کہیں اجمال اور کہیں تفصیل سے مذکور ہوئے ہیں۔ابتدا میں تقریباً پانچ صفحات کا 'دیباچہ' ہے جس میں انساب اور ان کی حفاظت وغیرہ پر گفتگو کی ہے۔

اگرچہ مصنف نے بالکل ابتدا میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

> یہ رسالہ نہ مناظرہ ہے اور نہ کسی معترض کی کتاب کا جواب ہے اور نہ کسی پر اعتراض ہے اور تحقیر وتعصب اور نزاعی کلمات سے مبرا ہے۔(۸)

لیکن صفحہ ۸ تک پہنچتے پہنچتے مصنف جذبات سے مغلوب ہوگئے اور اکمل التاریخ اور ضیاء القادری مرحوم سے اظہار ناراضگی فرمادیا۔انہوں نے اکمل التاریخ سے اپنی ناراضگی کا سبب یہ بیان کیا ہے:

> اِس کتاب (اکمل التاریخ) کے مصنف نے اپنا نسب تو ظاہر نہ کیا کہ یہ ذات شریف عربی ہیں یا عجمی ہیں یا سودیسی ہیں، مگر اولا د محمد بن ابی بکر صدیق پر حملہ کیا ہے، یعنی اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ ''سعد الدین کے ایک پسر زوجہ خاندانی سے اور ایک دختر زوجہ غیر کفو سے جس کی شادی قاضی صدر الدین صدیقی سے ہوئی''۔(۹)

لیکن ہمیں اکمل التاریخ کے صفحہ ۲۴ پر یہ عبارت نہیں ملی، بلکہ صفحہ ۲۴ پر ضیا صاحب نے یہ لکھا ہے:

> آپ نے ایک پسر جو زوجۂ اوّل سے پیدا ہوئے تھے اور ایک لڑکی جو زوجۂ ثانی سے پیدا ہوئی تھیں اپنی یادگار چھوڑے۔ان صاحبزادی کی شادی قاضی صدر

۸۔ تاریخ بنی حمید: محمد انشاء اللہ صدیقی، ص۳، امیر الاقبال پریس بدایوں، ۱۳۳۵ھ

۹۔ مرجع سابق: ص ۸

الدین صاحب صدیقی کنوری سبزواری کے ساتھ ہوئی۔(۱۰)

اس میں کہیں لفظ 'غیر کفو' نہیں ہے، جو ناراضگی کا اصل سبب بتایا جاتا ہے۔ مذکورہ عبارت میں مؤلف رسالہ نے مولانا ضیاء القادری کے نسب پر جو چوٹ کی ہے اس کی کیا شکایت کہ جب خاندان عثمانی کے اکابر بھی اِس قسم کی پھبتیوں سے مامون نہیں ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں:

> یہ بزرگ (قاضی دانیال قطری) مورث اعلیٰ ہندوستان میں خاندان عثمانی کے ہیں ترک سکونت کر کے ہندوستان وارد ہوئے، اِن بزرگ کے نجیب الطرفین ہونے کا کچھ بیان نہ ہوا اور سوائے قاضی رکن الدین کے دیگر اولاد کا بھی ذکر نہ ہوا اور یہ بھی نہ لکھا کہ والدہ قاضی رکن الدین خاندانی ہمراہ آئیں یا مال غنیمت یا کسی دیگر عنوان وسائل سے شرف زوجیت سے مشرف ہوئیں اور زوجہ قاضی رکن الدین بھی خاندانی نہیں ہوسکتیں کیوں کہ سوائے ان کے پدر قاضی دانیال کے کوئی کفو نہ تھا۔(۱۱)

اس کتاب 'تاریخ بنی حمید' کے بارے میں قاضی غلام شبر قادری نے لکھا ہے کہ:

> مصنف تاریخ بنی حمید سے بھی ان کی کتاب کے متعلق چند سوال کیے لیکن جواب نہ ملا۔ یہ کتاب بھی ذاتی کاوش و خوشامد اور غلط واقعات کے اندراج سے خالی نہیں۔(۱۲)

خاندان بنوحمید کے افراد کو اکمل التاریخ سے ایک بڑی شکایت بدایوں کے عہدۂ قضا کے معاملے کو لے کر تھی۔

یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ بدایوں کے پہلے قاضی حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی کے والد محترم حضرت سید احمد بخاری رحمۃ اللہ علیہما تھے۔ ان کے بعد خاندان عثمانی کے مورث اعلیٰ حضرت قاضی دانیال قطری عہدۂ قضا پر متمکن ہوئے۔ پھر ان کے صاحبزادے قاضی رکن الدین عثمانی عہدۂ قضا سے سرفراز کیے گئے۔ پھر ان کے بیٹے قاضی سعد الدین عثمانی قاضی بدایوں

۱۰۔ اکمل التاریخ قدیم: ص ۲۴/ طبع جدید ص 47۔

۱۱۔ تاریخ بنی حمید: محمد انشاء اللہ صدیقی، ص ۸، امیر الاقبال پریس بدایوں، ۱۳۳۵ھ

۱۲۔ جامع انساب شرفائے نجیب الطرفین بدایوں: قاضی غلام شبر قادری، ص: ۳۴، قلمی مملوکہ ڈاکٹر مسعود صدیقی علیگڑھ، نسخہ مصورہ کتب خانہ قادریہ بدایوں

بنائے گئے۔ضیاء القادری نے لکھا ہے کہ:

جب آپ (قاضی سعد الدین عثمانی) کی عمر آخر ہوئی تو آپ نے اپنے صاحبزادے (شیخ محمد معروف بہ شیخ راجی) کو بلا کر نصیحت کی کہ "بیٹا میں ہمیشہ مقدمات قضا حکم الٰہی سے حقیقت کے مطابق فیصل کیا کرتا تھا اگر تم میں اتنا مادہ ہو تو عہدۂ قضا قبول کرنا ورنہ یاد رکھو کہ حقوق العباد کا مواخذہ دربارِ الٰہی میں ہوگا"۔ بزرگ باپ کی اس وصیت کو سعادت مند بیٹے نے بغور سنا اور اس عہدے سے دست کش رہنے کا دل میں عہد کرلیا۔(۱۳)

پھر آگے شیخ محمد راجی کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ:

سلطنت کی طرف سے منصبِ قضا جو میراثِ آبائی تھا پیش کیا گیا، مگر اپنے بزرگ باپ کی وصیت کو یاد کر کے فوراً انکار کردیا۔اس کے بعد آپ کی اولادِ ہمشیرزاد کو یہ عہدہ تفویض کیا گیا۔(۱۴)

اس پر اعتراض تھا کہ قاضی رکن الدین عثمانی کے بعد خاندان بنوحمید کے جد اعلیٰ قاضی صدر الدین گنوری سبزواری بدایوں کے قاضی مقرر کیے گئے تھے، جب کہ ضیا صاحب نے لفظ "اولاد ہمشیرزاد" لکھ کر معاملے کو الجھا دیا۔

یہاں ضیا صاحب سے اتنا تسامح ضرور ہوا کہ ان کو لفظ 'ہمشیرزاد' کی بجائے 'بہنوئی' لکھنا چاہیے تھا۔ کیونکہ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ قاضی سعد الدین عثمانی کے بعد قاضی صدر الدین گنوری بدایوں کے عہدۂ قضا پر متمکن ہوئے تھے، جو قاضی سعد الدین عثمانی کے داماد اور ان کے بیٹے شیخ محمد راجی کے بہنوئی تھے۔ہاں ان کے بعد ان کے صاحبزادے قاضی عبداللطیف صدیقی حمیدی بدایوں کے قاضی مقرر ہوئے جو (خود مورخین بنوحمید کی تحقیق کے مطابق) قاضی سعد الدین کے نواسے اور شیخ محمد راجی کے ہمشیرزاد تھے۔اکمل التاریخ کے متعلقہ مقام پر ہم نے حاشیے میں اس غلطی کی تصحیح کردی ہے۔(دیکھیے:ص48)

اس بحث کے آخر میں مَیں یہ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت قاضی صدر الدین گنوری

۱۳۔ اکمل التاریخ قدیم:ص۲۴/طبع جدید ص:47

۱۴۔ اکمل التاریخ قدیم:ص۲۵/طبع جدید ص:48

سبزواری رحمۃ اللہ علیہ کا فضل وکمال، جلالت شان اور نجابت وشرافت کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے، مصنف اکمل التاریخ نے جس سرسری انداز میں ان کا تذکرہ کیا ہے میں اسے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اسی لیے علمی دیانت کے طور پر میں نے حاشیے میں مصنف کے تسامح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قاضی صاحب کا مختصر تعارف درج کردیا ہے۔

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس — ما قصہ سکندر و دارا نہ خواندیم

ترجمہ: ہم سے سوائے مہر و وفا کی حکایت کے اور کچھ مت پوچھو، ہم نے سکندر اعظم اور دارا کی جنگوں کے قصے پڑھے ہی نہیں ہیں۔

اکمل التاریخ پر ایک تنقیدی تبصرہ:

یہ تاج العلما حضرت سید شاہ محمد میاں قادری مارہروی قدس سرہٗ کا مختصر رسالہ ہے۔ اس کا دوسرا نام 'بدایونی احباب کو دوستانہ پسندیدہ مشورہ' ہے، جس سے سنہ تالیف ۱۳۳۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ آپ نے اس میں اکمل التاریخ کے بعض تاریخی تسامحات کی نشاندہی فرمائی ہے۔ ہمارے خیال میں اکمل التاریخ کی تنقید میں لکھے جانے والے رسائل اور مضامین میں یہ رسالہ سب سے زیادہ سنجیدہ، متوازن اور مخلصانہ تنقید پر مبنی ہے۔ یہ بات رسالے کے تاریخی نام سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ مصنف رسالہ نے جن اغلاط کی نشاندہی فرمائی ہے ہم نے متعلقہ مقامات پر حاشیے میں بلا تبصرہ ان کی جانب اشارہ کردیا ہے۔ (دیکھیے: کتاب ہٰذا کا ص:100، ص:101، ص:123، ص:319، ص:330، ص:346)

یہ رسالہ ۱۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔ سوریش بھوشن پریس سیتاپور سے طبع ہوکر خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے شائع ہوا۔

تذکرۂ نوری:

یہ قاضی غلام شبر قادری بدایونی کی تصنیف ہے جو حضرت نور العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ کی مفصل سوانح حیات ہے، ساتھ ہی مقدمے میں خانوادۂ برکاتیہ کے دیگر اکابر ومشائخ کا ذکر بھی سلسلہ بسلسلہ کیا گیا ہے۔ ۱۳۳۳-۳۴ھ میں اس کی تالیف واشاعت عمل میں آئی۔

یہ کتاب اگرچہ اکمل التاریخ کے جواب میں نہیں لکھی گئی ہے مگر کتاب میں ایک سے زیادہ

مقامات پر مصنف نے مولانا ضیاء القادری پر تعریضات کی ہیں۔ قاضی غلام تبر صاحب کو شکایت ہے کہ مصنف اکمل التاریخ نے خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ شریف کے اکابر و مشائخ کے مقابلے میں خانوادۂ عثمانیہ کے علما و مشائخ کو برتر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اکابر مارہرہ پر حضرات مدرسہ قادریہ کا علو و ترفع ثابت کیا ہے، مرشد زادوں اور سید زادوں پر فخر دکھایا ہے، اکمل التاریخ میں تاجداران مارہرہ کی تنقیص کی گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> خدا نہ کرے کہ ہم اپنے کسی دوست کے کلام میں عیب چینی اور اس کی تردید کریں، لیکن اتنا کہنے پر مجبور ہیں کہ 'اکمل التاریخ' میں بعض واقعات قابل تصحیح و تنقید ہیں۔ مصنف نے کوشش و تحقیق نہیں کی، اُن کی بعض تحریریں مؤرخانہ و معتقدانہ دونوں شانوں کے خلاف ہیں۔ سنا ہے کچھ ترمیم بھی کی گئی ہے۔ کاش اُن مضامین کی جن سے تاجداران مارہرہ کی تنقیص یا حضرات مدرسہ علیہ کا ان سے علو مترشح ہوتا ہو نظر ثانی فرمائیں کہ اصل صاحبان نعمت وہی ہیں اور عطا و اخذ دونوں میں ان کا احسان ہے۔ (۱۵)

ہم نے اس پہلو سے اکمل التاریخ کا گہرا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ مصنف اکمل التاریخ پر یہ الزام درست نہیں ہے کہ انہوں نے تاجداران مارہرہ کی تنقیص کی ہے، بلکہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا ضیاء القادری نے جہاں بھی خانوادۂ برکاتیہ کے سجادگان و صاحبزادگان کا تذکرہ کیا ہے وہاں حفظ مراتب کا پورا لحاظ کرتے ہوئے شایان شان طریقے سے کیا ہے، مثال کے طور پر اکمل التاریخ سے ہم چند اقتباسات نقل کر رہے ہیں:

> (۱) حضرت سید شاہ محمد صادق میاں صاحب برکاتی مارہروی قدس سرہٗ۔ آپ مارہرہ مطہرہ کے سدا بہار باغ کے ایک مہکتے ہوئے پھول ہیں۔ آپ کی ستھری صورت، اچھی سیرت، اچھے ستھرے جلووں سے آراستہ و پیراستہ تھی۔ آپ حضرت سید شاہ اولاد رسول قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ (ص:188)
>
> (۲) سید السادات، معدن خوارق عادات، کاشف دقائق معقول و منقول حضرت سیّدی سیّد شاہ آل رسول صاحب قدس سرہٗ۔ آپ خانقاہ عالم پناہ مارہرہ مقدسہ

۱۵۔ تذکرۂ نوری: قاضی غلام شبر، مرتبہ اسید الحق قادری، ص ۲۰۴، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ۲۰۱۳ء

کے تاجدار، حضرت ستھرے میاں صاحب سیّد شاہ آل برکات (خلف اوسط حضرت سلطان الاولیا سیدنا شاہ حمزہ صاحب قدس اسرارہم) کے نورنظر اور فرزند اوسط ہیں۔ (ص:113)

(۳) سید السادات، شمس العرفا حضرت سیدی سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم صاحب قدس سرہٗ۔ آپ حضرت ستھرے میاں صاحب کے فرزند اصغر ہیں۔ (ص:114)

(۴) سلالہ خاندان رسالت حضرت سیدی شاہ ظہور حسن صاحب مارہروی قدس سرہٗ آپ بڑے صاحبزادے حضرت سیدی مولانا شاہ آل رسول صاحب قدس سرہٗ کے تھے۔ .... آپ کے صاحبزادے والامرتبت حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ قدس سرہٗ تھے جو اس دور آخر میں اپنے اسلاف کرام کے فضل وتقدس کا روشن آئینہ اور متقدمین اولیائے عظام کے مظہر اتم تھے۔ ہزاروں لاکھوں آنکھیں ابھی اُن نوری جلووں سے بے خود و سرشار ہیں۔ (ص:122)

(۵) خلاصۂ دودمان نبوت حضرت سیدی شاہ ظہور حسین صاحب مارہروی قدس سرہٗ۔ آپ چھوٹے صاحبزادے حضرت سیدنا مولانا شاہ آل رسول صاحب قدس سرہٗ کے تھے۔ 'چھٹو میاں' کے پیارے نام سے مشہور تھے۔ ولادت آپ کی ۱۲۴۱ھ [۲۶-۱۸۲۵ء] میں ہوئی۔ چہرۂ نورانی سے صولت وشوکت، رعب وجلال کے جلوے چمک چمک کر ہیبت اسداللّٰہی کی ضیاباری کرتے تھے۔ (ص:122)

(۶) سلالہ خاندانِ نبوت، خلاصہ دودمان رسالت حضرت سیدی مولانا شاہ ابوالحسین احمد نوری ملقب بہ میاں صاحب قبلہ قدس سرّہٗ آپ مسند برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے تاجدار، قادریوں کے ملجاو ماوا، ہندوستان کے مشہور مشائخ عصر کے سرتاج تھے۔ .... باوجود مشاغل باطنی آپ کو تحفظ عقائد کا از حد خیال تھا، جس زمانے میں بدایوں میں مسئلہ تفضیل کا زور ہوا آپ نے تصنیف رسائل کی طرف متوجہ ہو کر شان حقانیت کا جلوہ دکھایا۔ اسی طرح عقائد وہابیہ نجدیہ سے محفوظ رہنے کی ہدایت تحریری وزبانی متواتر فرمائی۔ آپ تقدس وتورع، زہد واتقا میں فائق الاقران تھے۔ ہزار ہامریدین آپ کے دیار وامصار میں ہیں۔ (ص:158-159)

ان مقامات کے علاوہ بھی آپ اکمل التاریخ میں جہاں کہیں بھی اکابر مارہرہ مطہرہ کا تذکرہ پائیں گے وہاں آپ کو ادب واحترام اور عقیدت ومحبت کا وہی انداز ملے گا جو ایک عقیدت کیش کا اپنے مرشد زادوں اور مخدوم زادوں کے بارے میں ہونا چاہیے۔ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے قاضی غلام شبر صاحب کے اس الزام کے جواب میں ہم آپ کو اکمل التاریخ کے مطالعے کی دعوت دیتے ہیں۔

قاضی غلام شبر قادری نے اکمل التاریخ پر ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اس میں نور العارفین حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ کو حضرت سیف اللہ المسلول کا شاگرد لکھ دیا ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت نور العارفین قدس سرہٗ نے حضرت سیف اللہ المسلول سے تعلیم و تربیت باطنی حاصل فرمائی تھی (۱۶)۔ قاضی غلام شبر قادری نے پہلی بات کو ''متن غلط'' اور دوسری بات کو اس کا ''حاشیہ لغو'' قرار دیا ہے۔

تذکرۂ نوری کے مقدمے میں ہم نے اس اعتراض کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، یہاں مختصراً اتنا عرض ہے کہ مولانا ضیاء القادری نے اکمل التاریخ میں حضرت نور العارفین قدس سرہٗ کو سیف اللہ المسلول کا شاگرد نہیں لکھا بلکہ مولانا حافظ محمد سعید عثمانی کے تلامذہ کے ضمن میں حضرت کا ذکر کیا ہے۔ اس بات سے خود قاضی غلام شبر قادری کو بھی انکار نہیں ہے۔ (۱۷)

ہاں البتہ یہ درست ہے کہ ضیاء القادری نے حضرت سیف اللہ المسلول سے استفاضۂ باطنی کا ذکر کیا ہے (۱۸) لیکن اس روایت کو نقل کرنے میں ضیاء القادری مرحوم تنہا نہیں ہیں بلکہ خود خانوادۂ برکاتیہ کے چشم و چراغ تاج العلما حضرت سید شاہ محمد میاں قادری مارہروی نے بھی 'تاریخ خاندان برکات' (ص ۴۰) میں یہ بات فرمائی ہے۔ (۱۹)

ایک قطعہ تاریخ وفات:

جلد اول کے حواشی میں مصنف نے مولانا فیض احمد بدایونی سے استفادۂ شعر وسخن کرنے

۱۶۔ مرجع سابق: ص: ۱۹۹-۲۰۰۔
۱۷۔ مرجع سابق: ص ۱۹۵۔
۱۸۔ دیکھیے کتاب ہٰذا: ص159
۱۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمہ تذکرۂ نوری از راقم الحروف: از ص ۲۳ تا ص ۲۶۔ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں ۲۰۱۳ء

والوں میں مولوی اشرف علی نفیس کا ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے قطعہ تاریخ وفات بھی درج کیا ہے۔ (دیکھیے ص:152) مصنف نے اس قطعہ تاریخ کے شاعر کا نام ذکر نہیں کیا۔ شاہ شرف علی صدیقی حمیدی نے 'تاریخ بنی حمید' فارسی (مرتبہ ۱۳۲۸ھ) میں اس قطعہ تاریخ کے گیارہ اشعار درج کیے ہیں اور اس کو سیف اللہ المسلول کی جانب منسوب کیا ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل وجوہ کی بنیاد پر مجھے اس انتساب کی صحت تسلیم نہیں ہے:

اکمل التاریخ کا سنہ تکمیل ۱۳۳۳ھ ہے اور تاریخ بنی حمید کا ۱۳۲۸ھ۔ لہٰذا تاریخ بنی حمید کو زمانی اعتبار سے اکمل التاریخ پر کوئی بہت زیادہ تقدم حاصل نہیں ہے۔ پھر جس طرح ضیاء القادری نے بغیر کسی حوالے کے قطعہ تاریخ نقل کیا ہے ایسے ہی مؤلف تاریخ بنی حمید نے بھی کوئی حوالہ نہیں دیا کہ انہوں نے یہ قطعہ تاریخ کہاں سے نقل کیا ہے۔ اگر وہ کوئی حوالہ دیتے تو ان کے ماخذ کے اعتبار و استناد پر غور کیا جاتا۔ لہٰذا کوئی خارجی قرینہ ایسا موجود نہیں کہ تاریخ بنی حمید کی روایت کو اکمل التاریخ پر ترجیح دی جائے۔

اس کے برخلاف اس قطعہ تاریخ میں کچھ داخلی شواہد ایسے ہیں جو حضرت سیف المسلول کی طرف اس کے انتساب کو مشکوک قرار دے رہے ہیں۔ قطعے کے گیارہ اشعار میں جس مبالغہ آمیز انداز میں مولوی اشرف علی نفیس کے علم و فضل اور محاسن و کمالات کی تعریف و توصیف کی گئی ہے وہ حضرت سیف اللہ المسلول کی ذات سے مناسبت نہیں رکھتی کیوں کہ:

الف: مولوی اشرف علی نفیسؔ حضرت سیف اللہ المسلول سے عمر میں ۱۷ سال چھوٹے تھے۔

ب: وہ سیف اللہ المسلول کے شاگرد کے شاگرد تھے۔

ج: سب سے اہم بات یہ کہ سیف اللہ المسلول اہل سنت کے امام تھے جن کی ساری زندگی بدعقیدگی کے رد و ابطال میں گزری، جب کہ مولوی اشرف علی نفیسؔ مذہباً شیعہ تھے۔

ان وجوہ کی بنیاد پر ہم سیف اللہ المسلول کی جانب اس قطعے کے انتساب کو درست تسلیم نہیں کرتے۔

☆☆☆

اسنادِ حدیث، شجرۂ طریقت، سلسلۂ تلمذ

اسنادِ حدیث:

اکمل التاریخ میں مذکور ہوا کہ حضرت سیف اللہ المسلول نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حضرت شیخ عبداللہ سراج مکی اور حضرت شیخ عابد مدنی قدس سرہما سے تفسیر و حدیث کی اسناد و اجازت حاصل کی تھی۔ حضرت تاج الفحول نے الکلام السدید میں حضرت عابد مدنی کی اسناد تلاوت قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف درج فرمائی ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ہم یہاں صرف ایک سند حدیث نقل کر رہے ہیں جو امام بخاری پر منتہی ہوتی ہے۔

حضرت سیف اللہ المسلول نے حضرت نقیب الاشراف بغداد شریف سے بھی حدیث سماعت کی تھی۔ یہ سند بھی حضرت تاج الفحول نے نقل فرمائی ہے، جس کو یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ باقی اسناد و سلاسل کی تفصیل کے لیے اہل ذوق الکلام السدید فی تحریر الاسانید (مصنفہ حضرت تاج الفحول، مترجمہ اسید الحق، مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی) ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

شجرۂ طریقت:

حضرت سیف اللہ المسلول کو اپنے والد گرامی حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قادری قدس سرہٗ سے جملہ سلاسل برکاتیہ آل احمدیہ قدیمہ و جدیدہ کی اجازت و خلافت حاصل تھی۔ یہاں ہم صرف شجرۂ طریقت قادریہ برکاتیہ مجیدیہ جدیدہ نقل کر رہے ہیں۔ باقی تمام سلاسل طریقت کی تفصیل 'تذکرۂ نوری' (مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

سلسلۂ معقولات:

حضرت سیف اللہ المسلول کو اپنے والد حضرت شاہ عین الحق قدس سرہٗ سے جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ کی اجازت حاصل تھی۔ حضرت شاہ عین الحق کا سلسلۂ تلمذ بحر العلوم مولانا محمد علی عثمانی بدایونی، قاضی مبارک گوپاموی، علامہ میر زاہد ہروی وغیرہ سے ہوتا ہوا ملا جلال محقق دوانی تک جاتا ہے، جو ایک واسطے سے میر سید شریف جرجانی، حافظ ابن حجر اور امام جزری کے تلمیذ تھے۔ تفصیلی سند الکلام السدید میں موجود ہے۔

ہم یہاں صرف سلسلۂ تلمذ فرنگی محل درج کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

سند حدیث از مدینہ منورہ

سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی

نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ امام عابد مدنی

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ صالح الفلانی

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ محمد بن السنۃ

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ احمد النخلی

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ منصور المصری

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ سلطان المزاحی

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ شہاب خلیل السبکی

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ محمد المقدسی اور نجم الغیطی

سے۔ان دونوں حضرات نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ زین زکریا

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

شیخ الاسلام شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ ابراھیم التنوخی

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ ابوالعباس الحجار

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ سراج الزبیدی

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ ابوالوقت عبدالاول السجزی

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ عبدالرحمٰن الداودی

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ عبداللہ السرخسی

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

مولانا الشیخ محمد الغربری

سے۔انہوں نے حدیث سماعت کی

امام المحدثین امیر المومنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل بخاری سے۔

☆☆☆

سند حدیث از بغداد معلیٰ

سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضل رسول بدایونی

فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی

صاحب سجادۂ غوثیہ،نقیب الاشراف الشیخ السید علی البغدادی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

الشیخ السید ابوبکر بغدادی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

الشیخ السید اسماعیل بغدادی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

الشیخ السید عبدالوہاب جیلانی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

الشیخ السید نورالدین بغدادی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

الشیخ السید محمد درویش جیلانی بغدادی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

الشیخ السید حسام الدین جیلانی بغدادی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے چچازاد بھائی

الشیخ السید ابوبکر جیلانی بغدادی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

الشیخ السید یحیٰی جیلانی بغدادی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

الشیخ السید نورالدین جیلانی بغدادی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

الشیخ السید ولی الدین جیلانی بغدادی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

الشیخ السید زین الدین جیلانی بغدادی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

الشیخ السید شرف الدین جیلانی بغدادی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

الشیخ السید شمس الدین جیلانی بغدادی
سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد
الشیخ السید محمد الهتاک جیلانی بغدادی
سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد
الشیخ السید عبد العزیز قادری بغدادی
سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد
غوث الثقلین، قطب الکونین سید الافراد الشیخ السید عبد القادر الجیلانی البغدادی
سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے شیخ
حضرت شیخ ابو سعید مبارک مخزومی
سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے شیخ
حضرت شیخ ابو الحسن الاموی
سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے شیخ
حضرت شیخ ابو الفرح الطرطوسی
سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے شیخ
حضرت شیخ ابو الفضل التمیمی
سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے شیخ
حضرت شیخ ابو بکر شبلی بغدادی
سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے شیخ
سید الطائفہ حضرت شیخ ابو القاسم جنید بغدادی
سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے شیخ
حضرت شیخ سری سقطی
سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے شیخ
حضرت شیخ معروف کرخی
سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے شیخ

حضرت امام ابوالحسن علی رضا

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

سیدنا الامام **موسیٰ کاظم**

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

سیدنا الامام **جعفر صادق**

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

سیدنا الامام **محمد باقر**

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

سیدنا الامام زین العابدین علی سجاد

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

ریحان رسول الثقلین سیدنا الامام ابوعبداللہ **الحسین** بن علی

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حدیث سنی اپنے والد

امیر المؤمنین سیدنا **علی بن ابی طالب** رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

سے۔آپ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حدیث بیان کی

رحمت عالم، سید ولد آدم سیدنا ومولانا **محمد رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم

نے آپ نے فرمایا کہ مجھ سے **جبریل علیہ السلام** نے کہا کہ اللہ **رب العزۃ** ارشاد فرماتا ہے:

لاالٰہ الااللّٰہ حصنی، فمن قالها دخل حصنی ومن دخل حصنی أمن من عذابی

(ترجمہ: لا اِلٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے، تو جس نے یہ کہا وہ میرے قلعے میں داخل ہو گیا اور جو میرے قلعے میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ رہا۔)

☆☆☆

شجرۂ طریقت

سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مجیدیہ

☆

سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی

☆

حضرت افضل العبید مولانا شاہ عین الحق عبد المجید قادری بدایونی قدس سرہٗ

☆

شمس مارہرہ حضرت سید شاہ ابو الفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی رحمۃ اللہ علیہ

☆

اسد العارفین حضرت سید شاہ حمزہ عینیؔ مارہروی رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت سید شاہ آل محمد مارہروی رحمۃ اللہ علیہ

☆

صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ عشقیؔ مارہروی رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت سید شاہ فضل اللہ ترمذی کالپوی رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت سید احمد ترمذی کالپوی رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت سید محمد ترمذی کالپوی رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت شیخ جمال اولیا کوڑا جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت قاضی ضیاء الدین عرف قاضی جیا رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت نظام الدین قاری عرف شاہ بھکاری رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت سید ابراہیم ایرچی رحمۃ اللہ علیہ

☆

امام الاولیا حضرت شیخ بہاء الدین انصاری شطاری رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت سید احمد جیلی قادری بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت سید حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت سید موسیٰ قادری رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت سید علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت سید محی الدین ابونصر رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت سید احمد ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت سید تاج الدین عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضور غوث الثقلین سیدنا الشیخ ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر مخزومی رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت سید ابوالحسن علی بن سید یوسف قرشی ہنکاری رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت شیخ عبدالواحد بن شیخ عبدالعزیز تمیمی رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ

☆

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

☆

حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

☆

سیدنا امام علی موسی رضا (علیٰ جدہٖ وعلیہ السلام)

☆

سیدنا امام موسیٰ کاظم (علیٰ جدہٖ وعلیہ السلام)

☆

سیدنا امام جعفر صادق (علیٰ جدہٖ وعلیہ السلام)

☆

سیدنا امام محمد باقر (علیٰ جدہٖ وعلیہ السلام)

☆

سید الساجدین زین العابدین امام علی (علیٰ جدہٖ وعلیہ السلام)

☆

سید الشہدا سیدنا امام حسین (علیٰ جدہٖ وعلیہ السلام)

☆

حضرت امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ

☆

امام الانبیا سرکار دو عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

☆☆☆

سلسلہ تلمذ معقولات ومنقولات از فرنگی محل

حضرت سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضل رسول بدایونی

تلمیذ ارشد

سلطان العلما حضرت ملا نور الحق انصاری فرنگی محلی

تلمیذ رشید و فرزند ارجمند

حضرت مولانا احمد انوار الحق انصاری فرنگی محلی

تلمیذ رشید

بحر العلوم استاذ الآفاق ابو العیاش ملا عبد العلی انصاری فرنگی محلی

تلمیذ رشید و فرزند ارجمند

بانی درس نظامی استاذ الہند ملا نظام الدین فرنگی محلی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

☆☆☆

نسب نامہ خاندان عثمانی بدایوں

مرتبہ

فرید اقبال قادری

ابن حضرت عبدالمجید اقبال قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نسب نامہ خاندان عثمانی بدایوں

۱۔ امیر المومنین خلیفہ رسول ذوالنورین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت ابوسعید آبان رضی اللہ عنہ ۳۔ مولانا عبدالرحمٰن ۴۔ مولانا عبدالرحیم

۵۔ مولانا عبدالکریم ۶۔ مولانا محمد رافع ۷۔ مولانا انیس محمد

۸۔ مولانا محمد فردوس ۹۔ مولانا عبدالحق ۱۰۔ مولانا نوراللہ

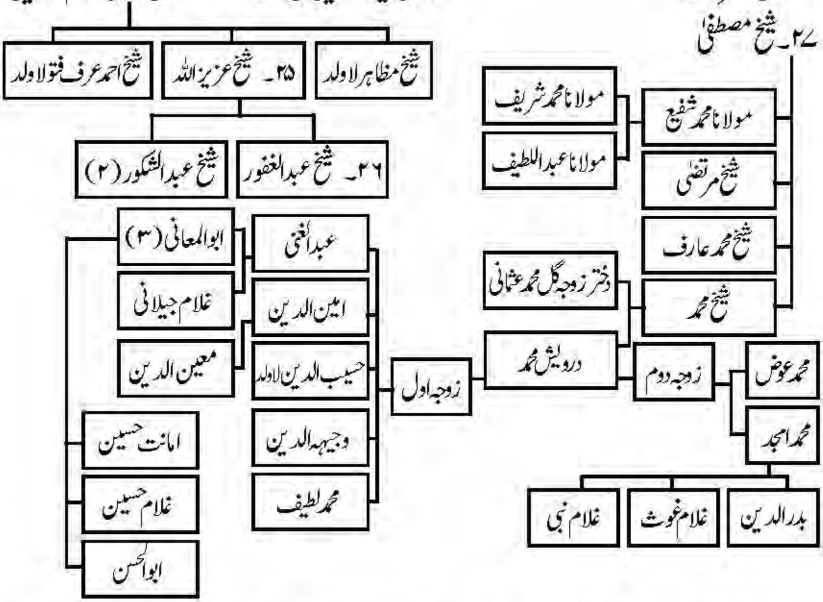
۱۱۔ مولانا محمد شریف ۱۲۔ مولانا عبدالکریم ۱۳۔ مولانا محمد اسحاق

۱۴۔ مولانا محمد ابراہیم ۱۵۔ مولانا حاجی محمد شہید ۱۶۔ شیخ دانیال قطری (۱)

۱۷۔ قاضی شمس الحق الملقب قاضی رکن الدین ۱۸۔ قاضی سعدالدین

۱۹۔ شیخ محمد راجی ۲۰۔ مولانا عبدالشکور ۲۱۔ شیخ مودود

۲۲۔ شیخ معروف ۲۳۔ قاضی حمید الدین شیخ محمد ۲۴۔ شیخ مفتی کریم الدین

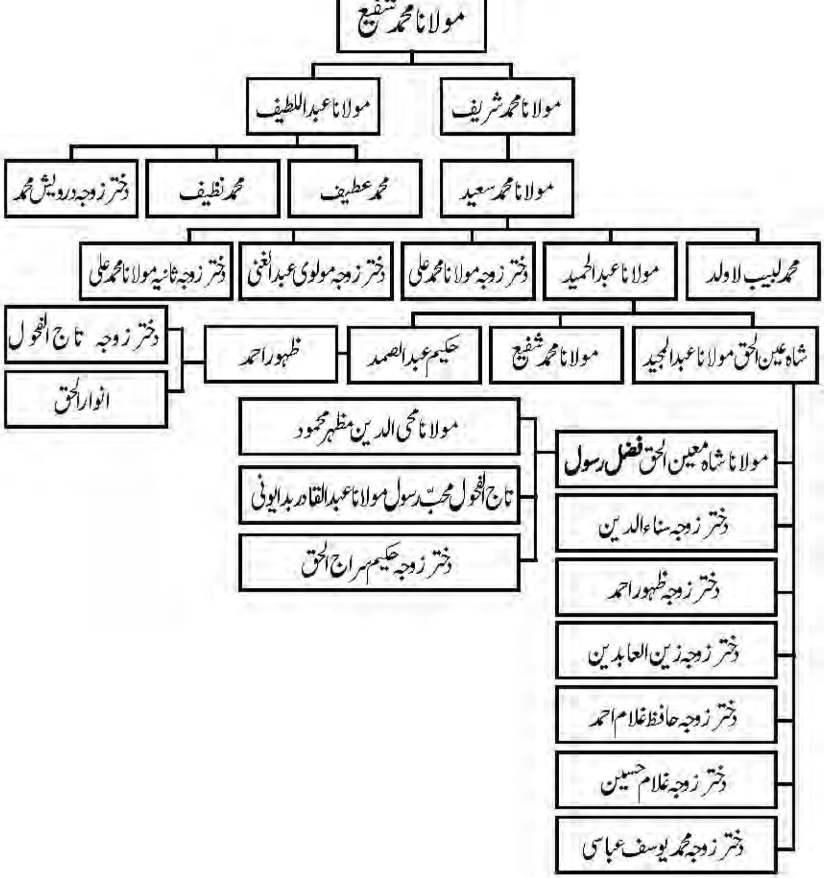


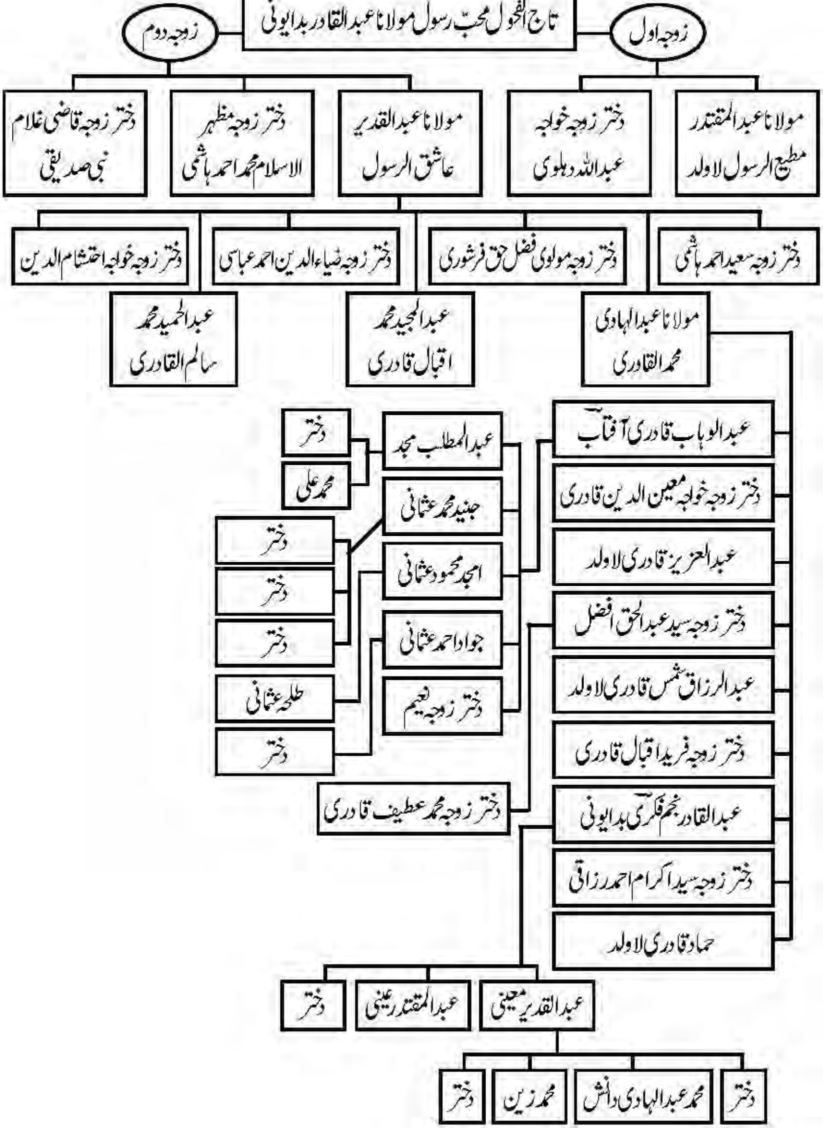
---

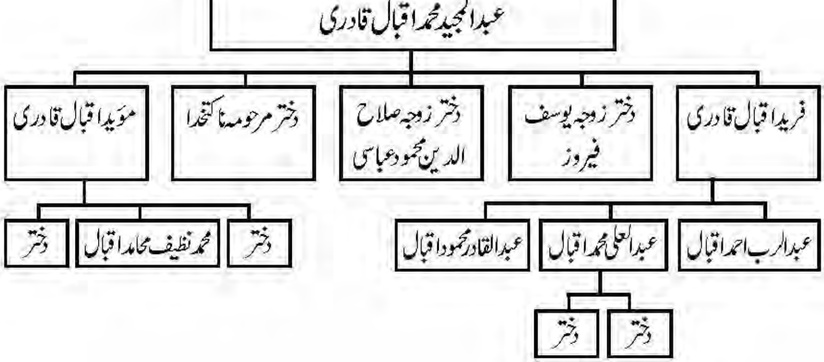
(۱) ۶۰۰ھ میں قطب الدین ایبک کے عہد میں قاضی عساکر کے عہدے پر شمس الدین التمش کی فوج کے ساتھ بدایوں آئے

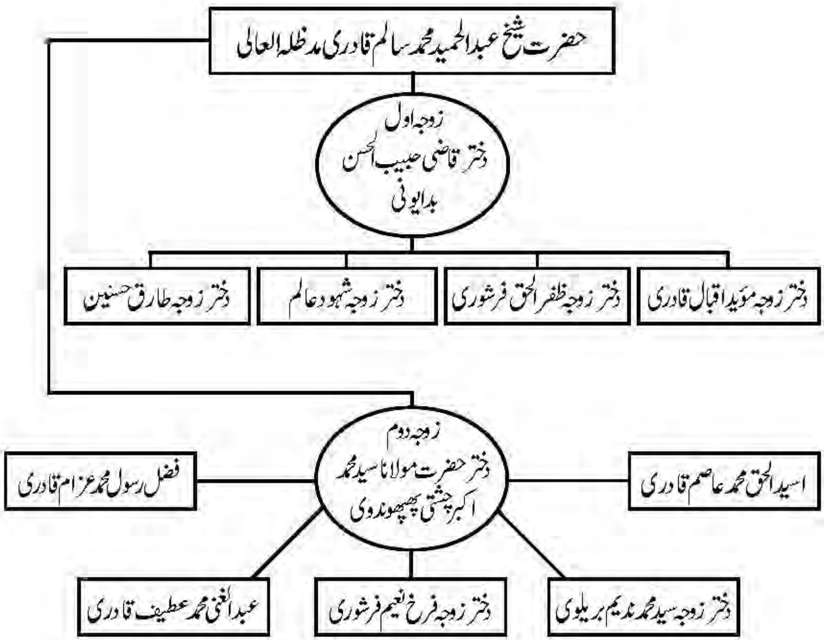
(۲) شیخ عبدالشکور کے فرزند مفتی مرید محمد تھے جن کی اولاد قصبہ اعلیٰ پور میں جا کر آباد ہوئی۔

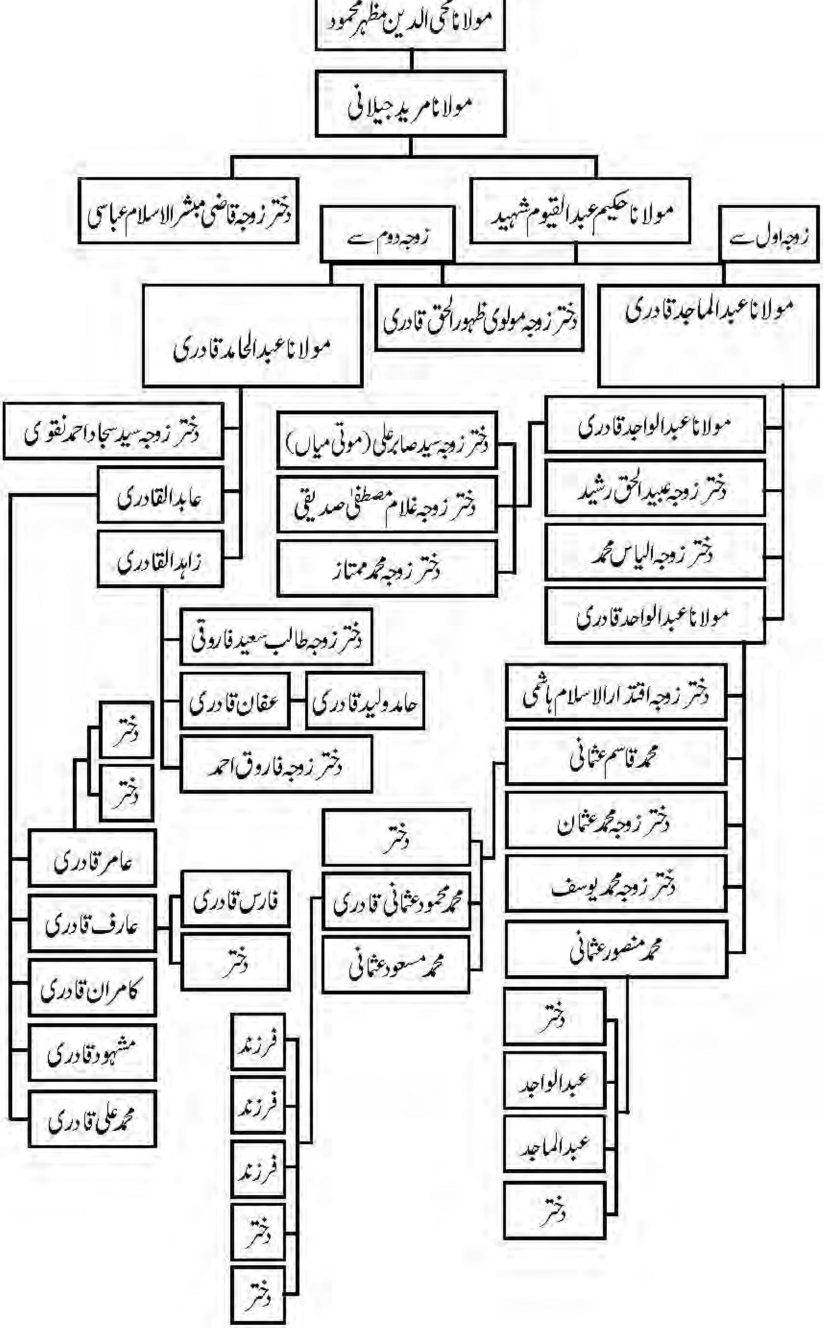
(۳) سلسلہ نمبر ۳۲ پر درج ابوالمعانی کی اولاد نے بریلی میں سکونت اختیار کی۔ امین الدین کی اولاد نے نارنول میں سکونت اور محمد امجد کی اولاد نے بریلی میں سکونت اختیار کی۔ مفتی محمد عوض نے بھی بریلی میں سکونت اختیار کی۔

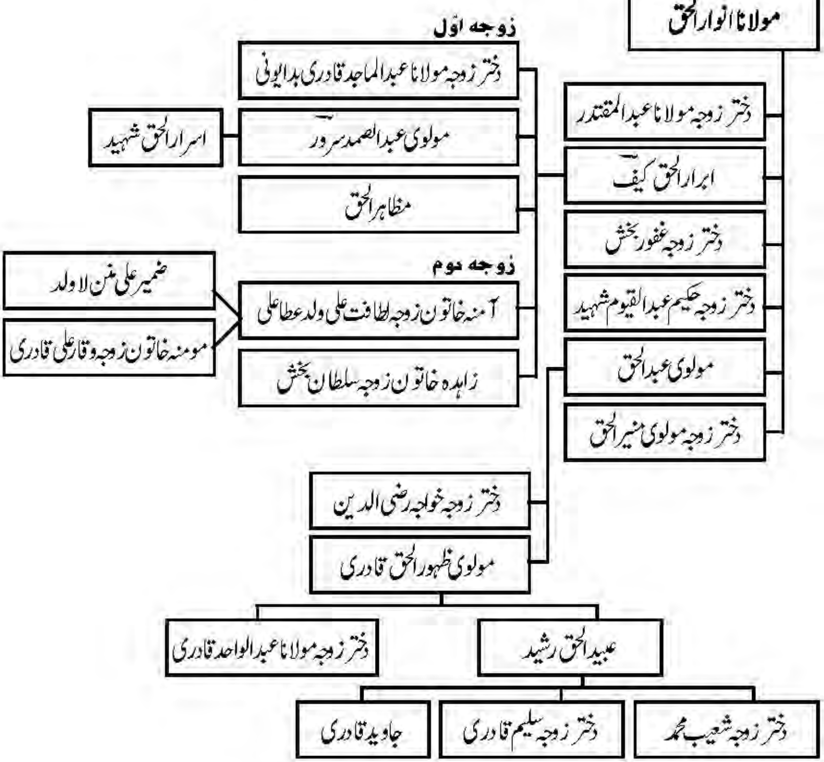

مولانا محمد شفیع
مولانا محمد شریف
مولانا عبداللطیف
مولانا محمد سعید
محمد عطیف
محمد نظیف
دختر زوجہ درویش محمد
محمد لبیب لاولد
مولانا عبدالحمید
دختر زوجہ مولانا محمد علی
دختر زوجہ مولوی عبدالغنی
دختر زوجہ ثانیہ مولانا محمد علی
شاہ عین الحق مولانا عبدالمجید
مولانا محمد شفیع
حکیم عبدالصمد
ظہور احمد
دختر زوجہ تاج الفحول
انوار الحق
مولانا شاہ معین الحق فضل رسول
مولانا محی الدین مظہر محمود
تاج الفحول محبّ رسول مولانا عبدالقادر بدایونی
دختر زوجہ حکیم سراج الحق
دختر زوجہ سناء الدین
دختر زوجہ ظہور احمد
دختر زوجہ زین العابدین
دختر زوجہ حافظ غلام احمد
دختر زوجہ غلام حسین
دختر زوجہ محمد یوسف عباسی

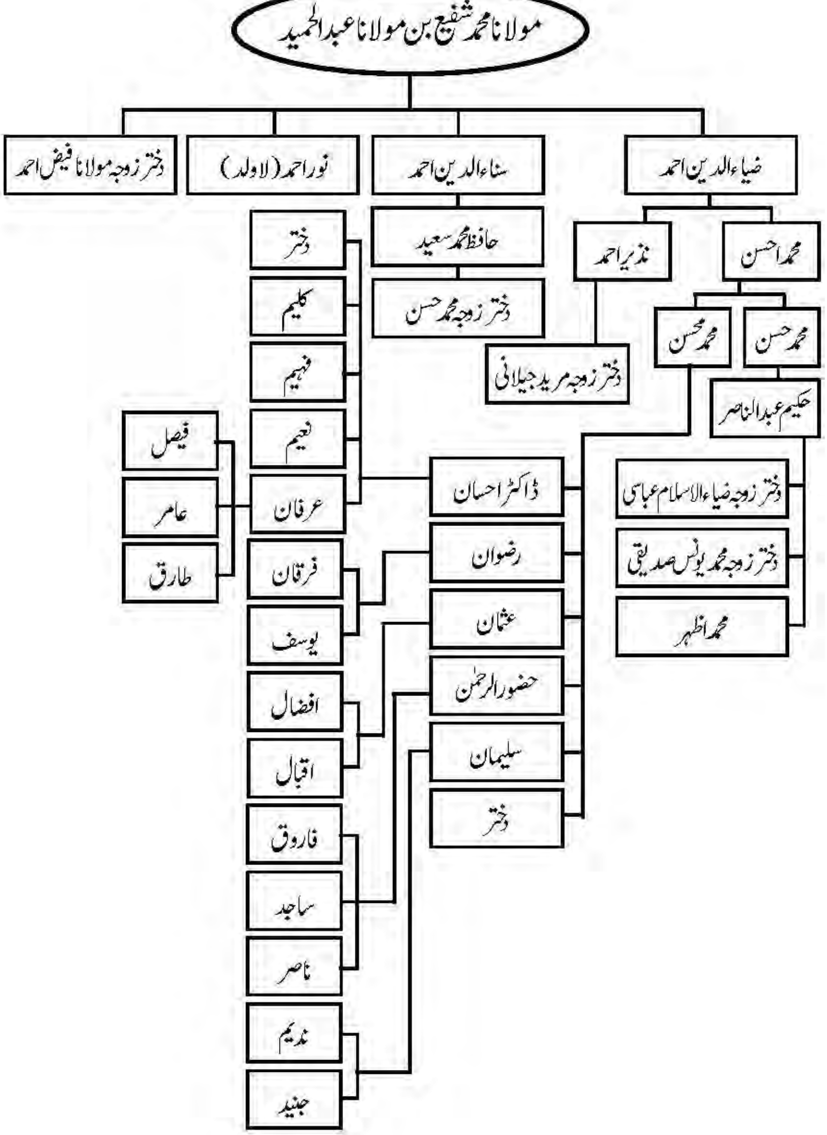

تاج الفحول محبّ رسول مولانا عبد القادر بدایونی
زوجہ اول
زوجہ دوم
مولانا عبد المقتدر مطیع الرسول لاولد
دختر زوجہ خواجہ عبد اللہ دہلوی
مولانا عبد القدیر عاشق الرسول
دختر زوجہ مظہر الاسلام محمد احمد ہاشمی
دختر زوجہ قاضی غلام نبی صدیقی
دختر زوجہ سعید احمد ہاشمی
دختر زوجہ مولوی فضل حق فرشوری
دختر زوجہ ضیاء الدین احمد عباسی
دختر زوجہ خواجہ احتشام الدین
مولانا عبد الہادی محمد القادری
عبد المجید محمد اقبال قادری
عبد الحمید محمد سالم القادری
عبد الوہاب قادری آفتاب
دختر زوجہ خواجہ معین الدین قادری
عبد العزیز قادری لاولد
دختر زوجہ سید عبد الحق افضل
عبد الرزاق شمس قادری لاولد
دختر زوجہ فرید اقبال قادری
عبد القادر نجم فکری بدایونی
دختر زوجہ سید اکرام احمد رزاقی
حماد قادری لاولد
عبد المطلب مجد
جنید محمد عثمانی
امجد محمود عثمانی
جواد احمد عثمانی
دختر زوجہ نعیم
دختر
محمد علی
دختر
دختر
دختر
طلحہ عثمانی
دختر
دختر زوجہ محمد عطیف قادری
عبد القدیر معینی
عبد المقتدر عینی
دختر
دختر
محمد عبد الہادی دانش
محمد زین
دختر


عبدالمجید محمد اقبال قادری
فرید اقبال قادری
دختر زوجہ یوسف فیروز
دختر زوجہ صلاح الدین محمود عباسی
دختر مرحومہ ناکتخدا
مؤید اقبال قادری
عبدالرب احمد اقبال
عبدالعلی محمد اقبال
عبدالقادر محمود اقبال
دختر
دختر
دختر
محمد نظیف محامد اقبال
دختر


حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری مدظلہ العالی
زوجہ اول
دختر قاضی حبیب الحسن
بدایونی
دختر زوجہ مؤید اقبال قادری
دختر زوجہ ظفر الحق فرشوری
دختر زوجہ شہود عالم
دختر زوجہ طارق حسنین
زوجہ دوم
دختر حضرت مولانا سید محمد
اکبر چشتی پھپھوندوی
اسید الحق محمد عاصم قادری
فضل رسول محمد عزام قادری
دختر زوجہ سید محمد ندیم بریلوی
دختر زوجہ فرخ نعیم فرشوری
عبدالغنی محمد عطیف قادری

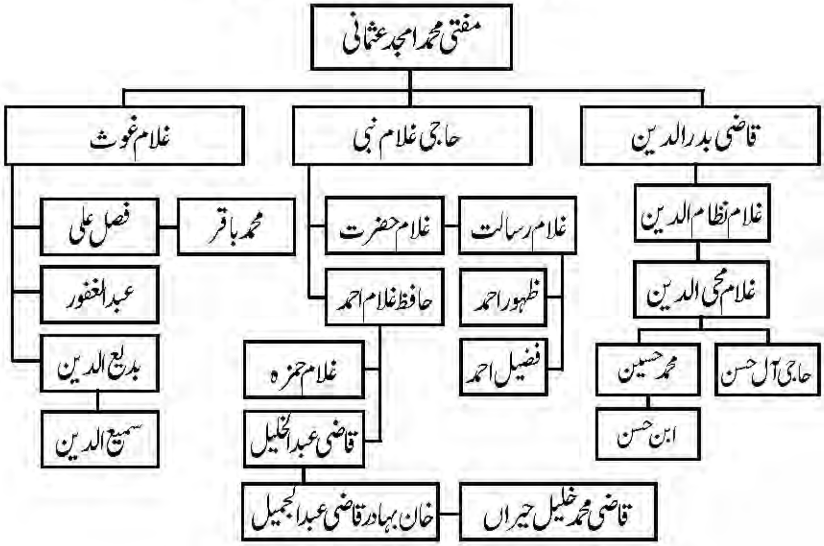

مولانا محی الدین مظہر محمود
مولانا مرید جیلانی
مولانا حکیم عبدالقیوم شہید
دختر زوجہ قاضی مبشر الاسلام عباسی
زوجہ اول سے
زوجہ دوم سے
مولانا عبدالماجد قادری
دختر زوجہ مولوی ظہور الحق قادری
مولانا عبدالحامد قادری
مولانا عبدالواجد قادری
دختر زوجہ عبید الحق رشید
دختر زوجہ الیاس محمد
مولانا عبدالواحد قادری
دختر زوجہ سید صابر علی (موتی میاں)
دختر زوجہ غلام مصطفیٰ صدیقی
دختر زوجہ محمد ممتاز
دختر زوجہ سید سجاد احمد نقوی
عابد القادری
زاہد القادری
دختر زوجہ طالب سعید فاروقی
عفان قادری
حامد ولید قادری
دختر زوجہ فاروق احمد
دختر
دختر
عامر قادری
عارف قادری
فارس قادری
دختر
کامران قادری
مشہود قادری
محمد علی قادری
دختر زوجہ اقتدار الاسلام ہاشمی
محمد قاسم عثمانی
دختر زوجہ محمد عثمان
دختر زوجہ محمد یوسف
محمد منصور عثمانی
دختر
محمد محمود عثمانی قادری
محمد مسعود عثمانی
فرزند
فرزند
فرزند
دختر
دختر
دختر
عبدالواجد
عبدالماجد
دختر

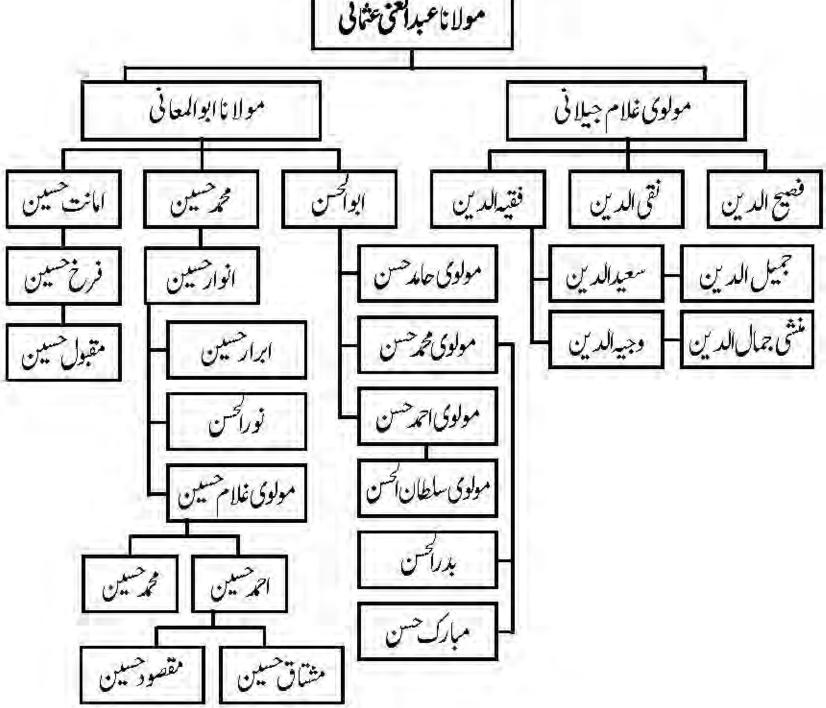

مولانا انوار الحق
دختر زوجہ مولانا عبدالمقتدر
ابرار الحق کیفؔ
دختر زوجہ غفور بخش
دختر زوجہ حکیم عبدالقیوم شہید
مولوی عبدالحق
دختر زوجہ مولوی منیر الحق
زوجہ اوّل
دختر زوجہ مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
مولوی عبدالصمد سرورؔ
اسرار الحق شہید
مظاہر الحق
زوجہ دوم
آمنہ خاتون زوجہ لطافت علی ولد عطا علی
ضمیر علی منن لاولد
مومنہ خاتون زوجہ وقار علی قادری
زاہدہ خاتون زوجہ سلطان بخش
دختر زوجہ خواجہ رضی الدین
مولوی ظہور الحق قادری
دختر زوجہ مولانا عبدالواحد قادری
عبید الحق رشید
دختر زوجہ شعیب محمد
دختر زوجہ سلیم قادری
جاوید قادری

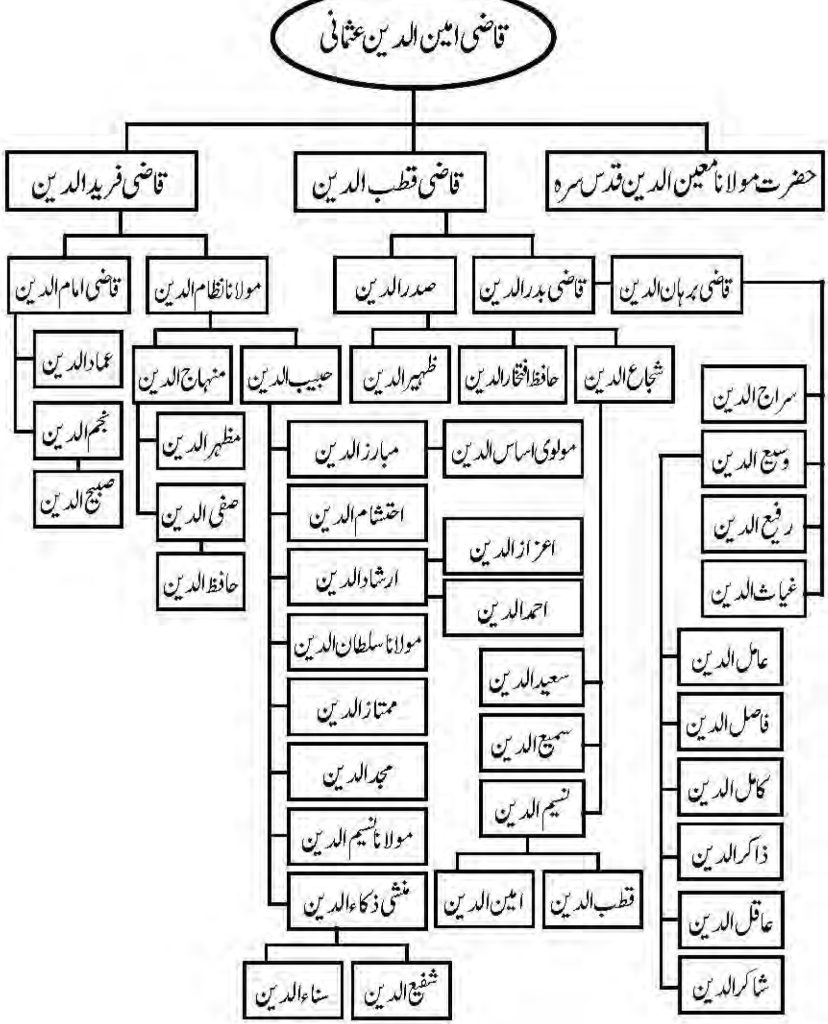


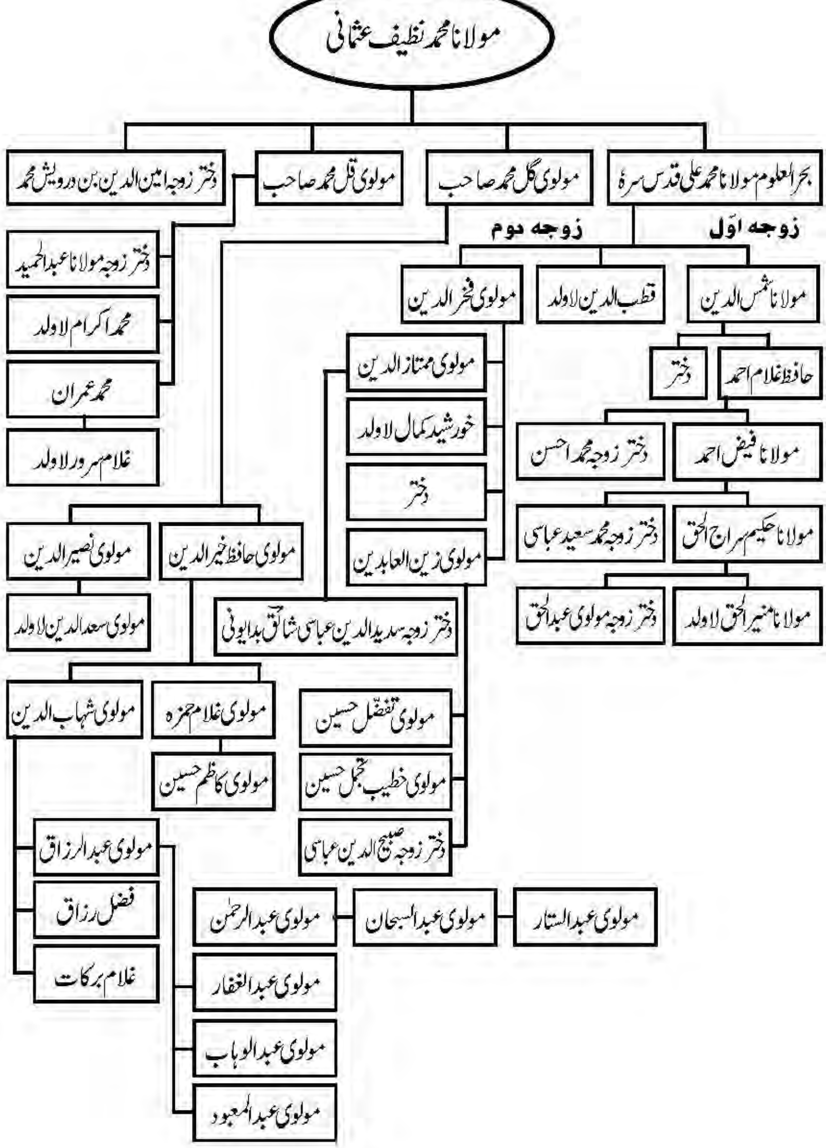
مولانا محمد شفیع بن مولانا عبدالحمید
ضیاءالدین احمد
سناءالدین احمد
نوراحمد (لاولد)
دختر زوجہ مولانا فیض احمد
محمداحسن
نذیراحمد
حافظ محمد سعید
دختر زوجہ محمد حسن
محمد حسن
محمد محسن
دختر زوجہ مرید جیلانی
حکیم عبدالناصر
دختر زوجہ ضیاءالاسلام عباسی
دختر زوجہ محمد یونس صدیقی
محمد اظہر
ڈاکٹر احسان
رضوان
عثمان
حضورالرحمٰن
سلیمان
دختر
دختر
کلیم
فہیم
نعیم
عرفان
فرقان
یوسف
افضال
اقبال
فاروق
ساجد
ناصر
ندیم
جنید
فیصل
عامر
طارق

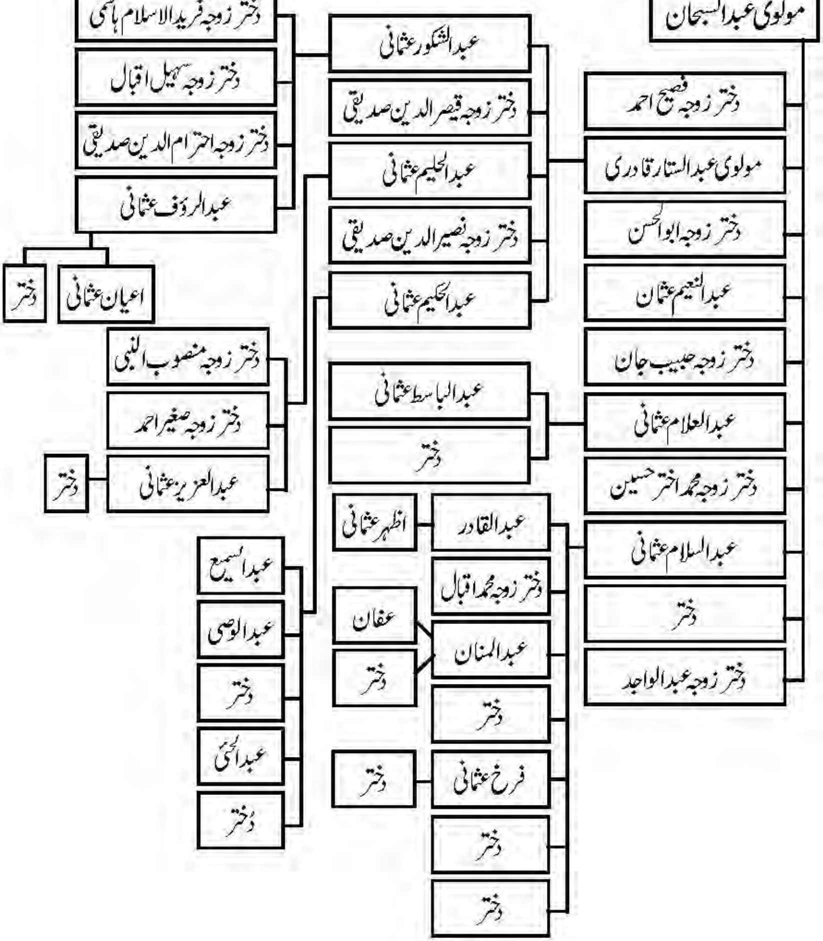
شجرہائے اولاد مفتی درویش محمد عثمانی




مولانا عبدالغنی عثمانی
مولانا ابوالمعانی
مولوی غلام جیلانی
امانت حسین
محمد حسین
ابوالحسن
فقیہ الدین
نقی الدین
فصیح الدین
فرخ حسین
انوار حسین
مولوی حامد حسن
سعیدالدین
جمیل الدین
مقبول حسین
ابرار حسین
مولوی محمد حسن
وجیہ الدین
منشی جمال الدین
نورالحسن
مولوی احمد حسن
مولوی غلام حسین
مولوی سلطان الحسن
محمد حسین
احمد حسین
بدرالحسن
مقصود حسین
مشتاق حسین
مبارک حسن


قاضی امین الدین عثمانی
حضرت مولانا معین الدین قدس سرہ
قاضی قطب الدین
قاضی فرید الدین
قاضی برہان الدین
قاضی بدر الدین
صدر الدین
مولانا نظام الدین
قاضی امام الدین
شجاع الدین
حافظ افتخار الدین
ظہیر الدین
حبیب الدین
منہاج الدین
عماد الدین
سراج الدین
مولوی اساس الدین
مبارز الدین
مظہر الدین
نجم الدین
وسیع الدین
صبیح الدین
صفی الدین
احتشام الدین
رفیع الدین
اعزاز الدین
ارشاد الدین
حافظ الدین
غیاث الدین
احمد الدین
مولانا سلطان الدین
عامل الدین
سعید الدین
ممتاز الدین
فاصل الدین
سمیع الدین
مجد الدین
کامل الدین
نسیم الدین
مولانا نسیم الدین
ذاکر الدین
قطب الدین
امین الدین
منشی ذکاء الدین
عاقل الدین
شفیع الدین
سناء الدین
شاکر الدین


مولانا محمد نظیف عثمانی
بحرالعلوم مولانا محمد علی قدس سرہٗ
مولوی گل محمد صاحب
مولوی قل محمد صاحب
دختر زوجہ امین الدین بن درویش محمد
زوجہ اوّل
زوجہ دوم
مولانا شمس الدین
قطب الدین لاولد
مولوی فخر الدین
دختر
حافظ غلام احمد
مولانا فیض احمد
دختر زوجہ محمد احسن
مولانا حکیم سراج الحق
دختر زوجہ محمد سعید عباسی
مولانا منیر الحق لاولد
دختر زوجہ مولوی عبدالحق
مولوی ممتاز الدین
خورشید کمال لاولد
دختر
مولوی زین العابدین
دختر زوجہ سدید الدین عباسی شائق بدایونی
مولوی تفضّل حسین
مولوی خطیب تجمل حسین
دختر زوجہ صبیح الدین عباسی
دختر زوجہ مولانا عبدالحمید
محمد اکرام لاولد
محمد عمران
غلام سرور لاولد
مولوی نصیر الدین
مولوی سعد الدین لاولد
مولوی حافظ خیر الدین
مولوی شہاب الدین
مولوی غلام حمزہ
مولوی کاظم حسین
مولوی عبدالرزاق
فضل رزاق
غلام برکات
مولوی عبدالرحمٰن
مولوی عبدالسبحان
مولوی عبدالستار
مولوی عبدالغفار
مولوی عبدالوہاب
مولوی عبدالمعبود


مولوی عبدالسبحان
دختر زوجہ فصیح احمد
مولوی عبدالستار قادری
دختر زوجہ ابوالحسن
عبدالنعیم عثمان
دختر زوجہ حبیب جان
عبدالعلام عثمانی
دختر زوجہ محمد اختر حسین
عبدالسلام عثمانی
دختر
دختر زوجہ عبدالواحد
عبدالشکور عثمانی
دختر زوجہ قیصر الدین صدیقی
عبدالحلیم عثمانی
دختر زوجہ نصیر الدین صدیقی
عبدالحکیم عثمانی
عبدالباسط عثمانی
دختر
عبدالقادر
اظہر عثمانی
دختر زوجہ محمد اقبال
عبدالمنان
عفان
دختر
دختر
فرخ عثمانی
دختر
دختر
دختر
دختر زوجہ فرید الاسلام ہاشمی
دختر زوجہ سہیل اقبال
دختر زوجہ احترام الدین صدیقی
عبدالرؤف عثمانی
اعیان عثمانی
دختر
دختر زوجہ منصوب النبی
دختر زوجہ صغیر احمد
عبدالعزیز عثمانی
دختر
عبدالسمیع
عبدالوصی
دختر
عبدالحیٔ
دختر

حادثہ جانکاہ

ابھی اکمل التاریخ نے مطبع سے مکمل ہوکر شرف اشاعت نہ پایا تھا کہ مجلس روزگار میں انقلاب عظیم واقع ہوا۔ مسلمانوں کی قسمت نے پلٹا کھایا۔ میخانہ بغداد میں بے رونقی رونما ہوئی، دربار چشت کی ساری سج دھج تہ و بالا ہوئی یعنی اعلیٰ حضرت امام المسلمین محی الملت والدین تاج الاولیا سراج الاصفیا سید العلما سند الاتقیا سراپا شان رحمت و دو دسلطان مشائخ آفاق سیدی و مولائی غوثی و غیاثی حضرت مولانا شاہ غلام پیر مطیع الرسول محبوب حق محمد عبدالمقتدر القادری العثمانی البدایونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بروز شنبہ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ بوقت فجر بحالت نماز عین سجدہ میں تفسیر و اسجد و اقترب کو عملی طور پر پورا کیا اور اپنے رب سے قرب حقیقی حاصل فرمایا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

حضور اقدس کے وصال سے جو صدمہ عظیم اہل اسلام کو پہنچا اُس کا اظہار دشوار ہے صدہا خطوط اطراف و جوانب ہند سے تعزیت کے چلے آرہے ہیں۔ اس رنج والم میں اگرچہ دل بالکل اختیار سے باہر ہے اور طبیعت بالکل پژمردہ ہو چکی ہے لیکن ہم نے کچھ اپنے تقاضائے جوش عقیدت اور کچھ اپنے برادران طریقت کے اصرار سے حضور اقدس کی سوانح عمری لکھنا شروع کردی ہے جو عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہوکر شائقین کے پیش نظر ہوگی۔

آخر میں ناظرین سے باادب گزارش ہے کہ اکمل التاریخ میں قطع نظر کتابت کی غلطیوں کے جو لغزش یا سہو راقم الحروف سے ظہور پذیر ہوا ہو اُس کو بنظر ترحم معاف فرمائیں گے۔

العفو عند کرام الناس مقبول

نیازمند

بیکس بے ریا محمد یعقوب ضیا قادری بدایونی عفی عنہ

مرتب ایک نظر میں

نام: اسید الحق محمد عاصم قادری عثمانی

پیدائش: مولوی محلّہ بدایوں (یوپی)، ۲۳؍ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/ ۶؍مئی ۱۹۷۵ء

والد گرامی: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری

جد محترم: حضرت مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی ابن تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی ابن مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی

تعلیم: حفظ قرآن

فاضل درس نظامی

الاجازۃ العالیۃ، شعبۂ تفسیر وعلوم قرآن، جامعۃ الازہر الشریف مصر

تخصص فی الافتاء، دارالافتاء المصریۃ قاہرہ مصر

ایم۔اے۔علوم اسلامیہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

مشغلہ: تدریس و تبلیغ، تصنیف و تالیف

قلمی خدمات

تصانیف

(۱) حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں (مطبوعہ)

(۲) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ (مطبوعہ)

(۳) احادیث قدسیہ: اردو، ہندی، انگلش، گجراتی (مطبوعہ)

(۴) عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات (مطبوعہ)

(۵) تحقیق و تفہیم: مجموعۂ مقالات (مطبوعہ)

(۶) خامہ تلاشی: تنقیدی مضامین (مطبوعہ)

(۷) اسلام ایک تعارف: (مطبوعہ) انگلش، ہندی، مراٹھی

(۸) خیرآبادیات (مطبوعہ)

ترجمہ، تخریج، تحقیق

(۹) احقاق حق: مولانا شاہ معین الحق فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۱۰) اکمال فی بحث شد الرحال: مولانا شاہ معین الحق فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۱۱) حرز معظم: مولانا شاہ معین الحق فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۱۲) اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ: مولانا شاہ معین الحق فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۱۳) عقیدۂ شفاعت: مولانا شاہ معین الحق فضل رسول بدایونی (مطبوعہ) اردو، ہندی، گجراتی

(۱۴) فصل الخطاب: مولانا شاہ معین الحق فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۱۵) مناصحة فی تحقیق مسائل المصافحة: تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)

(۱۶) الکلام السدید فی تحریر الاسانید: تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)

(۱۷) رد روافض: تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)

(۱۸) طوالع الانوار (تذکرۂ فضل رسول): مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی (مطبوعہ)

ترتیب وتقدیم

(۱۹) تذکرۂ ماجد (مطبوعہ)

(۲۰) خطبات صدارت: مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی (مطبوعہ)

(۲۱) مثنوی غوثیہ: مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی (مطبوعہ)

(۲۲) علوم حدیث (مطبوعہ)

(۲۳) مولانا فیض احمد بدایونی: پروفیسر محمد ایوب قادری (مطبوعہ)

(۲۴) ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل: مولانا حکیم عبدالقیوم قادری بدایونی (مطبوعہ)

(۲۵) نگارشات محبّ احمد: مولانا محبّ احمد قادری بدایونی (مطبوعہ)

(۲۶) باقیات ہادی: مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی (مطبوعہ)

(۲۷) احوال ومقامات: مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی (مطبوعہ)

(۲۸) مولود منظوم مع انتخاب نعت ومناقب: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۲۹) مفتی لطف بدایونی شخصیت اور شاعری (مطبوعہ)

(۳۰) تذکرۂ نوری: قاضی غلام شبر قادری (مطبوعہ)

(۳۱) اکمل التاریخ: مولانا ضیاء القادری (مطبوعہ)

☆☆☆